يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تفسیر

بُرھان القُرآن

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

مہتمم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر ۵ مانچسٹر ۱۵ انگلینڈ

جلد ہفتم

مکتبہ برہان القرآن

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم دلیل آگئی ہے (النساء ۱۷۴)

تفسیر برہان القرآن

جلد ہفتم

سورۃ المجادلہ تا سورۃ النّاس

مصنف

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یوکے

مکتبہ برہان القرآن

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (النساء ۱۷۴)

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم دلیل آگئی ہے

تفسیر برهان القرآن

جلد هفتم

سُورَۃ المجادلہ تا سُورہ النّاس

[مصنف]

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یوکے

مکتبہ برهان القرآن

Name Book	:	Tafseer Burhan ul Quran	تفسیر برھان القرآن	:	نام کتاب
Author	:	Qari Muhammad Tayyib Naqshbandi	علامہ قاری محمد طیب نقشبندی	:	مصنف
Book	:	7th	ہفتم	:	جلد
Year	:	August 2016	ذوالقعدہ 1437ھ	:	سن اشاعت
Edition	:	1st (2 Color)	اول (2 کلر)	:	ایڈیشن
Publisher	:	Maktaba Burhan ul Quran Data Darbar Market Lahore	مکتبہ برھان القرآن داتا دربار مارکیٹ لاہور 0321-4298570	:	الناشر

ملنے کے پتے

فہرست

2B

سورۃ المجادلہ

ترتیب نزول کے اعتبار سے سورۃ المجادلہ قرآن کریم کی 105 ویں سورت ہے، جو سورہ منافقون کے بعد اور سورہ حجرات سے قبل نازل ہوئی۔ یہ مکمل مدنی سورت ہے۔ اور ترتیب تلاوت میں یہ 58 ویں نمبر پر ہے۔ اسے سورۂ مجادلہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی پہلی آیت میں ایک عورت کا حضور ﷺ کے ساتھ مجادلہ (بحث و تکرار) کرنے کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَا الخ (مجادلہ، ۱)

اس سورت میں 3 رکوعات، 22 آیات، 473 کلمات اور 1792 حروف ہیں۔

مضامین

سورہ مجادلہ کے پہلے رکوع میں اس عورت کا ذکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے شوہر کی شکایت کی کیونکہ اس کے شوہر نے اس سے ظہار کیا تھا، جو طلاق کی ایک نوعیت ہے۔ اس کے بعد کفارۂ ظہار کا بیان ہے کہ ساٹھ روزے رکھے جائیں، ساٹھ مساکین کو کھانا دیا جائے یا غلام آزاد کیا جائے۔ اس کے بعد اور اللہ و رسول کی دشمنی کا انجام بد بتایا گیا ہے، کہ انہیں اللہ روز قیامت ان کے اعمال کی خبر دے گا، کیونکہ وہ اپنے اعمال کو بھول گئے ہیں۔ مگر اللہ نے ان کے اعمال کو مکمل طور پر گھیر رکھا ہے، کیونکہ اللہ ہر چیز پہ گواہ ہے۔

دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ کا علم بتایا گیا، پھر حکم فرمایا گیا کہ اے مومنو! جب کوئی مشاورت کرو تو وہ نیکی اور اطاعت رسول پہ مبنی ہونی چاہیے، معصیت رسول ﷺ اور سرکشی پہ نہیں اور مجلس میں ایک دوسرے کو بیٹھنے کی جگہ دیا کرو اور جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی اہم مشورہ کرو تو پہلے اللہ کی راہ میں انفاق کرو، پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا، مگر اس پہ مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی عمل نہ کر سکا۔

جبکہ آخری رکوع میں منافقین کی منافقت بیان کی گئی اور بتایا گیا کہ وہ جھوٹی قسمیں اٹھا کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ان کا اُخروی انجام بد بیان کیا گیا ہے۔ پھر بتایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے لیے غلبہ رکھا گیا ہے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاص، ایثار اور ان کی محبت خدا و مصطفیٰ ﷺ بیان کی گئی اور ان کے لیے اعلیٰ ترین جنتی درجات ذکر کیے گئے۔ اور اللہ جل شانہٗ نے ان سے اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا گیا ہے کہ یہی لوگ اللہ کی جماعت ہے اور اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۲۲ ۵۸ سُوْرَۃُ الْمُجَادِلَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۵ رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ

یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو (اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ سے جھگڑتی اور اللہ کے حضور شکایت لاتی تھی۔ اور اللہ

يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اور اللہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے [1]

کفارۂ ظہار کا بیان

[1] ان آیات کے نزول کے بارے میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا: برکت والا ہے اللہ، جس کی سماعت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، میں خولہ بنت ثعلبہ کی کچھ باتیں سن رہی تھی اور کچھ باتیں مجھے سنائی نہیں دے رہی تھیں (ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر میں تیل لگا رہی تھیں) حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکوہ کر رہی تھیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نے میری جوانی نگل لی، اس کے لئے میرا پیٹ پھول گیا، جب میری عمر زیادہ ہوگئی اور مجھ سے اولاد ہونے کا سلسلہ بند ہوگیا تو اب اس نے مجھ سے ظہار کیا ہے (یعنی کہا ہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی ظہر (پشت) کی طرح ہو کہ جیسے میں اپنی ماں کی پشت سے کپڑا نہیں اٹھا سکتا یونہی میں تمہارے پاس جانے کو بھی خود پر حرام کرتا ہوں) اے اللہ! میں تیرے حضور اپنا شکوہ لاتی ہوں۔ ابھی وہ باتیں کر رہی تھیں کہ یہ آیات نازل ہوگئیں: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا الخ

(ابن ماجہ مقدمہ باب ۱۳)

ایک روایت کے مطابق خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا اپنے بچے بھی ساتھ لائی تھی اور کہہ رہی تھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب یہ بچے کدھر جائیں گے؟ ابھی وہ یہی باتیں کر رہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت سے کہا: کیا تم چپ نہ ہوگی؟ دیکھتی نہیں ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے آثار نمودار ہوگئے ہیں؟ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۷۲)

مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بعض بڑے صحابہ کے ساتھ کہیں جارہے تھے، راستہ میں یہی حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا ملیں۔ انہوں نے آپ کو ٹھہرالیا۔ آپ نہایت انہماک سے کافی دیر تک ان کی باتیں سنتے رہے، بعد میں ایک شخص نے کہا: اے امیر المومنین! آپ نے اس بڑھیا کی وجہ سے قریش کے اتنے لوگوں کو کھڑا کئے رکھا۔ آپ نے فرمایا تم پر افسوس، تم نہیں جانتے خفیہ آواز والی یہ وہ عورت ہے جس کا شکوہ اللہ رب العزت نے سات آسمانوں کے اوپر سنا، یہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا ہیں، واللہ! اگر یہ عورت رات تک مجھ سے باتیں کرتی رہتی تو میں سنتا رہتا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۴۲ حدیث ۱۸۸۴۴)

اس آیت سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) اللہ تعالیٰ خفیہ سے خفیہ آواز بھی سنتا ہے:

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی آہستہ سرگوشی کی کہ پاس بیٹھی ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہ سن سکیں، مگر اللہ تعالیٰ نے سب کچھ سن لیا اور جواب بھی اسی وقت اُتار دیا۔ بے شک وہ سمیع وبصیر ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی زبان سے جھوٹ غیبت یا گالی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا خوف محسوس کرنا چاہیے، اور یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہماری ہر بات سن رہا ہے۔ اور ہمارے منہ سے نکلنے والے ہر لفظ کا حساب ہوگا۔

(2) اسلام میں عورت کا مقام:

اللہ تعالیٰ نے بظاہر ایک عام عورت کی فریاد بقول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سات آسمانوں پر سے سنی اور جواب دیا۔ گویا اللہ رب العزت جیسے مردوں کی فریاد سنتا ہے عورتوں کی بھی سنتا ہے، اس کی بارگاہ میں مرد و عورت ایک ہی مقام رکھتے ہیں۔ اس کا ارشاد ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ط ''بیشک اللہ کے ہاں تم میں سے معزز تر وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔'' (حجرات، ۱۳) مگر افسوس ہے کہ اسلام کے بارے میں مغربی پریس یہ غلط فہمی (Misconception) پھیلا رہا ہے کہ اسلام میں عورت کو پست تر مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ اسلام نے گھر کے بعض انتظامی معاملات میں مرد کو عورت پر فوقیت دی ہے اور اس میں عورت ہی کا تحفظ مقصود ہے، ورنہ شرف انسانیت میں عورت مرد کے برابر ہے۔ اور اللہ کے ہاں دونوں کے عمل کا ایک ہی مقام ہے۔

(3) اخلاق محمدیہ:

اس تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا سے پتہ چلا کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اپنا جھگڑا بے دھڑک پیش کرتی ہے، اسے کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ آپ کے خلفاء راشدین کا بھی یہی طریقہ رہا کہ ہر آدمی کی ان تک بے روک ٹوک رسائی تھی، اس کی بات سنی جاتی تھی اور اسے انصاف ملتا تھا۔ افسوس، اس کے بعد مسلم حکمرانوں کا رویہ بدلتا گیا پھر ایسی ظالم بادشاہتیں آگئیں کہ بادشاہ کے حضور اس کی مرضی کے خلاف کوئی شخص ہونٹ نہیں کھول سکتا تھا۔ اور اب تک یہی

طریقہ آ رہا ہے ایسے میں ان سے انصاف کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ

جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں

اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ

جنہوں نے انہیں جنم دیا۔ وہ بری بات کہتے اور جھوٹ بولتے ہیں۔ بے شک

اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۲﴾ وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا

اللہ معافی دینے والا بخشنے والا ہے [2] اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی بات کی طرف

قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

لوٹتے ہیں تو ان پر ایک غلام کا آزاد کرنا لازم ہے اس سے قبل کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو چھوئیں، تمہیں اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۳﴾ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ

تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ پھر جو شخص غلام نہ پائے، اس پر لگاتار دو مہینوں کے روزے لازم ہیں اس سے

قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ

قبل کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو چھوئیں۔ پھر جو یہ طاقت نہ رکھے اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے، یہ اس لئے

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴﴾

ہے تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور یہ اللہ کی (بیان کردہ) حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔[3]

[2] یعنی جس طرح حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے شوہر نے ان سے ظہار کرتے ہوئے انہیں اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دی، اس طرح جو شخص بھی تشبیہ دے، اس سے اس کی بیوی اس کی ماں نہیں بن سکتی، نہ ماں کی طرح اس پر حرام ہو جاتی ہے نہ طلاق واقع ہوتی ہے، ماں تو وہی ہے جس نے اسے جنم دیا ہے بلکہ یہ ایک جھوٹا اور برا قول ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا چاہیے وہ معافی دینے والا بخشنے والا ہے۔ دراصل اہل عرب عموماً ظہار کر لیتے اور اسے طلاق سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ظہار ہے اس سے طلاق نہیں ہوتی، البتہ اس کا کفارہ لازم آتا ہے جو

اگلی آیات میں بتایا گیا ہے۔

[3] بیوی سے کہنا کہ تم میرے لیے اس طرح ہو جیسے مجھ پر میری ماں بہن یا بیٹی خالہ یا پھوپھی کی پشت، پیٹ یا ران ہے، ظہار کہلاتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی کسی محرم عورت جیسے ماں بیٹی بہن وغیرہ کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے، جسے وہ دیکھ نہیں سکتا جیسے پشت، پیٹ یا ران وغیرہ، تو اسے ظہار کہتے ہیں، یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ مگر یہ طلاق نہیں ہے، اور شوہر جب تک اس کا کفارہ نہ ادا کرے وہ بیوی سے مباشرت نہیں کرسکتا اور اگر مباشرت کرے تو وہ فعل حرام کا مرتکب ہے، جس پر استغفار لازم ہے اور کچھ لازم نہیں۔

(کنز الدقائق صفحہ ۱۳۸ کتاب الطلاق باب الظہار)

کفارۂ ظہار کی تفصیل

ظہار کا کفارہ یہ ہے کہ شوہر سب سے اول غلام آزاد کرے، خواہ غلام مومن ہو یا کافر۔ کیونکہ قرآن نے غلام کے ساتھ مومن کی قید نہیں رکھی۔ البتہ وہ اندھا اپاہج اور مجنون وغیرہ نہ ہو۔ اگر غلام نہ ملے یا کسی غلام کا وجود دنیا سے اُٹھ گیا ہو جیسے موجودہ صورتحال ہے تو پھر دو ماہ تک یعنی ساٹھ دن مسلسل روزے رکھے۔ اور ضروری ہے کہ درمیان میں رمضان یا ایام ممنوعہ (یعنی عید الفطر عید الاضحیٰ اور 12 اور 13 ذی الحجہ) نہ آئیں۔ اگر اس نے ایک کم ساٹھ (انسٹھ) روزے رکھے تھے کہ بیوی سے مباشرت کرلی، یا رمضان یا ایام ممنوعہ آگئے تو نئے سرے سے ساٹھ روزے شروع کرے۔ اور اگر زیادہ بوڑھا یا بیمار و لاغر ہے کہ مسلسل ساٹھ روزے نہیں رکھ سکتا، تو ساٹھ مساکین کو دو وقت کھانا کھلا دے یا ہر مسکین کو ایک صدقۂ فطر کی رقم دے دے، یہ جائز نہیں کہ ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن کھانا کھلا دے یا ساٹھ صدقہ ہائے فطر دے دے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا، انہوں نے عرض کیا: میرے پاس غلام نہیں کہ آزاد کروں، آپ نے فرمایا: پھر تم مسلسل دو ماہ روزے رکھو، انہوں نے عرض کیا: میں بوڑھا آدمی ہوں میں یہ نہیں کرسکتا، میں تو دن میں اگر تین بار نہ کھاؤں تو مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر تم ساٹھ مساکین کو کھانا کھلاؤ، انہوں نے عرض کیا: میرے پاس یہ گنجائش بھی نہیں ہے۔ اتنے میں ایک شخص کچھ کھجوریں لے آیا۔ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہ کھجوریں دیں اور فرمایا: یہ لو اور انہیں حاجت مندوں میں تقسیم کردو، انہوں نے کہا مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کے درمیان مجھ سے زیادہ کوئی حاجت مند ہی نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو جاؤ تم کھالو اور تمہارے گھر والے کھالیں۔ (درمنثور عن ابن حمید جلد ۸ صفحہ ۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار ہیں جو چاہیں حکم فرمائیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ کسی شخص کو شرعی حکم میں سے رعایت دیدیں، یہ صرف آپ کے لیے ہے، کوئی اور شخص یہ اختیار نہیں رکھتا۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) اسلام غلاموں کی آزادی پہ زور دیتا ہے:

قرآن نے کفارہ ظہار، کفارہ قسم اور قتل خطاء کے کفارہ میں غلام کا آزاد کرنا لازم ٹھہرایا تا کہ زیادہ سے زیادہ غلام آزاد ہوں۔ اور مسلمانوں نے اس قدر غلام آزاد کئے کہ آہستہ آہستہ ان کا وجود ہی دنیا سے مٹ گیا۔ اس کے باوجود اسلام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام نے غلامی کی حوصلہ افزائی کی ہے، یہ بہتان تراشی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(2) ختم نبوت:

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط اور اگلی آیت میں اَلَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سے معلوم ہوا کہ قرآن جن لوگوں کے لئے اُترا ہے، ان کے لئے ایک ہی رسول ہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ۔ تاہم آپ کے علاوہ تیس دجال و کذاب مدعیان نبوت پیدا ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرتے ہیں وہ رسوا کئے گئے ہیں جیسے ان سے پہلے لوگ رسوا کئے گئے
وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ط وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٥ ج يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ
اور ہم نے واضح آیات نازل کی ہیں اور کافروں کے لئے ذلت والا عذاب ہے جس دن اللہ سب
اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ط اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کا وہ عمل بتائے گا جسے اللہ نے گھیر رکھا ہے اور وہ اسے بھول گئے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز
شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝٦ ع
پر گواہ ہے[4]

[4] یہ اگلے رکوع کے مضمون کے لئے تمہید ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین کی طرح جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مخالفت کریں انہیں اللہ رسوا کرے گا جیسے پہلے انبیاء سے مخالفت کرنے والوں کو رسوا کیا گیا اور ان کے لئے آخرت میں بھی ذلت آمیز عذاب جہنم ہے۔ اس دن اللہ ان پر ان کے سارے کرتوت ظاہر کر دے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے، جب بھی تین آدمیوں

مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰى

کی باہم سرگوشی ہو تو اللہ ان کا چوتھا (ساتھی) ہوتا ہے اور جو پانچ ہوں تو وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے۔ اور کوئی

مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا

اس سے کم یا زیادہ تعداد ایسی نہیں ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہ ہو وہ جہاں بھی ہوں [5] پھر وہ روز قیامت انہیں ان کے

عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۞ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

عمل کے بارے میں بتا دے گا، اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے کیا تم نے وہ لوگ نہ دیکھے

نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ

جنہیں (بری) سرگوشی سے منع کیا گیا، پھر وہ اسی کام کی طرف لوٹتے ہیں جس سے انہیں روکا گیا اور وہ گناہ،

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ

سرکشی اور نافرمانی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خفیہ مشاورت کرتے ہیں اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو یوں آداب بجا لاتے ہیں جو

بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِىۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ

اللہ نے حکم نہیں دیا اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اللہ ہماری بات پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ ان کے لئے

جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞

جہنم کافی ہے جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ کیا ہی برا انجام ہے۔ [6]

مشاورت اور مجلس کے آداب کا بیان

[5] جیسے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی میں بات کرنے والی عورت کی بات سن لی، اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے کہ جب بھی کوئی تین، پانچ یا کم وبیش لوگ باہم خفیہ سرگوشی کریں تو وہ اس بات کو ضرور ذہن میں رکھیں کہ اللہ بھی ان کے ساتھ ہے، خواہ وہ کتنے ہی خفیہ مقام میں سرگوشی کریں اور روز قیامت اللہ انہیں بتادے گا کہ وہ دنیا میں کیا خفیہ کام کرتے رہے، کیونکہ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ۝۸۰ ''کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی رازداری اور خفیہ سرگوشی کو نہیں جانتے؟ کیوں نہیں بلکہ ہمارے مقرر کردہ فرشتے ان کے پاس لکھتے ہیں۔'' (زخرف، ۸۰) ایک اور جگہ یہ فرمایا گیا: اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۝۷۸ ''کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کے ہر راز اور سرگوشی کو جانتا ہے اور اللہ سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔'' (توبہ، ۷۸)

لہٰذا مومن کو کسی دوسرے مومن کے خلاف خفیہ پلان بنا کر اسے تکلیف دینے اور رسوا کرنے سے باز رہنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری ہر خفیہ سے خفیہ سرگوشیوں کو سن رہا ہے۔

[6] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت منافقین اور یہود کے بارے میں اُتری۔ وہ باہم رازدارانہ باتیں کرتے اور قریب سے گزرتے ہوئے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے تھے (یعنی وہ مسلمانوں کے خلاف پلان بناتے تھے جو گناہ وسرکشی اور نافرمانی رسول پر مبنی ہوتا تھا)۔ ان کی یہ حرکتیں مسلمانوں کو غصہ دلاتی تھیں، انہوں نے یہ ماجریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے یہود ومنافقین کو ایسی حرکتوں سے باز آجانے کا کہا، مگر وہ نہ رُکے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۲۹۱)

یہود کا ایک اور بُرا عمل یہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر گستاخانہ انداز میں سلام کہتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک بار یہود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے السَّامُ عَلِيْكَ يا ابا القاسم۔ اے ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ پر سام (موت) ہو (معاذ اللہ)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے غصے میں کہا: السامُ علیکم و فَعَلَ اللہ بکم و قد فعل تم پر موت ہو، اللہ تمہیں سزا دے اور وہ دے رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! چپ رہو اللہ کو فحش گوئی پسند نہیں ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے انہیں کیا جواب دیا؟ میں نے انہیں وعلیکم کہا ہے (یعنی تم پر بھی موت ہو) تب یہ آیت نازل ہوئی وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ الخ (بخاری کتاب التفسیر سورہ مجادلہ) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیارے نبی! یہ یہود جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام نہیں کہتے جیسے اللہ نے آپ کی خدمت میں سلام کہنے کا حکم فرمایا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے (وعلیکم کہہ کر) ان کی بات انہی پر لوٹا دی ہے۔ ہماری دعا ان کے خلاف ضرور قبول ہو گی اور ان کی دعا ہمارے خلاف قبول نہیں ہوسکتی۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۸۳)

یہود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اَلسَّام علیکم کہہ کر اپنے دل میں سوچتے کہ ہم انہیں گالی دیتے ہیں اگر یہ اللہ کے سچے

رسول ہیں تو اللہ ہمیں اس پر عذاب کیوں نہیں دیتا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے، یعنی انہیں آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔

کیا کفار کے سلام کا جواب دینا چاہیے؟

حضرت عبداللہ ابن عباس، قتادہ اور شعبی رضی اللہ عنہم کے نزدیک ان کے سلام کا جواب لازم ہے، یعنی اگر وہ سلام کہیں تو جواب میں وعلیکم السلام کہنا چاہیے، مگر ابن وھب اور امام مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ان کے جواب میں صرف وعلیکم کہنا چاہیے اور اگر کچھ بھی نہ کہا جائے تو بھی حرج نہیں ہے اور یہی بات حدیث کے مطابق ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اہل کتاب تمہیں سلام کہیں تو تم جواب میں وعلیکم کہہ دیا کرو (جس کا مطلب یہ ہے کہ جو تم نے کہا وہی تم پہ ہو)۔'' (صحیح بخاری کتاب الاستیذان باب ۲۲)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کا نام اس لیے لیا کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں یہود ہی رہتے تھے تو آپ نے ان کا ذکر فرمایا، ورنہ علماء کے نزدیک اس بارے میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کا فرق نہیں ہے، مطلقاً ہر کافر کے سلام کے جواب میں وعلیکم ہی کہنا چاہیے۔ (عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۳۱۵ کتاب الکراہیہ باب فی السلام)

اس میں حکمت یہ کہ سلام اور سلام کا جواب یہ اہل اسلام کا شعار ہے۔ اس کا استعمال غیر اہل اسلام کے لیے درست نہیں ہے، لہٰذا کسی کافر کو سلام کہنا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی کافر سلام کہہ دے تو بدلے میں صرف وعلیکم ہی کہا جائے۔

اس آیت سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) مسلمانوں کے خلاف خفیہ پلان کرنے والوں کو خدائی تنبیہ:

یہود و منافقین کی طرح مسلمانوں کے خلاف خفیہ پلان بنانے والی طاغوتی طاقتوں کے لئے یہاں خدائی تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے سب پلان جانتا ہے، اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ اور وہ ایسی قوتوں کو جلد یا بدیر ضرور پکڑ لیتا ہے۔

(2) گستاخی رسول کی سزا جہنم ہے:

یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گستاخانہ سلام کہا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جہنم کا مژدہ سنایا (حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ) کیونکہ آپ کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی کفر ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اونچی آواز کے ساتھ بے ادبانہ گفتگو بھی سب اعمال کو ضائع کر دیتی ہے۔ (حجرات، ۲)

(3) سلام کے الفاظ درست کہنے چاہئیں:

یہود نے السلام کی جگہ السام کہا تو اللہ تعالیٰ نے اسکا رد فرمایا۔ اور آج ہم مسلمان السلام کو بگاڑ کر کیا سے کیا کہتے ہیں۔ سلامَ لیکم، سامَ لیکم، سام اور نہ جانے کیا کیا، ہمارے بہت سے اردو پنجابی بولنے والے مسلمان صریح تلفظ کے ساتھ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ نہیں کہتے، یہ عظیم غفلت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

اے ایمان والو! جب تم باہم خفیہ مشاورت کرو تو گناہ، سرکشی اور نافرمانی رسول کی

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ

مشاورت نہ کرو، بلکہ نیکی اور تقویٰ کی مشاورت کرو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم اٹھائے

تُحْشَرُوْنَ ۝۹ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ

جاؤ گے [7] (بری) سرگوشی تو شیطان کی طرف سے ہے تاکہ اس سے ایمان والے پریشان ہوں اور وہ

بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰

اللہ کے حکم کے بغیر انہیں کچھ نقصان نہیں دے سکتا۔ اور اللہ ہی پہ مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے [8]

[7] یعنی یہود و منافقین گناہ و سرکشی اور معصیت رسول (ﷺ) کی مشاورت کرتے ہیں مگر اے مسلمانو تم ایسی مشاورت کرنے کی بجائے جب بھی مشاورت کرو تو نیکی و تقویٰ اور اطاعت رسول ﷺ کی مشاورت کرو اور مشاورت کرتے ہوئے یاد رکھو کہ تم اللہ کے ہاں ایک دن پیش کیے جاؤ گے لہٰذا اللہ کا خوف رکھ کر کسی بھی کام کی مشاورت کرو۔

معلوم ہوا اسلام میں مشاورت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یعنی مشاورت کے لیے مختلف ادارے اور کمیٹیاں بنائی جانی چاہئیں، خواہ وہ ملکی پارلیمینٹ کی صورت میں ملکی مسائل پر مشاورت ہو یا صوبائی و علاقائی سطح پر مشاورت فورمز کی صورت میں علاقائی مسائل پر مشاورت ہو، الغرض ان تمام اداروں کا قیام مشاورت ہی کے لیے ہے۔ اور چاہیے کہ ہر ادارہ اور ہر گھر مشاورت سے کام کرے مگر اس میں کسی مسلمان فرد یا جماعت کو نقصان پہنچانے کی بات نہ ہو، بلکہ نیکی و تقویٰ کی مشاورت ضروری ہے۔

[8] معلوم ہوا ایسی خفیہ مشاورت یا رازداری جو کسی دوسرے مسلمان کے لئے پریشان کن ہو جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم تین آدمی ہو، تو دو آدمی تیسرے ساتھی کو چھوڑ کر باہم سرگوشی نہ کریں، کیونکہ اس طرح اسے پریشانی ہوتی ہے۔'' (صحیح بخاری کتاب الاستیذان باب ۴۷)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قِيۡلَ لَكُمۡ تَفَسَّحُوۡا فِى الۡمَجٰلِسِ فَافۡسَحُوۡا

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں فراخی کرو تو فراخی کر دو

يَفۡسَحِ اللّٰهُ لَكُمۡ‌ۚ وَاِذَا قِيۡلَ انْشُزُوۡا فَانْشُزُوۡا يَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

اللہ تمہارے لئے فراخی کرے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ۔ اللہ تم میں سے ایمان والوں کے

مِنۡكُمۡ ۙ وَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۱۱﴾

اور جنہیں علم دیا گیا ان کے درجات بلند فرمائے گا اور اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے [9]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَاجَيۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ

اے ایمان والو! جب تم رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے رازداری کرو تو اپنی رازداری سے قبل

صَدَقَةً‌ؕ ذٰ لِكَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ وَاَطۡهَرُ‌ؕ فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ

صدقہ کرو یہ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ عمل ہے، پھر اگر تم نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا

رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقٰتٍ‌ؕ فَاِذۡ

مہربان ہے۔ کیا تم اس سے ڈرتے ہو کہ اپنی رازداری سے قبل صدقہ پیش کرو؟ پھر جب

لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيۡعُوا

تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تم سے درگزر فرما دی تو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے

اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ‌ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳﴾

رسول کی اطاعت کرو اور اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے [10]

[9] جب مشاورت کی بات چلی تو مشاورت کسی مجلس ہی میں ہوتی ہے تو مجلس میں بیٹھنے کے آداب بھی آداب مشاورت ہی میں داخل ہیں تو فرمایا کہ اے مومنو! جب تم کسی مجلس میں ہو اور تمہیں کہا جائے کہ نئے آنے والوں کے لئے جگہ بناؤ تو جگہ بنایا کرو اور اگر کوئی علم و فضل والا شخص آ جائے اور کہا جائے کہ اس کے لئے جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاؤ تو

ضرور چلے جاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور علم والوں کے درجات بڑھاتا ہے یعنی جس طرح مومن کو غیر مومن پر فضیلت ہے یونہی مومنین میں سے علم والوں کو غیر صاحب علم لوگوں پر فضیلت ہے۔

حضرت مقاتل رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ یہ آیت جمعہ کے دن اُتری۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفہ میں تھے، بعض بدری صحابہ دیر سے آئے ان کے لئے جگہ نہ بچی تھی وہ کھڑے ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بدر کی زیادہ تکریم فرماتے تھے آپ نے بعض غیر بدری صحابہ سے فرمایا کہ تم اٹھ جاؤ اور اہل بدر کو جگہ دو، وہ اٹھ گئے اور ان کے چہروں پہ ناگواری تھی۔ منافقین نے ان سے کہا تم سے تمہارے صاحب (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عدل نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا اس شخص پہ اللہ رحم فرماتا ہے جو اپنے بھائی کے لئے مجلس میں جگہ بنائے۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بھائیوں کے لئے جگہ چھوڑنے میں تیزی دکھاتے تھے، پھر یہ آیت نازل ہوئی: فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۴۳)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

اہل علم کی فضیلت

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ سے اہل علم کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ کہ انہیں مجلس میں اہم جگہ پہ بٹھایا جانا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے ''نماز میں سیدھے کھڑے ہو آگے پیچھے نہ ہو، ورنہ تمہارے دلوں میں فرق آجائے گا۔ اور اہل علم و دانش کو چاہیے کہ میرے قریب کھڑے ہوں، پھر اسکے بعد وہ لوگ کھڑے ہوں جو علم میں ان سے قریب تر ہوں۔''

(صحیح مسلم کتاب الصلوۃ حدیث ۱۲۲)

معلوم ہوا جب نماز میں اہل علم کو اہم مقام دیا گیا ہے تو عام مجالس کا کہنا ہی کیا ہے۔

اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عالم کی فضیلت عابد پر یوں ہے جیسے چودھویں کے چاند کی تمام ستاروں پر۔ اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاء کی میراث درہم و دینار نہیں ہے ان کی میراث علم ہے جس نے ان کا علم لے لیا اس نے بڑا خزانہ پالیا۔'' (ابوداؤد کتاب العلم باب ۱)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عالم کی فضیلت عابد پر یوں ہے جیسے تم میں سے ادنیٰ شخص پر میری فضیلت ہے۔'' (ترمذی کتاب العلم باب ۱۹)

یاد رہے کہ اہل علم کے لیے حاضرین کو خود جگہ چھوڑنی چاہیے، مگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی جگہ پہ زبردستی نہیں بیٹھ سکتا، خواہ وہ کتنا بڑا عالم ہو۔

مجلس میں دوسروں کو جگہ دینے کی فضیلت

اِذَا قِيۡلَ لَـكُمۡ تَفَسَّحُوۡا فِى الۡمَجٰلِسِ فَافۡسَحُوۡا میں مجلس کے آداب پر بہت کچھ کہہ دیا گیا ہے اس میں ہر طرح کی مجلس شامل ہے، خواہ مجلس وعظ ہو یا مجلس درس۔ اسی طرح مسجد کی صفیں بھی اس میں شامل ہیں اگر کچھ بھی گنجائش ہو تو بعد میں آنے والوں کو بیٹھنے کی جگہ دینی چاہیے۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی شریف میں وسیع جگہ کے باوجود کثرت ازدحام کی وجہ سے نمازیوں کے لیے جگہ تنگ ہو جاتی ہے، ایسے میں کئی لوگ کھلے ہو کر بیٹھے ہوتے ہیں اور دوسرے لوگ جگہ ڈھونڈتے نڈھال ہو جاتے ہیں، ایسا کرنا جائز نہیں ہے، سب کے لیے جگہ بنانی چاہیے۔ اس لیے فرمایا گیا: اِذَا قِيۡلَ لَـكُمۡ تَفَسَّحُوۡا فِى الۡمَجٰلِسِ فَافۡسَحُوۡا۔

اس جگہ یہ مسئلہ بھی ہے کہ جہاں کوئی شخص بیٹھا ہوا گر وہ اُٹھ کر کہیں جائے، تو واپس آنے پر اسی کا حق ہے کہ اپنی جگہ پہ بیٹھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی شخص مجلس سے اُٹھ کر جائے تو واپسی پہ وہی اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔'' (مسلم کتاب السلام حدیث ٣١)

میں نے پیرس (فرانس) میں دیکھا ہے کہ اہل اسلام کی تعداد لاکھوں میں ہے اور مسجد یں صرف چند ہیں اور وہ بھی تہہ خانوں میں ہیں۔ کیونکہ گورنمنٹ کی پالیسی مسلمانوں کے خلاف بہت سخت ہے، وہاں ایک مسجد میں کئی کئی بار نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے اور جگہ کی تنگی کا یہ عالم ہے کہ بہت تنگ صفیں بنائی گئی ہیں، حتیٰ کہ پچھلی صف کے لوگ اگلی صف والوں کی ٹانگوں اور قدموں میں گھس کر سجدے کرتے ہیں۔ ایسے مقام پہ ہر شخص پہ لازم ہے کہ وہ بعد میں آنے والوں کو اپنے دائیں بائیں ضرور جگہ دے، خواہ اس کے لیے کتنی ہی تنگی اٹھانا پڑے، حتیٰ کہ اگر ایک دوسرے کی پشتوں پہ سجدے کرنا پڑیں تو بھی جائز ہے۔

[10] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض اہل ایمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کی کثرت کرتے تھے اور آپ کسی سے انکار نہیں فرماتے تھے، خواہ کوئی آپ سے کتنا ہی وقت لے لے اور بسا اوقات یہ چیز آپ پر بہت شاق گزرتی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ سے تخفیف فرمائے تو یہ آیت اُتاری گئی اِذَا نَاجَيۡتُمُ الرَّسُوۡلَ الخ اور فرمایا گیا کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رازدارانہ مشورہ کرنا چاہو تو پہلے اللہ کی راہ میں صدقہ پیش کرو۔ چنانچہ بہت سے لوگ سوالات سے رُک گئے، مگر کچھ ہی عرصہ بعد اگلی آیت اُتار کر لوگوں پر وسعت کر دی گئی۔ (تفسیر قرطبی جلد ١٧ صفحہ ٣٠١)

یعنی پہلے مالداروں پر واجب کیا گیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشاورت کرنے سے قبل اللہ کی راہ میں غرباء و یتامیٰ پر صدقہ کریں اور فرمایا کہ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ ہے کہ تمہیں صدقہ کا ثواب ہو گا اور دل میں مال سے محبت میں کمی آئے گی۔ ہاں اگر کوئی غریب ہے کہ صدقہ نہیں پاتا تو اللہ معاف کرنے والا ہے یعنی اسے اس حکم سے معافی ہے۔

پھر کچھ ہی عرصہ بعد (اور مروی ہے کہ دس دن بعد) اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت اُتار کر فرمایا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے مشاورت سے قبل صدقہ دینے سے ڈر گئے؟ اب جب تم صدقہ نہ دے سکے اور اللہ نے بھی اس سے درگزر کر دی یعنی اس کا وجوب ختم کر دیا ہے تو تم نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرو اور اللہ و رسول کی اطاعت کرو یعنی نئے سوالات اٹھانے کی بجائے پہلے سے جاری احکامات پر عمل کرو۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت اِذَا نَاجَيۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقَةً ؕ اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے ایک دینار ٹھیک رہے گا؟ میں نے عرض کیا: لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے، آپ نے فرمایا: نصف دینار؟ میں نے پھر عرض کیا: لوگ اس کی بھی طاقت نہیں رکھتے آپ نے فرمایا: تو پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا: سونے کا ایک جو، آپ نے فرمایا: تم دنیا سے بہت بے رغبت ہو۔ تب یہ آیت اتری: ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا الخ تو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے اس امت پر تخفیف فرما دی۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ مجادلہ)

گویا فَقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقَةً ؕ (آیت، ۱۲) والا حکم منسوخ ہو گیا۔

مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام و سکون کا اس قدر لحاظ ہے کہ جب آپ پر کثرت سوالات ہوئی اور آپ کے آرام میں خلل آیا تو اللہ تعالیٰ کو گوارا نہ ہوا اور سوالات کرنے والوں پر صدقہ لازم کر دیا۔ پھر جب لوگ متنبہ ہو گئے تو اس کا لزوم ختم کر دیا، جس رب کو آپ کی اس قدر ادنیٰ پریشانی گوارا نہیں، اسے یہ کیسے گوارا ہوگا کہ اس کے حبیب کی امت دوزخ میں جلے اور اس کا حبیب پریشان و مضطرب ہو۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام شفاعت عطا فرمایا گیا۔

شان مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

ایک تو آپ کی وجہ سے فَقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقَةً ؕ کا وجوب منسوخ ہوا جیسا کہ ابھی حدیث ترمذی گزری ہے۔ دوسرا آپ فرماتے ہیں اس حکم پر صرف میں نے ہی عمل کیا تھا۔ آپ کا ارشاد ہے قرآن میں ایک آیت ہے جس پر مجھ سے قبل کسی نے عمل کیا نہ بعد میں۔ میرے پاس ایک دینار تھا، میں نے اسے تڑوایا۔ میں جب بھی آپ سے سوال کرتا تو ایک درہم صدقہ کر دیتا، میں نے آپ سے دس سوالات کئے اور ہر سوال پر پہلے ایک درہم صدقہ کیا، پھر یہ آیت منسوخ ہو گئی اور میرے سوا اس پر کوئی عمل نہ کر سکا۔ (مستدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۵۲۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تین ایسے فضائل ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھے مل جاتا تو میرے لئے سرخ اونٹوں سے محبوب تر تھا۔ ان کا دامادِ رسول ہونا، روزِ خیبر انہیں جھنڈے کا دیا جانا اور آیت نجویٰ۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۳۰۲)

شانِ مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں مفسر کی لکھی ہوئی خوبصورت منقبت

بھائی ہے وہ رسول کا مولا علی علی
شوہر ہے وہ بتول کا مولا علی علی

ہے جان سے بھی پیارا مولا علی علی
ہر سنی کا ہے نعرہ مولا علی علی

من کنتُ مولا میرے نبی نے ہے کہہ دیا
میں جس کا مولا اس ہی کا مولا علی علی

صدیق کا ہے جانی بھائی عمر کا ہے
عثماں غنی کا بھی ہے پیارا علی علی

ہم مانتے ہیں گوہر کعبہ علی علی
ہم جانتے ہیں شوہر زہرا علی علی

بھائی رسول کا ہے شوہر بتول کا
حسن وحسین کا ہے بابا علی علی

بدر و اُحد کا غازی، غازی حنین کا
خیبر کا در ہے کس نے اُکھاڑا علی علی

آقا ہیں شہرِ علم، علی اسکا باب ہے
اور ہے ولایتوں کا منبع علی علی

دشمن ہے وہ علی کا صحابہ کو جو بکے
ہم ہیں علی کے اور ہمارا علی علی

اولادِ مصطفیٰ و علی کے ہیں ہم غلام
طیبؔ ہماری آنکھ کا تارا علی علی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جو اس قوم سے دوستی رکھتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا۔ وہ نہ تم میں سے ہیں نہ ان

وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

میں سے، وہ جھوٹ پر قسم اٹھاتے ہیں اور جانتے ہیں (کہ سچ کیا ہے) [11] اللہ نے ان کے لئے شدید

عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً

عذاب تیار کیا ہے، وہ کیا ہی برا کام کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا،

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ

اور اللہ کی راہ سے روکا تو ان کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔ [12] نہ انہیں ان کے اموال اللہ سے کچھ

اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ

بچا سکیں گے، نہ ان کی اولاد، وہ دوزخ والے ہیں وہ اس میں

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ

ہمیشہ رہیں گے، جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے لئے بھی (جھوٹی) قسم اٹھائیں گے جیسے تمہارے لئے

لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ

اٹھاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ کچھ (داؤ) رکھتے ہیں، سن لو کہ وہ جھوٹے ہیں [13] ان پر شیطان نے

عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ

قبضہ کر لیا ہے اور انہیں اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا ہے، وہ شیطان کا گروہ ہیں سن لو کہ

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔ [14]

منافقین اور مؤمنین کا اپنا اپنا انجام

[11] دورِ نبوی میں مدینہ طیبہ میں رہنے والے منافقین یہود سے خفیہ ساز باز اور محبت رکھتے تھے اور مسلمانوں کے راز ان تک پہنچاتے تھے۔ حالانکہ یہود وہ قوم ہیں جن پر اللہ کا غضب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! یہ منافقین نہ تم میں سے ہیں نہ یہود میں سے، یعنی یہ الگ کافر قوم ہیں۔ وہ جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں کہ وہ پکے مسلمان ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ابھی تم پر ایک شخص نمودار ہوگا وہ تمہیں شیطان کی آنکھ سے دیکھے گا، تم اس سے کلام نہ کرنا، تھوڑی ہی دیر میں ایک نیلگوں کا نا شخص نمودار ہوا آپ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا تم اور تمہارے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو؟ وہ اپنے ساتھیوں کو لے آیا اور وہ سب قسمیں اٹھانے لگے کہ ہم نے تو آپ کو کچھ بھی برا نہیں کہا۔ تب یہ آیت اُتری: وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۲۴ مطبوعہ بیروت)

اس سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) جھوٹی قسم اٹھانے کی بُرائی:

وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ سے معلوم ہوا کہ جھوٹی قسمیں اٹھانا منافقوں کا کام ہے، مومنوں کا نہیں۔ اور اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جھوٹی قسمیں اٹھانے والوں کے لئے عذاب شدید تیار ہے۔ افسوس، آج جھوٹی قسم اٹھانا فیشن بن گیا ہے۔ دوکانوں، عدالتوں، کچہریوں، حتیٰ کہ مسجدوں میں جھوٹی قسمیں اٹھائی جارہی ہیں۔ اللہ ہدایت دے۔

(2) یہود پر اللہ کا غضب مسلط ہے:

ان کے بارے میں غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فرمایا گیا انہی کو الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ (فاتحہ، ۷) اور بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران، ۱۱۲) بھی فرمایا گیا۔ یہود کو اگر آج کچھ پناہ ملی ہوئی ہے تو یہ عارضی پناہ ہے، عنقریب ان پر قہر خداوندی کی تلوار چمکنے والی ہے۔ جب بھی اس قوم کی شر بڑھتی ہے تو اللہ ان کی کمر توڑ دیتا ہے اور آج بھی اس قوم کی شر سے ساری زمین خون مسلم سے لالہ زار ہے۔

[12] یہاں منافقین کے لئے دو بار عذاب کا ذکر ہوا عذاب شدید اور عذاب مہین۔ پہلا عذاب اس لئے کہ وہ خود راہِ حق سے دور رہے اور دوسرا اس لئے کہ انہوں نے لوگوں کو راہِ خدا سے دور رکھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ۔ ''کفر کرنے اور اللہ کی راہ سے روکنے والوں کے لئے ہم نے عذاب پر عذاب بڑھا دیا ہے۔'' (نحل، ۸۸)

[13] روز قیامت کفار کو ان کے اموال واولاد میں سے کوئی چیز عذاب الٰہی سے بچا نہ سکے گی، کیونکہ ان کے لئے دائمی

عذاب جہنم ہے۔ معلوم ہوا مومنوں کو روزِ قیامت ان کے اموال و اولاد عذاب سے بچا ئیں گے۔ جو مال انہوں نے راہ خدا میں خرچ کیا وہ انہیں کام آئے گا اور ان کی اولاد کی نیکیاں ان کے لئے نافع ہوں گی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار و منافقین جیسے تمہارے سامنے جھوٹی قسمیں اُٹھاتے ہیں، روز قیامت اللہ کے حضور بھی جھوٹی قسمیں اٹھائیں گے کہ ہم نے کوئی کفر نہ کیا تھا۔ قرآن میں ہے وہ کہیں گے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ ''ہمارے رب اللہ کی قسم! ہم شرک نہیں کرتے تھے۔'' (انعام، ۲۳)

[14] کفار پر شیطان نے قبضہ کر رکھا ہے، وہ شیطان کا لشکر ہیں اور یہ لشکر نقصان اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا تھا: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ کہ ''میں تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے جہنم کو بھر دوں گا۔'' (ص، ۸۵)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل تر لوگوں میں سے ہیں۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ

لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾

ضرور میں کامیاب ہوں گا اور میرے رسول کامیاب ہونگے۔ اللہ قوت والا غلبے والا ہے۔[15]

[15] اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول غالب آئیں گے اور ان سے مخالفت کرنے والے ذلیل ہوں گے، کیونکہ اللہ ہر قوت اور غلبے کا مالک ہے۔ اگر کہا جائے کہ بعض انبیاء کو شہید کیا گیا وہ کیسے غالب ٹھہرے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غلبہ کا ایک مفہوم حجت و دلیل سے غالب آنا بھی ہے اور ہر نبی نے دلائل کی روشنی میں کافروں کو لا جواب و خاموش کیا۔ پھر غلبہ آخرت کا بھی ہے، روز قیامت انبیاء اور ان کے ساتھی کامیاب ہوں گے کیونکہ وہ اللہ کا لشکر ہیں اور کفار ذلیل ٹھہریں گے، کیونکہ وہ شیطان کا لشکر ہیں۔ پھر وہی انبیاء کرام علیہم السلام شہید ہوئے جن کو جہاد کا حکم نہیں تھا میدان جہاد میں اُترنے والا ہر نبی غالب ہی آیا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ

آپ ان لوگوں کو جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دشمنی کرنے

وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط

والوں سے دوستی رکھیں، خواہ وہ ان کے باپ دادا ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا دیگر خاندان والے۔

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ط وَيُدْخِلُهُمْ

ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنے نور سے ان کی مدد کی ہے۔ وہ انہیں جنتی

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

باغات میں داخل کرے گا۔جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا

وَرَضُوْا عَنْهُ ط اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٢٢﴾ ع

وہ اس سے راضی ہوئے، وہ اللہ کا گروہ ہے اور اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہے [16]

ع ٣ ٣

[16] یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف میں نازل ہوئی۔ پہلے منافقین کا حال بتایا گیا کہ وہ اللہ کی غضب شدہ قوم یہود سے محبت رکھتے ہیں، اب اس کے مقابلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پختگی ایمان بتائی جارہی ہے کہ وہ دشمنان دین سے ہرگز کوئی محبت نہیں رکھتے، خواہ وہ ان کے والدین اور ان کی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔یعنی منافقین اپنے دعویٰ ایمان میں جھوٹے ہیں اس لئے کہ وہ یہود سے ساز باز اور محبت رکھتے ہیں، ورنہ تمہیں کوئی ایسی قوم نہیں ملے گی جو اللہ اور روز آخرت پہ ایمان بھی رکھے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی رکھنے والوں سے دوستی بھی نبھائے۔ بلکہ مخلص مومنین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت تو یہ ہے کہ اگر ان کے باپ دادا، بیٹوں، بھائیوں اور دوسرے قریبی عزیزوں میں سے کوئی شخص اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہو تو وہ اس سے بھی کوئی دوستی اور لحاظ نہیں رکھتے، بلکہ اس سے ایک دشمن والا معاملہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی نازل کردہ روح یعنی قرآن کے ذریعے ان کی مدد کی ہے۔

دوسری جگہ قرآن کو واضح طور پر (دلوں کو زندگی دینے والی) روح کہا گیا ہے۔ ارشاد ہوا: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط ''ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح، وحی فرمائی ہے۔'' (الشوریٰ، ٥٢) ایسے مومنین کے لئے جنتی باغات تیار ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہے وہ اللہ سے

راضی ہیں یعنی اللہ کے ہر فیصلے اور تقدیر سے مطمئن ہیں۔ یہ اللہ کا لشکر ہیں اور اللہ کا لشکر ہی کامیاب ہے۔

یہ آیت اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نازل ہوئی، مگر اس کا حکم تا قیامت عام ہے۔ جو بھی ان کے طرز عمل کو اپنا کر اپنے قریبیوں سے اس لیے ترک تعلق کر لے کہ وہ دشمنان دین ہیں، اسکے لیے بھی وعدۂ جنت و بخشش ہے اور وہ اللہ کے لشکر کا سپاہی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قرآنی فضائل

یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اُتری ہے اور انہی کے فضائل بیان کر رہی ہے، اگرچہ اس کا حکم تا قیامت ہے۔ شیعہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ آنکھیں کھول کر قرآن کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان فضائل رفیعہ کو پڑھیں۔ تو اس آیت سے ان کے یہ فضائل ثابت ہوئے۔

اول:

یہ آیت ان کے ایمان کی گواہی دیتی ہے۔ (یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ) یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو معیارِ حق قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ ''جب منافقین سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ جیسے لوگ (صحابہ کرام) ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جیسے یہ بیوقوف ایمان لائے ہیں، سن لو کہ وہ خود ہی بیوقوف ہیں مگر جانتے نہیں۔'' (بقرہ، ۱۳) اور ان کے لیے فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا (یعنی مہاجرین) اور جنھوں نے ان مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی مدد کی وہ سچے مومنین ہیں، ان کے لیے بخشش اور عزت والی روزی (جنتی رزق) ہے۔'' (انفال، ۷۴)

مگر یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ اہل تشیع تمام صحابہ کرام کو (معاذ اللہ) کافر و منافق قرار دیتے ہیں جبکہ انکے ایمان کی گواہیوں سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ جیسا کہ شیعہ محدث شیخ علی بن ابراہیم قمی اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾ (سورہ محمد، ۱) کے تحت لکھتا ہے کہ یہ آیت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابوبکر کی بیعت کی تو وہ مرتد ہو گئے۔ انہوں نے اللہ کی راہ یعنی امامت علی سے لوگوں کو روک دیا تو اللہ نے ان کے سب اعمال یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر ان کا جہاد کرنا سب ضائع کر دیا۔ (معاذ اللہ)

(تفسیر قمی صفحہ ۶۲۴ مطبوعہ ایران)

اندازہ کریں یہ کس قدر بدبودار اور اذیت ناک عبارت ہے، اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان اور جذبہ جہاد کی

تعریف سے قرآن کو مزین فرما رہا ہے اور یہ لوگ ان نفوس قدسیہ کو کافر بتا رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ایسے نظریات رکھنے والے لوگ خود کافر ہیں اور ان کے اپنے اعمال ضائع ہیں۔

دوم:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر اُس شخص کے دشمن ہیں جو خدا اور رسول کا دشمن ہے۔ خواہ وہ ان کا باپ یا بیٹا یا بھائی ہو (وَلَوْ كَانُوٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ) چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رویہ دشمنان اسلام سے بہت سخت تھا، خواہ وہ ان کے قریبی عزیز ہوں۔ خصوصاً سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، بلکہ یہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق ہی میں اُتری، جو صحابہ کرام کے سردار ہیں۔ ابن جریج سے مروی ہے کہ ابوقحافہ نے (اسلام لانے سے قبل) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کوئی بری بات کہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں شدید دھکا دیا وہ دور جا کر گرے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر کہی۔ آپ نے فرمایا کیا واقعتاً تم نے ایسا کیا؟ وہ کہنے لگے واللہ! اگر اس وقت تلوار ہوتی تو میں اپنے باپ کا سر اتار دیتا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الخ

(مظہری بروایت ابن منذر جلد ۹ صفحہ ۲۲۸)

اسی طرح جنگ احد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیٹا میدان میں کفار کی طرف سے نکلا اور مبارزت طلبی کی۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے تلوار لے کر اس کے مقابلہ میں اُتر پڑے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں واپس بلا لیا۔ یہ واقعہ کٹر شیعہ مورخ مرزا محمد تقی ایرانی نے ناسخ التواریخ حالات پیغمبر جلد اول صفحہ ۳۲۷ مطبوعہ ایران میں لکھا ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے میدان بدر میں اپنے سگے ماموں کو جہنم رسید کیا۔ اس بات کو شیعہ محقق ملا باقر مجلسی نے مقتولان بدر کے ذکر میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے: والعاص بن هاشم خال عمر بن الخطاب قتله عمر، عاص بن ہاشم جو عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کا ماموں تھا اسے خود عمر (رضی اللہ عنہ) نے قتل کیا۔

(بحار الانوار جلد ۱۹ صفحہ ۳۶۳ باب غزوۃ بدر الکبریٰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اب ماموں بہت محبت والا رشتہ ہے، مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں کو جب دشمن خدا اور رسول دیکھا تو اس کی گردن اُڑانے میں دیر نہیں لگائی۔ اسکی تائید اسباب النزول میں علامہ سیوطی نے بھی کی ہے۔

اسی طرح حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے بدر میں اپنے سگے باپ جراح کا سر اُڑا دیا۔ ان کا والد میدان بدر میں اپنے بیٹے پر بار بار نیزہ تانتا تھا اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس سے اعراض کرتے تھے۔ جب جراح نے یہ سلسلہ زیادہ ہی دہرایا، تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کا رخ کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ الخ۔ (مستدرک جلد ۳ صفحہ ۲۹۶)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے احد میں اپنے سگے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا۔ (اسباب النزول للواحدی صفحہ ۴۳۴)۔

یونہی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو ان کی والدہ نے قسم اٹھالی کہ وہ کچھ کھائے گی نہ پیے گی اور نہ سائے میں بیٹھے گی، جب دو دن ایسے گزر گئے تو اس بڑھیا کی حالت غیر ہوگئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے کہا: اے ماں! مجھے تم سے بہت پیار ہے، لیکن اگر تم کہو کہ میں ایمان چھوڑ دوں تو یاد رکھ، اگر تمہاری سو جانیں ہوں اور وہ ایک ایک کر نکلیں، یعنی تم سو بار جیو اور مرو، تب بھی میں اللہ اور اس کا دیا ہوا ایمان نہ چھوڑوں گا۔ جب ماں نے ان کی یہ استقامت دیکھی تو اٹھ کر کھانا پینا شروع کر دیا۔ (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۱۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے تمام جسمانی رشتوں کو اللہ و رسول کے ساتھ رشتہ ایمان پہ قربان کر دیا تھا اور وہ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ الخ کی چلتی پھرتی تصویریں تھے۔

اہل تشیع کو قرآن کریم کی دعوت حق

ہم اہل تشیع سے اس جگہ یہ پوچھتے ہیں کہ اگر تمہارے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کہہ کر یا کسی دوسرے طریقہ سے امامت وخلافت علی رضی اللہ عنہ کا اعلان کر دیا تھا، تو کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے چھوڑ کر حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو متفقہ طور پر خلیفہ مانا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھے نمبر پہ رکھا؟ جب وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں اپنے باپ، بھائی اور بیٹے کو قتل کرنے سے باز نہیں آتے تھے، تو حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں وہ کیا حیثیت دے سکتے تھے؟

اور خود مولا علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ولقد کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نقتل آباء نا وابناء نا واخواننا واعمامنا. ما یزیدنا ذالك الا ایمانا و تسلیما. ''جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے نکلتے تھے تو اپنے باپ دادا، اپنے بیٹوں، اپنے بھائیوں اور اپنے چچاؤں کو بھی قتل کر دیتے تھے اور اس سے ہمارے ایمان اور ہماری اطاعت ہی میں اضافہ ہوتا تھا۔'' (نہج البلاغہ صفحہ ۱۵۹ خطبہ ۵۶ مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

تو اہل تشیع کو قرآن کریم کی دعوت حق کو قبول کرتے ہوئے مان لینا چاہیے کہ امامت وخلافتِ علی رضی اللہ عنہ بلا فصل کے عقیدہ کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عقیدہ کے تحفظ کے لیے اپنی جانیں، اپنی اولاد اور اپنا سب کچھ قربان کر دیتے۔

سوم:

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ایمان لکھ دیا تھا (اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ) اسی لیے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٨﴾ ''مگر اللہ نے (اے اصحاب رسول ﷺ) تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے اور کفر وفسوق اور نافرمانی کو ناپسند کردیا ہے، یہی لوگ اللہ کے فضل اور اس کی نعمت سے ہدایت والے ہیں اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔'' (حجرات، ۷)

چہارم:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اعلان جنت۔ (وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اعلان جنت سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ۔ (توبہ، ۱۰۰)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٤﴾ (انفال، ۷۴)

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾ (توبہ، ۲۱)

تو جن کو اللہ تعالیٰ بار بار جنتی قرار دے رہا ہے ان کو اہل تشیع معاذ اللہ کافر وجہنمی کہہ کر اپنی عاقبت کو کیوں برباد کرتے ہیں۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ۔

الحمدللہ 16 شوال 1429ھ مطابق 16 اکتوبر 2008ء بروز جمعرات سورہ مجادلہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

سُوْرَۃُ الْحَشْر

ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 100 ویں سورت ہے جو سورہ بیّنہ کے بعد اور سورہ نصر سے قبل نازل ہوئی اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ 59 ویں سورت ہے۔ اسے سورہ الحشر کہنا اس لئے ہے کہ اس کے آغاز میں یوں فرمایا گیا: هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ (حشر ۲) اور لفظ الْحَشْرِ (معرّف باللام) قرآن میں صرف اسی جگہ ہے، اسی مناسبت سے اسے یہ نام دیا گیا۔

اس سورت میں 3 رکوعات، 24 آیات، 445 کلمات اور 1903 حروف ہیں۔ یہ مکمل مدنی سورت ہے جو 3ھ میں یہود بنو نضیر کے مدینہ طیبہ سے اخراج کے موقع پر نازل ہوئی۔

اس سورت کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس کے آخر میں وہ آیات ہیں، جن کے پڑھنے والے پر اللہ جل مجدہٗ الکریم کے ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں جیسا کہ ہم ان آیات کے تحت بیان کریں گے۔

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں مدینہ طیبہ میں دور رسالت میں رہنے والے یہود کے ایک قبیلہ بنو نضیر کا مدینہ طیبہ سے اخراج بیان کیا گیا اور جو علاقے اور اموال وہ چھوڑ گئے اس حوالہ سے اموالِ فئے کے احکام بتائے گئے۔ دوسرے رکوع میں مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت والی عظیم قربانی کو سراہا گیا، پھر انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مہاجرین کی نصرت و آبادکاری کے لیے قربانیوں کی تعریف و توصیف فرمائی گئی۔ تیسرے رکوع میں منافقین مدینہ کے یہود بنو نضیر سے مل کر اسلام کے خلاف ساز باز کرنے سے پردہ اٹھایا گیا اور آخری رکوع میں انسان سے کہا گیا کہ وہ اپنی آخرت کی تیاری کرے اور اس سے غافل نہ بنے، پھر عظمتِ قرآن بتائی گئی اور اللہ جل جلالہ کے اسماء الٰہیہ اور صفاتِ ربّانیہ بیان فرمائی گئیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتہا ۲۴ ۵۹ سورۃ الحشر مدنیۃ ۱۰۱ رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ

آسمانوں اور زمین میں جو بھی چیز ہے اللہ ہی کے لئے تسبیح کہتی ہے اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے [1] اللہ

الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ

وہ ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو ان کے علاقوں سے پہلی بار اٹھا کر

الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ

جلا وطن کیا تمہیں گمان نہ تھا کہ وہ نکلیں گے، اور انہیں یقین تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے

اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ

بچا سکتے ہیں تو اللہ (کا حکم) ان پر وہاں سے آیا کہ انہیں گمان نہ تھا، اللہ نے ان کے دلوں میں

الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا

رعب ڈال دیا۔[2] وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مومنین کے ہاتھوں تباہ کرنے لگے۔ تو اے

يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

نگاہ والو! عبرت پکڑو۔[3]

یہود کا مدینہ طیبہ سے اخراج اور اموالِ فئے کا حکم

[1] ہر چیز کی ایک تسبیح حالی بھی ہے کہ اس کا مخلوق مرزوق اور مملوک ہونا یہ اس کے خالق، رازق اور مالک کے لئے تسبیح حالی ہے اور ہر چیز کو تسبیح مقالی بھی دی گئی ہے جسے ہم نہیں سمجھتے۔ قرآن میں ہے: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ

بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ ''ہر چیز اللہ کی حمد سے اس کی تسبیح کہتی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔''

(بنی اسرائیل، ۴۴)

[2] سن 3 ہجری میں غزوۂ احد کے بعد یہود کے قبیلہ بنونضیر کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ سے نکالا اور یہ تاریخ اسلام میں کسی کافر قوم کا ان کی اسلام دشمنی کے باعث پہلی بار ان کے علاقہ سے اٹھایا جانا تھا، اس لئے اسے اول الحشر یعنی پہلی بار اٹھایا جانا کہا گیا۔ اور فرمایا گیا کہ یہ سب کچھ اللہ نے کیا، یعنی حضور ﷺ نے یہود کو اپنی کسی ذاتی عداوت سے نہیں نکالا بلکہ انہیں اللہ نے نکالا۔ اس لئے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہود کو گمان نہ تھا کہ وہ وہاں سے نکلیں گے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ کی پکڑ سے بچا سکتے ہیں، مگر ان پر اللہ کی پکڑ یوں آئی کہ انہیں گمان بھی نہ تھا۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال کر انہیں وہاں سے نکل کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

یہود بنونضیر کے مدینہ طیّبہ سے اخراج کا واقعہ

بنونضیر مدینہ طیبہ میں آباد یہود کا ایک قبیلہ تھا۔ جب نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ آئے تو ان کے ساتھ معاہدہ ہوا کہ مسلم اور یہود دونوں قومیں مدینہ میں باہمی امن و معاونت سے رہیں گی، مگر بعد میں ان کمینوں نے خفیہ طور پر مکہ مکرمہ جا کر کفار کیساتھ مل کر حضور ﷺ کے خلاف جنگ کا معاہدہ کرلیا اور اس موقع پر انہوں نے کفار مکہ کو اپنی وفا کی یقین دہانی کے لئے ان کے بتوں کو سجدے بھی کئے۔ پھر ایک سے زائد بار انہوں نے حضور ﷺ کو خفیہ سازش سے شہید کرنے کی کوشش کی۔

آخری بار جب انہوں نے کوشش کی تو اُس وقت حضور ﷺ ایک دیّت کے معاملہ میں ان سے گفتگو کرنے گئے آپ ان کے قلعہ کی دیوار کے سائے میں بیٹھے تھے کہ انہوں نے قلعہ کی دیوار کے اوپر سے ایک بڑا پتھر گرا کر آپ کو شہید کرنا چاہا، وہ پتھر لے آئے تھے اور گرانے ہی والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبردار کر دیا اور آپ وہاں سے اٹھ گئے۔

ان میں سے ایک شخص کنانہ بن صوریا نے جو ان کا مذہبی راہنما تھا، انہیں کہا کہ اب تمہاری خیر نہیں، تم خوب جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ تمہیں طمع تھا کہ آخری نبی بنی ہارون (یہود) میں سے آئے، مگر جب وہ کسی اور قبیلہ سے آ گیا جہاں اللہ نے چاہا تو تم حسد میں پڑ گئے۔ اب اللہ نے انہیں مطلع کر دیا ہوگا کہ تم نے انہیں شہید کرنے کی کوشش کی ہے اسی لئے وہ اپنی جگہ سے یکدم اٹھ کر چلے گئے ہیں۔ اب بھلائی اس میں ہے کہ تم ان پر ایمان لے آؤ۔

یہود نے کہا ہم تورات کو نہیں چھوڑ سکتے، اس نے کہا پھر یہ کام ضرور کرو کہ اگر تمہیں ان کی طرف سے یہ پیغام ملے کہ اس شہر سے نکل جاؤ تو فوراً مان لو، ایسا کرنے سے تمہارے خون اور اموال بچ جائیں گے۔ یہود کہنے لگے ہاں یہ بات مانی جا سکتی ہے۔

ادھر حضور ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہود کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم میں سے فلاں فلاں شخص نے مجھ پر پتھر گرا کر مجھے ختم کرنا چاہا ہے، اب تمہارے لئے دس دن کی مہلت ہے کہ اس دوران اس علاقہ سے نکل جاؤ،

اس کے بعد تم میں سے جو شخص یہاں نظر آیا اس کی گردن اُڑا دی جائے گی۔ بنونضیر ڈر گئے اور کوچ کی تیاری کرنے لگے۔ اسی دوران سردار منافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول نے انہیں پیغام بھیجا کہ ڈٹے رہو، میں اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ساتھ تمہاری مدد کو آرہا ہوں اور یہود کا دوسرا قبیلہ بنو قریظہ بھی تمہاری پشت پر ہے۔

تب بنونضیر کے سردار حُیی بن اخطب نے حضور ﷺ کو پیغام بھیجا کہ ہم یہاں سے نہیں جائیں گے، تم نے جو کرنا ہے کرلو (معاذ اللہ) آپ نے یہ پیغام سن کر تکبیر بلند کی اور فرمایا کہ یہود برباد ہوگئے۔

اس دوران بنونضیر میں سے سلام بن مشکم نے حیی کو سمجھایا کہ غافل نہ بنو، ہم خوب جانتے ہیں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور ان کی صفت ہماری کتاب میں موجود ہے۔ اگر تم ایمان نہیں لاتے تو جلدی یہاں سے نکل چلو، مگر اس کا سمجھانا بے سود رہا۔ آخر نبی اکرم ﷺ نے بنونضیر کے قلعے کا محاصرہ کرلیا، جو بیس یا پچیس دن جاری رہا۔ اس دوران ان میں سے دو آدمی رات کے اندھیرے میں قلعے سے نکل کر آپ کے پاس آئے اور اسلام لے آئے۔

آخر بنونضیر کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رعب ڈالا اور وہ اونٹوں پہ سامان لاد کر تیزی سے مدینہ طیبہ سے نکل گئے، ان کی مدد کو عبداللہ بن ابی آیا نہ بنو قریظہ آئے۔ ان میں سے کچھ شام میں جا بسے، کچھ نے یمن کا رخ کیا اور حیی بن اخطب کا خاندان خیبر میں جا ٹھہرا۔ ان کے قلعوں اور باغات پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور بہت سا اسلحہ بھی ہاتھ آیا۔

(مظہری جلد ۹ صفحہ ۲۲۹۔ ۲۳۳)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) یہود کو فلسطین سے نکالنا سب مسلمانوں پہ لازم ہے:

یہود مدینہ طیبہ میں رہتے تھے جب انہوں نے مسلمانوں سے بدعہدیاں اور سازشیں کیں تو اللہ و رسول نے انہیں وہاں سے نکال دیا۔ اور فلسطین پر تو یہود ناجائز قابض ہیں، وہاں ان کی تعداد پانچ فیصد ہے اور امریکہ کی پشت پناہی سے انہوں نے پچانویں فیصد مسلم آبادی کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ اس لئے تمام مسلم امہ پر لازم ہے کہ فلسطین کی آزادی پر اجتماعی کوشش کریں۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بھی ہے: **اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب۔** ''یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔ (کنز العمال بحوالہ مسلم جلد ۴ حدیث ۱۱۰۱۵) اور فلسطین بھی جزیرۂ عرب میں ہے۔

(2) جب مومنین سچا جذبۂ جہاد رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ کفار کے دلوں میں رعب ڈالا دیتا ہے:

جیسا کہ بنونضیر سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ.** اور اگر مسلمانوں میں جذبۂ ایمانی اور شوق جہاد نہ رہے تو خود ان کے دلوں میں کفار کا رعب ڈال دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آج ہمارے نام نہاد مسلم حکمران کفار کے خوف سے تھر تھر کانپتے ہیں اور امریکہ کی طرف سے ایک فون کال آجائے تو ہمارے نام نہاد جرنیلوں کا پسینہ نکل آتا ہے۔

[3] بنونضیر جب مدینہ طیبہ سے نکلے تو جاتے ہوئے وہ اپنے گھروں کو خود تباہ کرنے لگے تاکہ وہ مسلمانوں کے کام نہ آسکیں اور ان کے کچھ گھر مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ ہوئے اس میں چشم بصیرت رکھنے والوں کے لئے بڑا درس عبرت ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَلَهُمْ فِي

اور اگر اللہ نے ان پر جلاوطنی نہ لکھی ہوتی تو وہ انہیں دنیا ہی میں عذاب دے دیتا۔ اور ان کے لئے

الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ

آخرت میں جہنم کا عذاب ہے [4] یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے جھگڑا کیا اور جو اللہ سے

اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴﴾ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا

جھگڑے تو اللہ سخت عذاب والا ہے [5] تم نے جو درخت بھی کاٹا یا اسے اپنی جڑوں پہ

قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۵﴾

قائم رہنے دیا تو وہ اللہ کے اذن سے ہے تاکہ اللہ نافرمانوں کو رسوا کرے [6]

[4] یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ فرمایا ہوتا کہ بنونضیر کو جلاوطن کیا جائے گا تو اللہ انہیں دنیا ہی میں عذاب دے دیتا یعنی ان کی عہد شکنی اور حضور ﷺ کو شہید کرنے کی بارہا کوششوں کے عوض ان کے قتل اور ان کے بچوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لینے کا حکم فرماتا۔ جیسا کہ اس کے دو برس بعد بنو قریظہ کے یہود سے کیا گیا کیونکہ انہوں نے غزوہ خندق میں عہد شکنی کرتے ہوئے کھل کر حملہ آور قریش مکہ کا ساتھ دیا۔ تب ان کا قتل عام کیا گیا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہود کے لئے آخرت کا عذاب الگ ہے۔

[5] بنونضیر نے اللہ اور اس کے رسول سے جھگڑا کیا، اس سے بڑی کیا بات ہے کہ انہوں نے بدذاتی کا ثبوت دیتے ہوئے سید المرسلین ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی اور وہ جانتے بھی تھے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور تورات آپ کے بارے میں انبیاء کرام علیہم السلام کی بشارات سے بھری پڑی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ کا عذاب سخت تر ہے۔

[6] دوران محاصرہ جب بنونضیر اطاعت پذیر نہیں ہو رہے تھے تو حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ دو تاکہ ان کے دلوں میں رعب پیدا ہو۔ چنانچہ ان کے عجوہ کھجور کے درخت کٹنے لگے، یہ منظر دیکھ کر ان کی عورتیں سینہ کوبی کرنے اور گریبان پھاڑنے لگیں اور شور مچانے لگیں کہ درختوں کا کیا قصور ہے اے مسلمانو! تم جہاد کر رہے ہو یا فساد کر رہے ہو۔ ان کی باتوں سے متاثر ہو کر بعض مسلمان درخت کاٹنے سے رک گئے اور مسلمانوں کے مابین اس

حرہ واقم
(مشرقی سنگلاخ زمین)

خیبر
حرہ خیبر
نجد
ینبع النخل
آبار علی
مدینہ منورہ

بنوعبدالاشہل اورزعوراء
نبیت
بنوظفر
السنح
بنوحارث بن خزرج
مسجد نبوی
جبل سلع
البقیع
مدینہ منورہ
بنوزریق
بنوواقف
وادی بطحان
بنوحارث
وادی مہزور
بنوقینقاع کے مکانات
بنوقریظہ کے مکانات
وادی العقیق
وادی مذینب
بنونضیر کے مکانات
بنوعوف بن خزرج
بنوعوف بن
مالک بن اوس
مسجد قباء

بنونضیر (۴ھ)

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ ”جو کاٹا تم نے کوئی کھجور کا درخت یا چھوڑ دیا تم نے اسے قائم اس کی جڑوں پر تو (یہ سب) اللہ کے حکم سے ہے اور تاکہ وہ رسوا کرے فاسقوں کو“ (الحشر:5/59)
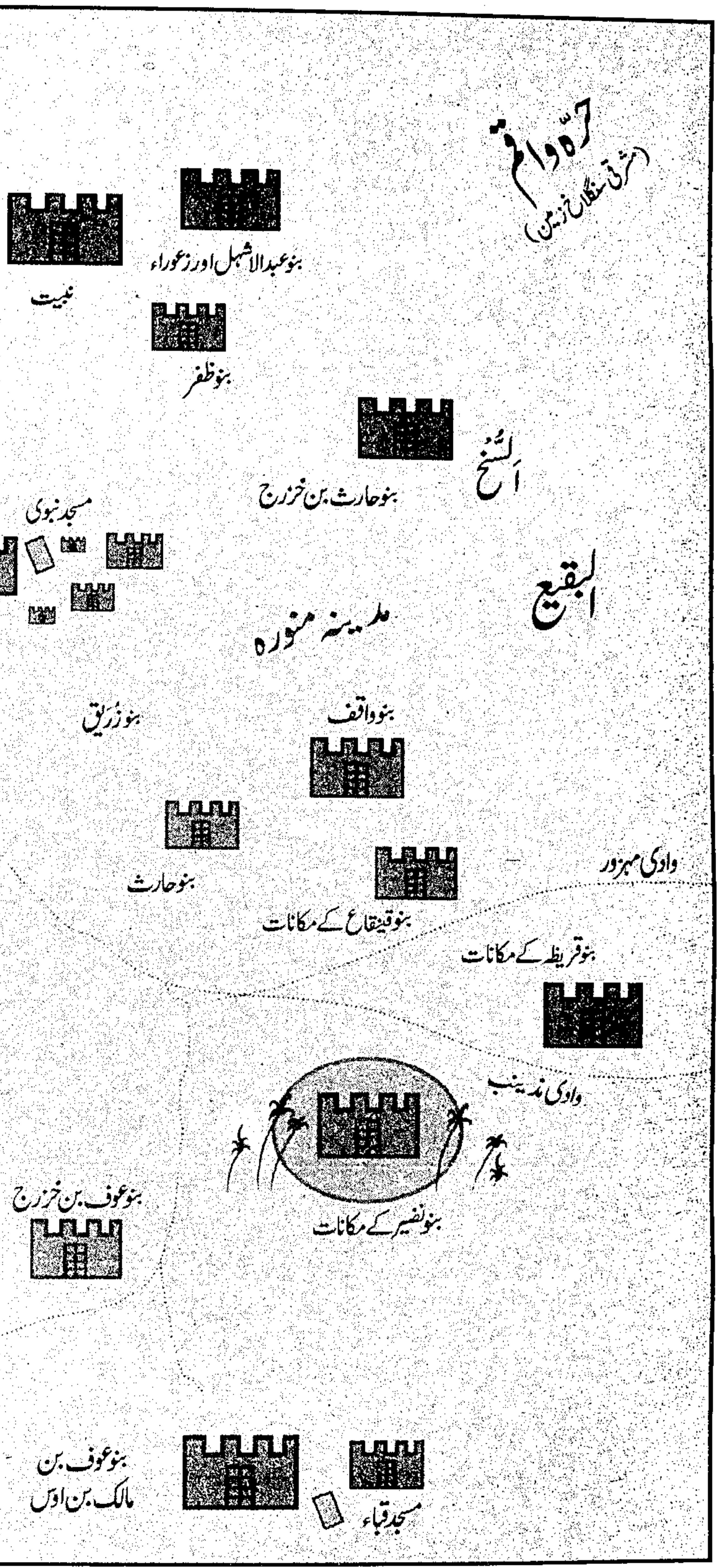
بارے میں اختلاف ہوا۔

تب یہ آیت اُتری، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم میں سے جنہوں نے درخت کاٹے وہ بھی اللہ کی مرضی سے تھا تاکہ یہود پر رعب پڑے اور وہ رسوا ہوں اور جنہوں نے چھوڑ دیئے وہ بھی اللہ کی مرضی سے تھا تاکہ وہ درخت بعد میں مسلمانوں کے کام آئیں، لہٰذا کوئی فریق کسی فریق پر اعتراض نہ کرے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ دورانِ جنگ کفار کو خوفزدہ کرنے کے لئے ان کی املاک کا تباہ کرنا جائز ہے، جیسے آج کل بمباری کے ذریعے دشمن کی عمارتیں اور پل تباہ کئے جاتے ہیں۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ

اللہ تعالیٰ جو علاقہ کفار سے (بغیر جنگ) لے کر اپنے رسول (ﷺ) کو لوٹا دے تو تم نے اس پر کوئی گھوڑے

وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

یا اونٹ نہیں دوڑائے، بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس (قوم) پر چاہے خودغالب فرما دیتا ہے، اللہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ

ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ جو (ایسا) علاقہ اہل دیہات سے لے کر اپنے رسول پر لوٹا لائے تو وہ اللہ

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَىْ لَا

اور اس کے رسول اور رسول کے قریبی رشتہ داروں اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔[7] تاکہ وہ

يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ

تم میں سے صرف مالداروں کے درمیان گھومنے والی دولت نہ بن جائے [8] اور رسول (ﷺ) تمہیں جو دیں وہ لے لو

وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷

اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔ [9]

وقف لازم

[7] یعنی اے مسلمانو! جو علاقہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بغیر لڑائی لوٹا دے جیسے بنونضیر کا علاقہ اللہ نے اپنے رسول کو کسی لڑائی کے بغیر لوٹا دیا تو یہ اللہ کا خاص فضل ہے، ایسے علاقے پر تم نے کوئی گھوڑے یا اونٹ نہیں دوڑائے یعنی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس قوم پر چاہے غالب کر دیتا ہے، کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اموال فی ء کے بارے میں قرآن وسنت کا فیصلہ

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مِنۡ اَہۡلِ الۡقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ یعنی ”مختلف بستیوں کے لوگوں سے جو اموال اور علاقے اللہ تعالیٰ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بغیر لڑائی عطا فرمادے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کے یہود بنو نضیر کے اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغیر جنگ کے عطا فرمادیے) ایسے علاقوں پر اموال غنیمت کی تقسیم والا قانون جاری نہیں ہوگا کہ خمس (پانچواں حصہ) نکال کر باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کئے جائیں، نہیں بلکہ یہ سارے علاقے اور ان کی آمدن اموال فی ء ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں یعنی وہ سرکاری املاک ہیں۔ ان میں سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لئے اور اپنے حاجت مند رشتہ داروں کے لئے جو چاہیں رکھ لیں اور باقی فقراء مساکین اور مسافرین یعنی عامۃ المسلمین پر خرچ کریں۔

یادرہے کہ کفار کے جو اموال لڑائی کے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ آئیں، انہیں اموال فئے کہا جاتا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ الخ) جس کا مفہوم ہی یہ ہے کہ لڑائی کے بغیر محض اللہ کی عطاء سے ملنے والے اموال، ایسے اموال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں سرکاری اموال کی حیثیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر انتظام تھے (آپ کی ذاتی ملکیت نہ تھے، وگرنہ ان میں یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کا حصہ نہ بیان کیا جاتا۔ البتہ حکم قرآن کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اموال فی ء میں سے اپنی ازواج واہل بیت کے خرچہ کے لیے کچھ رکھ سکتے تھے)

چنانچہ مدینہ طیبہ میں بنو نضیر اور بنو قریظہ کے متروکہ باغات اور خیبر کا علاقہ فدک ایسے ہی اموال تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے اپنی ازواج مطہرات کے لئے خرچہ لیتے تھے اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر کا خرچہ بھی انہی میں سے لیتے تھے اور باقی تمام اموال فقراء یتامیٰ ومساکین پر تقسیم فرماتے یا جہاد کے لئے اسلحہ خریدتے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ) پھر خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی یہی طریقہ رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات اور دیگر اقارب کے خرچہ کے لیے بقدر ضرورت حصہ نکال کر باقی کو یتامیٰ ومساکین میں تقسیم کردیتے تھے۔ مگر اس کے بعد بادشاہوں نے ان اموال کو ذاتی صوابدید پر خرچ کرنا شروع کردیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: بنی نظیر کے چھوڑے ہوئے اموال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغیر لڑائی عطا فرمائے، لم یوجف علیه من خیل ولا رکاب. ان پہ کوئی گھوڑے یا اونٹ نہ دوڑائے گئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے زیر انتظام تھے اور آپ ان میں سے اپنے اہل خانہ کے لیے سال کا خرچہ لے لیتے تھے اور باقی ماندہ کو برائے جہاد، اللہ کی راہ میں اسلحہ اور زادِ راہ کے لیے رکھ لیتے تھے۔

(بخاری کتاب الجهاد باب ۸۰ حدیث ۲۳۳، مسلم کتاب الجهاد حدیث ۴۸)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایسے اموال حاکم اسلامی کے زیر انتظام ہوتے ہیں، وہ انہیں مسلمانوں کے مصالح میں

جہاں چاہے خرچ کرے۔ امام خازن فرماتے ہیں:

ذهب الاکثرون الی انه (مال الفیء) لا یخمس بل مصرف جمیعه واحد ولجمیع المسلمین فیه حق، جمہور فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ مال فیء میں سے خمس نہیں نکالا جاتا، بلکہ سارے مال فیء کا ایک ہی جیسا مصرف ہے اور تمام مسلمانوں کا اس میں حق ہے۔ (تفسیر لباب التاویل جلد ۴ صفحہ ۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ بات امام بغوی نے فرمائی ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد ۴ صفحہ ۶۰)

فقہاء احناف کا بھی یہی نظریہ ہے کہ اموال فیء میں خمس نہیں ہے، بلکہ وہ سارا مسلمانوں کا مال ہے۔ قدوری میں ہے:

وما اوجف علیه المسلمون من اموال اهل الحرب بغیر قتال یصرف فی مصالح المسلمین کما یصرف الخراج. اہل اسلام اہل حرب سے جو اموال بغیر لڑائی حاصل کریں، وہ سارا مال مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا، خراج کی طرح۔ (مختصر القدوری کتاب السیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

کتب شیعہ کے مطابق بھی اموال فیء سرکاری املاک ہیں، ائمہ اہل بیت کا فیصلہ

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انفال وہ اموال ہیں جن پر گھوڑے یا اونٹ نہ دوڑائے جائیں انہیں کوئی کافر قوم مسلمانوں کو صلح کے ساتھ یا بلا معاوضہ دیدے اور ایسے ہی وادیاں اور بنجر زمینیں ہیں۔ فهو لرسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وهو للامام من بعده یضعه حیث یشاء۔ تو ایسا مال (سربراہ مملکت کی حیثیت سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر انتظام ہوتا ہے اور آپ کے بعد جو حاکم وقت ہو، اس کے اختیار میں ہوتا ہے، جہاں چاہے صرف کرے۔

(اصول کافی کتاب الحجہ صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

اور شیعوں کا مشہور مفسر علامہ فیض کاشانی لکھتا ہے:

فی التهذیب عن الباقر والصادق الفیء والانفال ما کان من ارض لم تکن فیها هراقة دم وقوم صولحوا واعطوا بایدیهم، وما کان من ارض خربة او بطون اودیة فهو کله من الفیء والانفال فهذا کله لله ولرسوله وما کان لله فهو لرسوله وهو للامام من بعده یضعه حیث یشاء۔

تہذیب میں امام باقر اور امام صادق رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ فرمایا: فیء اور انفال وہ زمین ہے جس پہ خون نہ بہا اور کسی قوم نے صلح کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے دیدیا۔ اور جو بیکار زمین پڑی ہو اور جو وادیاں ہیں یہ سب فیء اور انفال ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے اور جو اللہ کے لیے ہے وہ بھی رسول ہی کے لیے ہے۔ اور رسول کے بعد وہ آپ کے بعد والے حاکم وقت کے لیے ہے، اسے جہاں چاہے صرف کرے۔

(تفسیر الصافی سورۃ الانفال جلد اول صفحہ ۶۳۶ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ تہران)

علامہ کاشانی نے مزید لکھا:

وفی الجوامع عن الصادق علیہ السلام الانفال کل ما اخذ من دار الحرب بغیر قتال و کل ارض انجلیٰ منہا اھلھا بغیر قتال سماھا الافقہاء فیئا، وھی للہ وللرسول ولمن قام مقامہ بعدہ۔

جوامع میں امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ انفال وہ مال ہے جو دار الحرب سے بغیر قتال پکڑا جائے اور جس زمین کے باشندے بغیر جنگ وہاں سے نکل جائیں، فقہاء اسے فیء بھی کہتے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ کے لیے ہوتا ہے اور رسول ﷺ کے بعد اس حاکم کے اختیار میں ہوتا ہے جو آپ کی جگہ کھڑا ہو۔ (تفسیر الصافی جلد ۱ صفحہ ۶۳۶)

ان تمام شیعی عبارات سے واضح معلوم ہوا کہ جو مال یا علاقہ بغیر جنگ کفار سے حاصل ہو، وہ امام باقر امام جعفر رحمہا اللہ کے ارشادات کے مطابق سرکاری مال ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آپ کے اختیار میں ہوتا ہے اور آپ کے بعد جو حاکم وقت ہو اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔

باغ فدک بھی اموالِ فئے یعنی سرکاری املاک میں سے تھا

یہاں یاد رکھنا چاہیے کہ حدود تبوک میں فدک کا علاقہ بھی سن 6 ہجری میں غزوہ خیبر کے فوراً بعد یہود سے لڑائی کے بغیر حاصل ہوا اور اس کا حکم بھی وہی تھا، جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ، کہ وہ اللہ و رسول کے لیے، رسول ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کے لیے اور یتامیٰ مساکین اور مسافروں کے لیے ہے، یعنی وہ حضور ﷺ کی ذاتی ملکیت نہ تھا، کہ آپ کے بعد آپ کے ورثاء کو ملے (یوں بھی انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی)۔

چنانچہ امام موسیٰ کاظم ؒ جنہیں اہل تشیع ساتواں امام معصوم مانتے ہیں، فرماتے ہیں:

لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰی نَبِیِّهٖ فَدَكَ وَ مَا وَالَاهَا لَمْ یُوْجَفْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ۔ جب اللہ نے اپنے نبی ﷺ پر فدک اور اس کا آس پاس فتح کیا تو اس پر گھوڑے یا اونٹ نہیں دوڑائے گئے تھے۔

(اصول کافی جلد اول صفحہ ۵۴۳ کتاب الحجہ مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

اسی طرح مشہور شیعہ مؤرخ مرزا محمد تقی لکھتا ہے:

چوں فتح فدک بہ لشکر سوار و پیادہ نہ بود تمامت خاص پیغمبر گشت و ایں آیہ مبارکہ مفاد ایں معنی تواند بود وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ ... مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ

یعنی جب فدک کا علاقہ سواروں اور پیادوں کی لشکر کشی کے بغیر فتح ہوا تھا، تو وہ حضور ﷺ کے انتظام خاص میں تھا اور یہی اس آیت کا مفہوم ہے جو اللہ نے فرمایا: اللہ نے اپنے رسول کو کفار سے جو علاقہ لوٹایا ہے تم نے اس پر کوئی گھوڑے یا اونٹ نہیں دوڑائے ...... اور اللہ جو علاقہ اپنے رسول کو اہل دیہات سے لوٹائے وہ اللہ اور اسکے رسول کے لیے اور رسول

کے کے قریبی رشتہ داروں، غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔
(ناسخ التواریخ حالات پیغمبر جلد ۲ صفحہ ۳۰۶ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران)

تفسیر کافی میں ہے

عن الكاظم عليه السلام فى حديث له مع المهدى ان الله تعالىٰ لما فتح على نبيه فدك وماوالاها لم يوجف عليه من خيل ولا ركاب. کافی میں امام کاظم رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے عباسی خلیفہ مہدی سے بات کرتے ہوئے کہا: جب اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدک اور اس کا آس پاس فتح کیا تو اس پہ کوئی گھوڑے یا اونٹ نہیں دوڑائے گئے تھے۔ (تفسیر الصافی سورہ نبی اسرائیل جلد اول صفحہ ۹۶۵ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ تہران)

الحمد للہ معتبر کتب شیعہ سے ثابت ہوا کہ فدک اموال فئے میں سے تھا جو لڑائی کے بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا۔ اور قرآن نے ایسے اموال کے بارے میں واضح بتا دیا کہ وہ کسی فرد واحد کو نہیں دیئے جا سکتے، بلکہ وہ سرکاری املاک میں سے ہے۔ ان میں تمام فقراء، یتامیٰ، مساکین اور مسافرین کا بھی حق ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے تمام یتامی و مساکین کا حق مار کر فدک کا علاقہ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو دے دیتے اور سب فقراء و یتامی و مساکین کو محروم کر دیتے۔ اہل تشیع سمجھتے ہیں کہ باغ فدک اور دوسرے اموال فئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی ملکیت تھے اور آپ کے بعد آپ کی بیٹی کو بطورِ وراثت ملنے چاہیے تھے۔ مگر یہ واضح ہو چکا ہے اموال فئے قرآن کی روشنی میں سرکاری املاک ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے منتظم تھے، البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی تھی کہ ان اموال میں سے آپ اپنے لیے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے لیے بقدر ضرورت لے لیں (اسی لیے فرمایا گیا فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى)

لہٰذا وہ تمام روایات جن کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علاقہ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیدیا تھا، وہ سب من گھڑت اور اہل تشیع کی بنائی ہوئی ہیں۔ ایسی ایک روایت درمنثور میں امام سیوطی نے بزار وابی یعلی وغیرہ کے حوالہ سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ جب یہ آیت وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر ان کو فدک دے دیا۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۷۳)

مگر اس کا راوی عطیہ بن سعد کوفی ہے، جسے ائمہ فن رجال نے شیعہ قرار دیا ہے۔ وہ اپنے استاذ ابوسعید کلبی کذاب سے روایت کرتا تھا اور لوگوں کو یوں گمان ہوتا تھا جیسے وہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہا ہے، یوں اس نے بہت سے لوگوں کو دھوکہ دے دیا۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۸۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام اپنے پیچھے مالی میراث نہیں چھوڑتے، کتب اہل سنت اور کتب شیعہ سے

جب اہل تشیع سے یہ ثابت نہیں ہو پاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک دیدیا تھا تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ فدک رسول اللہ کی ذاتی ملکیت تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت میں آپ کی بیٹی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ملنا تھا، مگر

ابوبکر نے ان کو اپنا حق نہیں لینے دیا۔ مگر ابھی ہم بتا چکے ہیں کہ فدک رسول اللہ ﷺ کی ذاتی ملکیت نہ تھا۔ اور اگر بالفرض ہوتا بھی تو انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی۔

چنانچہ حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے عثمان غنی، عبدالرحمان بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام، اور علی المرتضی رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: لا نورث ما ترکناہ صدقۃ، ہم انبیاء اپنے پیچھے کوئی مالی میراث نہیں چھوڑتے، ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ (بخاری کتاب الخمس حدیث ۳۰۹۴، مسلم کتاب الجھاد حدیث ۴۹، سنن ابی داود کتاب الامارۃ باب ۱۰)

یہی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذالك إن الانبیاءَ لم یُورِثُوا درھماً ولا دیناراً و اِنَّما اَوْرَثُوا احادیثَ من احادیثھم فمن اَخَذَ بشیئ منھا اَخَذَ حَظًّا وافراً، بیشک علماء وارثانِ انبیاء ہیں۔ اور بے شک انبیاء اپنے پیچھے درہم یا دینار نہیں چھوڑتے، وہ اپنی احادیث چھوڑتے ہیں۔ جو ان میں سے کچھ حاصل کرتا ہے تو اسے بڑی دولت مل جاتی ہے۔ (اصول کافی جلد اول صفحہ ۳۲ کتاب فضل العلم مطبوعہ تہران)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص حصول علم کے لیے کسی راستہ پہ چلا، اللہ اسے جنت کے راستہ پہ چلائے گا اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے پر بچھاتے ہیں، زمین و آسمان کی ہر چیز طالب علم کے لیے بخشش مانگتی ہے، حتی کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔ اور عابد پہ عالم کی فضیلت ایسے ہے جیسے چودھویں کے چاند کی تمام ستاروں پہ۔ آگے فرمایا

وان العلماء لورثۃ الانبیاء، وان الانبیاء لم یورّثوا دینارا ولا درھما انما ورثوا العلم۔

بیشک علماء وارثان انبیاء ہیں اور انبیاء اپنی میراث درہم و دینار نہیں چھوڑتے، وہ اپنی میراث میں علم چھوڑتے ہیں۔

(بصائر الدرجات جلد اول باب ثواب العلم صفحہ ۲۳ مطبوعہ منشورات الاعلمی تہران)

کیا فدک نہ ملنے پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بول کلام بند کر دیا تھا؟

شیعہ لوگ صحیح بخاری کی ایک روایت پہ بہت شور مچاتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی میراث دی جائے، انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لا نورث ما ترکناہ صدقۃ، ہم انبیاء کی میراث نہیں ہوتی ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ فغضبت فاطمۃ بنت رسول اللہ ﷺ فھجرت ابابکر فلم تزل مھجارتہ حتی توفیت، تو حضرت فاطمہ غضبناک ہو گئیں اور حضرت ابوبکر سے بول کلام بند کر دیا اور ان سے کبھی کلام نہ کیا حتی کہ آپ فوت ہو گئیں۔

(صحیح بخاری کتاب الخمس باب ا حدیث ۳۰۹۳)

سچ یہ ہے کہ یہ روایت بالمعنی ہے، چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد گرامی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے غمزدہ تھیں، وہ خاموش رہتی تھیں وہ اس کے بعد صرف چھ ماہ اس دنیا میں رہیں اور رحلت فرما گئیں۔ اس سے راوی نے گمان کیا کہ شائد وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض گئیں، تو اس نے اپنی غلط فہمی کی بنیاد پہ یہ الفاظ کہہ دیے۔ اس کے چند دلائل ہیں۔

اول: کسی حدیث میں خود سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ نہیں ہیں کہ انہوں نے کہا ہو: انا غضبانُ علی ابی بکر فلا اُکلّمه حتی اموت کہ میں ابوبکر پر غضبناک ہوں، میں ان سے موت تک کلام نہ کروں گی۔ اگر کسی شیعہ عالم میں ہمت ہے تو ایسی کوئی حدیث پیش کرے۔ جب انہوں نے خود ایسی کوئی بات نہیں کہی، تو راوی کو کیسے ان کی ناراضگی کا علم ہوگیا؟ حقیقت یہی ہے کہ جناب سیدہ نے اس کے بعد اس بارے میں خلیفۃ المسلمین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دوبارہ کوئی ذکر نہ کیا تو اس سے کسی کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ وہ ناراض ہیں، حالانکہ ایسا نہ تھا۔

دوم: اگر کوئی شخص کسی آدمی سے روزانہ ملتا ہو یا کثرت سے ملتا ہو اور محبت و پیار کی خوب باتیں کرتا ہو، پھر کسی وجہ سے وہ اس سے ملنا اور کلام کرنا چھوڑ دے تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس پہ غضبناک ہوگیا ہے اور اس سے تعلق منقطع کرلیا ہے۔ مگر یہاں ایسی کوئی بات نہیں سوچی جاسکتی، کیونکہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا ایک پردہ دار خاتون ہیں۔ ان سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلے کونسا بکثرت ملنے اور گفت و شنید کرنے کا سلسلہ تھا جو منقطع ہوگیا اور اس سے کسی کو ان کی ناراضگی کا گمان ہو گیا؟ الغرض راوی کا یہ کلام سراسر بے بنیاد مغالطہ پہ مبنی ہے۔

سوم: یہ کیسے ممکن ہے کہ سیدہ طیبہ طاہرہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو ان کے والد گرامی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی جائے اور وہ اسے ماننے کی بجائے غضبناک ہوجائیں اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنانے والے سے موت تک بات چیت بند کردیں۔ اور بلاوجہ کسی مسلمان سے قطع تعلق کرنا گناہ ہے، ایسے شخص کے لیے قرآن میں وعید شدید آئی ہے۔ (رعد، ۲۵) ایسا کردار تو ایک ادنیٰ مسلمان کے لائق بھی نہیں، چہ جائیکہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی بات ہو۔ یقیناً یہ راوی کی غلط فہمی ہے۔

چہارم: ہمیں تو شیعہ کتب سے ملتا ہے کہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے راضی تھیں۔ جب وہ راضی تھیں تو آج بعض لوگوں کا ناراض ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔

شیعہ کتب کے مطابق سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے مطمئن تھیں

چنانچہ مشہور شیعہ محقق علامہ کمال الدین مَیثم بن علی بن میثم البحرانی متوفی 679ھ شرح نہج البلاغہ میں لکھتا ہے:

اور مروی ہے کہ جب ابوبکر نے فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنا تو اللہ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کہنے کے بعد کہا: اے ہر باپ سے بہتر باپ کی بیٹی! میں نے حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تجاوز نہیں کیا ہے اور آپ ہی کے ارشاد کو اپنایا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا، آپ نے فرمایا: اِنّا معشرُ الانبیاء لا نورّثُ ذھباً ولا فضةً ولا ارضا ولا عقارا ولا دارا ولکنّا نورّثُ الایمانَ والحکمةَ والعلمَ والسنةَ۔ ہم گروہ انبیاء کی میراث سونا ہے نہ چاندی، زمین ہے نہ پراپرٹی، نہ گھر، بلکہ ہماری میراث ایمان، حکمت، علم اور سنت ہے۔

سیدہ فاطمہ ﷞ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے فدک دیدیا تھا، حضرت ابوبکر نے پوچھا اس کا گواہ کون ہے؟ تو حضرت علی بن ابی طالب اور ام ایمن نے آ کر گواہی دی، پھر عمر بن خطاب اور عبد الرحمان بن عوف نے آخر گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ فدک (کی آمدن) کو تقسیم فرماتے تھے، حضرت ابوبکر نے کہا: اے بنت رسول ﷺ! آپ نے سچ فرمایا، حضرت علی نے سچ فرمایا، ام ایمن کا کہنا بھی سچ ہے اور عمر بن خطاب اور عبد الرحمان کی گواہی بھی سچی ہے۔ اور اے دختر رسالت مآب ﷺ! آپ کا وہی حصہ ہے جو آپ کے والد گرامی کا تھا، دراصل رسول اللہ ﷺ فدک کی آمدن سے تمہاری روزی (اخراجات) کے مطابق لیتے تھے اور باقی کو تقسیم کر دیتے یا جہاد کے لیے رکھ لیتے تھے۔ اور میں آپ کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ میں فدک کے بارے میں وہی عمل جاری رکھوں گا جو رسول اللہ ﷺ کرتے تھے (یعنی فدک کی آمدن سے جتنا حصہ رسول اللہ ﷺ آپ کو دیتے تھے، وہ میں دیتا رہوں گا اور باقی کو یتامیٰ و مساکین میں تقسیم کروں گا یا جہاد وغیرہ میں خرچ کروں گا۔ اور ایسے مال کا حکم قرآن نے یہی بیان فرمایا ہے، جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے) آگے راوی کہتا ہے:

فرضِیتْ بذالك واخذتِ العهدَ عليه به، وكان يأخذُ غلّتَها فيدفعُ اليهم منها ما كان يكفيهم ثم فعل بذالك الخلفاء بعده كذالك.

یعنی سیدہ فاطمہ ﷞ اس فیصلہ پر راضی ہو گئیں اور اس عمل کے جاری رکھنے پر ان سے (ابوبکر صدیق ﷛ سے) عہد لے لیا، تو ابوبکر صدیق ﷛ فدک کے غلہ میں سے خانوادۂ اہل بیت رسول ﷺ کو اس قدر دیدیتے تھے، جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہوتا تھا۔ اس کے بعد کے خلفاء نے بھی یہی سلسلہ باقی رکھا۔

(شرح نہج البلاغہ لعلامہ ابن میثم جلد ۵، صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ دار الثقلین بیروت)

سبحان اللہ! شیعہ محقق علامہ ابن میثم کی ذکر کردہ اس روایت نے معاملہ کو خوب واضح کر دیا ہے اور جن روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ ﷞ کو فدک کا باغ دیا تھا ان کی وضاحت بھی ہو گئی کہ (بشرط صحت) ان کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فدک میں سے ایک حصہ ان کے لیے مقرر کر دیا تھا۔ یہی حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے (فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ) یہی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا، اسی کو حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے جاری رکھا اور اسی کو بعد والے خلفاء راشدین نے اپنایا، اور سیدہ فاطمہ خاتون جنت ﷞ اس طریقہ پر راضی اور مطمئن تھیں۔

شیعہ لوگ عموماً کہہ دیتے ہیں کہ کیا بڑی بات تھی، جب حضرت فاطمہ ﷞ نے باغ فدک مانگ ہی لیا تھا تو ابوبکر (﷛) کو چاہیے تھا کہ وہ انہیں دیدیتے۔ مگر یہ غلط بات ہے، جب ایک معاملہ میں اللہ کا حکم موجود ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے جاری فرمایا ہے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق ﷛ حکمِ خدا و سنتِ مصطفیٰ ﷺ کو کیسے بدل سکتے تھے، اور تمام یتامیٰ و مساکین اور اہل اسلام کا حق کیسے غصب کر سکتے تھے؟ جناب خاتون جنت ﷞ کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا کہ شائد باغ فدک رسول اللہ ﷺ کی ذاتی ملکیت تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی میراث کی حقدار ہیں۔ مگر جب انہیں حدیث رسول ﷺ بتائی گئی کہ انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی، البتہ باغ فدک کی آمدن سے جو حصہ ان کے لیے زمانہ رسول ﷺ

سے مقرر ہے وہ انہیں دیا جاتا رہے گا، تو وہ مطمئن ہوگئیں۔

ایک بار مجھ سے ایک شیعہ ذاکر نے یہاں برطانیہ میں فون پر سوال کیا کہ کیا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دین کا علم نہ تھا، وہ کوئی ناحق مطالبہ کیسے کرسکتی تھیں؟ میں نے اسے کہا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سوال کرنا زیادہ سے زیادہ اجتہادی خطاء بنتا ہے۔ اور کیا انبیاء کرام علیہم السلام سے اجتہادی خطا واقع نہیں ہوئی، کیا قرآن نے حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوعہ سے کھانا ذکر نہیں کیا؟ آخر انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ (بقرہ، ۳۷) پھر قرآن نے بتایا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام حکم خداوندی سے قبل بستی سے نکل گئے، آخر انہوں نے استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خطائے اجتہادی معاف فرمادی۔ (انبیاء، ۸۸) اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام سے ایک معاملہ میں اجتہادی خطاء ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرشتوں کے ذریعہ متنبہ فرمایا۔ تب انہوں نے استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف فرمادی۔ (ص، ۲۵)

میں نے کہا جب انبیاء سے بھی اجتہادی خطاء ہوسکتی ہے تو سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے کیوں نہیں ہوسکتی؟ مگر جب انہیں مسئلہ کی صحیح نوعیت معلوم ہوئی، تو وہ بقول شیعہ کتب مطمئن ہوگئیں۔ تو اس شیعہ ذاکر سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور پریشان ہوکر اُس نے فون بند کردیا۔

اس جگہ باغ فدک کے حوالہ سے کافی مفصل اور طویل گفتگو ہوگئی ہے، یہ محض احقاق حق کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور میرے لیے ذریعہ نجات وبخشش بنائے۔ شائد اس موضوع پہ ایسی مفصل گفتگو آپ کو کسی دوسری تفسیر میں نہ ملے۔ ابھی اس موضوع کے کئی اہم گوشے تشنۂ وضاحت رہ گئے ہیں، مگر اسی پہ اکتفاء کیا جاتا ہے **وما توفیقی الا باللہ**۔ باغ فدک کے بارے میں **وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ**۔ (بنی اسرائیل، ۲۶) کے تحت بھی ہم نے کلام کیا ہے، وہاں بھی دیکھ لیں۔

[8] یعنی اموال فیئے کو سرکاری املاک اس لئے قرار دیا گیا تاکہ وہ صرف مالداروں کی دولت بن کر نہ رہیں، بلکہ ان سے فقراء، یتامیٰ، مساکین اور دوسرے حاجتمند مسلمان بھی حصہ پائیں۔ عجیب بات ہے قرآن مجید جس چیز سے امت کو روک رہا ہے، وہی چیز اہل تشیع نبی وآل نبی کے لئے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

[9] یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب وخلیفہ ہیں وہ جس کام کا حکم دیں، خواہ وہ قرآن کی صورت میں ہو یا حدیث کی صورت میں اسے ضرور اپنالو اور جس کام سے روک دیں اس سے ضرور رک جاؤ، کہ ان کا حکم اللہ کا حکم ہے۔

حجیّتِ حدیث، ختم نبوت اور عصمتِ نبوت

یہ آیت حدیث کی حجیت پر واضح دلیل ہے۔ اسی لیے قرآن میں بار بار **اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ** فرمایا گیا، یعنی اللہ کی اطاعت کا حکم الگ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا حکم الگ دیا گیا، تاکہ خوب واضح ہوجائے کہ حدیث بھی قرآن کی طرح حجت ہے۔ یہ آیت ختم نبوت کی بھی دلیل ہے، کیونکہ **ما آتاکم الرسول** سے معلوم ہوا کہ قرآن کے مخاطبین کے لیے ایک ہی رسول ہے یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ لہٰذا ان کے بعد جو نیا شخص دعویٰ نبوت کرے، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

علاوہ ازیں یہ آیت رسول اللہ ﷺ کا معصوم ہونا بھی بتا رہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جو دے دیں وہ ضرور لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ معلوم ہوا کہ آپ کی زبانِ مبارک سے کوئی غلط لفظ نہیں نکل سکتا۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ
(مال فئے) ان نادار مہاجرین کے لیے ہے، جنہیں اُن کے گھروں اور مالوں سے نکالا گیا۔ وہ اللہ کا
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ
فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں۔ وہی
الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ
سچے لوگ ہیں اور جنہوں نے ان سے پہلے (مدینہ طیبہ میں) گھر اور ایمان تیار کیا۔ وہ اُن کی طرف
هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ
ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت رکھتے ہیں اور اس بارے میں اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے جو
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ قف وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
مہاجرین کو دیا گیا اور انہیں خود پر ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود سخت محتاجی میں ہوں اور جسے اُس کے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾
دلی لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔

مہاجرین وانصار صحابہ کا اخلاص اور منافقین کی یہود سے ساز باز

[10] جب بتایا گیا کہ کفار سے (جنگ کے بغیر) حاصل ہونے والے اموال یتامیٰ، مساکین، فقراء اور مسافرین کے لئے ہیں، تو مزید فرمایا جا رہا ہے کہ ان اموال کے حقدار وہ نادار مہاجرین بھی ہیں جن کو اپنا گھر بار اور اموال و اسباب سب کچھ چھوڑ کر ہجرت کرنے پہ مجبور کیا گیا اور وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے لئے سب کچھ چھوڑ کر نکل آئے، تا کہ اللہ اور اس کے رسول کے دین کی مدد کریں۔ وہ سچے مومن ہیں اور ان اموال کے صحیح حقدار ہیں۔

یہ آیت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آنے والے مہاجرین صحابہ کے حق میں نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے یہود کے قبیلہ بنی نضیر کے متروکہ اموال انہی مہاجرین میں تقسیم فرمائے تھے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان کی ناداری کا یہ عالم تھا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان میں سے بعض لوگ بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے اور بعض سردی سے بچنے کے لئے گڑھا کھود کر اس میں سوتے تھے۔ (درمنثور بروایت عبد بن حمید وابن منذر جلد ۸ صفحہ ۱۰۵) تاہم اس آیت کا حکم دین کے لئے ہجرت کرنیوالے تاقیامت سب مہاجرین کے لئے عام ہے۔

دین کے لئے ہجرت کرنے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ اللہ اور اس کے رسول کے دین کی مدد اور اپنے ایمان کے تحفظ کی خاطر اپنا وطن گھر بار اور اموال واسباب چھوڑنے والوں کو اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ کا تمغہ عطا فرمایا اور يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا کی سند سے نوازا۔ انہی مہاجرین کیلئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ ''جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی بعد ازاں کہ انہیں ستایا گیا ہم انہیں دنیا میں بہتر ٹھکانہ دیتے ہیں اور آخرت کا اجر اس سے بڑا ہے اگر وہ جانیں۔'' (نحل،۴۱)

دوسری جگہ فرمایا گیا: وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ ''جو شخص اپنے گھر سے اللہ ورسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے، پھر اسے راستہ میں موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے آگیا۔'' (نساء،۱۰۰)

نظریۂ پاکستان کی حقانیت

تحریکِ پاکستان کے دوران بعض علماء نے غیروں کے اشارے پر یا غلط فہمی سے کہا کہ قوم وطن سے بنتی ہے، مذہب سے نہیں، لہٰذا مطالبۂ پاکستان غلط ہے۔ کیونکہ مسلم ہندو سب کا ایک ہی وطن ہے یعنی ہندوستان، لہٰذا وہ ایک ہی قوم ہیں اور ان کے وطن کو دوٹکڑے نہیں کرنا چاہیے۔ حالانکہ انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مکہ سے ہجرت پر غور کرنا چاہیے تھا۔ صحابہ نے اللہ ورسول کے حکم پر ہجرت کی اور اپنی الگ اسلامی ریاست قائم کی، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ہمیشہ کفار مکہ کے ہاں محکوم اور مظلوم بن کر رہتے۔ اسی طرح اگر ہندوستان کے مسلمان اسلامی ریاست کا مطالبہ نہ کرتے، تو وہ ہمیشہ ہندوؤں کے محکوم و مظلوم بن کر رہتے، کیونکہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے شدید نفرت ہے تو ریاست مدینہ طیبہ کا قیام نظریۂ پاکستان کی بنیاد ہے۔ اور دین کے لیے ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آنے والوں کا وہی کردار تھا، جو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کو ہجرت کرنے والوں نے اپنایا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ بعد میں پاکستان کو مخلص حکمران نہ مل سکے۔

عظمتِ کعبہ، عظمتِ رسول کے تابع ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کعبۃ اللہ کے سائے میں ارضِ حرم میں رہتے تھے، جہاں کی ایک نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔ مگر جب کعبۂ ایمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ کو چھوڑ دیا اور مدینہ طیبہ چلے آئے، تو صحابہ پہ ہجرت لازم ہوگئی، کیونکہ کعبہ تو جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے آنے کے لئے مکہ میں بنایا گیا تھا۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر یہی دعا کی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ الخ (بقرہ، ۱۲۹) گویا اگر کعبہ قبلۂ عبادت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبلۂ عقیدت و محبت ہیں۔ وہ کعبۂ جسم و جان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبۂ ایمان ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہوتے کہاں خلیل و بنائے کعبہ و منیٰ ۔۔۔ لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو ۔۔۔ کعبہ تو دیکھ چکے اب کعبے کا کعبہ دیکھو

اگر کفار مسلمانوں کی املاک پر قابض ہو جائیں، تو وہ مالک بن جاتے ہیں

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے استدلال فرمایا کہ اگر کفار کسی ملک پہ چڑھائی کر کے وہاں مسلمانوں کی املاک اور جائیدادوں پر غالب آ جائیں تو وہ ان کے مالک بن جاتے ہیں۔ چنانچہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ آئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ کہا۔ حالانکہ مکہ مکرمہ میں ان کی جائیدادیں تھیں وہ فقراء (نادار) نہ تھے۔ اگر کفار ان کی املاک کے مالک نہ بن گئے ہوتے، تو انہیں فقراء نہ کہا جاتا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کا نظریہ بھی یہی ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک کفار مسلمانوں کی املاک کے مالک نہیں ہو سکتے اور امام احمد رضی اللہ عنہ سے دو اقوال مروی ہیں۔

مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قرآنی فضائل

اللہ تعالیٰ یہاں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے والوں کے یہ فضائل بیان فرمائے ہیں۔

اول: وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں (يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا) گویا وہ ہر کام رضاء الٰہی کے لیے کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلا خلیفہ چنا ہے تو ایسا انہوں نے کسی نفسانی خواہش کے لیے نہیں، بلکہ رضاء الٰہی کے لیے کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقت آخر میں اپنے مصلّٰی پہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر کے گئے تھے۔ دیکھو جب انہوں نے حکم رسول پر رضاء الٰہی کے لیے وطن، جائیدادیں، گھر، خاندان اور تجارت سب کچھ کو قربان کر کے غریب الوطنی اختیار کر لی اور امیر سے غریب ہو گئے، تو کیونکر ممکن ہے کہ اگر انہیں امامت و خلافت علی رضی اللہ عنہ کے ماننے کا حکم ملا ہوتا، تو وہ اس کی مخالفت کرتے؟ اسی طرح دوسرے مقام پہ فرمایا گیا: يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا "وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔" (فتح، ۲۹)

یاد رہے کہ تمام مہاجرین ہی عظمت والے ہیں، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مہاجرین کے سردار ہیں۔ کسی نے اپنے باپ کے ساتھ ہجرت کی، کسی نے بھائی کے ساتھ اور کسی نے بیٹے کے ساتھ ہجرت کی، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہجرت میں ان کی صحبت و خدمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ نص کرتے ہوئے فرمایا: ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۚ (توبہ، ۴۰)

دوم: مہاجرین صحابہ کرام اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں (وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ) اور کیا شک ہے کہ سب سے پہلے مہاجرین صحابہ ہی دین کے مددگار بنے، تو دین کا پودا اپنی جڑ پہ کھڑا ہوا۔ مہاجرین نے اسے اپنے خون دل سے سینچا اور مضبوط کیا (اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ) صد افسوس ہے کہ جن کو قرآن اللہ و رسول کے مددگار قرار دے رہا ہے، انہیں نام نہاد مسلمان دین پہ ظلم ڈھانے والے ٹھہراتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ امامت علی سے انکار کر کے صحابہ نے دین کا حلیہ بگاڑ دیا، انہوں نے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روک دیا، وہ صحابہ کرام کو اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① (محمد، ۱) کا مصداق ٹھہراتے ہیں۔ (تفسیر قمی سورہ محمد صفحہ ۶۲۴)

سوم: مہاجرین صحابہ کرام سچے مسلمان ہیں (اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ) سبحان اللہ اللہ رب العزت انہیں سچے مسلمان قرار دے رہا ہے اور اہل تشیع انہیں مسلمان سمجھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہی صحابہ کے لیے فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے اموال کے ساتھ جہاد کیا اور جنہوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی وہ سچے مومنین ہیں، ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔'' (انفال، ۷۴)

یہاں سے خلافت راشدہ کی حقانیت بھی معلوم ہوئی، کیونکہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بحکم قرآن صادقون ہیں تو انہوں نے جن خلفاء کو منصب خلافت پہ بٹھایا، ان کی خلافت بھی سچی ہے اور وہ سچے خلفاء ہیں۔

[11] مہاجرین صحابہ کے بعد انصار صحابہ کی فضیلت بتائی جا رہی ہے کہ انہوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں اور دلوں میں جگہ دی وہ اپنے پاس ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت رکھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کو جو کچھ دیا اس پر وہ اپنے سینوں میں کوئی حسد محسوس نہیں کرتے۔

انصار، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ ایثار و قربانی

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب یہود بنی نضیر کی متروکہ املاک حاصل ہوئیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار صحابہ کو بلا کر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں یہ املاک تمہارے اور مہاجرین کے مابین تقسیم کر دوں اور مہاجرین تمہارے مکانات اور اموال سے بدستور فائدہ اٹھاتے رہیں اور اگر تم چاہو تو میں یہ اموال انہی کو دے دوں اور وہ تمہارے مکانات اور

اموال سے نکل جائیں۔ انصار صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ یہ اموال مہاجرین میں تقسیم فرما دیں اور وہ ہمارے مکانات اور اموال میں بھی اسی طرح رہیں، جیسے رہ رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا: اے اللہ! انصار پر رحم فرما اے اللہ! انصار پر رحم فرما۔ پھر آپ ﷺ نے بنونضیر کے اموال مہاجرین میں تقسیم فرما دیئے اور انصار کو ان میں سے کچھ نہ دیا (کیونکہ مہاجرین کی حالت اس وقت بہت کمزور تھی) (مظہری بحوالہ سبیل الرشاد جلد ۹ صفحہ ۲۴۳)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین کو خود پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ خود حاجت مند ہوں کیونکہ ان کے دلوں میں بخل نہیں ہے اور جس شخص کو دلی بخل سے بچا لیا جائے، تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مہاجرین مدینہ طیبہ آئے تو انصار نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمارے کھجوروں کے باغات کو ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، تم ہمیں صرف محنت مزدوری میں شامل کرو اور ہم صرف تمہارے پھلوں میں شریک ہوں گے اور باغات تمہارے ہی رہیں گے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ہم اطاعت بجا لاتے ہیں۔ (بخاری کتاب الشروط باب ۵)

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ بھی مروی ہے کہ ایک انصاری ایک مہاجر کو اپنے گھر لے گیا اور جو کھانا پکا تھا اسے کھلا دیا اور خود اس نے اور اس کے اہل خانہ نے بھوکے رات گزاری۔ انہوں نے چراغ بجھا دیا تاکہ ان کا مہمان بے دھڑک کھانا کھائے اور انہوں نے اندھیرے میں یوں ظاہر کیا جیسے وہ بھی کھا رہے ہیں، حالانکہ وہ بھوکے تھے، انہوں نے بچوں کو بھی بغیر کھلائے سلا دیا۔ صبح حضور ﷺ نے فرمایا آج رات فلاں شخص اور اس کی بیوی کے عمل پر اللہ رب العزت تعجب فرماتا ہے یا مسکراتا ہے (یعنی خوش ہوتا ہے) تب یہ آیت اتری وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۛ (بخاری کتاب المناقب الانصار باب ۱۰)

حضرت ابراہیم بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین انصار کے مابین مواخات (بھائی بندی) بنائی (ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی قرار دیا) اس میں آپ نے عبد الرحمان بن عوف اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کے مابین موخات بنائی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمان رضی اللہ عنہ سے کہا: میں انصار میں سب سے مالدار ہوں، تم میرے مال کو دو حصوں میں تقسیم کرو، ایک مجھے دیدو ایک تم رکھ لو اور میری دو بیویاں ہیں تم جس کو چاہو میں اسے طلاق دیدیتا ہوں، جب اس کی عدت گزر جائے تو تم اس سے نکاح کر لو۔ حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تمہارے اہل خانہ اور مال میں برکت فرمائے، مجھے صرف بازار کی راہ دکھا دو، تو حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے کام شروع کیا اور چند ہی دنوں میں اتنا مال جمع ہو گیا کہ انہوں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی۔

(بخاری کتاب مناقب الانصار حدیث ۳۷۸۰)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) جذبہ اخوتِ اسلامیہ:

جس طرح انصار نے خود بھوکے رہ کر اپنے مہاجر ساتھیوں کو کھلایا اور انہیں اپنے کاروبار تجارت میں شامل کیا، اس میں عظیم درس اخوت ہے۔ کاش! ہم یہ درس یاد رکھتے۔ مگر افسوس آج اس کے برعکس ہمارے حکمران غرباء کے منہ سے نوالے چھین کر اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں، آج بھائی بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے۔ اللہ ہمیں ہدایت دے۔

(2) مذمت بخل:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ سے بخل کی مذمت ہوئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شح سے بچو کہ اسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا اور انہیں خوں ریزی اور محرمات پر اُکسایا۔ (صحیح مسلم کتاب البر حدیث ۵۶)

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں حرام مال جمع کرنا اور زکوۃ نہ دینا شح ہے۔

(3) انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ نے انصار ابرار کی یہ فضیلت بیان فرمائی کہ وہ اپنی حاجات وضروریات کو بالائے طاق رکھ کر مہاجرین کی مدد کرتے ہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کا بہت مرتبہ بیان فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر انصار ایک راستہ پہ چلیں (اور دوسرے سب لوگ دوسرے راستہ پہ چلیں) تو میں انصار کے ساتھ چلوں گا اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک شخص ہوتا۔ (بخاری کتاب مناقب الانصار حدیث ۳۷۷۹)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الانصار لایحبھم الا مؤمن ولا یبغضھم الا منافق فمن احبھم احبه الله ومن ابغضھم ابغضه الله۔ ''انصار سے مومن ہی محبت رکھتا ہے اور منافق ہی بغض رکھتا ہے، تو جو ان سے محبت رکھے اللہ اس سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھے اللہ اسے مبغوض رکھتا ہے۔'' (صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار حدیث ۳۷۸۳)

انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کتب شیعہ سے

مشہور شیعہ مورخ مرزا محمد تقی نے وہ واقعہ نقل کیا ہے جب غزوہ طائف کے غنائم میں سے اہل مکہ کو زیادہ حصہ دیا گیا تو بعض انصار نے اس پہ سوال کیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے انصار! لوگ مال واسباب لے کر گھروں کو لوٹیں گے اور تم اللہ کے رسول کو ساتھ لیکر گھر لوٹو گے، یہ سن کر انصار گریہ وزاری اور توبہ واستغفار کرنے لگے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الانصارُ کرِشی وعَیبتی لوسلك النائس وادیاًوسلکتِ الانصارُشَعباً لسلکتُ شعبَ الانصار اللھم اغفر للانصار۔ انصار میری جماعت اور میرے راز دار ہیں، اگر سب لوگ کسی وادی میں چلیں اور انصار کسی دشوار گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی گھاٹی میں چلوں گا، اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما۔

(ناسخ التواریخ حالات حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد ۳ صفحہ ۱۴۴ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران)

ملا باقر مجلسی شیخ طوسی کی روایت سے نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انصار سپر منہ برائے دفع دشمنان من، پس عفو کنید و درگزرید از گناہان ایشان، و یاری کنید نیکوکاران ایشاں را۔

انصار میری ڈھال ہیں، مجھ سے میرے دشمنوں کو دور کرتے ہیں، لہذا ان کی غلطیوں سے درگزر کرو اور ان کے نیکوکاروں کی مدد کرو۔ (حیات القلوب جلد ۴ صفحہ ۱۶۰۰ مطبوعہ نتشارات سرور قم)

مشہور شیعہ محقق، مفسر اور محدث ابوعلی فضل بن حسن طبرسی اس حدیث رسول ﷺ کو ان الفاظ سے نقل کرتا ہے کہ فرمایا:

الانصار کرشی وعیبتی لوسلك الناس وادیا وسلك الانصار شعبا لسلکت شعب الانصار اللهم اغفر للانصار ولابناء الانصار ولابناء ابناء الانصار۔ انصار میری جماعت ہیں میرے محرم راز ہیں، اگر سب لوگ کسی وادی میں چلیں اور انصار کسی گھاٹی مین چلیں تو میں انصار کی گھاٹی میں چلوں گا، اے اللہ انصار کی بخشش فرما، ان کے بیٹوں کی اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں کی بخشش فرما۔

(إعلام الوریٰ بأعلام الھدیٰ صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ جس راستہ پہ انصار چلیں گے میں اسی رستہ پہ چلوں گا، خواہ وہ دشوار تر ہو۔ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا، خواہ انکا راستہ آسان تر ہو۔ تو تمام انصار نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی پھر دوسرے خلفاء راشدین کی بھی بیعت کی، تو بلاشبہ یہی رسول اللہ ﷺ کا راستہ ہے۔ پھر شیعہ لوگوں کو اس پہ چلنے سے کیوں انکار ہے؟؟

وَالَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِيۡنَ
اور جو لوگ ان کے بعد (دنیا میں) آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی بخشش فرما جو ہم
سَبَقُوۡنَا بِالۡاِيۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِىۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ
سے پہلے ایمان کے ساتھ چلے گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کھوٹ نہ بنا۔ اے ہمارے رب! تو
رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۰ ع
مہربان ہے رحم فرمانے والا ہے۔ [12]

[12] یعنی فتح مکہ کے بعد جب ہجرت ختم ہوگئی، تو اس کے بعد جو مومنین دنیا میں آئے وہ مہاجرین و انصار کے نقش قدم پہ چلنے والے ہیں اور وہ ان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری اور ان لوگوں کی بخشش فرما جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ دنیا سے چلے گئے اور ان کے بارے میں ہمارے دلوں میں کوئی کھوٹ نہ ڈال، اے اللہ! تو مہربان رحم

والا ہے۔

عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اس آیت میں مہاجرین وانصار صحابہ کے بعد والے مومنین سے کہا گیا ہے کہ ان کے لئے استغفار کریں یعنی ان کے لئے بلندی درجات کی دعا کریں اور ان کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی کھوٹ نہ رکھیں۔ اب جس کے لئے استغفار کی جائے، اس کا مومن ہونا ضروری ہے۔ تو اس میں مہاجرین وانصار کے ایمان کی گواہی ہے، بلکہ یہاں صراحتاً دوبار مہاجرین وانصار کو مومنین کہا گیا: الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

مگر افسوس! یہودی سازش کے ذریعے عبداللہ بن سبا کو (جو ایک یہودی عالم تھا) دور عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں مسلمانوں کی صفوں میں داخل کیا گیا۔ اس نے مسلمانوں میں یہ نظریہ ایجاد کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے تھا، مگر ابوبکر عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) نے ظلماً خلافت سنبھال لی، تو ضروری ہے کہ عثمان کو ہٹا کر حضرت علی کو خلاف دلائی جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا کی تحریک سے متاثر بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ اور تب سے شیعہ مذہب معرض وجود میں آیا اور انہوں نے خلفاء راشدین کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنہوں نے خلفاء راشدین کی بیعت کی تھی، بُرا بھلا کہنا شروع کیا، بلکہ وہ انہیں اسلام ہی سے خارج مانتے ہیں۔ اس صورت حال پر جس قدر دکھ اور افسوس کا اظہار کیا جائے کم ہے۔

انہی آیات کے تحت ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا انہی لوگوں کے بارے میں فرماتی ہیں کہ تمہیں حکم دیا گیا تھا کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار کرو، مگر تم نے انہیں بُرا کہنا شروع کر دیا، میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ نے فرمایا یہ امت ہلاک نہ ہوگی جب تک پچھلے لوگ پہلوں کو لعنت نہ کرنے لگیں۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۶۴)

انہی آیات کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ (جن کو اہل تشیع چوتھا امام معصوم مانتے ہیں) کا ارشاد بھی سنیئے۔ شیعہ مجتہد سید ہاشم اربلی لکھتا ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس چند اہل کوفہ آئے (اور کوفی لوگ ہی سب سے پہلے عبداللہ بن سبا یہودی کی تعلیمات سے متاثر ہو کر عقیدۂ امامت کے قائل ہوئے تھے) انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے بارے میں بُری باتیں کہیں۔

آپ نے فرمایا: کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا؟ انہوں نے کہا نہیں ہم مہاجرین میں سے نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم انصار میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ الخ؟ انہوں نے کہا نہیں ہم انصار میں سے نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے: وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الخ۔ اس کے بعد آپ نے انتہائی غصہ میں فرمایا: اُخْرُجُوْا فَعَلَ اللّٰہُ بِکُمْ۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ اللہ تمہیں سزا دے۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۲ صفحہ ۸۷ فضائل زین العابدین)

اہل تشیع کو چاہیے کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی بددعا سے ڈریں اور خلفاء راشدین کو بُرا بھلا کہنے سے باز آئیں، ورنہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے محبت کی اداکاری بند کریں۔

ایصالِ ثواب کا جواز

اس جگہ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ سے معلوم ہوا کہ زندوں کی دعا مرنے والوں کو فائدہ پہنچاتی ہے اور یہی ایصال ثواب کا اصل ہے، کہ زندوں کا عمل مُردوں کو فائدہ دے۔ اگر زندوں کا کوئی عمل مُردوں کو فائدہ ہی نہیں دیتا، تو زندوں کا ان کے لئے دعا کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟۔ اس جگہ ایصال ثواب کے منکرین کہتے ہیں کہ مُردوں کے لیے دعا کے ہم بھی قائل ہیں۔ ہم کہتے ہیں پھر تم نے اپنے دعوی کا خود ہی صفایا کردیا، ایصال ثواب بھی دعا ہی ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری اس نیکی کا فائدہ ہمارے فلاں مرحوم مسلم بھائی کو پہنچا، اگر مُردوں کے لیے دعا جائز ہے، تو پھر ایصال ثواب حق ہے۔

اور ایصال ثواب پر کثیر احادیث دال ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری والدہ پر حج لازم تھا اور وہ حج کئے بغیر مرگئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہاری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتی؟ اس نے کہا: ضرور، آپ نے فرمایا: تو اللہ کا حق ادا کرنا زیادہ اہم ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الصید باب ۲۲ حدیث ۱۸۵۲)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہوئیں، تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کرنا اسے نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، وہ کہنے لگے: میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا مخراف نامی باغ میری والدہ کی طرف سے صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الوصایا باب ۱۵ حدیث ۲۷۵۶)

ان احادیث سے واضح ہے کہ فوت شدہ انسان کو حج اور صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ایصال ثواب پر کیا دلیل چاہیے۔ ایصال ثواب پہ ہم پیچھے وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ (سورہ نجم، آیت ۳۹) کے تحت مفصل کلام کر آئے ہیں، وہاں دیکھیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

کیا تم نے منافقت کرنے والوں کو نہ دیکھا وہ اہل کتاب (یہود) میں سے اپنے کافر ساتھیوں سے

الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ

کہتے ہیں: اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے، اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات نہیں مانیں گے

وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَئِنْ

اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اگر انہیں نکالا

اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ

گیا تو وہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو وہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر

نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ

انہوں نے ان کی مدد کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی [13] (اے مومنو) ان کے دلوں

صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ

میں اللہ سے بڑھ کر تمہارا خوف ہے، کیونکہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں وہ سب مل کر بھی تم سے

جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ

نہیں لڑ سکتے، الا یہ کہ قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کے پیچھے سے لڑیں، ان کی پکڑ آپس میں

شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ ۚ

سخت تر ہے، تم انہیں اکٹھا سمجھتے ہو جبکہ ان کے دل جداگانہ ہیں، کیونکہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔ [14]

[13] گزشتہ رکوع کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ قبیلہ بنونضیر کو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے پیغام بھیجا تھا کہ تم مدینہ سے مت نکلو، میرے دو ہزار ساتھی تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں۔ اگر تمہیں مدینہ سے نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے یعنی ہم ہر صورت میں تمہارے مددگار رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ جھوٹ کہتے ہیں اگر یہود کو مدینہ سے نکالا گیا تو منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی، تو وہ ان

کی مدد بھی نہیں کریں گے۔ اگر مدد کو آئے تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر اللہ کے غضب سے انہیں کوئی نہ بچا سکے گا۔

[14] اے مسلمانو! منافقین کو اللہ کا ڈر نہیں ہے، البتہ وہ تم سے ڈرتے ہیں کیونکہ بے سمجھ ہیں۔ تمہارے سامنے منافقانہ ایمان ظاہر کرتے ہیں تا کہ تمہاری پکڑ سے بچے رہیں، مگر اللہ کی پکڑ سے انہیں کچھ خوف نہیں۔ اگر منافقین اور یہود دونوں مل کر تمہارے مقابلہ میں آئیں تو نہیں آسکتے، البتہ قلعوں میں بند ہو کر شرارتیں کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا آپس میں اتحاد نہیں، وہ ایک دوسرے کے خلاف پکڑ میں سخت ہیں بظاہر وہ اکٹھے دکھائی دیتے ہیں، مگر ان کے دل جدا گانہ ہیں کیونکہ وہ بے عقل یعنی اللہ کی پکڑ سے بے خبر ہیں۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ

ان لوگوں کی طرح جو ان سے کچھ عرصہ پہلے تھے۔ انہوں نے اپنے کام کا وبال چکھا [15] اور انکے لئے دردناک

اَلِيْمٌ ۚ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ج فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ

عذاب ہے (انکی مثال) شیطان کی طرح ہے جب اس نے انسان سے کہا کفر کر، چنانچہ جب اس نے کفر کر دیا تو شیطان نے کہا

بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا

میں تم سے بری ہوں، میں اللہ رب کائنات سے ڈرتا ہوں، تو ان دونوں کا انجام یہ ہے کہ

فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ط وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع

دونوں جہنم میں ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی ظالموں کی جزا ہے [16]

ع ۲ ۵

[15] یعنی بنو نضیر اور منافقین کی بے عقلی یہود بنو قینقاع کی طرح ہے جنہوں نے کچھ عرصہ قبل اپنی بدعہدی و شر پسندی کا وبال چکھا یعنی انہیں مدینہ طیبہ سے نکالا گیا۔ وہ بھی یہود کا ایک قبیلہ تھا، ان سے بھی حضور ﷺ نے پرامن بقائے باہمی کا معاہدہ کیا تھا، مگر انہوں نے اسے توڑ ڈالا۔ وہ اس طرح کہ ایک مسلمان عورت ان میں سے ایک یہودی سنار کی دکان پر سونا خریدنے گئی، دوکاندار نے اسے نقاب اُلٹ کر چہرہ دکھانے کو کہا، اس نے انکار کیا۔ دوکاندار نے اس کے دامن کا ایک پلو آنکھ بچا کر کسی چیز سے باندھ دیا جب وہ عورت اُٹھی تو اس کا ازار نیچے گر گیا اور وہ برہنہ ہوگئی۔ اس نے چیخ و پکار کی، بے حیا یہودی ہنس ہنس کر ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ ایک مسلمان نے یہ منظر دیکھا تو تلوار سے اس دوکاندار کی گردن اُڑا دی، یہود نے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔ یہود قبیلہ بنو قینقاع کی اس بدعہدی پر حضور ﷺ نے ان کے علاقہ کا محاصرہ کر لیا اور انہیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا اور وہ اپنے اموال چھوڑ کر صرف عورتوں اور بچوں کو لے کر مدینہ طیبہ سے نکل گئے۔

یہ یہود کا مدینہ طیبہ سے پہلا اخراج تھا، جو ہجرت کے صرف بیس ماہ بعد واقع ہوا۔ مگر قبیلہ بنو قینقاع کی کچھ سیاسی قوت نہ تھی، اس لئے اس کے کچھ عرصہ بعد قبیلہ بنو نضیر کے اخراج کو اللہ تعالیٰ نے هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ (حشر، ۲) کہہ کر ذکر کیا۔

[16] یعنی منافقین نے یہود کو جھوٹے وعدوں کے سہارے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے خلاف ورغلایا جس طرح شیطان، انسان سے کفر کرواتا ہے۔ مگر روز قیامت وہ اسے کہہ دے گا کہ میں تم سے بری ہوں، تم نے اپنی مرضی سے کفر کیا میں نے تمہیں کب مجبور کیا تھا، کہ کفر کرو، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ آخر کار شیطان اور کفر کرنے والا انسان، دونوں ہمیشہ کے لئے جہنم میں چلے جائیں گے اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

برصیصا راہب کا عبرت ناک واقعہ

اس جگہ مفسرین نے شیاطین میں سے ابیض نامی شیطان کا عبرتناک واقعہ ذکر کیا ہے کہ اس نے کس طرح ایک راہب کو بہکایا، اسے عبادت سے چھڑا کر زنا پر لگایا، پھر اسے کافر کر کے مارا۔ اس میں ہر انسان کے لیے ہدایت کا سامان ہے کہ وہ شیطان کے دھوکے میں نہ آئے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا، جسے برصیصا کہتے تھے۔ وہ بے حد عبادت گزار تھا، ابلیس نے ابیض شیطان کو اس کے گمراہ کرنے پر مامور کیا۔ ابیض شیطان ایک راہب کی صورت میں برصیصا کے پاس آیا، کئی مہینے اس کے ساتھ محو عبادت رہا، پھر اسے ایک دعا سکھلائی اور کہا کہ تم جس مرگی زدہ شخص پر اسے پڑھو گے وہ شفا پا جائے گا۔ پھر ابیض شیطان لوگوں پر سایہ ڈالتا، ان کی حالت مرگی والوں جیسی ہو جاتی۔ لوگ برصیصا کے پاس آتے، وہ دعا کرتا اور لوگوں کی مرگی ختم ہو جاتی۔ اسی طرح چند دن یہ سلسلہ خوب چلا۔

تب ابیض نے ایک خوبصورت لڑکی پر سایہ ڈالا۔ لڑکی کو برصیصا کے پاس لایا گیا، اس نے لڑکی کو دیکھنے سے انکار کر دیا اور اسے اپنے تقویٰ کے خلاف جانا۔ ابیض نے لڑکی کے بھائیوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ لڑکی کو برصیصا کی عبادت گاہ میں چھوڑ کر چلے جاؤ، وہ ضرور اس پر نظر کرم کرے گا۔

وہ چھوڑ کر چلے گئے، بعد میں لڑکی پر مرگی کا ایسا دورہ پڑا کہ اس نے اپنے کپڑے اتار دیئے، برصیصا نے تنہائی میں خوبصورت مدہوش لڑکی کا برہنہ جسم دیکھا تو ضبط نہ کر سکا اور اس کے ساتھ بُرائی کر بیٹھا، پھر مسلسل بُرائی کرنے لگا، لڑکی کو حمل ہو گیا، برصیصا نے لڑکی کو قتل کر کے اس کی لاش ایک پہاڑ کے دامن میں چھپا دی۔

اور ابیض کے ڈالے ہوئے وسوسے کے مطابق لڑکی کے بھائیوں سے کہا کہ اس پر جنات کا سایہ تھا، وہی اسے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ ابیض نے لڑکی کے بھائیوں کو خواب میں بتایا کہ برصیصا نے فلاں جگہ تمہاری بہن کی لاش چھپائی ہے اس نے پہلے اس سے زنا کیا ہے، پھر اسے قتل کر کے فلاں جگہ دبا دیا ہے۔ بھائیوں کو وہاں سے بہن کی لاش مل گئی۔

تب انہوں نے برصیصا کو پکڑ لیا اور اسے مارتے ہوئے بادشاہ کے پاس لے گئے جہاں اس نے اپنے جرائم کا

اعتراف کرلیا۔ بادشاہ نے اسے سولی دینے کا حکم دے دیا۔

جب اسے سولی دی جانے لگی تو ابیض اس کے پاس آیا اور کہا اگر تم مجھے سجدہ کرو تو میں تمہیں سولی سے ابھی بچا سکتا ہوں۔ اس نے ابیض کو سجدہ کیا ادھر اس کا تختہ کھینچ دیا گیا اور وہ کافر ہو کر مر گیا۔ تب ابیض نے کہا: اے برصیصا! انی بَرِیۡٓءٌ مِّنۡكَ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶﴾

یہ واقعہ ابن کثیر بغوی، خازن و دیگر مفسرین نے لکھا ہے۔ زیادہ تفصیل کے ساتھ مظہری جلد ۹ صفحہ ۲۵۲-۲۵۴ میں ہے۔ مفسرین کا اس واقعہ کو یہاں لکھنا اس معنی میں ہے کہ یہ شیطان کی وارداتوں کی ایک مثال ہے، یہ معنی نہیں ہے کہ اسی بارے میں یہ آیت اُتری ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر جان کو دیکھنا چاہیے جو کچھ اس نے کل کے لئے آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ سے
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِیۡنَ نَسُوا اللّٰهَ
ڈرو، اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے [17] اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا
فَاَنۡسٰهُمۡ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۹﴾ لَا یَسۡتَوِیۡۤ اَصۡحٰبُ
تو اللہ نے انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا، وہ نافرمان لوگ ہیں [18] دوزخ والے اور
النَّارِ وَاَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ؕ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۲۰﴾ لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا
جنت والے برابر نہیں ہیں، جنت والے ہی کامیاب ہیں [19] اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ
الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ
پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ عاجز ہو جاتا اور خوف خدا سے گر جاتا، اور ہم یہ مثالیں لوگوں
الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۱﴾
کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ فکر کریں [20]

فکر آخرت، عظمت قرآن اور اسماء حسنیٰ الٰہیہ

[17] منافقین اور یہود کا کردار زشت بیان کرنے کے بعد مومنوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ ہر جان کو اللہ کا ڈر محسوس

کرتے ہوئے دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل قیامت کے لئے کیا اعمال آگے بھیجے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں ہر انسان جو کچھ کر رہا ہے، قیامت کے دن اس کا حساب ہوگا۔ اچھے اعمال کی جزاء اور بُرے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

اس آیت کی عظمت واہمیت

یہ آیت بہت اہم ہے، نبی اکرم ﷺ لوگوں کو کسی نیک عمل پر اُبھارنے کے لئے اس کی تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور ﷺ کے پاس کچھ مفلوک الحال بھوکے ننگے لوگ آئے۔ آپ نے منبر پر بیٹھ کر وعظ فرمایا، یہی آیت پڑھی اور فرمایا لوگو اس سے قبل صدقہ کرلو کہ تم صدقہ کرنا چاہو اور نہ کرسکو۔ چنانچہ ہر شخص کچھ نہ کچھ لے آیا۔ حتیٰ کہ اناج کے دو ڈھیر لگ گئے۔ حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا، آپ نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا عمل رائج کیا، اسے اپنے عمل کا بھی ثواب ملے گا اور جو لوگ اس کے طریقہ پر چلیں گے ان کا بھی ثواب ملے گا۔ اور جس نے کوئی بُرا طریقہ رائج کیا اسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی، جو اس کے طریقہ پر چلیں گے۔ (صحیح مسلم کتاب العلم باب ۱۵)

اپنے نفس کے محاسبہ کا طریقہ

اس آیت میں وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ سے معلوم ہوا کہ ہر شخص رات سونے سے قبل محاسبہ کرے کہ آج اس نے کون سا اچھا کام کیا ہے اور کون سا بُرا، پھر اچھے کام پر شکر بجالائے اور بُرے کام سے توبہ کرے۔ یا نماز فجر کے بعد تھوڑی دیر مراقبہ کرے اور گزرے ہوئے کل پر غور کرے کہ اس نے کون سا کام اچھا کیا اور کون سا بُرا۔ یوں وہ بہت جلد گناہوں سے باز آجائے گا۔

[18] یعنی اے مومنو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جن پر نعمتوں کی فراوانی ہوئی، تو وہ اللہ کو بھول گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نفع ونقصان سے غافل کر دیا اور وہ غفلت ہی میں تباہ ہو گئے، یعنی دنیا میں بڑے بڑے مالدار اور سرمایہ دار لوگ اور جابر وقاہر بادشاہ گزرے ہیں، انہوں نے مال ودولت اور حکومت واقتدار کے نشہ میں ہر بُرا کام کیا، مگر یہی غفلت انہیں لے ڈوبی۔ اور ان کی سلطنت کا دبدبہ انہیں بچا نہ سکا۔

دنیا کی بے ثباتی

ایک حضرت بار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں یہی آیت پڑھنے کے بعد فرمایا: وہ پہلے جبار وشداد لوگ کہاں گئے، جنہوں نے بڑے بڑے شہر بنائے اور ان کے گرد اونچی دیواریں اٹھائیں، آج ان کی ہڈیاں مٹی اور پتھروں میں دب گئی ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا جس کام میں رضاء الٰہی نہ ہو، جو مال اللہ کی راہ میں خرچ نہ ہو اور جس شخص کے دل میں تقویٰ نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔ (درمنثور جلد ۹ صفحہ ۱۲۰)

[19] یعنی کافر ومومن، بدکار ونیکوکار اور ظالم وعادل برابر نہیں ہو سکتے، یقیناً دوزخ والے کام دوزخ کی طرف لے

جاتے ہیں اور جنت والے کام جنت کی طرف فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؔ﴿۷﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ؔ﴿۸﴾ (زلزال، ۸) اللہ کا عدل یہی ہے۔ ہاں اگر اس کا فضل گناہوں کی معافی دے دے تو وہ ممکن ہے۔ مگر صرف اس کے فضل کا بہانہ کر کے اس کے عدل سے غافل ہو جانا بڑی بدبختی ہے۔

[20] حضرت ضحاک اس کا معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم کسی پہاڑ پر قرآن مجید کے وہ احکام نافذ کرتے، جو انسانوں پر نافذ کئے گئے اور اسے اپنے عذاب کا وہ خوف دلاتے جو ہم انسانوں کو دلاتے ہیں، تو وہ خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ لہٰذا انسان کا زیادہ حق ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرے۔ اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ پہاڑوں اور پتھروں میں بھی ایک شعور اور حیات ہے۔ لہٰذا اگر پہاڑوں پہ قرآن اُتارا جاتا تو وہ اسے سن کر سمجھ کر عاجز ہو جاتے اور خوف سے گر پڑتے، جیسے قرآن میں ہے کہ بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ (بقرہ، ۷۴) امام ابن کثیر فرماتے ہیں، استنِ حنانہ، فراقِ رسول ﷺ میں بچوں کی طرح رویا۔ اگر کھجور کے خشک تنے کو حضور ﷺ سے اس قدر محبت ہے تو ایک مومن کو اس سے کہیں بڑھ کر آپ سے محبت ہونی چاہیے۔ اسی طرح اگر خشک پہاڑ قرآن کو سن اور سمجھ کر خوف سے ٹکڑے ہو سکتے ہیں تو اے مومنو! تمہارا کیا حال ہے تم تو قرآن کو سنتے اور سمجھتے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۶۷)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحۡمٰنُ

وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ ہر چھپی اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے، وہ بہت مہربان

الرَّحِیۡمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ

نہایت رحم والا ہے [21] وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ بادشاہ ہے، ہر عیب سے پاک، سلامتی رساں،

الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَیۡمِنُ الۡعَزِیۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَكَبِّرُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشۡرِكُوۡنَ ﴿۲۳﴾

امن دہندہ، نگہدار، غالب، ہر مخلوق کو اس کی فطرت پہ ڈالنے والا اور بڑائی والا ہے۔ اللہ مشرکوں کے شرک سے پاک ہے [22]

هُوَ اللّٰهُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی

وہ اللہ ہے۔ وہ پیدا کرنے، وجود میں لانے اور تصویر بنانے والا ہے۔ سب اچھے نام اسی کے لئے ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں

السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۲۴﴾ ع

جو ہے اس کی تسبیح کہتا ہے۔ اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے [23]

ع ۳ ۶

[21] جو چیزیں انسان کے حواس ظاہرہ (سننا، دیکھنا، چھونا، چکھنا وغیرہ) اور حواس باطنہ (عقل و ادراک) میں آ

جائیں وہ عالم شہادت سے ہیں اور جو چیزیں انسان کے حواس میں نہ آسکیں، وہ عالم غیب سے ہیں۔ جیسے جنت، دوزخ، قیامت، فرشتے، عرش، کرسی وغیرہ اور اللہ تعالیٰ سب کا جاننے والا ہے۔ انسان کی رسائی صرف عالم شہادت تک ہے اور وہ اس کا کچھ ہی حصہ دیکھ بھال سکتا ہے۔ تو انسان کو چاہیے کہ وہ ہر غیب و شہادت کے جاننے والے رب پر بھروسہ کرے اور اس کی راہنمائی میں چلے۔ آگے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے بارے میں ہم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی تفسیر میں کافی کلام کر چکے ہیں، قارئین وہاں دیکھ لیں۔

[22] اللہ تعالیٰ ایسا ملك (بادشاہ) ہے کہ کائنات میں جس کے پاس جو بھی بادشاہی ہے وہ اللہ ہی کی عطا کردہ ہے جب تک چاہے رکھے، جب چاہے واپس لے لے۔ اس کا ارشاد ہے: تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ۔ ''وہ جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے۔'' (آل عمران،۲۶)

وہ قدوس ہے یعنی ہر عیب، ہر نقص، ہر عجز اور ہر گناہ سے پاک: حتیٰ کہ کوئی گناہ اس کے داخل قدرت ہی نہیں۔

وہ سلام ہے یعنی سلامتی دینے والا: اس کی اطاعت میں ہر طرح کی سلامتی ہے۔ اسی لئے دعا کی جاتی ہے: اللھم انت السلام و منك السلام و الیك یرجع السلام۔

وہ مؤمن ہے یعنی امن دینے والا: اس نے جو دین بھیجا ہے وہ امن کا دین ہے۔ اس کی تعلیمات پہ چلنے سے ہی دنیا میں امن آسکتا ہے۔ وہ اس معنی میں بھی مومن ہے کہ وہ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات، اعلیٰ اخلاق اور کتابیں دے کر ان کی تصدیق کرتا ہے۔ انسان کو مومن کہنا بھی انہی معانی میں ہے۔

وہ مُهيمن ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مهيمن کا معنی ہے اپنی مخلوق کے اعمال کی نگرانی کرنے والا، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ۝ (یونس،۴۶)

وہ عزیز ہے یعنی غالب ہے: جیسے وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ (ھود،۹۱) اللہ ہر چیز پر غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں تاہم وہ اپنا کام حکمت سے فرماتا ہے اس لئے قرآن میں اکثر جگہ اللہ کو الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ فرمایا گیا ہے۔

وہ جبار ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں الجبارُ الذی جَبَرَ خَلْقَهٗ علیٰ ما یشآءُ جبار وہ ہے جس نے اپنی مخلوق کو جس حالت پہ چاہا ڈھال دیا۔ (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قدموں پر اٹھا دیا، جانوروں کو زمین پہ جھکی ہوئی حالت میں بنا دیا اور پرندوں کو ہوا میں اڑا دیا۔ اب کوئی مخلوق اللہ کی بنائی ہوئی حالت کو بدل نہیں سکتی، یہی جبار کا معنی ہے۔

وہ متکبر ہے۔ یعنی بڑائی کرنے والا: کیونکہ وہی ہر بڑائی کا مالک ہے اس کے سوا جس میں جو خوبی ہے وہ اسی کی عطا کردہ ہے۔ اس لئے کسی انسان کا حق نہیں کہ وہ اپنی کسی اچھی حالت پر بڑائی یعنی تکبر کرے، کیونکہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کا اپنا کمال نہیں بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اسی لئے حدیث قدسی ہے کہ عظمت میرا تہبند ہے اور کبریاء میری

چادر ہے، جس نے مجھ سے ان چیزوں میں جھگڑا کیا میں اسے عذاب دوں گا۔ (بخاری کتاب التوحید باب ۲۴)

[23] وہ خالق و باری ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ خالق کا معنی ہے کسی موجود چیز کو کسی نئی شکل میں ڈھالنے والا اور باری کا معنی ہے عدم سے وجود میں لانے والا۔ اسی لئے مخلوق کو بھی مجازاً خالق کہا جاتا ہے اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ۔ (آل عمران، ۴۹) مگر باری صرف اللہ ہی کو کہا جا سکتا ہے۔

وہ مُصَوِّر ہے یعنی جس چیز کی جو تصویر ہے، وہ اس نے بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اربوں کھربوں انسان بنائے، مگر ہر ایک کی الگ تصویر بنائی اور فرمایا: هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ ''اللہ رحم مادر میں جس طرح چاہے تمہاری تصویر بناتا ہے۔'' (آل عمران، ۶) اسی لئے جاندار چیز کی تصویر بنانا حرام ہے کیونکہ یہ اللہ کی صفت المصور سے مقابلہ کرنا ہے، جو اسے پسند نہیں ہے۔ آگے فرمایا گیا کہ سب اچھے نام اللہ ہی کے ہیں۔ دراصل اللہ رب العزت کی صفات غیر متناہی ہیں اور اس کی ہر صفت پر دلالت کرنے والا ایک نام ہے، تو اللہ کے نام بھی غیر متناہی ہیں۔ ان میں سے 99 نام مشہور ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے جس نے ان کو گھیر لیا (یعنی ان کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لی) اس کے لئے جنت ہے۔ (بخاری کتاب التوحید باب ۱۲)

سورہ حشر کی آخری تین آیات کی فضیلت

سورہ حشر کی یہ آخری تین آیات بہت فضیلت والی ہیں۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے صبح کے وقت دس بار اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر سورہ حشر کی آخری تین آیات کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو رات تک اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور اگر وہ اس دن مر گیا تو شہید ہوگا، اور جس نے رات کے وقت یہی پڑھا اس کے لئے صبح تک یہی فضیلت ہے۔''

(ترمذی کتاب ثواب القرآن باب ۲۲، دارمی فضائل القرآن باب ۲۲)

الحمد للہ آج 19 شوال 1429ھ بمطابق 19 اکتوبر 2008ء بروز اتوار بعد نماز فجر سورہ حشر کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ و اجمعین۔

سورۃ الممتحنہ

ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 90ویں سورت ہے، جو سورہ نسآء سے قبل اور سورہ احزاب کے بعد نازل ہوئی۔ اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے 60ویں سورت ہے۔ یہ مکمل مدنی سورت ہے۔ اسے ممتحنہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے امتحان لینے والی۔ اس سورت کی آیت 11 میں حکم ہوا کہ جب دار الحرب سے کوئی عورت دار الاسلام میں آئے اور خود کو مسلمان ظاہر کرے تو اس کا اعتقادی امتحان لو، اگر تمہیں واقعی مسلمان نظر آئے تو اسے کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔ تو اس امتحان کے ذکر کی وجہ سے اس سورۃ کو ممتحنہ کہا گیا۔

اس سورت میں 2 رکوعات 13 آیات، 348 کلمات اور 1510 حروف ہیں، سورہ ممتحنہ سے قرآن کریم کی وہ سورتیں شروع ہوتی ہیں، جن میں صرف دو رکوعات ہیں اور یہ سلسلہ آخری پارہ کی سورہ نازعات تک چلا گیا ہے۔ یہ سورت صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی یعنی اس کا زمانہ نزول قریباً 7 ہجری بنتا ہے۔

مضامین

سورہ ممتحنہ کے پہلے رکوع میں حکم فرمایا گیا کہ دشمنان خدا و رسول سے کوئی علاقہ، رشتہ اور تعلق نہ رکھا جائے۔ اور فرمایا گیا ہے کہ میں تمہاری ہر خفیہ و علانیہ باتوں کا جاننے والا ہوں، لہٰذا ایسے رشتوں اور تعلقات سے بچے رہو۔ اور اس بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دی گئی کہ کس طرح انہوں نے اللہ کی محبت میں اپنے کافر رشتہ داروں سے تعلقات منقطع فرمالیے، یوں اللہ کی محبت میں دنیا کی محبتوں کے انقطاع کی اعلیٰ مثال قائم کردی۔

دوسرے رکوع میں فتح مکہ کی بشارت دی گئی اور ان عورتوں کے لیے شرعی حکم بیان کیا گیا جو فتح مکہ سے قبل اور صلح حدیبیہ کے بعد مکہ مکرمہ سے نکل کر مدینہ طیبہ چلی آئی تھیں۔ اور آخر میں ایمان والی عورتوں کو خصوصی ایمانی ہدایات عطا فرمائی گئیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتها ١٣ — ٦٠ سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ٩١ — رکوعاتها ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دست محبت

بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ

بڑھاتے ہو اور انہوں نے تمہارے پاس آنے والے حق کو جھٹلایا ہے [1] انہوں نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو

وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ

اور تمہیں (مکہ سے) نکالا ہے، صرف اس لئے کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد

وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ

اور میری رضا حاصل کرنے کے لئے نکلے ہو (تو انہیں دوست نہ بناؤ) تم ان کے ساتھ محبت کو چھپاتے ہو

وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ

جبکہ میں جانتا ہوں جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو [2] اور جو تم میں سے ایسا کرے وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔ اگر

يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ

کفار تم پر غلبہ پائیں تو تمہارے لئے دشمن ہی (ثابت) ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں

بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ؕ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ

بری نیت کے ساتھ بڑھائیں گے اور ان کی خواہش ہے کہ کاش تم کفر میں پڑو، روز قیامت تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

تمہیں کچھ کام نہ آئے گی اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور اللہ تمہارے اعمال پر نگاہ دار ہے[3]

دشمنانِ اسلام سے دوستی نہ رکھنے کا حکم، خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں

[1] گزشتہ سورت یعنی سورت حشر میں منافقین کے اس کردار کا رد کیا گیا کہ وہ یہود سے خفیہ روابط رکھتے تھے۔ اب اس سورت میں مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کفار سے دوستی مت رکھیں، کیونکہ وہ اللہ کے اور تمہارے دشمن ہیں یعنی تمہارے دین کے دشمن ہیں، تم ان سے محبت کا رشتہ بڑھانا چاہو اور وہ تمہارے پاس آنے والے حق یعنی قرآن سے انکار کریں، یہ کیسے درست ہے؟

کفار سے کونسی دوستی رکھنا جائز ہے اور کونسی ناجائز

یاد رہے کسی کافر سے اس لئے دوستی رکھنا تاکہ اسے اسلام کی طرف دوستانہ دعوت دی جائے اور وہ مسلمانوں کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام لائے، بہت محبوب و مطلوب ہے۔ مگر کفار سے ایسی دوستی رکھنا جس سے ان تک مسلمانوں کے خفیہ راز پہنچیں اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچے (جیسا کہ آگے ان آیات کا شان نزول بتایا جا رہا ہے) سخت حرام اور ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ ''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنے دوست مت سمجھو وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو شخص تم میں سے ان سے دوستی رکھے تو انہی میں سے ہے۔'' (مائدہ، ۵۱)

دوسری جگہ فرمایا گیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ ''اے ایمان والو! اپنوں کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار مت بناؤ، وہ تمہیں نقصان دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے، وہ ہر ایسی بات چاہتے ہیں جو تمہیں تکلیف دے، بغض ان کی باتوں سے پھوٹ پڑتا ہے اور جو کچھ ان کے سینوں نے چھپا رکھا ہے وہ اس بھی بڑا ہے۔'' (آل عمران، ۱۱۸)

اسی طرح فرمایا گیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ یعنی ''اے مومنو! جن لوگوں نے تمہارے دین کو وجہ مذاق اور کھیل بنا لیا، ان کو دوست مت بناؤ، یعنی جن کو تم سے قبل کتاب دی گئی اور مشرکین اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اگر تم صاحب ایمان ہو۔'' (مائدہ۔۵۷)

ان آیات میں کفار سے ایسی دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے، جو ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی مفاد کے لیے نقصان دہ ہو یا اس میں مومن کے ایمان و عمل کے لیے خطرہ ہو۔

اس سے دور حاضر کے نام نہاد مسلم حکمران عبرت پکڑیں، جو اپنی ہر پالیسی اور منصوبہ بندی دشمنانِ اسلام کے مفاد میں اور مسلمان قوم کے خلاف مرتب کرتے ہیں، تاکہ کفار کی مدد سے اپنی کرسیاں اور بادشاہتیں مضبوط رکھیں۔ یہ منافقین کا ٹولہ ہے، ان کے خلاف مسلم رائے عامہ کا بیدار کرنا بہت ضروری ہے۔

[2] ان آیات کا شان نزول صحیح بخاری میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد بن اسود کو دوڑایا اور فرمایا: دوڑو جاؤ جب تم خاخ نامی باغ تک پہنچو گے، تو وہاں تمہیں ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے آؤ۔ جب ہم وہاں پہنچے تو واقعی وہ عورت ملی، ہم نے اسے کہا خط نکالو ورنہ ہم جامہ تلاشی لیں گے۔ اس نے سر کے بالوں میں سے خط نکال دیا۔ ہم وہ خط حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے۔ وہ خط حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بعض مشرکین کے نام تھا جس میں انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک راز سے آگاہ کیا گیا تھا (کہ عنقریب آپ ان پر حملہ کرنے والے ہیں) آپ نے فرمایا اے حاطب! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی نہ فرمائیں، میں قریش میں سے نہ تھا البتہ ان میں رہتا تھا۔ دیگر تمام مہاجرین کی قریش کے ساتھ قرابتیں ہیں جن کے سبب وہ مکہ میں ان کے گھر والوں اور اموال کی حفاظت کرتے ہیں۔ میری وہاں کوئی قرابت نہیں، میں نے قریش پر ایک احسان کرنا چاہا تاکہ وہ میرے گھر والوں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ فعل کفر یا ارتداد کے سبب نہیں کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اُتار دوں۔ آپ نے فرمایا: یہ بدری صحابی ہے اور اللہ نے اہل بدر کے بارے میں فرمایا کہ تم جو بھی عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے، اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ الخ (بخاری کتاب التفسیر سورہ ممتحنہ حدیث ۴۶۹۰)

بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت

اہل تشیع کے شیخ الطائفہ علامہ فضل بن حسن طبرسی متوفی 548ھ نے اسی آیت لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ الخ کے تحت لکھا ہے کہ ایک بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ سے غلطی ہوئی کہ اس نے قریش کو خط لکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادۂ فتح مکہ سے آگاہ کیا، وہ خط پکڑا گیا۔ حضرت عمر بن خطاب نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اُڑا دوں۔ آپ نے فرمایا: اے عمر! تم کیا جانو، یقیناً اللہ نے اہل بدر پر توجہ فرمائی، تو انہیں بخش دیا فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ ''اور فرمایا تم جو بھی عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔'' (تفسیر مجمع البیان جلد ۵ صفحہ ۲۶۹ مطبوعہ تہران)

اس واقعہ سے اہل تشیع کو عبرت پکڑنی چاہیے کہ جب تمام اہل بدر مغفور ہیں، تو ان کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خصوصاً خلفاء راشدین کو برا بھلا کہنا خود ان کی اپنی عاقبت کی بربادی کے سوا کیا معنی رکھتا ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی روشنی میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے تمام مسلمانوں کو سمجھایا کہ آئندہ وہ ایسی غلطی نہ کریں اور کفار پر کوئی راز ظاہر نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مومنو! انہی کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمہیں مکہ سے نکالا، صرف اس لئے کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنے وطن سے بے وطن ہوئے ہو، تو آئندہ کفار سے ایسی دوستی مت رکھو۔ تمہارا ان سے کوئی رابطہ ہم سے چھپ نہیں سکتا، کیونکہ ہم تمہاری ہر خفیہ وعلانیہ حرکت سے واقف ہیں یعنی اسی لئے ہم نے حاطب کے خط سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔

اس واقعہ سے یہ اشارہ بھی ملا کہ نیت پر اعمال کا مدار ہے۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی غلطی بظاہر بہت خطرناک تھی، مگر چونکہ ان کا مقصد اللہ ورسول سے دشمنی کی بجائے اپنے اہل وعیال کی حفاظت تھا، تو ان کی غلطی معاف کی گئی۔

[3] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! اگر کفار کو تم پر غلبہ ملے (جیسے آج کل ملا ہوا ہے) تو وہ تم سے مکمل دشمنانہ سلوک کریں گے اور تم پر دست درازی وزبان درازی سے ہرگز باز نہ آئیں گے، بلکہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کریں گے (اس کے برعکس مسلمان بارہ صدیوں تک کفار پر غالب رہے ہیں، مگر انہوں نے کبھی کسی کافر قوم پر دست درازی نہ کی، کیونکہ اسلام اس سے منع کرتا ہے)۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ الخ۔ کہ اے مومنو! اگر تم (حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی طرح) اپنے اہل وعیال کی محبت میں کفار سے روابط رکھو، تو یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ روز قیامت تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی پکڑ سے بچا نہ سکے گی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کفار سے دوستی اپنے اندر کفر کا معنی رکھتی ہے، کیونکہ یہ اسلام دشمنی ہے (مگر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو اس لیے چھوٹ ملی کہ ان کا ارادہ غلط نہ تھا) اور کفار کو روز قیامت کوئی چیز نفع نہ دے گی (گویا مومن کو اس کی نیک اولاد اور نیک رشتہ دار فائدہ دیں گے۔ قرآن میں ہے: جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ۔ ''مومنین جنتی باغات میں جائیں گے اور ان کے ساتھ ان کے مومن باپ دادا بھی۔'' (رعد، ۲۳) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ۔ ''جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے۔'' (طور، ۲۱)

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا

تمہارے لئے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے

لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا

کہا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ان سے بیزار ہیں، ہمیں تم سے انکار ہے، ہمارے

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ

اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور نفرت ظاہر ہو چکی ہے، تا آنکہ تم اللہ وحدہٗ پر ایمان لے آؤ۔ سوا

اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ

ابراہیم (علیہ السلام) کے اپنے باپ کو یہ کہنے کے کہ میں تمہارے لئے بخشش مانگوں گا اور میں تمہیں اللہ سے کچھ بچا نہیں سکتا۔

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً

اے ہمارے رب! ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا ہے۔ ہم تیری ہی طرف لوٹتے ہیں اور تیری ہی طرف ہمارا انجام ہے[4] اے ہمارے رب! ہمیں

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۵ لَقَدْ كَانَ

کافروں کے لئے آزمائش نہ بنا[5] اور اے ہمارے رب! ہماری بخشش فرما، بے شک تو ہی غالب ہے حکمت والا ہے۔ بے شک

لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ

تمہارے لئے ان میں بہترین نمونہ ہے یعنی اس شخص کے لئے جو اللہ اور روز آخرت (کے ملنے) کا امیدوار ہے اور جو

يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۶ ع

منہ پھیرے تو اللہ بے پرواہ قابل ستائش ہے۔[6]

[4] یعنی اے مومنو! دشمنانِ اسلام سے ہر طرح کے روابط منقطع کرنے کے حوالے سے تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی کافر قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے جھوٹے خداؤں سے قطعی بیزار ہیں، ہمارے تمہارے درمیان دائمی عداوت و نفرت پڑ چکی ہے۔ جب تک تم

اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان نہ لاؤ، تم ہمارے دشمن ہو، ہمیں تم سے کوئی محبت نہیں بلکہ تم سے نفرت ہے۔ پھر انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمارا تجھی پہ بھروسہ ہے، تیری ہی طرف ہمارا رجوع ہے اور ہم نے تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس لئے ہم تیرے دشمنوں سے کوئی رابطہ نہیں رکھیں گے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ یعنی اپنے چچا آزر سے اسقدر ہمدردی کا اظہار ضرور کیا تھا کہ اسے فرمایا میں تمہارے لئے بخشش مانگوں گا یعنی تمہارے ایمان کے لئے دعا کروں گا، مگر میں تمہیں اللہ سے بچا نہیں سکتا یعنی اگر تم شرک سے باز نہ آئے تو میرا چچا ہونا تمہیں کچھ کام نہ آئے گا۔ اس جگہ یاد رہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سگا باپ نہ تھا عرفی باپ تھا۔ وہ آپ کا چچا تھا اور عربی میں چچا کو بھی اب یعنی باپ کہہ دیتے ہیں۔ اس کی مکمل تحقیق ہم سورہ توبہ آیت 114 کے تحت لکھ آئے ہیں۔

[5] حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ معنی کیا ہے کہ اے اللہ! ہمیں کفار کے ہاتھوں یا اپنی طرف سے عذاب نہ پہنچا ورنہ کفار بڑے فتنے میں پڑ جائیں گے اور کہیں گے کہ اگر اہل اسلام، حق پر ہوتے تو عذاب میں گرفتار نہ ہوتے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا معنی کیا ہے کہ اے اللہ! کفار کو ہم پر غلبہ نہ دے ورنہ وہ ہمیں فتنے میں ڈالیں گے اور ہمیں ہمارے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

[6] جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے یعنی اس کے دل میں اللہ کے حضور قیامت کی پیشی کا خوف ہے، اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے کردار میں بڑا نمونہ ہے، کہ کس طرح انہوں نے اپنی کافر قوم سے ہر رشتہ ناطہ توڑ لیا۔ اور جو شخص خود کو مسلمان کہلانے کے باوجود کفار سے روابط رکھے، تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات سے بے پرواہ اور ہر ستائش کا حقدار ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ

قریب ہے کہ اللہ تمہارے اور ان کے درمیان جو تمہارے دشمن ہیں، محبت ڈال دے

وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ

اللہ قدرت والا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [7] اللہ تمہیں ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے دین میں

يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا

لڑائی نہ کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان سے انصاف

اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ

برتو، اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ تو تمہیں انہی لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے

قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ

دین میں لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی، کہ تم ان

اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

سے محبت رکھو اور جو ان سے محبت رکھے، تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔ [8]

کفار سے دوستی نہ رکھنے اور کفار کی ایمان لانے والی عورتوں کے بارے میں احکام

[7] جب صحابہ کرام کو حکم ہوا کہ وہ سنت ابراہیمی کے مطابق اپنے کافر عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں سے سب تعلقات منقطع کرلیں تو انہوں نے ایسا کر دکھایا، مگر یہ کام آسان نہ تھا اور کئی نئے اسلام لانے والوں پر بھاری گزر رہا تھا تب اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دلائی کہ وہ دن دور نہیں جب تمہارے یہی قریبی رشتہ دار جو تمہارے دین کے دشمن ہیں (یعنی قریش مکہ) اللہ ان کے اور تمہارے درمیان محبت ڈال دیگا یعنی انہیں توفیق ایمان دے کر تم سے ملا دے گا، اللہ بڑی قدرت والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی جو شخص زندگی بھر اسلام دشمنی کرے جب ایک بار سچے دل سے ایمان لے آئے تو اللہ اس کے زمانۂ کفر کے سب گناہ مٹا دیتا ہے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی برکات

یہ سورت صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی جیسا کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے خط کا واقعہ گزشتہ رکوع کے ضمن میں بیان ہوا، وہ فتح مکہ سے کچھ قبل وقوع پذیر ہوا تھا۔ چنانچہ قرآن کی یہ پیش گوئی جلد پوری ہوئی اور فتح مکہ کے موقع پر جناب ابوسفیان ایمان لائے، حالانکہ انہوں نے سب سے زیادہ اسلام دشمنی کی تھی احد اور احزاب کی جنگوں میں کفار کے سپہ سالار وہی تھے اور وہی شہر مکہ اور قبیلہ قریش کے رئیس تھے۔ ان کے اسلام لاتے ہی پورا مکہ اور پورا قبیلہ قریش اسلام لے آیا۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ الخ کے تحت فرماتے ہیں کہ ابوسفیان کے اسلام لانے کے اسباب اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے سے مہیا فرما دیئے تھے، ان کی بیٹی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام لے آئیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا نکاح ہو گیا تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ وہ سردار ہے جس کی عزت گھٹ نہیں سکتی۔ (قرطبی جلد ۱۸ صفحہ ۵۸)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ آیت اتری: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ الخ اور یہ اس طرح ہوا کہ سیدہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہما اسلام لائیں تو ان کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوگئی اور وہ ام المؤمنین بن گئیں اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے ماموں بن گئے۔

(درمنثور بروایت عبدابن حمید، ابن منذر، ابن عبدی، ابن مردویہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۰)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بُرا کہنا اپنے ایمان کو برباد کرنا ہے

کیونکہ قرآن نے عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ کہہ کر مسلمانوں سے ان کی عداوت کے محبت میں تبدیل ہونے پر نص فرمائی اور وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہہ کر ان کے سابقہ گناہوں کی بخشش کا اعلان فرمایا اور حدیث مبارکہ میں ہے: الاسلام یھدم ما قبلہ۔ کہ ''اسلام پچھلے تمام گناہ مٹا دیتا ہے۔''

(مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۹۲)

ابن شہاب کہتے ہیں کہ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اُتری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو یمن کے کسی علاقہ پر عامل مقرر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ واپس آ رہے تھے کہ مشہور مرتد ذوالخمار سے سامنا ہوا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اور وہ پہلے مسلمان تھے جنہوں نے کسی مرتد کو قتل کیا۔ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۴۹، حدیث ۱۸۸۶۳)

پھر وہ صحابیٔ رسول ہیں اور ہر صحابی مغفور ہے اور ساری امت سے افضل ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میرے صحابہ کو بُرا مت کہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے، تو وہ میرے صحابہ میں سے کسی کے ایک مد (چار سیر) یا آدھا مد (دو سیر) جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔''

(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی باب ۵، مسلم کتاب فضائل الصحابۃ حدیث ۲۲۱)

گویا ساری اُمت کی نیکیاں کسی صحابی کی ادنیٰ نیکی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، تو کسی مسلمان کا حق نہیں کہ وہ حضرت ابو

سفیان، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی پر زبان طعن دراز کر کے اپنی نیکیاں برباد کرے۔

صداقتِ قرآن

قرآن نے قریش مکہ کے ایمان لانے اور مسلمانوں سے اپنی عداوت کو محبت سے بدلنے کی پیش گوئی کی جو بظاہر ناممکن امر تھا، مگر جو قرآن نے کہا وہ سچ ہو کر رہا۔ معلوم ہوا قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سچی کتاب ہے۔

[8] جب گزشتہ آیات میں فرمایا گیا کہ کفار سے دوستی نہ رکھو۔ تو اب اس کی تفصیل بتائی جا رہی ہے کہ جو کفار تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہیں تمہارے گھروں یعنی علاقوں سے نکلنے پر مجبور نہ کریں اور نہ تمہارے نکالنے میں کسی کافر قوم کی مدد کریں، اگر ان سے تم بھلائی کرو اور انصاف برتو (یعنی دوستی کے بدلے دوستی کرو) تو اس میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں، ہاں جو کفار تم سے لڑائی کریں اور تمہیں تمہارے علاقوں سے نکالیں یا نکالنے میں مدد کریں جیسے کفار مکہ نے تمہیں مکہ سے نکالا اور کچھ عرب قبائل ان کی پشت پر تھے، ان سے دوستی رکھنا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی رکھے تو وہ ظالم ہے، کہ خود کو مسلمان کہلا کر اللہ کے دین کے دشمنوں سے دوستی رکھتا ہے۔ یہ آیات قبیلہ بنی خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئیں، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ آپ کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے اور آپ ان سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ تو ان آیات میں قبیلہ بنو خزاعہ جیسے کفار سے بھلائی کرنے کی اجازت دی گئی۔

اسلام دہشت گردی نہیں، امن و سلامتی سکھاتا ہے

جو کفار مسلمانوں پر حملے نہ کریں اور ان کے ساتھ امن و سلامتی سے رہیں تو اسلام بھی ان سے امن و سلامتی سے رہنے بلکہ ان کے ساتھ بھلائی برتنے کا درس دیتا ہے، کہ یہی تقاضائے انصاف ہے۔ اسی لئے ساتھ ہی فرمایا گیا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. کہ "اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند رکھتا ہے۔" یہی وجہ ہے کہ اسلام کی جہادی تلوار ہمیشہ انہی کفار کے خلاف اُٹھتی رہی ہے، جو مسلمانوں کو تنگ کرتے اور ان پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اسلام کی تلوار پُرامن کافروں پہ کبھی نہیں اٹھی۔ اس کے باوجود اسلام کو دہشت گردی کا مذہب کہنا حقیقت کا مذاق اُڑانا ہے۔

حربی کفار کے بچوں اور ان کی عورتوں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ الخ سے معلوم ہوا جن کفار سے جنگ جاری ہو ان کے بچوں اور عورتوں اور لڑائی سے کنارہ کش راہبوں کا قتل یا زخمی کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ بھی لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ الخ میں داخل ہیں۔ اور حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔ (صحیح بخاری کتاب الجهاد حدیث ٣٠١٥)

اس لیے اسلام میں دشمن کی شہری آبادیوں پہ بمباری کی اجازت نہیں ہے، یہ حرکتیں صرف کفار ہی کرتے ہیں، کیونکہ وہ ان اخلاقیات سے عاری ہیں جن کا درس دینِ اسلام دیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ
اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو (ان کے ایمان) کی جانچ کر لو
اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى
اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ پھر اگر تم انہیں مومنہ پاؤ تو انہیں کفار کی طرف
الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ
مت لوٹاؤ، نہ وہ عورتیں ان کے لئے حلال ہیں نہ وہ ان کے لئے۔ اور کفار نے جو (حق مہر) خرچ کیا وہ انہیں دے دو،
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ
اور ان عورتوں سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں، جب تم انہیں ان کا مہر دے دو۔ [9] اور تم
وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ
کافرہ عورتوں کے نکاح پر نہ جمے رہو، جو تم نے (حق مہر) خرچ کیا وہ تم مانگ لو اور جو کفار نے خرچہ کیا وہ وہ مانگ لیں۔
ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ وَاِنْ فَاتَكُمْ
یہ اللہ کا فیصلہ ہے اللہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اللہ علم والا حکمت والا ہے۔[10] اگر تمہاری بیویوں
شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ
میں سے کوئی تمہیں چھوڑ کر کفار کے پاس چلی جائے، پھر تم ان پر غلبہ پاؤ تو جن کی بیویاں چلی گئی
اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱
تھیں انہیں اس قدر دے دو جو انہوں نے خرچ کیا اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔[11]

[9] معاہدۂ حدیبیہ میں طے پایا تھا کہ مکہ سے جو شخص بھاگ کر مدینہ آئے، خواہ وہ مسلمان ہو اسے حضور ﷺ ضرور

واپس کردیں گے۔ یہ شرط ظالمانہ تھی، جو کفار مکہ نے پیش کی اور حضور ﷺ نے اسے باذنِ الٰہی قبول کرلیا اور بعد میں یہی شرط، فتح مکہ کے لئے زینہ ثابت ہوئی۔ اس کی تفصیل ہم سورہ فتح آیت (۱) کے تحت لکھ آئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس شرط کے مطابق حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ اور چند دیگر مسلمانوں کو واپس کردیا تھا، مگر اسی دوران چند عورتیں بھی مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے بھاگیں اور مدینہ طیبہ آگئیں، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے مومنو! جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کے ایمان کو خوب پرکھلو، کہیں وہ کسی سازش یا دنیوی مفاد کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر نہ آئی ہوں، اگر تم انہیں سچی مومنہ پاؤ تو انہیں کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ وہ کفار کے لئے حلال ہیں نہ کفار ان کے لئے، یعنی ان کا اپنے کافر شوہروں سے نکاح ختم ہو چکا۔ البتہ تم ان کے کافر شوہروں کو ان کا وہ حق مہر جو انہوں نے ان عورتوں کو دیا تھا، واپس کردو (بشرطیکہ ان کے ہاں حق مہر کا رواج ہو اور وہ اس کا مطالبہ کریں) اور اے مومنو! تم ان عورتوں کو مہر دے کر ان سے نکاح کر سکتے ہو۔''

یہاں اگر اعتراض کیا جائے کہ جب حدیبیہ میں معاہدہ طے پا گیا تھا کہ جو شخص بھی مکہ سے بھاگ کر مدینہ آئے، خواہ وہ مسلمان ہو اسے ضرور واپس کیا جائے گا، تو مذکورہ مومنہ عورتوں کو روک لینے کا حکم کیوں دیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرط صلح میں رَجُلٌ (مرد) کا لفظ تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ کفار کی طرف سے یہ شرط تھی عَلٰی اَنْ لَا یَاْتِیَكَ مِنَّا رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ عَلٰی دِیْنِكَ اِلَّا رَدَدْتَهٗ اِلَیْنَا یعنی اگر ہم میں سے کوئی مرد آپ کے پاس آجائے، خواہ وہ آپ کے دین پر ہو اسے آپ ضرور ہماری طرف لوٹا دیں گے۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط باب شروط الجہاد والمصالحہ حدیث ۲۷۳۱)

اسی لئے جب ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت عقبہ بن ابی معیط اپنے دو بھائیوں عمار اور ولید کے ساتھ بھاگ کر مدینہ طیبہ آئیں، تو آپ ﷺ نے ان کے بھائیوں کو شرط صلح کے مطابق واپس کردیا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو روک لیا، جب ان کے گھر والوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا یہ شرط مردوں کے لئے تھی عورتوں کے لئے نہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْكُفَّارِ ؕ (تفسیر قرطبی جلد ۱۸ صفحہ ۸۱)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) دارالحرب سے بھاگ آنے والی عورت کا نکاح ختم ہے:

جب کوئی عورت دارالحرب سے بھاگ کر دارالاسلام میں آتی ہے اور وہ مسلمان ہے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مطابق اس کا نکاح اپنے کافر شوہر سے اسی وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اور اسے واپس کفار کے پاس بھیجنا جائز نہیں ہے۔ اور اس کے لئے عدت کی بھی ضرورت نہیں، وہ اگر چاہے تو فوراً کسی مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے (البتہ ایک ماہ تک مباشرت سے بچنا چاہیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں۔ اگر حاملہ ہے تو بچے کی ولادت تک اس سے مباشرت جائز نہیں)۔ اس کی دلیل اسی آیت کے یہ الفاظ ہیں: فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ

کیونکہ بیوی کا اپنے شوہر پر حلال نہ رہنا یہی معنی رکھتا ہے کہ اس کا نکاح ختم ہو چکا ہے۔

(احکام القرآن للجصاص جلد ۵ صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(2)　کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر سے حلال نہیں:

جیسا کہ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ سے ظاہر ہے، خواہ وہ اہل کتاب ہو یا غیر اہل کتاب۔ اور قرآن فرماتا ہے: لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔ ''اللہ کافروں کو مومنوں پر کبھی اختیار نہ دے گا'' (نساء، ۱۴۱) جبکہ شوہر کا اپنی بیوی پر اختیار ہوتا ہے کیونکہ شوہر حاکم ہے۔ معلوم ہوا کہ کوئی کافر کسی مسلمان عورت کا شوہر نہیں ہوسکتا۔ اس بارے میں مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

[10]　آغاز اسلام میں کافرہ مشرکہ عورتوں سے نکاح حلال تھا تو کئی مسلمانوں کے ہاں کافرہ بیویاں تھیں۔ جب انہوں نے ہجرت کی تو بیویوں نے ہجرت نہ کی، وہ مکہ ہی میں اپنے کفر پر ڈٹی رہیں۔ اس آیت میں ان مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ ان کافرہ عورتوں کے نکاح پر جمے نہ رہیں بلکہ ان کا راستہ کھول دیں۔ کیونکہ تمہارا نکاح ان سے ختم ہو چکا ہے، وہ جس کافر مرد سے چاہیں نکاح کر لیں۔ البتہ جس کافر سے وہ نکاح کریں تم اس سے وہ حق مہر وصول کر سکتے ہو، جو تم نے ان عورتوں کو دیا تھا۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے ابھی بیان ہوا کہ جو عورت اسلام لا کر کفار سے بھاگ کر دار الاسلام میں آجائے تو اس کا نکاح اپنے کافر شوہر سے ختم ہوگیا۔ البتہ جو مسلمان اس سے نکاح کرے وہ اس کے سابق (کافر) شوہر کو وہ حق مہر دے دے، جو اس نے خرچ کیا تھا (وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا) لہٰذا اسی طرح جو کافر مرد اسلام لا کر دار الکفر سے بھاگ کر دار الاسلام میں آجائے اور اسکی بیوی دار الکفر ہی میں کفر پر ڈٹی رہے تو اسکا نکاح بھی اپنی بیوی سے ختم ہوگیا۔

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں۔ جب آپ نے ہجرت کی تو وہ اپنے کفر پر قائم مکہ ہی میں رہ گئیں، ایک کا نام قریبہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ تھا اور دوسری کا نام ام کلثوم بنت عمرو بن جرول۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے ان کا راستہ کھول دیا اور قریبہ سے معاویہ بن ابی سفیان نے اور ام کلثوم سے ابوجہم بن حذافہ نے نکاح کر لیا۔ اور یہ ام کلثوم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی والدہ ہے۔ اسی طرح حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو ان کی بیوی اپنے کفر پر مکہ ہی میں رہ گئی، تب اسلام نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ پھر جب وہ اسلام لائی تو اس سے خالد بن سعید بن العاص بن امیہ نے نکاح کیا۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۷۹)

ایمان اور دار کا اختلاف نکاح کو ختم کر دیتا ہے

معلوم ہوا جب کوئی مرد یا عورت اسلام لائے اور دار الکفر سے نکل کر دار الاسلام میں آجائے اور اس کا جیون ساتھی اپنے کفر پر قائم دار الکفر ہی میں رہے، تو ان کا باہمی نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ جو عورت اسلام لا کر

دارالکفر سے بھاگ کر دارالاسلام میں آ جائے، تو اس کا اپنے کافر شوہر سے نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال دور حاضر میں یوں دی جاسکتی ہے کہ انڈیا کے کسی ہندو خاندان کا کوئی مرد یا کوئی عورت اسلام لائے اور بھاگ کر پاکستان آ جائے تو اس کا اپنے کافر جیون ساتھی سے جو نکاح تھا وہ ختم ہو جائے گا، اگرچہ انڈیا اس معنی میں دارالحرب یا دارالکفر نہیں جیسے فتح سے قبل مکہ مکرمہ تھا۔ تاہم جب اس کا جیون ساتھی اپنے کفر پر ڈٹا ہوا ہے اور دارالکفر ہی میں مقیم ہے تو ایک مومن اور ایک ہندو کا باہم نکاح کیسے برقرار رہ سکتا ہے؟ اسی طرح اگر امریکہ و یورپ کا کوئی انگریز مرد یا عورت اسلام لائے اور بھاگ کر کسی اسلامی ملک میں پناہ لے اور اس کا جیون ساتھی کافر ہی رہے، تو اس کا اپنے کافر جیون ساتھی سے نکاح ختم ہو جائے گا۔

لیکن اگر زوجین دونوں دارالکفر یا دارالاسلام میں اکٹھے ہی رہیں، پھر ان میں سے ایک اسلام لے آئے اور دوسرا کافر رہے تو کافر پہ اسلام پیش کیا جائے گا۔ اگر وہ بھی اسلام لے آئے تو ان کا باہم نکاح قائم ہے، ورنہ ان میں تفریق کر ن جائے گی۔ تاہم اگر بیوی اہل کتاب میں سے ہو اور اس کا شوہر اسلام لائے اور بیوی اہل کتاب ہی رہے تو ان کا باہمی نکاح قائم رہے گا لیکن دار کا اختلاف بہر حال سبب تفریق ہے۔ (کنزالدقائق کتاب النکاح باب نکاح الکافر صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ ملتان)

[11] یعنی اے مسلمانو! اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بھاگ کر کفار کے پاس دارالکفر میں چلی جائے پھر تم کفار سے کچھ مال غنیمت حاصل کرو، تو جس مسلمان کی عورت بھاگ کر کفار کے پاس چلی گئی اسے مال غنیمت (یعنی بیت المال) سے اس قدر مال دے دو، جس قدر اس نے بھاگنے والی عورت کو حق مہر دیا تھا تاکہ وہ اس مال کے ساتھ دوسرا نکاح کر سکے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض عورتیں مرتدہ ہو کر کفار سے جا ملیں، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، اور مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہروں کو مال غنیمت سے ان کا مہر ادا کر دیا تھا۔

(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۱۳۵)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ

اے پیارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب آپ کے پاس مومنہ عورتیں آئیں تاکہ آپ سے یہ بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کچھ شریک

شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ

نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ لائیں گی

يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ

جو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑا ہو اور کسی بھلے کام میں آپ سے نافرمانی نہیں کریں گی، تو آپ ان سے بیعت لیں۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگیں، اللہ بخشنے والا مہربان ہے [12] اے ایمان والو! اس قوم

تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ

سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے۔ وہ آخرت سے یوں مایوس ہیں جیسے اہلِ قبور

الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿١٣﴾ ع

سے کفار مایوس ہیں۔ [13]

[12] ظہورِ اسلام سے قبل خواتین عرب میں بعض قبیح تر صفات پائی جاتی تھیں، جیسے شرک، زنا، چوری، بہتان بازی، اولاد کا قتل (عرب میں لوگ اپنی بچیوں کو قتل کر دیتے تھے) اور اعزہ کی موت پر نوحہ گری و سینہ کوبی وغیرہ۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں آئیں تو آپ ان سے یہ بیعت لیں کہ وہ شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور ہاتھوں پاؤں کے درمیان بہتان گھڑنے سے باز آجائیں۔ ہاتھوں پاؤں کے درمیان بہتان گھڑنے کا ایک معنی یہ ہے کہ روز قیامت ان کے ہاتھ پاؤں ان کی بہتان بازی پر گواہی دیں گے، تو ان گواہوں کے درمیان وہ بہتان بازی نہ کریں۔ دوسرا یہ معنی ہے کہ ہاتھوں کے درمیان اپنے پیٹ میں حرام کا بچہ نہ اٹھائیں کہ اسے اپنی ٹانگوں کے درمیان جنم دے کر کہہ دیں کہ یہ ان کے شوہر کا بچہ ہے، یہ بہتان ہے۔ اور اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ خواتین سے یہ عہد بھی لیں کہ وہ کسی بھلائی کے کام میں آپ کے حکم کی مخالفت نہیں کریں گی۔

چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام میں داخل ہونے والی عورتوں سے انہی مذکورہ امور پر

بیعت لی۔ آپ کوہِ صفا پر کھڑے تھے عورتیں نیچے کھڑی تھیں اور درمیان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کا پیغام عورتوں تک پہنچا رہے تھے۔ امام ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس موقع پر چار سو پچھتر (475) عورتوں نے یہ بیعت کی۔

(تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۸۱)

اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس بیعت کے موقع پر کسی عورت کے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مس نہیں ہوا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ ممتحنہ باب ۲)

یہی بیعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں ایک بار نماز عید کے موقع پر بھی عورتوں سے لی تھی، آپ نے یہی آیت پڑھ کر عورتوں سے فرمایا اَنْتُنَّ علی ذالك؟ کیا تم اس بیعت پر قائم ہو؟ تو انہوں نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ ممتحنہ باب ۳)

مروجہ شیعی ماتم کی حرمت

اس جگہ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ کہ عورتیں کسی بھلائی کے کام میں آپ سے نافرمانی نہ کریں، کے تحت آپ نے خواتین سے یہ بیعت لی کہ وہ کسی عزیز کے فوت ہونے پر نوحہ گری نہیں کریں گی۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ ممتحنہ باب ۳)

اور یہ بات کتب اہل تشیع میں زیادہ وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔ اصولِ کافی میں ہے کہ جب یہ بیعت لی گئی تو ایک عورت ام حکیم بنت حارث بن عبدالمطلب نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ معروف کیا ہے، جس میں ہمیں آپ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان لا تَخْمِشْنَ وجهاً وَلا تَلْطِمْنَ خدًّا ولا تُنْتِفْنَ شَعراً ولا تَمْزُقْنَ جَيْبًا وَ لا تُسوِدْنَ ثَوبًا وَلا تَدْعُون بِالْوَيْلِ۔ معروف یہ ہے کہ تم چہرہ نہ چھیلو گی، رخسار نہ پیٹو گی، بال نہ نوچو گی، گریبان نہ پھاڑو گی، سیاہ کپڑے (ماتمی لباس) نہ پہنو گی اور نوحہ گری نہ کرو گی۔

(اصول کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۷ باب صفة مبايعة النبي صلى الله عليه وآله النسآء مطبوعہ تہران)

فروع کافی میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

اِذَا مِتُّ فَلَا تَخْمِشِيْ عَلَيَّ وَجْهًا وَ تَجُزِّيْ عَلَيَّ شَعْرًا وَلَا تُنَادِيْ بِالْوَيْلِ وَلَا تُقِيْمِيْ عَلَيَّ نَائِحَةً۔ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھ پر چہرہ نہ خراشنا، بال نہ نوچنا، آہ و فغاں نہ کرنا اور کوئی نوحہ گر عورت کھڑی نہ کرنا۔

(فروع کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۷)

اسی طرح جب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا کربلا میں وقت شہادت قریب آیا، تو آپ نے اپنی ہمشیرہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يا اُخَيَّةُ اِنِّيْ اَقْسَمْتُ عَلَيْكِ فَاَبَرِّيْ قَسَمِيْ لَا تَشُقِّيْ عَلَيَّ جَيْبًا وَلا تَخْمِشِيْ عَلَيَّ وَجْهاً وَلا تَدْعِيْ

بِالْوَيْلِ۔ اے میری بہن! میں تجھے قسم دلاتا ہوں میری قسم پوری کرنا۔ مجھ پر گریبان نہ پھاڑنا، چہرہ نہ چھیلنا اور آہ و فغاں نہ کرنا۔ (الارشاد للشیخ مفید فی مکالمۃ الحسین علیہ السلام مع اختہ زینب صفحہ ۴۴۶ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران)

معلوم ہوا کسی کی رحلت یا شہادت پر گریبان پھاڑنا اور نوحہ خوانی، سینہ کوبی اور ماتم کے مروجہ طریقے اختیار کرنا حرام ہے۔ اور اہل تشیع محرم کے مہینے میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر جو ماتم کرتے ہیں، اسے خود امام حسین رضی اللہ عنہ نے سختی سے ممنوع قرار دیا ہے، اور یہ کربلا میں آپ کی آخری وصیت تھی۔ اہل تشیع سے ہماری درخواست ہے کہ خدارا مروجہ ماتم کر کے امام حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو نہ تڑپائیں اور محبتِ حسین کی یہ اداکاری چھوڑ دیں۔ محبتِ حسین اطاعتِ حسین میں ہے نہ کہ مخالفت حسین میں۔

[13] یہاں یہود سے دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ اس قوم پر اللہ کا غضب ہے اور یہ قوم اللہ کی رحمت سے اس طرح مایوس ہے جیسے مرنے کے بعد کفار بخشش سے مایوس ہیں۔ یعنی دوسرے کفار مرنے کے بعد بخشش سے مایوس ہوتے ہیں اور یہود دنیا میں ہی مایوس ہیں، کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی صداقت کا پورا علم ہے صرف ضد، عناد، حسد اور بدبختی انہیں اسلام میں نہیں آنے دیتی۔ قرآن میں ہے: يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ ''(یہود) اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کو یوں پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔'' (الانعام، آیت: ۲۵)

الحمدللہ آج 22 شوال 1429ھ مطابق 22 اکتوبر 2008ء بروز بدھ نماز ظہر سے قبل سورہ ممتحنہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورۃ الصّف

ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 110 ویں سورت ہے، جو تغابن کے بعد اور سورہ فتح سے قبل نازل ہوئی اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے 61 ویں سورت ہے۔ یہ مدنی سورت ہے جو مدنی دور کے اواخر میں نازل ہوئی اس کے بعد صرف تین سورتیں نازل ہوئیں فتح، مائدہ اور براءت۔ اسے صف اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں یہ الفاظ ہیں: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا۔ (صف ۴)

اس میں 2 رکوعات، 14 آیات، 221 کلمات اور 900 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں فرمایا گیا کہ اے مومنو! تم جو کام نہیں کرتے وہ کیوں کہتے ہو، یعنی جو کہتے ہو وہ کرو بھی۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے، پھر رسالت موسوی بیان کی گئی اور بتایا کہ ان کی قوم کی طرف سے ان کو شدید ایذاء اُٹھانا پڑی۔ پھر بتایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارت دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرے بعد وہ عظیم رسول تشریف لا رہے ہیں، جن کا نام نامی اسم گرامی احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، پھر مومنوں کو غلبۂ اسلام کی نوید سنائی گئی کہ اللہ اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا۔

اور دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کا حکم بیان فرمایا گیا اور اس کی عظیم اجر اور دنیوی برکات بتائی گئیں۔ اور اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی مثال دی گئی کہ کس طرح انہوں نے دین کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کیا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ايَاتها ١٤ | ٦١ سُوْرَةُ الصَّف مَدَنِيَّةٌ ١٠٩ | رکوعاتها ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰاَيُّهَا

اللہ کے لئے ہر وہ چیز تسبیح کہتی ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے [1] اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ

ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو، جو تم کرتے نہیں ہو اللہ کے ہاں یہ بہت ناپسندیدہ بات ہے کہ

تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③

تم وہ کہو جو کرتے نہیں ہو۔[2]

اخلاص، جہاد اور نبوت محمدیہ کا بیان

[1] ہر چیز کی تسبیح حالی بھی ہے اور مقالی بھی۔ اور ہر چیز کا قال حسب حال ہے۔

[2] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کچھ مومنین فرضیت جہاد سے قبل کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں بتائے کہ اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل کیا ہے تو ہم اسے ضرور بجا لائیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انہیں آگاہ کیا کہ اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل اللہ و رسول پر ایمان لانا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔
چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا سب سے افضل عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا: پھر کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد۔

(بخاری حدیث ٢٦، مسلم ٢٤٨)

پھر جب جہاد فرض ہوا تو انہی مومنوں میں سے بعض جہاد سے گھبرانے لگے، تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② (ابن جریر جلد ١٢ صفحہ ٩٧ حدیث ٣٤٠٤٢)

یعنی جہاد سے گھبرانے والے ان مسلمانوں سے کہا گیا کہ تمہارا دعویٰ تو یہی تھا کہ اگر ہمیں بتا دیا جائے کہ سب سے

اچھا و پسندیدہ عمل کون سا ہے تو ہم اس پر ضرور پابندی کریں گے۔ مگر اب جب تمہیں بتا دیا گیا ہے کہ وہ جہاد ہے تو تم اپنے دعوے کے مطابق اس میں پوری طرح حصہ کیوں نہیں لیتے، گھبراتے کیوں ہو؟ اللہ کے ہاں یہ چیز بہت ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ باتیں اور دعوے کرو، جو تم کر نہیں سکتے یا نہیں کرنا چاہتے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ ایسے دعوے کرنے والے منافقین تھے وہ اگر جہاد میں کبھی چلے جاتے تو بعد میں کہتے میں نے یوں نیزہ مارا یوں تلوار چلائی، حالانکہ انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے انہیں شرم دلائی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۸۲)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) منافق کی علامات:

جب منافق جھوٹے دعوے کرتا ہے، تو جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت اس کی نشانیاں ٹھہریں اسی لئے حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''منافق کی تین علامات ہیں جب بات کہے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کے خلاف چلے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔''

(بخاری کتاب الایمان باب ۲۳)

اور یاد رکھنا چاہیے کہ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا اور امانت میں خیانت برتنا یہ سب باتیں لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ہی میں شامل ہے۔

اور ان میں سے جھوٹ سب سے خطرناک چیز ہے اسی لیے اسے حدیث میں پہلے بیان کیا گیا۔ اور جھوٹ کی بہت سی صورتیں ہیں جنہیں ہم جھوٹ نہیں سمجھتے۔ ایک عورت نے اپنے بچے کو بلایا اور اسے کہا باہر نہ جاؤ میں تمہیں کچھ دوں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے، آپ نے فرمایا: تم اسے کیا دو گی؟ عرض کیا! میں اسے کھجور دوں گی، آپ نے فرمایا: اگر تم اسے کچھ نہ دیتی تو یہ اللہ کے ہاں جھوٹ لکھا جاتا۔ (ابوداود کتاب الادب باب ۸۵)

(2) بے عمل واعظین اور جھوٹے سیاستدانوں کی برائی:

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کی زد میں وہ واعظین بھی آتے ہیں جو منبر پر لوگوں کو سچائی، اخلاص اور صبر وغیرہ کا درس دیتے ہیں، مگر ان کے اپنے اخلاق بدتر ہوتے ہیں۔ یونہی جھوٹے دعوؤں اور وعدوں سے لوگوں کا ووٹ حاصل کر کے سیاسی دکان چمکانے والے سیاسی لیڈروں کے لئے بھی یہاں درس عبرت ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میں نے دیکھا کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، ان کے ہونٹ کٹتے ہیں پھر نکل آتے ہیں پھر کٹتے ہیں، یہ عذاب انہیں مسلسل ہو رہا ہے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل (علیہ السلام) یہ کون ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: یہ آپ کی امت کے خطباء ہیں جو لوگوں کو اللہ کی کتاب پڑھ کر سنائیں گے اور خود اس پر عمل نہ کریں گے۔ (تفسیر قرطبی بروایت ابی نعیم جلد ۱۸ صفحہ ۸۰)

(3) نذر کا پورا کرنا واجب ہے:

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ سے امام ابوبکر جصاص نے دلیل پکڑی ہے کہ جب کوئی شخص نذر مانے کہ وہ اللہ کی رضا کے لئے فلاں عبادت کرے گا تو اس پر وہ عبادت واجب ہو جاتی ہے، ورنہ وہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کی زد میں آئے گا۔ (احکام القرآن للجصاص جلد ۵ صفحہ ۲۳۴ مطبوعہ بیروت)

اور یوں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ۔ ''مومنین اپنی نذریں پوری کریں۔'' (ج، ۲۹)

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ
بے شک اللہ ان لوگوں کو پسند رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ لڑتے ہیں، گویا سیسہ پلائی
مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ
دیوار ہیں [3] اور یاد کرو جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں ایذاء دیتے ہو، حالانکہ
تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ
تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، پھر جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۵﴾
اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا [4]

[3] صف بستہ جہاد سے مراد یہ ہے کہ منظم و مربوط طریقہ سے میدان جہاد میں کفار کے مقابلہ میں اُترا جائے اور صف بندی ایسی ہو جیسے لوہے کی دیوار پر سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے تو اس میں سوراخ ناممکن ہو جاتا ہے (جیسے سکندر ذوالقرنین نے یاجوج و ماجوج کے مقابلہ میں لوہے کی دیوار بنائی اور اس پر تانبا پگھلا کر ڈالا) یونہی مجاہدین کی صفیں ایسی مضبوط ہونی چاہیں کہ کفار ان میں رخنہ نہ ڈال سکیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تین قسم کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ مسکراتا (خوش ہوتا) ہے، نماز کے لئے صف بندی کرنے والے نمازی، کفار کے مقابلہ میں صف بستہ مجاہدین اور رات کو تہجد کے لئے کھڑا ہونے والا مومن۔'' (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۸۰)

آج بھی مجاہدین صف بستہ جہاد کرتے ہیں، خواہ وہ ٹینکوں توپوں کی صفیں ہوں یا پیدل رائفل بردار سپاہیوں کی صفیں، جہاد میں صف بندی لازم ہے۔

[4] یہود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے کا کوئی طریقہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ انہوں نے کئی بار آپ کو شہید کرنے کی سازشیں کیں، مگر ناکام رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے لئے فرمایا کہ ان یہود نے موسیٰ علیہ السلام کو

ایذاء دینے میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، حالانکہ وہ خود کو ان کا پیروکار کہتے ہیں۔تو آپ کو وہ کیوں ایذاء نہ دیں گے۔ یہود نے بچھڑا پرستی کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شدید صدمہ پہنچایا، پھر انہوں نے آپ پر جسمانی عیب کا الزام رکھا، پھر قوم عمالقہ سے جہاد سے دست کش ہو کر آپ کو پریشان کیا، الغرض وہ زندگی بھر آپ کو پریشان کرتے رہے۔جب انہوں نے جان بوجھ کر ٹیڑھا چلنا اپنا لیا، تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دی جاتی جو سب کچھ سمجھتے ہوئے انکارِ حق کریں۔اور یہی اللہ کا طریقہ ہے کہ جب کوئی شخص جان بوجھ کر محض ضد سے انکارِ حق کرتا جاتا ہے، تو آخر اللہ اس کے دل پر گمراہی کی پکی مہر لگا دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ۔ ''بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔'' (نساء، ۱۵۵)

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ
اور یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، جو مجھ سے قبل
مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ
تورات اُتری، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میں اس عظیم الشان رسول کی بشارت سنانے والا ہوں جو میرے بعد
بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝
آئیں گے ان کا اسم گرامی احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے[5] پھر جب احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آ گئے تو انہوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔

[5] جب دین کے لئے جہاد کا حکم ہوا تو ضروری ٹھہرا کہ دین کی حقانیت بھی واضح کی جائے تو فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے ایک بار اپنی قوم بنی اسرائیل سے فرمایا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، مجھ سے قبل نازل ہونے والی تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور میرے بعد جو عظیم الشان رسول تشریف لانے والے ہیں، میں ان کی بشارت سناتا ہوں، ان کا اسم گرامی احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگا۔مگر یہ بنی اسرائیل (یہود) کی بدنصیبی ہے کہ جب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مطابق دنیا میں تشریف لے آئے، تو انہوں نے آپ سے انکار کر دیا اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن اور آپ کے معجزات کو جادو قرار دیا۔چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی نبی کی بعثت باقی نہ رہی تھی، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب انبیاء سے بڑھ کر آپ کی بعثت کی بشارات سنائیں اور آپ کی عظمت کے ڈنکے بجائے۔

شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بزبانِ عیسیٰ علیہ السلام

یہ اسی طرح ہے جیسے کسی جلسہ میں کسی عظیم المرتبہ عالم دین کو بلایا جائے تو اس سے قبل دوسرے علماء خطابات کرتے

ہیں، پھر جب اس کی باری قریب آتی ہے تو اس سے قبل خطاب کرنے والا خطیب کہتا ہے کہ لوگو اب انتظار کی گھڑیاں ختم ہوتی ہیں، اب میرے بعد وہ عظیم المرتبہ عالم دین تشریف لا رہے ہیں، جن کے لئے یہ جلسہ منعقد کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انسانوں کے لئے بزمِ ہدایت سجائی جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کرام علیہم السلام نے خطاب فرمایا۔ آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: لوگو اب انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، اب میرے بعد احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں جن کے لئے یہ بزم سجائی گئی۔

اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بقول بائبل یہ بھی فرمایا:

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہیں کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آ رہا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں ہے (اس کی کوئی فضیلت مجھ میں نہیں) لیکن یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ دنیا جانے کہ میں باپ کی محبت رکھتا ہوں''۔

(انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۰ صفحہ ۹۹ مطبوعہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور)

اب دنیا کا وہ سردار جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کون ہے؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے جو کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا (اس کی نبوت ہمیشہ کے لئے ہوگی) (انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶)

نام احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت

لفظِ احمد کا معنیٰ، سب سے زیادہ اللہ کی حمد کہنے والا ہے۔ اور بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری کائنات سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد کہنے والے ہیں۔ جیسا کہ امام عبدالرزاق نے معمر سے معمر نے زہری سے اور زہری نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نورِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا، تو اس نے ستر ہزار برس تک اللہ رب العزت کی تسبیح کہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آئینہ حیاء پیدا کیا تو اسے نور محمدی کے سامنے رکھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی صورت ہر چیز سے حسین اور پیاری ہے تو وہ اللہ سے حیاء کرتے ہوئے پانچ بار سجدے میں گر گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے ہم پر نماز پنجگانہ کے پانچ سجدے فرض فرمائے۔ آگے طویل حدیث ہے کہ اسی نور محمدی سے تمام مخلوقات کو پیدا کیا گیا۔

(مصنف عبدالرزاق کتاب الایمان باب تخلیق نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث ۱ صفحہ ۵۲ مطبوعہ موسسۃ الشرف لاہور)

گویا نور محمدی نے تخلیق کائنات سے ستر ہزار برس قبل اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہی (پھر وہ نور محمدی جب تک پیکر بشری میں جلوہ گر نہ ہوا وہ مسلسل حمدِ الٰہی بجالاتا رہا) تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کون احمد ہے یعنی اللہ کی حمد کہنے والا، اس لئے آپ کو احمد کہا گیا۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ آپ کا اسم احمد، آپ کے اسمِ محمد سے مقدم ہے، کیونکہ اس کائنات میں پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کہی، پھر آپ کو نبوت دی گئی اور سب انبیاء آپ کو احمد ہی کہتے تھے (یعنی سب سے زیادہ اللہ کی حمد کہنے

والاقرار دیتے تھے) جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔ (صف،۶) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللّٰهم اِجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّةِ اَحْمَدَ۔ ''اے اللہ! مجھے احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے بنا دے۔'' اور دنیا میں آ کر آپ کو محمد کہا گیا کیونکہ سب نے آپ کی تعریف کی (یعنی اللہ رب العزت نے آپ کی تعریف میں قرآن اُتارا اور ساری امت بلکہ ساری مخلوق آپ کا ذکر کرتی اور آپ پہ درود بھیجتی ہے)، اسی طرح روزِ قیامت (بھی آپ پہلے احمد ہونگے پھر محمد، کیونکہ) آپ پہلے اللہ کی حمد کہیں گے اور اس کے حضور سجدہ ریز ہوں گے تو احمد الحامدین کہلائیں گے۔ تب آپ کو اذن شفاعت ملے گا جس کی وجہ سے ساری مخلوق آپ کی حمد (تعریف) کہے گی۔ اس طرح دنیا و آخرت میں آپ کے نام احمد کو نام محمد پر تقدم حاصل ہے۔ اسی لئے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلی کتابوں میں آپ کا نام احمد تھا اور قرآن میں محمد ہے۔

(مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۲۴ مقصد دوم فصل اول مطبوعہ بیروت)

حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اس بشارتِ عیسیٰ علیہ السلام کا مصداق ہیں نہ کہ مرزا قادیانی

مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی کتاب انوار خلافت میں لکھا: میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ آیت (بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ) حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کے متعلق ہے اور وہ ہی احمد ہیں۔ اور اگر کوئی ثابت کر دے کہ احمد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام تھا نہ کہ صفت اور یہ کہ آپ نے یہ پیش گوئی اپنے اوپر چسپاں کی ہے تو میں ہر تاوان دینے کو تیار ہوں۔ (انوار خلافت مجموعہ خطابات مرزا بشیر الدین محمود صفحہ ۱۸ مطبوعہ امرتسر)

اندازہ کیجئے یہ کتنا بڑا الحاد اور کفر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ مرزا قادیانی کو کھڑا کر کے اسے قرآنی پیش گوئی وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ط کا مصداق بنایا جائے، پھر اس پر مرزا محمود کا یہ دعویٰ کہ وہ اس کے برخلاف ثابت کرنے والے کو ہر تاوان دینے کو تیار ہے، کس قدر ملحدانہ و کافرانہ سینہ زوری ہے۔

کیا اس نے یہ حدیث نہیں پڑھی، جو حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں اللہ کے ہاں خاتم النبیین تھا اور آدم علیہ السلام اس وقت اپنی مٹی میں گوندھے جا رہے تھے اور میں تمہیں اپنے معاملہ کی ابتداء بتاتا ہوں میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں جو انہوں نے میرے بارے میں فرمائی اور میں اپنی والدہ کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۷)

اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن میں میرے ہی بارے میں دعاء ابراہیم و بشارت عیسیٰ علیہ السلام مذکور ہے، کیونکہ یوں تو ہر نبی نے حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بشارت دی ہے مگر قرآن میں صرف بشارت عیسیٰ علیہ السلام ہی مذکور ہے۔ اب کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کے لئے ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت قرآن میں مذکور ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو واضح ارشاد فرما رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے میرے ہی بارے میں بشارت دی۔ تو کیا مرزا بشیر الدین کو مذکورہ دعویٰ کرتے ہوئے کچھ بھی حیا محسوس نہ ہوئی؟

پھر مرزا غلام احمد قادیانی کی 23 جلدوں پر مشتمل روحانی خزائن کے نام سے تمام تصانیف میرے پاس موجود ہیں ہر ایک پر اس کا نام مرزا غلام احمد قادیانی ہی لکھا ہوا ہے اور یہ کتابیں مرزائیوں کے مرکز واقع لندن سے چھپی ہیں اور ان تصانیف میں ہر جگہ مرزا قادیانی نے اپنا نام مرزا غلام احمد قادیانی ہی لکھا ہے۔ پھر کس منہ سے مرزا بشیر الدین کہتا ہے کہ اس کے باپ کا نام صرف احمد تھا اور وہی اس آیت کا مصداق ہے؟

محفلِ میلاد النبی ﷺ کا جواز

آج سارے عالم اسلام، بلکہ ساری دنیا میں اہل اسلام حضور ﷺ کے ماہ ولادت ربیع الاول میں محافل میلاد النبی منعقد کر کے دنیا میں آپ کی تشریف آوری کا ذکر خیر اور آپ کے فضائل اور اخلاق حسنہ بیان کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اسے بدعت اور حرام کہتے ہیں، حالانکہ اس کا اصل قرآن میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی محفل میں یا بنی اسرائیل کہہ کر آپ کی دنیا میں آمد اور آپ کی عظمت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آج ہم بھی محفل میلاد میں یہی کچھ کرتے ہیں، صرف فرق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میرے بعد آ رہے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ آپ تشریف لے آئے ہیں۔ گویا محفل میلاد النبی ﷺ، انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ تاہم یہ اپنی جگہ لازم ہے کہ محفل میلاد کو ہر غیر شرعی امر سے پاک رکھا جائے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى
اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ اسے اسلام کی طرف
الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ
بلایا جاتا ہے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہ اپنی پھونکوں سے
اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِىْٓ
اللہ کا نور بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کا پورا کرنے والا ہے، خواہ کافروں کو ناگوار ہو [6] اللہ وہ ہے
اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ
جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام (دوسرے) دینوں پر غالب کر دے چاہے
كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝
مشرکوں کو ناگوار گزرے [7]

ع ۱

[6] یہ آیت یہود کے بارے میں اُتری، جب انہیں اسلام کی دعوت دی جاتی تو وہ کہتے: اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا

نُّؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ ''اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے۔'' (آل عمران، ۱۸۳)

اور چونکہ محمد (ﷺ) نے ایسی کوئی قربانی پیش نہیں کی اس لیے آپ رسول نہیں ہیں۔ حالانکہ یہ یہود کا اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا کوئی عہد نہیں لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ پہ افتراء کرنے سے بڑا ظلم کیا ہے اور ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دی جاتی، جو جان بوجھ کر اللہ پہ جھوٹ باندھیں۔

تاہم یہ آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے ایسے تمام لوگوں کو شامل ہے جو دعوتِ اسلام کے جواب میں اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کر کے اپنے مذہب کو سچا اور اسلام کو جھوٹا ثابت کرنے لگیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے لوگ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام کے چراغ) کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں، مگر اللہ اپنے نور کو پورا کر کے چھوڑے گا۔

[7] اللہ تعالیٰ اپنے نور کو اس لئے مکمل کرے گا کہ اس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر اسی لئے بھیجا ہے تا کہ اللہ اپنے دین کو سب دوسرے ادیان پر غالب کر دے۔ چاہے یہ بات کفار کو کس قدر نا گوار ہو۔

غلبہٴ اسلام کی تین صورتیں

یاد رہے غلبہٴ دین تین اعتبار سے ہے۔

اول: علمی اعتبار سے، یعنی دین اسلام اپنے دلائل کی روشنی میں ہر دوسرے دین پر غالب ہے۔

دوم: سیاسی اعتبار سے، اور بلا شک وشبہ سیاسی اعتبار سے دین اسلام بارہ صدیوں سے زائد عرصہ تک دوسری قوموں پر غالب رہا ہے۔ البتہ یہ ضعف کا زمانہ ایک صدی سے کچھ زائد وقت سے شروع ہوا ہے اور ان شاء اللہ جلدی ختم ہو جائیگا، کیونکہ اللہ اپنے دین کو ہمیشہ مغلوب نہیں رکھتا۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے: الاسلام یعلو ولا یُعلیٰ، ''اسلام غالب آتا ہے (ہمیشہ) مغلوب نہیں رہتا۔''

سوم: عددی اعتبار سے، اور عددی غلبہٴ اسلام کے ظہور کا وقت مقرر ہے، جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو حدیث صحیح کے مطابق اسلام کے سوا اللہ تعالیٰ سارے ادیان کو مٹا دے گا۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم باب ۱۴)

اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) ختم نبوت:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى الخ سے معلوم ہوا کہ قرآن کے مخاطبین کیلئے ایک ہی رسول کی بعثت مقرر ہے (رَسُوْلَهٗ اسم معرفہ ہے جو ایک ہی ذات پر بولا جا سکتا ہے) اور اسی رسول کے ذریعے غلبہٴ دین مقرر ہے اگر قرآن کے مخاطبین کے لئے ایک سے زائد رسولوں کا آنا مقرر تھا تو هو الذین ارسل رُسُلَهٗ کہا جاتا۔ اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اَنَا حَظُّكُمْ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ وَاَنْتُمْ حَظِّي مِنَ الْاُمَمِ ''انبیاء میں سے تمہارے حصے کا نبی صرف میں

ہوں اور میرے حصے کی امت صرف تم ہو۔'' (مسند احمد بن حنبل)

(2) اللہ تعالیٰ اپنا تعارف اپنے حبیب کریم ﷺ کے ذریعے کرواتا ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ الخ سے معلوم ہوا حضور ﷺ قدرتِ الٰہیہ کا وہ شاہکار ہیں کہ اللہ خالق کائنات اپنا تعارف اپنے محبوب کریم ﷺ کے ذریعے کرواتا ہے، معمار اپنی بہترین تعمیر سے، مصنف اپنی بہترین تصنیف سے اور شاعر اپنے بہترین اشعار سے اپنا تعارف کرواتا ہے اور اللہ اپنے حبیب کے ذریعے اپنا تعارف کرواتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ
اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت پر آگاہی نہ دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے
اَلِيْمٍ ۝١٠ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ
بچا لے؟ تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ
وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝١١ۙ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ
جہاد کرو، اگر تم جانو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے [8] (اس طرح) اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا
وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ
اور تمہیں جنتی باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور تمہیں باغات عدن میں پاکیزہ محلات میں
عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝١٢ۙ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ
ٹھہرائے گا۔ یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اور تمہیں ایک اور نعمت دے گا، یعنی اللہ کی طرف سے مدد
وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٣
اور جلد فتح۔ اور آپ مومنوں کو بشارت دے دیں[9]

اللہ کی راہ میں جہاد اور اس کے دین کی مدد کی ترغیب

[8] پیچھے آیت نمبر 4 میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان مجاہدین سے محبت رکھتا ہے جو سیسہ پلائی دیوار بن کر اس کی راہ

میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں، تو اب جہاد کی مزید فضیلت وعظمت بتائی جا رہی ہے۔ حضرت مقاتل نے اس کا شان نزول یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر راہبانہ زندگی اپنالوں، خود کو خصی کرلوں، اپنے اوپر گوشت حرام قرار دوں (روکھی سوکھی کھایا کروں) اور ہمیشہ روزہ وشب بیداری اپنالوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: نکاح میری سنت ہے، اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں، اس کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے اور خصی ہونے کا طریقہ روزہ رکھنا ہے اور تم اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو خود پر حرام مت کرو۔ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور شب بیداری بھی کرتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔ جس نے میری سنت چھوڑ دی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کاش مجھے معلوم ہو کہ اللہ کے ہاں سب سے اچھی تجارت کیا ہے تا کہ میں اسے اپنالوں۔ تب یہ آیت اتری: هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى تِجَارَةٍ الخ

(تفسیر قرطبی جلد ۱۸ صفحہ ۸۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! اللہ کے ساتھ بہترین تجارت کرلو۔ وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں ایمان پیش کرو اور اللہ کی راہ میں بصورتِ جہاد اپنے اموال اور اپنی جانوں کا سودا پیش کرو تو اس کے بدلے میں اللہ تمہیں بطور قیمت گناہوں کی بخشش اور جنتی باغات ومحلات عطا فرمائے گا اور اس تجارت میں عظیم کامیابی ہے۔ اس تجارت کو دوسری جگہ یوں بیان فرمایا گیا: اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيَقۡتُلُوۡنَ وَيُقۡتَلُوۡنَ "بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کے اموال اور ان کی جانوں کو خرید لیا اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، قتل کرتے اور قتل ہوتے ہیں۔"

(توبہ، ۱۱۱)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) جہاد تا قیامت جاری ہے:

کیونکہ قرآن تا قیامت ہدایت ہے اور وہ فرماتا ہے: تُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ ؕ معلوم ہوا جہاد تا قیامت جاری ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث صحیح وصریح ہے کہ آپ نے فرمایا: الجہادُ مَاضٍ الٰی یومِ القِیٰمۃِ۔ جہاد تا قیامت جاری ہے۔ (بخاری کتاب الجہاد باب ۴۴، ابوداؤد کتاب الجہاد باب ۳۳)

اس کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۷۸ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۷)

مرزا قادیانی نے یہ بھی لکھا: میری عمر کا اکثر حصہ انگریزی سلطنت کی تائید وحمایت میں گزرا ہے اور میں نے مخالفت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ ان سے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔

(مسیح ہندوستان میں صفحہ ۱۱۵ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۵)

لہٰذا مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی جماعت کا کفر صرف ان کا انکار ختم نبوت ہی نہیں ہے بلکہ ان کا انکار جہاد اور آیات جہاد کا منسوخ و معطل ماننا بھی ان کا ایک بڑا کفر ہے۔

(2) ختم نبوت:

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے لئے قرآن اُترا، ان کے لیے ایک ہی رسول پہ ایمان لانا ضروری ہے اور وہ محمد مصطفی خاتم الانبیاء ﷺ ہیں۔ لہٰذا ان کے بعد دوسرا مدعی نبوت اس آیت سے منکر ہے۔

(3) شیعہ فرقہ کی بنائی ہوئی امامت منصوصہ کا رد:

شیعہ سمجھتے ہیں کہ رسول ﷺ کے بعد بارہ اماموں پہ ایمان لانا بھی لازم ہے، اور کسی امام کی امامت سے انکار ایسے ہی کفر ہے جیسے رسول کی رسالت سے انکار کفر ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر ایسی بات ہے تو کیا اللہ نے پورے قرآن میں کہیں رسول کی رسالت کے بعد امام پہ ایمان لانے کا بھی ذکر فرمایا ہے؟ اور کہیں فرمایا ہے **تومنون باللّٰه ورسوله والامام** کہ تم اللہ اور اس کے رسول اور امام پہ ایمان لاؤ گے؟ اگر ایسا کہیں نہیں، تو پھر شیعہ علماء کو قرآن پہ زیادتی کرتے ہوئے خوف خدا کیوں محسوس نہیں ہوتا؟

[9] یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے بخشش اور جنتی باغات ومحلات کے علاوہ ایک اور نعمت جسے تم پسند رکھتے ہو، یہ بھی ہے کہ تمہیں اللہ کی طرف سے مدد اور جلد فتح ملے گی اور دشمنانِ اسلام پر غلبہ حاصل ہوگا۔ معلوم ہوا جہاد کا اصل مقصد حصول بخشش اور نجات اُخروی ہے۔ رہا فتح اور غلبہ تو یہ اس کی ثانوی حیثیت ہے اسی لئے اسے **اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا** سے تعبیر کیا۔ لہٰذا مومنین کا کام ہے جہاد کو جاری رکھنا، خواہ فتح ملے یا نہ ملے اور فتح نہ ملنے سے بددل ہو کر جہاد کا ترک کرنا جائز نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

اے ایمان والو! اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے

لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ

حواریوں سے کہا: اللہ کی خاطر میرے مددگار کون ہیں؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں

فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ

تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کیا، تو ہم نے ایمان والوں کو ان کے

اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝ۧ

دشمنوں پر مدد دی تو وہی غالب ٹھہرے [10]

[10] جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا جانے لگا تو انہوں نے اپنے حواریوں (مخلص ساتھیوں) جن کی تعداد بارہ تھی، سے فرمایا بتاؤ اللہ کے دین کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں میرے مددگار کون ہیں، جو میرے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد میرے لائے ہوئے دین کو بنی اسرائیل میں پھیلاتے رہیں؟ تو آپ کے حواریوں نے بیک زبان کہا کہ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ اس کے بعد ان میں سے ایک حواری پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل ڈال کر آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا اور یہود نے اس کو عیسیٰ ابن مریم سمجھ کر سولی دے دی۔ اور آج تک یہود و نصاریٰ اسی دھوکے میں مبتلا ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوئے۔ باقی گیارہ حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے مددگار اور مبلغ بن کر بنی اسرائیل کے مختلف قبائل میں پھیل گئے اور زندگی بھر تبلیغ دین کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کی تبلیغ سے بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ کفر پر ڈٹ گیا یعنی وہ یہود و نصاریٰ بن گئے۔ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا مان لیا اور یہود نے آپ کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ تب رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور اللہ نے آخری نبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان رکھنے والوں کی مدد کی، تو وہی غالب ٹھہرے۔

یاد رہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے آپ کے دین کی مدد کی اور انصار اللہ کہلائے، یونہی مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواریون ہیں، جنہوں نے آپ کے دین کو سینے سے لگایا اور اسے دنیا کے ایک بڑے حصے پر غالب کر دیا۔ اور صحابہ کی اکثریت اللہ کی راہ میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئی۔

الحمد للہ آج 24 شوال 1429ھ بمطابق 24 اکتوبر 2008ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب سورہ صف کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورۃ الجمعہ

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ سورت قرآن کریم کی 62ویں سورت ہے اور ترتیب نزول میں 108 ویں سورت ہے، جو سورۂ تحریم کے بعد اور سورۂ تغابن سے قبل نازل ہوئی۔ یہ مکمل مدنی سورت ہے، چونکہ اس میں نماز جمعہ کی فرضیت بیان کی گئی: اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ (جمعہ ۹) اس لئے اس کا نام سورۂ جمعہ رکھا گیا۔

اس میں 2 رکوعات، 11 آیات، 130 کلمات اور 270 حروف ہیں۔

فضیلت

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھتے تھے۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

مضامین

سورہ جمعہ کے پہلے رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کی ہمہ گیری بتائی گئی کہ وہ تا قیامت ہے اور یہ کہ آپ ہی اس امت کے پہلے اور پچھلے لوگوں کے رسول ہیں، آپ کی رسالت کی موجودگی میں کسی نئے رسول کی ضرورت نہیں۔

پھر بتایا گیا کہ جن لوگوں کے ذمہ تورات کی حفاظت لگائی گئی، آج ان کا یہ حال ہے کہ جیسے گدھے پہ کتابیں لادی گئی ہوں۔ پھر یہود کے عقائدِ باطلہ کا رد کیا گیا ہے اور انہیں دعوت حق دی گئی ہے۔

جبکہ دوسرے رکوع میں حکم فرمایا گیا کہ جب نماز جمعہ کی (پہلی) اذان ہو جائے تو کاروبار چھوڑ کر نماز جمعہ کی طرف جلدی پہنچو اور ساتھ ہی خطبۂ جمعہ کی اہمیت واضح کی گئی۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتہا ١١ ٦٢ سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ١١٠ رکوعاتہا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ

آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے اللہ کے لئے تسبیح کہتی ہے جو بادشاہ ہے، پاک ہے، غالب ہے اور

الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

حکمت والا ہے[1]۔ اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں عظیم الشان رسول (محمد مصطفی ﷺ) کو بھیجا جو انہی میں سے ہیں ان پر

اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ

اللہ کی آیات پڑھتے ہیں، انہیں پاک کرتے اور انہیں کتاب و سنت کی تعلیم دیتے ہیں اور اس سے قبل وہ یقیناً

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ ② وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③

کھلی گمراہی میں مبتلا تھے[2] اور اللہ نے ان سے پچھلے لوگوں میں بھی جو انہیں نہیں پا سکے (آپ ہی کو مبعوث کیا ہے) اور وہ غالب ہے

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④

حکمت والا ہے۔[3] یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے [4]

رسالتِ محمدیہ کی عمومیت اور یہودی دعووں کی تکذیب

[1] یعنی ہر جان دار و بے جان چیز اللہ کی تسبیح کہتی ہے خواہ وہ تسبیح حالی ہو یا مقالی، ہر تسبیح کا حقدار اللہ ہی ہے کیونکہ وہ ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ ہے، وہ ہر نقص اور ہر عجز سے پاک ہے اور وہ سب طاقتوں اور حکمتوں کا مالک ہے۔

[2] جب حضور ﷺ کو مبعوث کیا گیا اس وقت اہل عرب عموماً ان پڑھ تھے اور اُمیین کہلاتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں اہل کتاب یعنی یہود کو (جو مدینہ، خیبر اور تبوک وغیرہ میں آباد تھے) پڑھے لکھے لوگ سمجھا جاتا تھا۔ اسی لئے قرآن میں

ہے: قُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ یعنی ''آپ اہل کتاب اوران پڑھ لوگوں سے فرمادیں۔'' (آل عمران، ۲۰)
اس آیت میں اہل کتاب کے سوا دور نبوی کے دوسرے اہل عرب کو امیین کہا گیا۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا سب عرب امیین کہلاتے ہیں، خواہ ان میں سے کوئی لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔
(قرطبی جلد ۱۸، صفحہ ۹۱)

تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ وہ ہے جس نے عرب کے ان پڑھ لوگوں میں وہ عظیم الشان رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے یعنی اس نے بھی کسی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا ہے، مگر اللہ نے اس کے دل پر علم وحکمت کا وہ دریا بہایا ہے کہ وہ لوگوں کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔

[3] اٰخرین کا الْاُمِّیّٖنَ پر عطف ہے اور آخرین میں وہ سب لوگ مراد ہیں جو دور رسالت کے بعد دنیا میں آئے۔ اورانہوں نے اُن امیین (اہل عرب) کا زمانہ نہ پایا، جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے زمانہ کے امیین کے لئے بھی مبعوث فرمایا اور قیامت تک آنے والے پچھلے لوگوں کے لئے بھی مبعوث فرمایا ہے، جو امیین کا زمانہ یا ان کا مقام ومرتبہ نہ پاسکے۔ گویا یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیامت تک کے لیے مبعوث ہونا بتارہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے بعد آنے والے عجمی مؤمنین کی تعریف فرمانا

یہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں سورۂ جمعہ نازل ہوئی۔ آپ نے اسے تلاوت فرمایا جب آپ نے وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ط پڑھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کون لوگ ہیں (جو بعد میں آئیں گے اور انہوں نے امیین کو نہیں پایا)؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ یہ سوال تین بار دہرایا گیا۔ اس وقت ہم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اگر ایمان ثریا پر (آسمان میں) ہوگا تو ان لوگوں (اہل عجم) میں سے کچھ لوگ یا کوئی آدمی اسے جا پائے گا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ جمعہ مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۲۳۱)

اس کی مثل وہ حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ لا ''اے مومنو! اگر تم منہ پھیرو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری مسلمان (قوم) لے آئے گا۔'' (محمد، ۳۸) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو ہماری جگہ لے آئے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پہ ہاتھ مارا، پھر فرمایا: ''یہ اور اس کی قوم'' (یعنی عجمی لوگ)
(ترمذی کتاب التفسیر سورہ محمد حدیث ۳۲۶۱)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ سے حضرت سلمان فارسی جیسے اہل عجم مراد ہیں جو ایمان کی تلاش میں

نکلیں گے اور اسے ثریا سے بھی جا ڈھونڈھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اہل عجم میں سے امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داود، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث کے لکھنے والے محدثین اقوال رسول ﷺ کو جمع کرنے کے لیے نکلے اور انہوں نے ایک ایک حدیث کے حصول کے لیے طویل وعریض سفر کیے اور احادیث کا وہ ذخیرۂ ایمان جمع کر دیا کہ آج تمام عرب وعجم کے مسلمان اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ گویا اس آیت میں امیین سے دور رسالت کے اہل عرب اور وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ سے دور رسالت کے بعد والے اہل عجم مراد ہیں، یعنی حضور ﷺ تمام عرب وعجم کے رسول ہیں اور تمام اولین وآخرین کے لیے مبعوث کیے گئے ہیں۔

ختم نبوت وعمومیتِ رسالت محمدیہ

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تا قیامت ساری انسانیت کے لئے رسول بنائے گئے ہیں، کیونکہ آپ اپنے دور کے امیین کے لئے بھی مبعوث ہوئے اور ان کے بعد آنے والے پچھلے سب لوگوں کیلئے بھی مبعوث ہوئے۔ آپ اپنے دور کے لوگوں کے لئے بھی معلم کتاب وحکمت ہیں اور ان سے پچھلی امت کے لئے بھی، لہٰذا آپ کے بعد کوئی نبی ورسول نہ آئے گا جو لوگوں کو کتاب وحکمت سکھائے۔ اب صرف علماء ہیں جو نائبین رسول بن کر لوگوں کو کتاب وسنت کی تعلیم دے رہے ہیں اور تا قیامت دیتے رہیں گے۔

عظمت علماء دین

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کے تحت معلوم ہوا کہ امت کو کتاب وسنت کی تعلیم دینے والے علماء نائبین رسول ہیں، ان کا تعلیم دینا رسول اللہ ﷺ کا تعلیم دینا ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: العلماءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ علماء وارثان انبیاء ہیں۔ آگے آپ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کی وراثت درہم ودینار نہیں بلکہ ان کی وراثت علم ہے، جس نے وہ لے لیا اسے بڑی دولت مل گئی۔ (ترمذی کتاب العلم باب ۱۹ ابن ماجہ مقدمہ باب ۱۷)

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ کے معنی میں مرزا قادیانی کی تحریف

یہاں افسوس اور دکھ سے لکھنا پڑتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کی معنوی تحریف کر کے اس پر اپنی جھوٹی نبوت کی عمارت استوار کی اور کہا کہ وہ حضور ﷺ کا وجود بن کر اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ میں مبعوث ہوا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں: میں بار بار بتا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں (یعنی پچھلے زمانہ کے لوگوں کے لیے محمد ﷺ کو میری صورت میں مبعوث کیا گیا ہے) اور خدا نے مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری

نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا، کیونکہ میں ظلّی طور پر محمد ہوں پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔(معاذ اللہ)

(ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ لندن)

اس ملحدانہ و کافرانہ اور شدید توہین رسول ﷺ پر مشتمل عبارت پر جس قدر غم و غصہ کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ مرزا قادیانی نے خود کو محمد قرار دے کر ساری امت محمدیہ کی غیرت کو چیلنج کیا ہے۔ چونکہ وہ برطانوی سامراج کی پناہ میں تھا اس لئے مسلمانوں کے غیظ و غضب سے بچ گیا، ورنہ اس کا حشر مسیلمہ کذاب سے مختلف نہ ہوتا۔ اسی پر اکتفاء نہیں، اس سے بڑھ کر مرزا قادیانی نے کہا کہ چونکہ وہ بروزی طور پر محمد ہے لہٰذا جو شخص اس کی جماعت میں آ گیا وہ صحابہ کرام میں شامل ہو گیا۔(معاذ اللہ) اس نے اپنے خود ساختہ عربی خطبہ الہامیہ میں کہا:

وَ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیَّ فیضَ الرسولِ. حتّٰی صَارَ وَجُودِیْ وَجُودَہٗ فَمَنْ دَخَلَ فی جماعَتِی دَخَلَ فِیْ صَحابَۃِ سَیِّدِی خَیْرِ المرسلین و ھٰذا ھُوَ معنٰی واٰخرین منھم۔ اللہ نے مجھ پر رسول کا فیض ڈالا حتیٰ کہ میرا وجود آپ کا وجود بن گیا تو جو میری جماعت میں آ گیا وہ میرے سردار سید المرسلین کے صحابہ میں داخل ہو گیا اور یہی وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کا معنی ہے۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۵۸ مندرجہ روحانی خزائن ۱۶)

اسی طرح اس نے کہا کہ قرآن میں مجھے محمد رسول اللہ کہا گیا ہے۔ اس نے کہا:

''پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی الٰہی ہے: محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم اس وحی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔''

(ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۰۷ مطبوعہ لندن)

اندازہ کریں اس شخص کا کفر و الحاد اور زندقہ کہاں تک پہنچا ہوا ہے، ایسے دعوے تو مسیلمہ کذاب کو بھی نہیں سوجھے تھے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد فرمایا: من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل بی فی صورتی۔ ''جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میری مثل نہیں بن سکتا'' (یعنی شیطان کسی کے خواب میں آ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں محمد ﷺ ہوں)

(بخاری کتاب العلم باب ۳۸ حدیث ۱۱۰، مسلم کتاب الرؤیا حدیث ۱۰)

گویا شیطان کسی خواب میں آ کر بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں محمد ﷺ ہوں، مگر مرزا قادیانی نے بیداری میں سب سے کہا کہ میں محمد کا وجود بن کر آ گیا ہوں۔ گویا جس گستاخیٔ رسول ﷺ کی جرأت شیطان نہیں کر سکتا، وہ مرزا قادیانی نے کر ڈالی، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

[4] یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو امیین و آخرین میں مبعوث کیا اور معلم کتاب و حکمت بنایا، یہ اللہ کا فضل ہے یا جیسے اس نے امیین کو اپنے محبوب ﷺ کی صحبت کے لئے چن لیا اور آخرین کو اس چشمۂ کتاب و حکمت سے سیراب کیا تو یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے اپنے فضل سے نوازتا ہے وہ بڑے فضل والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ

ان لوگوں کی مثال جنہیں تورات کے اٹھانے کی ذمہ داری دی گئی، پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا،

يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

گدھے کی طرح ہے جو کتابیں اٹھائے ہو، اللہ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں کی مثال کتنی بری ہے۔ اور اللہ

لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ

ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا [5] آپ فرما دیں: اے یہود! اگر تم سمجھتے ہو کہ باقی سب لوگوں کو چھوڑ کر

اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾ وَلَا

صرف تم ہی اللہ کے محبوب ہو، تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو مگر وہ

يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۷﴾ قُلْ

کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ ان گناہوں کے سبب جو وہ پہلے کر چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے [6] آپ فرما دیں

اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِىْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ

کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تمہیں مل کر رہے گی، پھر تم ہر چھپی اور ظاہر چیز کے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ ع

جاننے والے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ وہ تمہارے اعمال سے تمہیں آگاہ کرے گا۔ [7]

[5] علماء یہود کی بدبختی بتائی جا رہی ہے جنہوں نے خاتم الانبیاء ﷺ کو اچھی طرح جاننے پہچاننے کے باوجود آپ کی نبوت سے انکار کیا اور اپنی قوم کو منکر بنایا۔ ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہیں، وہ ان کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے، مگر اسے ان کتابوں سے کوئی برکت یا ہدایت نہیں مل سکتی۔ اسی طرح ان لوگوں نے تورات اٹھا رکھی ہے مگر جو کچھ تورات میں حضور اکرم ﷺ کی صفات و خصائل لکھے ہیں اور دیگر علوم مذکور ہیں انہیں قبول کرنے سے وہ معذور ہیں۔ گویا ان کی حالت گدھوں سے بدتر ہے گدھوں کو عقل نہیں دی گئی اور انہیں عقل دی گئی، مگر انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ (اعراف، ۱۷۹)

اس آیت سے علماء سوء کی بُرائی معلوم ہوئی جو قرآن وحدیث اور بہت سی دیگر کتابیں پڑھتے ہیں، مگر ان کے نظریات وعقائداور اعمال واخلاق وہ نہیں ہیں، جو کتابوں میں مذکور ہیں۔ان کی مثال بھی گدھے جیسی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔

[6] یہود کہتے ہیں: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط ''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔'' (مائدہ، ۱۸) اور جنت ہی ہمارا ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر یہی بات ہے تو تم موت کی تمنا کرو (کہ یا اللہ ہمیں موت دے دے) تا کہ تم دنیا کی تکالیف سے نکل کر جنت کی بہاروں میں پہنچ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مگر یہود کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے کیونکہ وہ دل سے جانتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں یعنی ان کے علماء کو اس حقیقت سے مکمل آگاہی ہے، مگر انہوں نے اپنی عوام کو گمراہ کر رکھا ہے۔ جب وہ موت کی تمنا نہیں کر سکتے تو پھر وہ کس منہ سے خود کو اللہ کے بیٹے اور محبوب کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب قرآن نے یہود سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو، اگر اس وقت وہ موت کی تمنا کرتے تو ہرگز زندہ نہ رہ سکتے اور وہ دوزخ میں اپنے مقامات دیکھ لیتے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۴۸)

اگر کہا جائے کہ مسلمان بھی سمجھتے ہیں کہ جنت صرف انہی کے لئے ہے تو وہ موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوزخ کا منہ نہیں دیکھ سکتے اور جنت کے سوا ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اس کے برعکس قرآن وحدیث میں مختلف گناہوں پر دوزخ کی بڑی وعیدات مذکور ہیں۔ جبکہ یہودی ذہن یہ ہے کہ یہود کے لئے ہی صرف جنت ہے، خواہ وہ کچھ بھی کرتے رہیں، کیونکہ وہ اللہ کے چہیتے ہیں اور یہ کہ وہ دوسری قوموں کو جو بھی نقصان دے دیں اس پر ان کے لئے آخرت میں کوئی پکڑ نہیں۔ کیونکہ ان کا کہنا ہے: لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ ''کہ اَن پڑھ لوگوں کے بارے میں ہم پر کوئی پکڑ نہیں۔'' (آل عمران، ۷۵)

اور ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی یہودی دوزخ میں جائے تو وہ چالیس دن سے زائد وہاں رہ نہیں سکتا۔ قرآن میں ہے: وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ط ''وہ کہتے ہیں کہ انہیں آگ صرف چند دن کے لیے ہی چھو سکتی ہے۔'' (بقرہ، ۸۰) اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اگر یہی بات ہے تو تمہیں موت کی تمنا کرنی چاہیے۔

[7] یعنی اے یہود! تم جب موت سے بھاگتے ہو اور موت کی تمنا کا چیلنج کئے جانے کے باوجود تم موت کی تمنا نہیں کر سکتے، تو سن لو کہ یہ موت تمہیں آ کر رہے گی یا اس میں تمام انسانوں سے فرمایا گیا ہے کہ اے لوگو! تم جس موت سے گھبراتے ہو، وہ موت تمہیں ضرور آ کر رہے گی، پھر تم خدائے دانائے غیب وشہادت کے حضور حاضر ہو گے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کرے گا۔

یہ آیت انسان کو موت کی یاد دلاتی ہے۔ اور موت کی یاد ہی انسان کو گناہوں سے دور رکھتی ہے۔ اگر ہم اپنی موت اور قبر کو یاد رکھیں تو کبھی گناہوں کے قریب نہ جائیں۔ مگر ہم اپنی موت کو بھول کر دنیا کی رنگینیوں میں کھو گئے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى
اے ایمان والو! جب جمعہ والے دن نماز (جمعہ) کے لئے اذان دے دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف
ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹ فَاِذَا
جلدی کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو [8] پھر جب
قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ
نماز مکمل ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر
وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا
کثرت سے کرو، تاکہ تم کامیابی پاؤ [9] اور جب انہوں نے تجارت یا کھیل دیکھی تو اس کی طرف
اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ
بھاگ پڑے اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا، آپ فرما دیں کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے
وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱ ع
اور اللہ سب سے بہتر روزی رساں ہے [10]

ع ۲ ۱۲

نمازِ جمعہ کی فرضیت اور خطبۂ جمعہ کے سننے کی تاکید

[8] گزشتہ رکوع میں رسالتِ محمدیہ کے اثبات پر بات کی گئی، اب نمازِ جمعہ کی فرضیت بتائی جا رہی ہے جس کے ذریعے رسالت محمدیہ کا پیغام ہر ہفتے مسلمانوں تک پہنچتا ہے۔ تو فرمایا گیا کہ اے مومنو! جب نماز جمعہ کے لئے (پہلی) اذان دے دی جائے تو اللہ کے ذکر یعنی نماز جمعہ اور خطبۂ جمعہ کے لئے جلدی کرو اور خرید و فروخت یعنی ہر طرح کا کاروبارِ زندگی بند کر دو، اگر تم جانو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

یہاں فَاسْعَوْا کا معنی تیز دوڑنا نہیں ہے کیونکہ نماز کے لئے تیز دوڑنا ممنوع ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب نماز قائم کی جائے تو اس کی طرف دوڑتے ہوئے مت آؤ، بلکہ چلتے ہوئے آؤ،

پھر جس قدر نماز (باجماعت) مل جائے وہ پڑھ لو اور جس قدر رہ جائے اسے پورا کرلو۔"

(بخاری کتاب الاذان باب ۲۱، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۸۸۲)

بلکہ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ کا معنی ہے کہ اذان سنتے ہی سب کاروبار زندگی بند کر کے نماز جمعہ کی تیاری شروع کردو اور جلدی مسجد پہنچو۔

جمعہ کی پہلی اذان پہ کاروبار بند کرنا اور مسجد کی طرف جانا ضروری ہے

یاد رہے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جمعہ کے لئے وہی اذان ہوتی تھی، جو امام کے منبر پر آنے کے بعد دی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی ایسا ہی رہا، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب لوگ زیادہ ہو گئے تو ایک اذان بڑھائی گئی جو مسجد کے قریب ایک اونچے گھر دار زوار پر دی جاتی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعہ باب ۲)

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ دورِ عثمانی میں جمعہ کی پہلی اذان اس لئے بڑھائی گئی تا کہ لوگ اسے سن کر جلدی مسجد کو آئیں اور خطبہ سننے میں شامل ہوسکیں۔ لہٰذا پہلی اذان ہی پہ کاروبار بند کرنا اور مسجد کی طرف جانا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اذان اول کے بعد کی جانے والی بیع باطل ہے اور خریدنے والا اس چیز کا مالک نہیں بنتا، جو کچھ اس نے اذان اول کے بعد خریدا۔ اور امام ابوحنیفہ وامام شافعی کے نزدیک بیع باطل نہیں اور خریدنے والا مالک بن جاتا ہے، مگر اذان اول کے بعد خرید وفروخت کرنا بہرحال سب ائمہ کے نزدیک گناہ ہے، کیونکہ یہ اللہ کے حکم وَذَرُوا الْبَيْعَ سے مخالفت ہے جس پر توبہ کرنا اور اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا لازم ہے۔

(تفسیر احکام القرآن للجصاص جلد ۵ صفحہ ۲۴۱)

اجتماعِ جمعہ کی تاریخی حیثیت اور نماز جمعہ کب فرض ہوئی

یاد رہے روز جمعہ کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبِ مبارک میں آٹھویں پشت پر آنے والے حضرت کعب بن لوی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن قریش کو جمع کر کے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے آگاہ کرتے اور انہیں آپ پر ایمان لانے کا حکم فرماتے تھے۔ ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین آٹھ سو برس کا فاصلہ ہے، ان تک آپ کا نسب یوں ہے۔

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔ (مظہری جلد ۹ صفحہ ۲۷۹)

نماز جمعہ کی فرضیت تو ہجرت سے قبل ہی جاری ہوگئی تھی تاہم مکہ مکرمہ میں اقامت جمعہ ممکن نہ تھی کیونکہ کفار کا غلبہ تھا مگر مدینہ طیبہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذریعہ خط جمعہ قائم کرنے کا حکم فرمایا اور حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے مہاجر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں بارہ

افراد کے ساتھ جمعہ پڑھا اور یہ حضور ﷺ کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری سے قبل کی بات ہے۔

(طبرانی کبیر جلد ۱۷ حدیث ۷۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جب حضور سید عالم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو قبا میں دو ہفتہ قیام فرمایا، اسی دوران آپ نے وہاں پہلا جمعہ پڑھا اور خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا۔ اس جگہ آج بھی قبا میں مسجدِ جمعہ زیارت گاہ خلائق ہے۔

روز جمعہ کی فضیلت احادیث سے

روز جمعہ کی فضیلت پر کثیر احادیث وارد ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس بھی دن سورج طلوع ہوتا ہے، ان میں سب سے افضل دن جمعہ ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اسی میں وہ جنت میں داخل کئے گئے، اسی میں وہ زمین پر بھیجے گئے اور اسی میں قیامت قائم ہوگی۔'' (مسلم کتاب الجمعہ حدیث ۱۷)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو روز جمعہ کیا ہے؟ یہ سوال آپ نے تین بار دہرایا۔ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں آدم علیہ السلام کو جمع (پیدا) کیا گیا، جب کوئی شخص اچھی طرح پاکیزگی کرے (نہائے) اچھے کپڑے پہنے، اچھی خوشبو استعمال کرے، پھر مسجد میں آئے اور خاموشی سے بیٹھ جائے تا آنکہ امام نماز ادا کرے تو اس کا یہ عمل اس کے لیے گزشتہ جمعہ تک سارے گناہوں کا کفارہ ہے، جب تک وہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے اور یہ فضیلت ہر زمانہ کے لیے ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۵۹)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے کہ بندہ اس میں اللہ تعالیٰ سے جو مانگے اللہ اسے ضرور دیتا ہے، جب تک وہ حرام کا سوال نہ کرے۔ جمعہ ہی کو قیامت قائم ہوگی، کوئی فرشتہ، کوئی ارض و سما، کوئی ہوا، کوئی پہاڑ اور کوئی سمندر ایسا نہیں جو روز جمعہ ڈر نہ رہا ہو کہ شائد آج اس میں قیامت قائم ہو جائے۔'' (ابن ماجہ کتاب الاقامۃ باب ۷۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز جمعہ کی وہ گھڑی جس میں قبولیت کی امید کی جاتی ہے، اسے جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد غروب آفتاب سے قبل تلاش کرو۔ (ترمذی کتاب الجمعہ باب ۲)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر روز جمعہ کو کثرت سے درود بھیجو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے'' بعض صحابہ نے پوچھا جب آپ کا جسم (قبر میں) بوسیدہ ہو جائے گا اس وقت آپ پر درود کیسے پیش کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام قرار دیا ہے'' اور ابن ماجہ میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ فرمایا ''اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔''

(ابوداؤد کتاب الجمعہ باب ۲۰۰، ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۶۵ حدیث ۱۶۳۷)

نماز جمعہ کی فرضیت واہمیت

نماز جمعہ کی فرضیت یوں بیان ہوئی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے خطبۂ جمعہ میں ارشاد فرمایا: اللہ نے آج کے دن تم پر جمعہ فرض فرمایا ہے اور یہ تا قیامت فرض ہے جس نے اسے ہلکا جان کر یا نہ مان کر ترک کیا، اللہ اس کا کوئی مقصد پورا نہ کرے۔ ایسے شخص کی کوئی نماز، کوئی زکوٰۃ، کوئی حج اور کوئی روزہ قبول نہیں اور اس کے لئے کوئی برکت نہیں، جب تک توبہ نہ کرے اور اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (درمنثور جلد ۹ صفحہ ۱۶۰)

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''نماز جمعہ ہر مسلمان پر با جماعت واجب ہے، سوا غلام، عورت، بچے اور بیمار کے۔'' (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۲۰۸)

حضرت ام عبداللہ دوسیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الجمعة واجبة علی کل قریة فیھا امام ''جمعہ اس شہر پر لازم ہے جس میں امام (حاکم) ہو۔''

(بیہقی کتاب الجمعہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

چھوٹے گاؤں میں جمعہ ادا نہیں ہوتا

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا کوئی جمعہ، کوئی عید الفطر یا کوئی عید الاضحیٰ کسی بڑے شہر یا بڑے گاؤں کے سوا میں جائز نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ کتاب الصلوٰت مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

لہٰذا فقہاء نے فرمایا کہ ایسا بڑا گاؤں جہاں کے لوگ (جن پر نماز فرض ہے) اپنے ہاں کی سب سے بڑی مسجد میں سمانہ سکیں، وہاں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ (شرح الوقایہ اولین کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۲۴۰ مطبوعہ ملتان)

معلوم ہوا کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں، بلکہ وہاں کے لوگ قریبی بڑے شہر یا گاؤں میں جا کر جمعہ ادا کریں۔ اپنے گاؤں میں جمعہ شروع نہ کریں، البتہ جس گاؤں میں پہلے سے جمعہ کا قیام چلا آرہا ہے وہاں اسے روکا نہ جائے۔ تاہم وہاں کے لوگ نماز جمعہ کے بعد نماز ظہر کی فرض رکعات ضرور پڑھیں۔

نماز جمعہ ہر عاقل بالغ آزاد مقیم مرد پہ فرض ہے۔ لہٰذا مجنون، نابالغ بچے، غلام، مسافر اور عورت پہ نماز جمعہ فرض نہیں ہے، البتہ اگر غلام، عورت اور مسافر مسجد میں آکر نماز جمعہ ادا کرلیں تو ان سے نماز ظہر کا فرض ساقط ہوجائے گا۔ نمازِ جمعہ باجماعت ہی پڑھی جاسکتی ہے اور اس کے لیے خطبہ بھی لازم ہے۔ اکیلے نماز جمعہ نہیں پڑھی جاسکتی اور خطبہ کے بغیر بھی نماز جمعہ جائز نہیں اور خطبہ میں اتنا کافی ہے کہ ایک دو آیات پڑھی جائیں حمد و تہلیل ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا جائے۔

نماز جمعہ کی فضیلت اور اس کے ترک کا گناہ

نماز جمعہ کی فضیلت بے حساب ہے، حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے

جمعہ والے دن غسل کیا، دھلے کپڑے پہنے، جلدی مسجد پہنچ گیا، امام کے قریب جا بیٹھا اور خاموش رہا اس کے ہر قدم پر اسے ایک سال کے روزوں اور شب بیداری کا ثواب ہے۔'' (سبحان اللہ) (ترمذی کتاب الجمعہ باب ۴)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جمعہ والے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے کون آیا، اس کے بعد کون آیا اور سب سے پہلے آنے والے کے لئے اونٹ کی قربانی، اس کے بعد آنے والے کے لئے گائے کی قربانی، اس کے بعد والے کے لئے بکرے کی، اس کے بعد والے کے لئے مرغی کی اور اس کے بعد والے کے لئے انڈے کی قربانی کا ثواب ہے۔ پھر جب امام آ جائے تو فرشتے اپنی کتاب لپیٹ کر بیٹھ جاتے اور ذکر سنتے ہیں۔'' (بخاری کتاب الجمعہ باب ۳۱)

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو جس قدر پہلے آئے اس کے لئے اسی قدر زیادہ ثواب ہے۔

نماز جمعہ کے ترک کرنے کا گناہ عظیم ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''میں ارادہ کرتا ہوں کہ کسی شخص کو اپنی جگہ کھڑا کروں وہ میری جگہ نماز پڑھائے اور میں جا کر ان لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں اور جمعہ کے لئے نہیں آئے۔'' (مسند احمد جلد ا صفحہ ۳۹۴)

حضرت اسامہ بن زید ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے جان بوجھ کر (بلا عذر) تین جمعات چھوڑ دیئے، وہ منافقوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔'' (طبرانی کبیر جلد ا حدیث ۴۲۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نماز جمعہ کے چند ضروری احکام یہ ہیں

نماز جمعہ پانچ شرائط کے بغیر ادا نہیں کی جا سکتی (1) بڑے شہر یا بڑے گاؤں کا ہونا، چھوٹے قصبہ میں جمعہ جائز نہیں، تفصیل ابھی گزری ہے۔ (2) نماز ظہر کا وقت موجود ہونا۔ (3) نماز جمعہ سے قبل خطبہ کا پڑھا جانا اور خطبہ کم از کم اتنا ہو کہ اس میں حمد و تہلیل اور درود و تسبیح ہو۔ (4) جماعت کا ہونا۔ امام کے سوا کم از کم تین آدمی ہوں تو یہ جماعت ہے۔ (5) اذن عام ہونا۔ یعنی جہاں جمعہ پڑھا جائے وہاں ہر کسی کو جمعہ میں شامل ہونے کی اجازت ہو۔ اگر ان پانچ شرائط میں سے کوئی ایک نہ پائی جائے، تو جمعہ درست نہیں ہے۔

جمعہ کے واجب ہونے کے لئے بھی پانچ شرائط ہیں۔ (1) شہر میں مقیم ہونا۔ (2) صحت مند ہونا۔ (3) مرد ہونا۔ (4) آزاد ہونا۔ (5) آنکھوں اور پاؤں کا سلامت ہونا۔ لہٰذا مسافر، بیمار، عورت، غلام، اندھا اور اپاہج اپنے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ سکتے ہیں ان کے لئے جمعہ میں شریک ہونا لازم نہیں۔ البتہ اگر یہ لوگ جمعہ میں شامل ہو جائیں تو ان کا جمعہ جائز ہے اور ان کے ذمہ سے نماز ظہر ساقط ہو جائے گی۔

[9] اللہ کے فضل سے رزقِ حلال مراد ہے یعنی نماز جمعہ کے لئے کاروبار بند کر دو اور نماز پڑھ چکنے کے بعد تم اللہ کا فضل تلاش کر سکتے ہو اور تلاش رزق کے دوران اللہ کا ذکر نہ بھولو، تا کہ تم فلاح پاؤ۔

یہاں سے دوفوائد حاصل ہوئے:

(1) تجارت کا ثواب: فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ سے معلوم ہوا کہ حصول رزق کے لئے بھاگ دوڑ کرنا اللہ کا حکم ہے۔ لہٰذا یہ توکل کے خلاف نہیں، بلکہ توکل یہ ہے کہ کوشش کرو اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔ اسی لئے رزق کو اللہ کا فضل کہا گیا، کوشش ہی نہ کرنا توکل نہیں تساہل ہے۔

(2) تجارت اور عبادت دونوں ساتھ ساتھ چلنی چاہیں: جب نماز جمعہ کی اذان ہو تو کاروبار چھوڑ دو جب نماز پڑھ لو تو زمین میں پھیل کر اللہ کا فضل یعنی رزق ڈھونڈو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور تجارت ایک ساتھ چلنی چاہیں۔

[10] اس کا شان نزول مقاتل بن حیان سے یوں مروی ہے کہ ابتداء میں رسول اللہ ﷺ عیدین کی طرح جمعہ کا خطبہ بھی نماز کے بعد دیتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ نماز جمعہ ہو چکی تھی۔ نماز کے بعد حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اتنے میں ایک شخص کی آواز آئی کہ دحیہ بن خلیفہ (کلبی) مال تجارت لے کر آ گیا ہے (حضرت دحیہ تب تک ایمان نہیں لائے تھے) اور جب دحیہ مال لے کر آتے تو ان کے گھر والے دف بجا کر ان کا استقبال کرتے، بعض لوگ دف کی آواز سن کر مسجد سے نکل پڑے۔ ان کا گمان تھا کہ خطبہ چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں (کیونکہ نماز تو ہو چکی ہے) تب یہ آیت وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا الخ نازل ہوئی، اس کے بعد حضور ﷺ نے جمعہ کا خطبہ نماز سے مقدم کر دیا۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۱۶۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے کبار صحابہ خطبہ چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔

(مسلم کتاب الجمعہ حدیث ۳۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ چالیس آدمی بیٹھے رہے، ان میں میں بھی تھا۔ (سنن دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۸۶۳)

یہ بھی مروی ہے کہ وہ قحط کا زمانہ تھا، لوگوں کو غلہ کی شدید حاجت تھی۔ اس لئے لوگ دحیہ سے غلہ خریدنے کی فکر میں دوڑ پڑے، بہرحال یہ ان کی اجتہادی خطا تھی انہوں نے سمجھا کہ نماز ہو چکی ہے اب صرف خطبہ ہے، جسے چھوڑ کر جانے میں حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں نے تجارت اور لَهْو (دف کی آواز) دیکھ کر آپ کو خطبہ میں کھڑے چھوڑ دیا، حالانکہ اللہ کے ہاں ان کے لئے آپ کی صحبت میں رہنے اور خطبہ کا مکمل احترام کرنے میں جو اجر و ثواب ہے وہ تجارت اور لَهْو سے کہیں بہتر ہے اور اللہ ہی بہتر رزق رساں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہ اہل تشیع کے ایک اعتراض کا جواب

یہاں اہل تشیع صحابہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھو رسول کے صحابی رسول کو خطبہ میں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ اگر انہوں نے حضرت علی کو چھوڑ دیا تو کیا تعجب ہے؟ مگر یہ اہل تشیع کا صحابہ سے بغض کے سوا کچھ نہیں، جب بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یعنی مہاجرین و انصار خطبہ چھوڑ کر نہیں گئے تھے، تو ممکن ہے خطبہ چھوڑ کر جانے والے وہ لوگ ہوں گے جو نئے اسلام لائے تھے اور ابھی آداب و احکام اسلامی سے مکمل واقف نہ تھے۔ پھر یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی اور اجتہادی غلطی قابل

مواخذہ نہیں۔ہاں یہ ثابت کرو کہ ان آیات کے نزول کے بعد کوئی صحابی نماز چھوڑ کر یا خطبہ چھوڑ کر کہیں گیا ہو اور ایسا ہرگز نہیں ہے۔

اہل تشیع کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت، راہِ خدا میں جہاد اور ان کی مال و جان کی قربانی نظر نہیں آتی۔انہیں صرف ان میں سے بعض کا خطبہ سے جانا نظر آتا ہے۔بغض اسی چیز کا نام ہے کہ آپ کسی شخص کی تمام خوبیوں کو چھوڑ کر اس کی کسی ادنیٰ سی غلطی کو لیکر بیٹھ جائیں۔آخر اہل تشیع کی نظر ان آیات پہ کیوں نہیں جاتی جن میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بخشش اور جنت کا اعلان فرمایا ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰ ''وہ پہلے لوگ جو (دین میں) سبقت لے گئے یعنی مہاجرین و انصار اور جو لوگ احسان کے ساتھ انکی پیروی کریں، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے ان کے لیے جنت کے باغات تیار کیے ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان ہمیشہ رہیں گے، یہ عظیم کامیابی ہے۔'' (توبہ،۱۰۰)

اللہ انہیں صحابہ کرام کا احترام عطا فرمائے۔آخر شیعوں کو بعض صحابہ کا خطبۂ جمعہ سے چلا جانا ہی کیوں نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے جنت کا یہ اعلان کیوں نظر نہیں آتا؟

الحمدللہ آج 28 شوال 1429ھ بمطابق 28 اکتوبر 2008ء بروز منگل بعد نماز ظہر سورہ جمعہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورۃ المنافقون

سورۃ المنافقین ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 63ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 104ویں سورت ہے۔ جو سورہ حج کے بعد اور سورہ مجادلہ سے قبل نازل ہوئی۔ اسے سورۃ المنافقون اس لئے کہا گیا کہ اس کا آغاز اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ سے ہوا اور اس سورت میں منافقوں کی منافقانہ چالوں سے پردہ اُٹھایا گیا ہے۔

اس سورت میں 2 رکوعات، 11 آیات، 180 کلمات اور 976 کلمات ہیں۔

مضامین

سورہ منافقون کے پہلے رکوع میں منافقین کی منافقانہ کارروائیوں اور خفیہ اسلام دشمن چالوں سے پردہ اُٹھایا گیا کہ وہ کس طرح جھوٹ بول کر اور جھوٹی قسمیں اٹھا کر اپنے نفاق کو مخفی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنی مجالس میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں اور بیباکیاں کرتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ ﷺ تمہاری بخشش کی دعاء فرمائیں تو وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک دعاء رسول ﷺ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے لیے کوئی بخشش نہیں ہے اور ساتھ ہی اللہ رب العزت نے عظمت رسول ﷺ بیان فرمائی کہ عزت کے حقدار اللہ کے بعد سب سے قبل آپ ہیں، پھر آپ کے غلام اہل ایمان عزت کے حقدار ہیں۔

جبکہ دوسرے رکوع میں فرمایا گیا کہ اے مومنو! اموال و اولاد کی محبت میں کھو کر ذکرِ الٰہی سے غافل نہ ہو جاؤ اور موت کی گھڑی آنے سے قبل اللہ کی راہ میں خرچ کر لو، کیونکہ جب موت آتی ہے تو اس وقت انسان چاہتا ہے کہ صدقہ وخیرات کرنے کی مہلت دی جائے، مگر اس وقت مہلت نہیں ملتی۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتھا ۱۱ ۶۳ سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۴ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ

جب آپ کے پاس منافق لوگ آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے

اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْۤا

کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ انہوں نے

اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾

اپنی قسموں کو ڈھال بنایا، پھر (لوگوں کو) راہِ خدا سے روکا۔ وہ کیا ہی برا کام کرتے ہیں۔[1]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾

یہ اس لئے ہے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی لہٰذا وہ سمجھتے نہیں ہیں [2]

منافقین مدینہ کی مسلمانوں کے خلاف منافقانہ چالیں

[1] عبداللہ بن ابی ابن سلول مدینہ طیبہ کے قبیلہ خزرج کا بڑا آدمی تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری والے دن اس کے سر پر قبیلہ کی سرداری کا تاج رکھا جانے والا تھا، مگر جب آپ تشریف لائے تو اس قبیلہ کے اکثر لوگ ایمان لے آئے اور انصار مدینہ کہلائے اور اسکی تاج پوشی دھری کی دھری رہ گئی۔ عبداللہ بن ابی پر بدبختی غالب آ گئی اور وہ حضور ﷺ سے حسد کرنے لگا۔ اس نے تین سو کے قریب اپنے ہمنوا بھی پیدا کر لئے، یہ لوگ منافقانہ طور پر مسلمانوں میں شامل ہو گئے اور یہود سے بھی ان کا رابطہ رہا۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیارے محبوب ﷺ! منافقین آپ کے حضور حاضر ہو کر کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں مگر منافقین یہ بتانے میں جھوٹے ہیں کہ وہ دل سے آپ کی رسالت پر گواہی دے رہے

ہیں، انہوں نے اپنی قسموں یعنی ان گواہیوں کو ڈھال بنا لیا ہے جس کے پیچھے وہ خود کو مسلمانوں کے غیظ وغضب سے بچاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے یہود سے روابط تھے اور وہ یہود کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے تھے اور ان سے یہ بھی کہتے تھے اگر یہ شخص سچا رسول ہے تو اسے ہماری حقیقت سے آگاہی کیوں نہیں دی جاتی، لہٰذا یہ سچا رسول نہیں ہے۔ اس طرح انہوں نے لوگوں کو اللہ کی راہ یعنی دین حق سے روکا تو ان کا یہ عمل کس قدر برا تھا۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) جھوٹی قسمیں اٹھانا منافقین کا کام ہے:

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سے معلوم ہوا کہ جھوٹی قسمیں منافقین اٹھاتے ہیں۔ مگر افسوس آج یہ کام ہم میں سے کئی لوگوں نے اپنا لیا ہے وہ خود کو مومنین کہتے ہیں اور اللہ ان کو منافقین قرار دیتا ہے۔

(2) اَشْهَدُ قسم اٹھانے کے حکم میں ہے:

منافقین نے کہا: نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً اس سے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام اوزاعی اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا کہ کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں یہ کام ضرور کروں گا یہ قسم اٹھانا ہے۔ اب اگر وہ اپنی قسم کو توڑے تو اس پر کفارہ لازم ہے۔ دوسرے ائمہ یہ بات نہیں مانتے۔ (احکام القرآن للجصاص جلد ۵ صفحہ ۳۴۴)

مگر احناف کا موقف قوی ہے کیونکہ قرآن سے موید ہے۔

[2] یعنی منافقین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ایمان قبول کیا اور یہود کے پاس جا کر کفر بک دیا اور کہا کہ ہم نے تو صرف چالبازی کے لئے کلمہ پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی منافقانہ چالبازیوں کے سبب اللہ نے ان کے دلوں پر گمراہی کی مہر لگا دی ہے، لہٰذا وہ نہ سمجھیں گے نہ ایمان لائیں گے۔

وَ اِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ

اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے اجسام آپ کو بھلے نظر آئیں گے اور اگر وہ بات کہیں تو آپ ان کی بات سنیں گے،

كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ

وہ گویا دیوار سے لگائی گئی لکڑیاں ہیں۔ وہ ہر چیخ کو اپنے اوپر گرتی محسوس کرتے ہیں، وہ دشمن ہیں ان سے

فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ٘ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ۴ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

محتاط رہیے۔ اللہ انہیں مارے۔ وہ کہاں بھٹکتے ہیں [3] اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ

یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَ هُمْ

تمہارے لئے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بخشش مانگیں تو وہ (انکار میں) سر پھیرتے ہیں۔ اور آپ دیکھیں گے کہ وہ تکبر کے ساتھ

مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۵ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ

منہ موڑتے ہیں۔ان کے حق میں یہ برابر ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں۔

لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۶

اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ [4]

[3] منافقین حضور سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جھک جھک کر ملتے اور ایسی محبت بھری باتیں کہتے، جنہیں سننے کو ہر کسی کا دل چاہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھنے میں ان کے اجسام بھلے لگتے ہیں اور ان کی باتیں بھی بہت پسندیدہ ہیں، مگر ان کی بے شعوری کا یہ عالم ہے کہ وہ دیوار سے کھڑی کی گئی خشک لکڑیوں کی طرح ہیں یعنی ان کی طرح بے شعور ہیں۔ یا یہ معنی ہے کہ منافقین اپنے سہارے سے نہیں کھڑے ہیں بلکہ یہود کے سہارے کھڑے ہیں یا اس لئے کھڑے ہیں کہ ابھی اللہ نے ان کا پردۂ نفاق چاک نہیں کیا ہے، تو وہ دیوار کے سہارے کھڑی لکڑیوں طرح ہیں۔ ان کے خوف کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر خوفناک آواز سے گھبرا اُٹھتے ہیں یعنی اگر وہ کسی جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوں اور کوئی مسلمان پکارے او مومنو! تو منافقین کانپ جاتے ہیں کہ کہیں ان کے حق میں کوئی آیت تو نہیں اُتر آئی اور ان کا پردۂ نفاق چاک تو نہیں کیا جا رہا؟ لہٰذا یہ چھپے دشمن ہیں ان سے ہر مسلمان کو محتاط رہنا چاہیے، اللہ ان کو غارت کرے، یہ کدھر بھٹکتے ہیں۔ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ناراضگی کا ایک جملہ ہے جو عربی محاورہ کے طور پر بولا گیا ہے۔

گویا زبان کا میٹھا اور دل کا کڑوا انسان منافق ہے، کچھ لوگ زبان کے کڑوے اور دل کے میٹھے ہوتے ہیں وہ بھی اچھے ہیں، مگر مومن کی شان یہ ہے کہ وہ زبان کا بھی میٹھا ہے دل کا بھی میٹھا ہے۔

[4] یہ آیت عبداللہ بن ابی اور اس جیسے چند منافقین کے لئے اتری جو آخر دم تک اپنے نفاق پہ ڈٹے رہے۔ عبداللہ بن ابی نے غزوہ بنی مصطلق میں مسلمانوں کے خلاف اور حضور ﷺ کی گستاخی میں بہت دل آزار باتیں کہیں۔ اسے کچھ مسلمانوں نے کہا جاؤ حضور ﷺ سے معافی مانگ لو تاکہ آپ اللہ سے تمہارے لئے بخشش مانگیں اور اللہ تمہیں معاف کر دے تو اس نے انکار میں گردن ہلائی اور تکبر سے منہ موڑا۔

بلکہ اس نے مزید بکواس کرتے ہوئے کہا تمہارے کہنے پر میں نے اس شخص کا کلمہ پڑھ لیا، پھر میں نے تمہارے کہنے پر زکوٰۃ بھی دے دی، اب کیا میں اسے سجدہ کروں؟ (معاذ اللہ) تب یہ آیت اتری: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ الخ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۱۰۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب منافقوں سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ ﷺ سے بخشش کی دعا کروا لو، تو وہ اعراض کرتے ہیں۔ معلوم ہوا شفاعت رسول ﷺ سے اعراض منافقین کا کام ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ یہ منافقین آپ کی شان میں گستاخیاں کرنے والے ہیں، اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا خواہ آپ ان کے لئے بخشش مانگیں۔

چنانچہ جب عبداللہ بن ابی مرا تو حضور ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا اور اس کے لئے بخشش مانگی۔ کیونکہ اس وقت تک آپ کو کفار کے لئے استغفار کرنے سے روکا نہیں گیا تھا، بس اتنا کہا گیا تھا کہ اگر آپ ان کے لیے ستر بار بخشش مانگیں تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔ جب آپ اس کی نماز جنازہ پڑھ چکے تو یہ آیت اتری: لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ط یعنی ''آئندہ آپ ان میں سے کسی ایسے شخص پر نماز جنازہ نہ پڑھیں جو ہمیشہ کے لئے (کفر پر) مر گیا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔'' (توبہ، ۸۴) تو اس کے بعد کفار کے لیے استغفار سے مطلقاً منع کر دیا گیا۔

کیا نبی کی دعاء کوئی اہمیت نہیں رکھتی

اس آیت سے بعض نام نہاد کلمہ گو لوگ دلیل لاتے ہیں کہ نبی کی دعاء اللہ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتی، اگر اللہ چاہے تو آپ کی ستر بار مانگی گئی دعاء بھی رد کر دے۔ مگر یاد رہے کہ یہ آیت منافقین کے لیے ہے، کیونکہ وہ کافر ہیں اور کافر کے لیے بخشش نہیں ہے، رہے اہل ایمان تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب وہ اپنی جانوں پہ ظلم کر لیں تو اے پیارے رسول ﷺ! آپ کے پاس آ جائیں، اللہ سے بخشش مانگیں اور آپ ان کی سفارش کر دیں تو وہ اللہ کو بخشنے والا رحیم پائیں گے۔ (نساء، ۶۴)

هُمُ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰى مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ حَتّٰى

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں رسول اللہ کے ساتھیوں پر مال مت خرچ کرو تاکہ وہ بھاگ

يَنۡفَضُّوۡا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ۝۷

جائیں۔ اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں، مگر منافقین نہیں سمجھتے۔

يَقُوۡلُوۡنَ لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ لَيُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ ؕ

وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ (طیبہ) کو لوٹ کر گئے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا،

وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۸ ع

جبکہ سب عزت اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مومنوں کے لئے ہے۔ مگر منافقین نہیں جانتے۔ [5]

[5] یہ آیات غزوہ بنی مصطلق ہی کے موقع پر اتریں۔ 6ھ میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے مابین ایک چشمہ مُریسیع کے باشندوں نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا پروگرام بنایا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا، آپ نے ان پر حملہ کر دیا، وہ تتر بتر ہو گئے۔ عبداللہ بن اُبی منافق بھی اس غزوہ میں ساتھ تھا۔ وہاں ایک مہاجر اور ایک انصاری صحابی کے مابین کچھ تنازع ہوا۔ وہ انصاری صحابی عبداللہ بن اُبی کے قبیلہ خزرج سے تھا۔ عبداللہ نے اس موقع پر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے انصار خزرج سے کہا ان مہاجروں کو یہ جرأت ہوگئی ہے کہ ہمارے آدمی کو مارنے لگے ہیں، ہم نے ان لوگوں کو پناہ دی اور ان پر مال خرچ کیا۔ آج یہ ہم سے مقابلہ کرنے لگے۔ ان کی مثال یوں ہے کہ کہتے ہیں اپنے کتے کو موٹا کرتا کہ تمہیں کھائے، اگر اب بھی تم ان پر مال خرچ کرنا چھوڑ دو، تو یہ مدینہ سے بھاگ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ ہی ارض و سما کے سب خزانوں کا مالک ہے، مگر منافقین نہیں سمجھتے۔ عبداللہ بن ابی نے مزید کہا واللہ! اگر ہم مدینہ پہنچے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا، اس نے خود کو عزت والا قرار دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ اذل کہا، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ساری عزت اللہ کے لئے ہے، پھر اس نے اپنے رسول کو عزتوں کا مالک بنایا اور جو مومنین ان کے دامن سے لپٹ گئے وہ بھی عزت والے ہو گئے، مگر منافقوں کو یہ بات معلوم نہیں۔

مروی ہے کہ عبداللہ بن ابی کی مذکورہ زہریلی باتیں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سن لیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں سے مطلع کیا۔ آپ نے عبداللہ کو بلا کر پوچھا اس نے کہا اس رب کی قسم! جس نے آپ پر قرآن اُتارا ہے، میں

نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی، زید نے جھوٹ کہا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتار کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور عبداللہ بن ابی کی تکذیب فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا کان پکڑ کر فرمایا: اے زید! اللہ نے تیرے کان کی تصدیق کر دی ہے۔

ادھر جب عبداللہ بن ابی مدینہ طیبہ میں داخل ہونے لگا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جو مخلص مومن اور صحابی رسول تھے، اپنے باپ کے راستے میں کھڑے ہو گئے۔ اور اسے فرمایا جب تک تم یہ نہ کہو گے کہ میں سب سے ذلیل تر ہوں اور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے عزت والے ہیں، تب تک میں تمہیں شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ جب اس نے یہ بات کہی تو انہوں نے باپ کا راستہ چھوڑ دیا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ منافقون باب ۴، تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۱۰۱)

یہاں برسبیل تذکرہ یہ بھی یاد رہے کہ غزوہ بنی مصطلق ہی میں یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ جب لشکر اسلامی واپس آ رہا تھا تو راستہ میں ایک جگہ انہوں نے رات کو پڑاؤ کیا۔ تو ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئیں، وہاں ان کو دیر ہوگئی۔ جب وہ واپس ہوئیں تو ان کو اپنے گلے کا ہار غیر موجود نظر آیا وہ اسے اندھیرے میں تلاش کرنے لگیں، وہ نہ ملا ان کو مزید دیر ہوگئی۔ جب وہ پڑاؤ کی جگہ واپس آئیں تو لشکر روانہ ہو چکا تھا۔ پیچھے ایک صحابی حضرت صفوان رضی اللہ عنہ آ رہے تھے، انہوں نے کسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر اپنے اونٹ پہ بٹھا لیا، مگر کوئی کلام نہیں کیا۔ مدینہ طیبہ لے آئے جب منافقین کو اس بات کا علم ہوا تو ان خبیث لوگوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہ بُرائی کی تہمت لگا دی۔ چنانچہ واقعہ افک کی تمام آیات بھی اسی غزوہ سے واپسی پہ نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے حرم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طہارت کا قرآن میں اعلان فرمایا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ منافقین کس قدر مکروہ اور قبیح فطرت کے لوگ تھے، اس تہمت میں یہی سردار منافقین عبداللہ بن ابی سب سے پیش پیش تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ
اے مومنو! تمہیں تمہارے اموال اور تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے [6]
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٩ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ
اور جو ایسا کرے تو وہی لوگ نقصان والے ہیں اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا، اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرو
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى
اس سے قبل کہ تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے تو وہ کہے اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ دیر مہلت
اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا
کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا۔ اور اللہ کسی جان کو ہرگز مہلت نہیں دیتا
اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١١ ع
جب اس کی موت آ جائے اور اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ [7]

[6] گزشتہ رکوع میں منافقین کے احوال بتائے گئے کہ انہیں اموال و اولاد کی غلط محبت نے منافقت میں مبتلا کیا تھا۔ تو اب مومنوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم اموال و اولاد کی محبت میں ڈوب کر ذکرِ خدا سے غافل مت ہو جاؤ، کیونکہ ایسا کرنا سراسر خسارہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض لوگ مال کمانے کی دھن میں حلال وحرام کی تمیز اُٹھا دیتے ہیں، نماز ترک کر دیتے ہیں اور دوسرے کا حق مارنے سے بھی باز نہیں آتے۔ اسی طرح اولاد کی محبت میں کچھ لوگ دوسروں کی جائیدادیں ہڑپ کر لیتے ہیں، تاکہ اپنی اولاد کے لئے جائیداد بنا سکیں۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ ''کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے محض آزمائش ہیں۔'' (تغابن، ۱۵)

[7] اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے اس کا کچھ حصہ راہِ خدا میں خرچ کرو مثلاً اگر علم دیا ہے تو اس سے جاہلوں کی جہالت دور کرو، مال دیا ہے تو غریبوں حاجتمندوں کی مالی مدد کرو، جاہ و اقتدار دیا ہے تو دنیا میں قیامِ عدل کی کوشش کرو اور اگر اولاد دی ہے تو اسے نیک کاموں پہ لگاؤ ان میں سے کسی کو عالمِ دین بناؤ، تاکہ وہ لوگوں کو راہِ خدا پر لائے۔ اور اگر اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ سے صرف مال مراد ہے تو معنی یہ ہے کہ مال سے زکوٰۃ دو اگر حج فرض ہے تو اسے بجا لاؤ اور مزید صدقاتِ نافلہ سے اللہ کو راضی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو اس وقت وہ کہے کہ یا اللہ! مجھے تھوڑی سی مہلت دے دے تاکہ میں صدقے کروں اور نیکیاں کما لوں، مگر جب موت آ جائے تو اللہ کسی کو ایک لمحہ مہلت نہیں دیتا۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) علاماتِ موت نظر آنے کے بعد صدقہ قابل قبول نہیں:

جیسے اللہ تعالیٰ کے ہاں موت کے وقت صدقہ کی خواہش قابل قبول نہیں، یوں ہی شرع میں موت کے وقت صدقہ یا وصیت نافذ نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ صدقہ جو تم صحت میں کرو، جب تمہیں مال کی ضرورت، محتاجی کا ڈر اور غناء کی طلب ہو۔ اس وقت تک تاخیر نہ کرو کہ جان حلق تک آ جائے۔ تب تم کہو میں فلاں کو اتنا مال دیتا ہوں اور فلاں کو اتنا، حالانکہ اس وقت وہ مال کسی اور کا (یعنی ورثاء کا) ہو چکا۔'' (بخاری کتاب الوصایا باب ۷ مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۹۲)

(2) زکوٰۃ مرنے تک لازم رہتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے:

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص نے زکوٰۃ، عشر، فطرانہ یا کوئی اور صدقہ واجبہ نہیں دیا اسے مرنے تک ادائیگی کا حکم ہے، مرنے کے بعد وہ اپنے گناہوں کا بوجھ لے کر اللہ کے پاس جا پہنچے گا۔ پھر اللہ چاہے تو سزا دے، چاہے تو معاف کرے۔

الحمد للہ آج 29 شوال 1429ھ بمطابق 29 اکتوبر 2008ء بروز بدھ بعد نماز ظہر سورہ منافقون کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورۃ التغابن

سورۃ تغابن ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی 109 ویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت میں 64 ویں سورت ہے۔ یہ مدنی سورت ہے۔ اسے سورت تغابن اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں لفظ تغابن ہے جو کسی دوسری صورت میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ (آیت ۹)

اس سورت میں 2 رکوعات، 18 آیات، 241 کلمات اور 1070 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی عظمتیں قدرتیں بیان کی گئیں، جیسے اس کا انسانوں کی مختلف شکلیں بنانا اور ارض وسما کی تخلیق وغیرہ۔ پھر فرمایا گیا کہ اللہ ارض وسما کی ہر بات جانتا ہے اور انسان جو کچھ ظاہر کرتے یا چھپاتے ہیں اللہ ہر چیز جانتا ہے۔ پھر گزشتہ قوموں کی ہلاکت کی طرف اشارہ کر کے لوگوں کو اللہ ورسول کی اطاعت پہ ابھارا گیا، پھر قیامت کا آنا اور جنتی لوگوں کی کامیابی اہل جہنم کی ناکامی بیان کی گئی اور کہا گیا کہ کئی لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا، مگر اللہ سب کو اٹھائے گا تا کہ ایمان والوں کو جنت اور کفر والوں کو جہنم میں بھیجے۔

جبکہ دوسرے رکوع میں بتایا گیا کہ ہر مصیبت اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ لہٰذا ہر حال میں اللہ ورسول کی اطاعت جاری رکھو اور اموال اولاد کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو۔ اور بتایا گیا کہ اے ایمان والو! تمہاری اولاد اور بیویوں میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں، یعنی اگر وہ تمہیں حکم خداوندی سے ہٹاتے ہیں تو وہ تمہارے دشمن ہیں، تو ان سے بچ کر رہو۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتہا ۱۸ ۶۴ سُوْرَۃُ التَّغَابُنِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۸ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ

آسمانوں اور زمین میں جو چیز ہے اللہ کے لئے تسبیح کہتی ہے۔اسی کے لئے سب بادشاہی ہے اور اسی کے لئے سب تعریف ہے۔

عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے [1] اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تو کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی

مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ

مومن، اور اللہ تمہارے اعمال پر نگہدار ہے [2] اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق بنایا۔

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ③

اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو تمہاری صورتوں کو بہت خوب بنایا اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹنا ہے۔[3]

توحید، رسالت، قیامت اور قرآن پر ایمان لانے کا حکم

[1] یعنی آسمان وزمین کی ہر چیز اس لئے اللہ کی تسبیح کہتی ہے کہ وہی حقیقی بادشاہ ہے، ہر بادشاہ کو اسی نے بادشاہی دی ہے اور وہ جب چاہے بادشاہی چھین سکتا ہے۔اور وہی ہر تعریف کا مالک ہے، کیونکہ جس چیز میں جو خوبی ہے وہ اللہ ہی کی عطا کردہ ہے۔اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔لہٰذا وہی ہر تسبیح کا حقدار ہے۔

[2] یعنی اے انسانو! اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر اختیار دیا کہ تم میں سے جو چاہے کفر کرے اور جو چاہے ایمان لائے اور اللہ دیکھتا ہے کہ کون ایمان لایا اور کس نے کفر کیا اور وہ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔دوسری جگہ فرمایا گیا: ''اب جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر کرے ہم نے ظالموں کے لئے نار جہنم تیار کر رکھی ہے۔'' (کہف، ۲۹) فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ نے تو تمہیں فطرتِ اسلام پر پیدا کیا، پھر کسی کو اس کے

والدین نے کفر پر ڈال دیا اور کسی کو ایمان پر۔ جیسے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔'' (بخاری ومسلم)

[3] اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے بہترین صورت میں پیدا کیا۔ دوسری جگہ فرمایا: لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۟ ''ہم نے انسان کو سب سے بہتر صورت میں پیدا کیا۔'' (التین ۴) اس کی وضاحت یہ ہے کہ فرشتے نور سے بنے اور جنات نار سے اور انسان میں نور و نار دونوں جمع ہیں۔ لہٰذا انسان دونوں سے افضل ہے۔ پھر جمادات و نباتات عقل اور احساس دونوں سے خالی ہیں اور حیوانات میں احساس تو ہے، مگر وہ عقل سے عاری ہیں جبکہ انسان میں احساس بھی ہے عقل بھی۔ گویا انسان سب مخلوقات سے بہتر ہیئت پر بنایا گیا۔ پھر حیوانات کو زمین پر جھکے ہوئے بنایا گیا اور انسان کو سیدھا کھڑا بنایا گیا جس کے سبب وہ سب سے خوبصورت نظر آتا ہے۔ اور ہر حیوان غذا کھانے کے لئے زمین پہ منہ رکھنے پر مجبور ہے، مگر انسان کو یہ شرف دیا گیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنا لقمہ منہ میں ڈالتا ہے۔ اسے حصولِ غذا کے لیے اپنا منہ زمین پر نہیں رکھنا پڑتا، یہ اس کے خوبصورت تر ہونے کی دلیل ہے۔

پھر ایک جنس کے حیوانات کی ایک ہی صورت ہوتی ہے البتہ وہ اپنے رنگوں اور دوسرے نشانات سے پہچانے جاتے ہیں، مگر اللہ نے ہر انسان کی صورت الگ بنائی ہے یہ انسان پہ اللہ کا احسان ہے۔ پھر حیوانوں کے چہرے جذبات سے عاری ہیں اور انسان کی صورت جذبات کی کہکشاں ہے۔ اس کے دل میں جو غم، خوشی، غصہ، رحم، شرم، بے شرمی، مذاق، سنجیدگی یا طنز ہے، وہ اس کے چہرے سے عیاں ہے اور اس کا چہرہ لحہ بہ لحہ بدلتا ہے۔ تو واقعتاً انسان کو بہترین صورت پر بنایا گیا ہے۔

چہرے کی تصویر کا بنانا حرام ہے

وَصَوَّرَكُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَكُمۡ ۚ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انسان کی صورت گری اللہ رب العزت کی شان ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ہر انسانی تصویر بلکہ ہر جاندار چیز کی تصویر کا بنانا حرام قرار دیا ہے اور اس پہ سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اور شریعت میں کسی جاندار کی تصویر کا بنانا حرام ہے، کیونکہ یہ اللہ کی صورت گری کی نقل کرنا ہے جو اللہ کو پسند نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''جس نے تصویر بنائی (یا بنوائی) اس کی ہر تصویر کے بدلے ایک جان (فرشتہ یا کسی اور مخلوق) کو پیدا کیا جائے گا، جو اسے جہنم میں عذاب دے گی۔''

(مسلم کتاب اللباس حدیث ۹۹، مسند احمد جلد ا صفحہ ۳۰۸)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''جس نے تصویر بنائی اسے کہا جائے گا کہ اس میں جان بھی ڈالے۔'' (جب وہ نہ ڈال سکے گا تو مبتلائے عذاب ہوگا) (بخاری کتاب البیوع باب ۱۰۴، مسلم کتاب اللباس حدیث ۱۰۰)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں ایک الماری پہ لٹکے ہوئے پردہ میں تصویریں دیکھیں، تو فرمایا: اشد الناس عذابا یوم القیامة الذین یضاھون بخلق الله۔ سب لوگوں سے سخت تر عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی تخلیق سے مشابہت کرتے ہیں (یعنی جاندار چیز کی تصویر بناتے ہیں)

(صحیح بخاری کتاب اللباس حدیث ۵۹۵۴)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا تدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولا تصاویر۔ ''فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصاویر ہوں۔''

(بخاری کتاب اللباس حدیث ۵۹۴۹۔ ابوداود کتاب اللباس حدیث ۴۱۵۲)

تصویر کے بارے میں بعض شبہات کا ازالہ

آج کیمرے کی تصویر عام ہے۔ علماء کی تصاویر بھی اخبارات و رسائل میں چھپتی ہیں، مگر اس سے شرعی مسئلہ کی نوعیت نہیں بدل سکتی۔ بعض لوگ تصویر کی حلت کا یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ وہ تصویر حرام ہے جو ہاتھ سے بنائی جائے، جبکہ کیمرے کی تصویر تو ایک مشینی تصویر ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ کیا کیمرہ ہاتھ ہی سے نہیں چلتا؟ قلم ہو یا کیمرہ دونوں ہاتھ ہی سے چلتے ہیں۔ مرور زمانہ کے ساتھ آلات بدل جاتے ہیں، لیکن اگر مقصد نہ بدلے تو حکم نہیں بدلتا، جیسے پہلے تلواروں اور گھوڑوں سے جہاد ہوتا تھا، اب رائفلوں، ٹینکوں، توپوں اور لڑاکا جہازوں سے جہاد ہوتا ہے، آلات بدل گئے ہیں مقصد ایک ہے۔ لہٰذا حکم بھی ایک ہے، کیا ٹینکوں، توپوں کے ذریعہ جہاد کا ثواب نہیں ملے گا؟ یونہی پہلے جانوروں پہ سفر ہوتا تھا اب کاروں، ٹرینوں، بسوں اور ہوائی جہازوں پہ سفر ہوتا ہے مگر قصر صلوۃ اور قضاء روزہ ودیگر سفر کے شرعی احکام وہی ہیں۔ اسی طرح پہلے قلم سے تصویر بنتی تھی، اب کیمرے سے بنتی ہے اور چونکہ دونوں کا مقصد ایک ہے لہذا دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ آدھے جسم کی تصویر بے جان کی تصویر ہے کیونکہ آدھا جسم بے جان ہی ہے لہذا آدھے جسم کی تصویر جائز ہے۔ مگر جواز کا یہ حیلہ بھی بیکار ہے، کیونکہ تصویر کا مقصد چہرہ ہے۔ جب تصویر میں چہرہ ہے تو وہ کامل تصویر ہے اور حرام ہے۔ کیا ان علماء نے یہ حدیث نہیں پڑھی جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے گھر میں ایک پردے پر تصویر دیکھی تو فرمایا اس کا سر کاٹ دو تاکہ یہ درخت نما ہو جائے۔'' (ابوداؤد کتاب اللباس حدیث ۴۱۵۷)

گویا جب تک تصویر میں چہرہ ہے، وہ حرام ہے اور اس کے بغیر جائز ہے۔

بعض جہلاء یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ تصویر حرام ہے جو پرستش کے لئے گھر میں رکھی گئی ہو، ہم اپنے گھروں میں جو تصاویر رکھتے ہیں وہ محض یادگیری کے لیے ہیں، وہ پرستش کے لیے نہیں ہوتیں، لہٰذا یہ جائز ہیں۔ مگر جواز کا یہ حیلہ بھی قطعاً فضول ہے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک بار میں نے گھر کی ایک کھڑکی پر تصویر والا پردہ لٹکا دیا۔ نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: ''روز قیامت سب سے سخت تر عذاب اللہ کی تخلیق کی نقل کرنے والوں

کو ہوگا'' اور یوں بھی مروی ہے کہ فرمایا سب سے سخت تر عذاب ان تصاویر کے بنانے والوں کو ہوگا، تو میں نے وہ پردہ اُتار کر تکیے میں ٹھونس دیا۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس حدیث ۵۹۵۴، کتاب الادب حدیث ۶۱۰۹)

تو کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہ تصویر عبادت کے لیئے رکھی تھی؟ نہیں، انہوں نے تو تصویر والا ایک پردہ لٹکایا تھا، مگر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی اُتروا دیا۔

یہاں سے اس شبہ کا ازالہ بھی ہوگیا، جو کہا جاتا ہے کہ وہ تصویر حرام ہے جس کا سایہ ہو جیسے بت اور پتھر کی مورتیاں، لہٰذا کاغذ پہ بنی ہوئی تصویر حلال ہے۔ مگر یہ بھی غلط ڈھکوسلہ ہے۔ دیکھو سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے لٹکائے ہوئے پردہ میں بنی ہوئی تصویر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برداشت نہ فرمائی، کیا وہ سایہ دار تصویر تھی؟

پاسپورٹ اور ضروری شناخت کے لیے تصویر کا جواز

اس جگہ یہ یاد رہنا چاہیے کہ پاسپورٹ یا شناختی کارڈ وغیرہ کے لئے تصویر بنانا دورِ حاضر کی ایک مجبوری ہے، اس سے تصویر کی اصل حرمت مرتفع نہیں ہوتی البتہ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (بقرہ، ۲۸۶) کے مطابق ضرورتیں اور مجبوریاں ممنوع کو مباح کر دیتی ہیں۔ اصول فقہ کا قاعدہ ہے: الضرورات تبیح المحضورات، یعنی مجبوریاں ممنوعات کو جائز بنا دیتی ہیں۔ لہٰذا شوقیہ اور اخباری تصاویر کی شرع میں کوئی گنجائش نہیں اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرنا چاہیے۔ خصوصاً علماء و مشائخ کو حرام کاموں سے بچنے کا فکر زیادہ ہونا چاہیے، کیونکہ دوسرے لوگ انکے اعمال کو فتویٰ تصور کرتے ہیں۔

مجھے یاد ہے آج سے قریباً دس بارہ برس قبل پاکستان سے ایک بہت بڑے اور بزرگ عالم دین بلکہ استاذ العلماء یہاں برطانیہ آئے۔ ایک جگہ ان کا استقبالیہ تھا، کافی علماء جمع تھے، کیمرہ مین سب کی تصاویر اتار رہا تھا، پاکستان کے مہمان عالم دین کی بھی تصاویر اُتاری گئیں۔ جب میری تصویر اُتاری جانے لگی تو میں نے انکار کر دیا۔ بعد میں ایک نجی محفل میں میں نے مہمان عالم دین سے پوچھا کیا آپ کے نزدیک یہ تصویر کشی جائز ہے؟ فرمانے لگے: بیٹا! میرا فتوی بھی اس کی حرمت ہی کا ہے، مگر کیا کریں زمانہ ایک طرف بہہ رہا ہے تو ہم بھی ادھر بہے جا رہے ہیں۔ مجھے ان کے جواب سے شدید حیرت اور افسوس ہوا۔

آئی فون، آئی پیڈ، لپ ٹاپ اور مووی میں رکھی گئی تصاویر کا حکم

یہ سائنسی ترقی کا دور ہے۔ جدت زمانہ سے نئی نئی ایجادات سامنے آرہی ہیں، لہٰذا شریعت کی روشنی میں ان کا شرعی حکم تلاش کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ آج کل مووی بنائی جاتی ہے، جس میں متحرک تصاویر ہوتی ہیں اور آئی فون، آئی پیڈ اور لپ ٹاپ وغیرہ میں میں لوگ اپنی تصاویر ڈالتے رہتے ہیں جو متحرک بھی ہوتی ہیں اور غیر متحرک بھی، ان کا شرعی حکم کیا

ہے، کیا یہ بھی حرمت کے دائرہ میں آتی ہیں؟ تو تحقیق یہ ہے کہ وہ تصویر حرام ہے جو کسی چیز پہ مستقل مرتسم ہو جائے، اس کا اپنا ایک مستقل مرئی وجود ہو اور اسے دیکھنے کے لیے کسی خاص سکرین کے استعمال کی ضرورت نہ ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں کاغذوں، پتھروں اور کپڑوں وغیرہ پہ تصاویر بنائی جاتی تھیں، انہیں نہ بدلا جا سکتا تھا نہ محو کیا جا سکتا تھا، نہ ہی انہیں دیکھنے کے لیے کسی خاص سکرین کا استعمال کرنا پڑتا تھا۔ ایسی تصویر کا بنانا آج بھی حرام ہے، خواہ وہ قلم سے بنائی جائے یا کیمرہ سے۔

مگر جو تصویر ایسی ہے کہ کسی خاص سکرین کے ذریعہ ہی دیکھی جا سکتی ہے، ورنہ اس کا اپنا کوئی وجود ہی نہیں ہے جیسے آئی فون، آئی پیڈ، لیپ ٹاپ اور مووی کیمرہ کی تصویریں ہیں، یہ چیزیں شرعی حرمت کے زمرہ میں نہیں آتیں۔ کیونکہ ان تصاویر کا اپنا کوئی مستقل وجود ہی نہیں ہے، ان کی حالت پانی یا آئینہ میں کسی جاندار کے عکس کی مانند ہے، کہ عکس کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے، العکس مالیس لہ وجود مستقل بذاتہ عکس وہ چیز ہے جس کا اپنا قائم بالذات وجود نہ ہو۔ یہی حالت مووی کیمرہ کی تصاویر اور آئی فون، آئی پیڈ یا لیپ ٹاپ کی تصاویر کی ہے، خواہ یہ تصاویر متحرک ہوں یا غیر متحرک۔ البتہ اگر ایسی کسی تصویر کو آئی فون وغیرہ سے نکال کر کاغذ پہ (Print) کر لیا جائے، تو اب وہ حرام ہے۔ کیونکہ اس کا اپنا ایک مرئی وجود ہے، اب وہ عکس نہیں ہے۔

مووی کیمرہ اور آئی فون کی تصویر اور کاغذ پہ چھپی ہوئی تصویر میں یہ فرق بھی ہے کہ آئی فون وغیرہ کی تصویر قابل محو (Delete able) ہے، اس کے محو کرنے سے فون کی سکرین میں کوئی فرق نہیں آتا، جیسے پانی یا آئینہ میں عکس کے ہٹنے سے پانی اور آئینہ میں فرق نہیں آتا۔ جبکہ کاغذ پہ چھپی ہوئی تصویر ناقابل محو (Un delete able) ہے اگر اسے محو کیا جائے تو کاغذ پھٹ جائے گا۔

اگر کہا جائے کہ مووی کیمرے سے فحش فلمیں بنائی جاتی ہیں اور بے حیائی کو اس سے فروغ ملتا ہے، لہٰذا ان چیزوں کو حرام ہی کہنا چاہیے۔ تو ہم عرض کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی مرضی سے کسی چیز کے حلال یا حرام قرار دینے کا حق نہیں ہے، وہی چیز حرام ہے جو شرعی ضابطہ کے تحت دائرہ حرمت میں آتی ہے اور آج مووی کیمرہ اور لیپ ٹاپ سے جس قدر علم حاصل ہو رہا ہے، خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی، وہ کتاب سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا بلا دلیل فتوائے حرمت صادر کر کے علم کے راستے مسدود کرنا انسانیت کے ساتھ ایک زیادتی ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) چہرے کی پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہے:

جب اللہ جل مجدہ الکریم کی بنائی ہوئی صورت سب سے بہتر ہے تو اسے بگاڑ کر نئی صورت بنانا اللہ کی تخلیق کو ناقص سمجھنے کے مترادف ہے۔ ہاں اگر چہرے پر کوئی زخم آ جائے تو اسے دور کرنا جائز ہے، یہ علاج ہے، یہ چہرے کا بدلنا نہیں

ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''چہرہ گودنے والی، گدوانے والی، ابرو باریک کرنے والی اور باریک کروانے والی اور بال لمبے کرنے والی اور کروانے والی عورتوں پہ اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے۔'' (بخاری کتاب البیوع باب ۲۵، مسلم کتاب اللباس حدیث ۱۱۹)

جب چہرے میں اتنی سی تبدیلی باعث لعنت ہے تو مکمل چہرہ بدلنا کس قدر باعث لعنت ہوگا۔

(2) چہرے پر مارنا جائز نہیں ہے:

کیونکہ انسان کی صورت تخلیقِ خداوندی کا شاہکار ہے اور چہرے پر مارنا اس شاہکار کی توہین ہے۔ اسی لیے حدیث مبارکہ میں ہے ''جو اپنے غلام کے منہ پر مارے اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردے۔''

(مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۹)

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ

وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اور اللہ دلوں کے راز جانتا ہے کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنہوں نے اس سے قبل کفر کیا تو انہوں نے

قَبْلُ ؗ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ

اپنے کام کا وبال چکھ لیا؟ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح

تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ؗ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا

نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کہا کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے؟ تو انہوں نے کفر کیا

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

اور منہ پھیرا اور اللہ نے بے نیازی فرمائی اور اللہ بے پرواہ ہے قابل حمد ہے۔[4]

[4] یعنی پہلی قوموں کے پاس انبیاء ورسل، اللہ کی آیات اور معجزات لے کر آئے تو کفار نے کہا کیا ہمارے جیسے بشر ہمیں ہدایت دیں گے۔ انہوں نے منہ پھیرا اور اللہ تو بے نیاز ہے لہٰذا ان پر اللہ کی پکڑ آ گئی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور آپ کی کتاب اور آپ کے معجزات کے منکر لوگ بھی اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے، خواہ وہ اس جہان میں پکڑے جائیں یا اگلے جہان میں۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کو بشر کہہ کر پکارنا سوء ادب ہے اور یہ کفار کا طریقہ ہے۔ انبیاء بلاشبہ بشر ہیں اور وہ خود کو بشر کہہ کر یاد بھی کرتے ہیں مگر یہ ان کا تواضع ہے ہمارا حق نہیں کہ انہیں ایسے لفظ سے یاد کریں جس سے ان کے لئے کسی عظمت کا اظہار نہیں، اسی لئے صحابہ کا حضور ﷺ کو بشر کہہ کر بلانا کہیں ثابت نہیں۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ

کفار سمجھتے ہیں کہ انہیں (دوبارہ) نہیں اٹھایا جائے گا، آپ فرما دیں کیوں نہیں، مجھے میرے رب کی

لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۞ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہیں تمہارے اعمال سے خبر دی جائے گی اور یہ اللہ پر آسان ہے، تو تم اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر

وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ

اور جو نور ہم نے نازل کیا اس پر ایمان لاؤ اور اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے [5] یاد کرو جس دن وہ تمہیں

الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ

جمع کرے گا، کیونکہ وہ جمع کا دن ہے، وہ ہار جیت کا دن ہے تو جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور اچھا عمل کرے

عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اللہ اس کے گناہ مٹائے گا اور اسے جنتی باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں

اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ

ہمیشہ رہیں گے۔ وہ عظیم کامیابی ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا

اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞ ع

وہ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ کیا ہی بُرا انجام ہے۔ [6]

ع ۱۵ الثالثة

[5] تو ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کی توحید، اس کے رسول کی رسالت اور اس کی نازل کردہ کتاب کو دل و جان سے مانا جائے، اس کے بغیر نجات اُخروی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) ختم نبوت:

یہ آیت ختم نبوت کا واضح بیان ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ میں رَسُوْلِهٖ اسم معرفہ ہے جو ایک ہی ذات پر دال ہے یعنی محمد مصطفی خاتم الانبیاء ﷺ۔ معلوم ہوا قرآن کے مخاطبین کے لئے ایک ہی رسول ہے جس پہ ایمان لانے کا حکم فرمایا گیا ہے اور جو نور آپ لے کر آئے (وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا) وہ آخری نور ہے جو نازل کیا گیا اس کے بعد کوئی اور نور نہیں اُترے گا۔ یونہی آپ آخری رسول ہیں آپ کے بعد کوئی اور رسول نہیں بھیجا جائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضرور آئیں گے، مگر وہ پہلے سے رسول بن چکے ہیں، انکے دوبارہ آنے سے ختم نبوت میں فرق نہیں آتا۔

(2) شیعہ فرقہ کی تیار کردہ امامت منصوصہ کا رد:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی توحید پہ ایمان لانے کے ساتھ اپنے رسول کی رسالت پہ ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے، کیونکہ اس کا رسول اس کا مقرر و منصوص نمائندہ ہے اور یہ صرف رسول ہی کا منصب ہے، کسی اور کا نہیں۔ مگر اہل تشیع کے نزدیک رسول کے بعد بارہ اماموں پہ ایمان لانا بھی لازم ہے کیونکہ ان کے نزدیک امام بھی منصوص من اللہ ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر ایسی بات ہے تو کیا اللہ نے قرآن میں کسی جگہ رسول کے بعد امام پہ ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے اور کیا قرآن میں کہیں یہ ہے کہ آمنوا باللّٰه ورسوله والامام. کہ اللہ اور اس کے رسول اور امام پہ ایمان لاؤ؟ جب ایسا کہیں نہیں تو پھر شیعہ لوگ قرآن پہ زیادتی کیوں کرتے ہیں؟

بلکہ اہل تشیع کے نزدیک اماموں کا درجہ تمام رسولوں اور انبیاء سے کہیں بڑھ کر ہے، بلکہ وہ غلو کی اس حد تک پہنچے ہیں کہ ان کے بقول سب انبیاء بارہ اماموں کی امامت کا اعلان کرنے کے لیے مبعوث ہوئے۔ اہل تشیع کے نزدیک سب سے معتبر کتاب میں ہے: امام جعفر صادق نے کہا: مامن نبی جاء قط الا بمعرفة حقنا و تفضیلنا علی من سوانا، دنیا میں جو بھی نبی آیا وہ ہماری معرفت اور ہمیں دوسرے تمام انسانوں پہ افضل قرار دینے کے لیے مبعوث ہوا۔

(اصول کافی کتاب الحجہ صفحہ ۲۶۲ مطبوعہ دار مجتبیٰ، نجف اشرف)

یقیناً یہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹی بات منسوب کی گئی ہے، وہ ایسی ملحدانہ بات نہیں کہہ سکتے۔ تاہم جب اہل تشیع کے نزدیک اماموں کا درجہ اتنا بلند ہے تو کیا وجہ ہے کہ سارے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رسول کے بعد کسی امام پہ ایمان لانے کا حکم کیوں ارشاد نہیں فرمایا؟ یعنی یہ کیوں نہیں فرمایا: فآمنوا باللّٰه ورسوله والامام. کہ اللہ اور اس کے رسول اور امام پر ایمان لاؤ؟ قارئین کو چاہیے کہ وہ اپنے ملنے والے اہل تشیع سے یہ سوال کریں۔

[6] قیامت کا دن ہار جیت اور نفع و نقصان کا دن ہے، لہٰذا جو شخص ایمان لائے اور اچھے اعمال کرے یعنی فرائض بجا لائے اور حرام کاموں سے بچے اور اگر گناہ ہو جائے تو توبہ کرے، وہ جیت گیا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ مٹا دے گا اور جنت کے درجات عطا فرمائے گا اور یہی سب سے بڑی جیت ہے۔ اور جو لوگ کفر کریں اور اللہ کی آیات (قرآن) کو جھٹلائیں

وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے یہ سب سے بڑی ہار ہے۔

تو قیامت کا دن ہار جیت کا دن ہے۔ آج کئی لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ جیت گئے ہیں، کیونکہ ان کے پاس دولت، شہرت، حکومت اور قوت آ گئی ہے، مگر روز قیامت وہ ہار جائیں گے۔ اور کئی لوگوں کو دنیا ہارے ہوئے سمجھتی ہے، کیونکہ ان کے پاس مال و دولت نہیں، مشکل سے گزر اوقات ہوتی ہے مگر وہ روز قیامت عظیم الشان جیت حاصل کریں گے۔ کیونکہ ان کے صبر کے صدقے اللہ رب العزت ان کو جنت کے اعلیٰ درجات عطا فرمائے گا۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ
(تمہیں) جو مصیبت آئے وہ اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کی راہنمائی کرتا ہے
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ
اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے [7] اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو، پھر اگر
تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى
تم منہ پھیرو تو ہمارے رسول کے ذمے صرف واضح طور پر (احکام کا) پہنچانا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اللہ ہی پہ
اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾
مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔[8]

صبر و اطاعت، بیوی بچوں کی بہتر کفالت اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم

[7]　ہر مصیبت اللہ ہی کے حکم سے آتی اور اسی کے حکم سے جاتی ہے۔ تو جو شخص اللہ کی اس تقدیر پر ایمان لے آئے اللہ اس کے دل کی راہنمائی فرماتا ہے یعنی اس کے دل کو مصائب پر صبر عطا فرما دیتا ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1)　تقدیر پر ایمان:

معلوم ہوا ہر خوشی و غمی، رحمت و زحمت اور نعمت و نقمت اللہ کی طرف سے ہے اور حدیث مبارکہ میں ہے اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو وہ قبول نہ ہوگا، جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ اور یہ نہ جان لو کہ جو تمہیں ملا وہ ملنے سے رہ نہیں سکتا تھا اور جو نہیں ملا وہ تمہیں مل نہیں سکتا تھا۔ اگر تم اس عقیدہ پر نہ مرے تو سیدھے دوزخ میں جاؤ گے۔

(ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۱۶، ترمذی کتاب القدر باب ۱۰)

(2) تلقین صبر:

جب ہر مصیبت اللہ کی طرف سے ہے تو بندے کو اللہ کی تقدیر اور اس کے حکم پر صابر و شاکر رہنا چاہیے اور مومن کی شان ہی یہ بتائی گئی ہے کہ جب مومنوں کو مصیبت آئے تو وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (بقرہ،١٥٦) کہتے ہیں انہی لوگوں پر اللہ کی طرف سے رحمت ہے۔

[8] یعنی ہر حال میں خواہ مصیبت ہو یا نعمت تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجا لاؤ اور اگر تم اس اطاعت سے منہ پھیرو، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف پیغام کا پہنچانا ہے آگے حساب لینا میرا کام ہے۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(1) ختم نبوت:

الرَّسُوْلَ معرف باللام ہے اور رسولنا معرف بالاضافۃ، اور دونوں ایک مخصوص ذات پر صادق آسکتے ہیں۔ اور وہ محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ معلوم ہوا اس امت پہ صرف آپ کی ہی اطاعت لازم ہے اور آپ ہی ان کے رسول ہیں۔ اگر آپ کے سوا بھی رسول آنے والے ہوتے تو اطیعوا الرسل اور ما علی رسلنا الا البلاغ کہا جاتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہی کے ذمے دین کا پہنچانا ہے اب کوئی نیا رسول نہیں آئے گا کہ جس کے ذمے یہ تبلیغ ہو۔ اب صرف علماء ہیں جو نائبین رسول کی حیثیت سے آپ کا لایا ہوا دین لوگوں تک پہنچا رہے ہیں۔

(2) حجیت حدیث:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ کی ہر بات اور آپ کا ہر حکم مسلمانوں کے لئے واجب الاطاعت ہے، خواہ وہ قرآن کی صورت میں ہو یا حدیث کی صورت میں۔ یہاں اللہ کے لئے اَطِيْعُوا الگ اور رسول کے لئے اَطِيْعُوا الگ کہہ کر بتایا گیا ہے کہ جیسے اللہ کی ہر بات مومنوں کے لئے حجت ہے رسول کی ہر بات بھی حجت ہے۔ بلکہ اللہ تو رسول کی زبان کے سوا بولتا ہی نہیں اگر رسول کی زبان حجت نہیں، تو اللہ کی حجت کیسے معلوم ہو سکتی ہے؟ لہٰذا جو حدیث صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچے، خواہ وہ خبر واحد ہو اس پر ایمان لازم اور عمل کرنا واجب ہے۔

(3) عصمت رسول ﷺ:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کی طرح اپنے رسول کی اطاعت کو مطلقاً فرض قرار دیا ہے۔ اب اگر رسول کا کوئی قول یا عمل شیطانی ونفسانی خواہش کی بنیاد پہ ہو سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ رسول کی اطاعت کا مطلقاً حکم کیوں فرماتا: اللہ رب العزت کا یہ حکم فرمانا اس امر کی مستحکم دلیل ہے کہ رسول کے کسی قول وعمل میں شیطان اور نفس کا دخل نہیں ہو سکتا، البتہ بعض انبیاء سے خلافِ اولیٰ یا اجتہادی خطا یا نسیان کا صدور ہوا اور یہ

چیزیں گناہ کے زمرہ میں نہیں آتیں۔ان چیزوں کا نفس وشیطان کی انگیخت سے کوئی تعلق نہیں۔

(4) رسول کے سوا کوئی معصوم یا منصوص من اللہ نہیں ہے:

یعنی اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلقاً واجب الاطاعت ہونا رسول ہی کی شان ہے، کیونکہ رسول اللہ کی طرف سے مقرر و منصوص ہوتا ہے۔اور وہ اللہ سے وحی لے کر امت تک پہنچاتا ہے، اس لیے اس کے ہر قول وعمل کو شیطانی اثرات سے پاک کر دیا جاتا ہے۔اور چونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں لہٰذا آپ کے بعد کوئی انسان اللہ کی طرف سے مقرر و منصوص یا معصوم نہیں ہوسکتا۔کیونکہ ان چیزوں کا وحی سے تعلق ہے، جب رسول اللہ ﷺ کے بعد وحی کا دروازہ ہی بند ہے، تو کوئی شخص کیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر و منصوص ہوسکتا ہے؟ مگر شیعہ فرقہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بارہ اماموں کو بھی منصوص من اللہ اور معصوم اور مطاع مطلق مانتا ہے اور کسی امام کی امامت سے انکار کرنے والا ان کے نزدیک رسول کے منکر کی طرح کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ہم اہل تشیع سے پوچھتے ہیں کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہیں یہ کیوں نہیں فرمایا: اطیعوا اللہ والرسول والامام کہ اللہ اور رسول اور امام کی اطاعت کرو؟ تو اہل تشیع کو قرآن پہ زیادتی کرنے سے باز آنا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ
اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، ان سے
فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾
بچ کر رہو۔ اور اگر تم معاف کرو اور درگزر سے کام لو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہے اور اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے [9] تو جس قدر تم سے ہو سکے
مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ
اللہ سے ڈرو اور اس کا حکم سنو اور اطاعت بجالاؤ۔ اور اپنے ہی بھلے کے لئے راہ خدا میں خرچ کرو اور جس کو اس کے
شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
دلی بخل سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں، اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو تو اللہ اسے تمہارے لئے
يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ
بڑھا دے گا اور تمہاری بخشش فرمائے گا اور اللہ جزا دینے ولا، بردبار، ہر چھپی اور ظاہر چیز کا جاننے والا،
وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾
غالب اور حکمت والا ہے [10]

ع ۲ ۱۶

[9] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے بعد) کچھ لوگ مکہ میں مسلمان ہوئے۔ انہوں نے ہجرت کرنا چاہی، تو ان کی ازواج و اولاد نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا۔ پھر (کچھ عرصہ بعد) وہ ہجرت کر کے آئے، تو دیکھا کہ لوگ دین میں بڑی فقاہت حاصل کر چکے ہیں اور (وہ دین سے بے علم رہ گئے ہیں) تو انہوں نے اپنے گھر والوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا (کہ ان کی وجہ سے وہ علم دین سے بے بہرہ رہ گئے ہیں) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اُتاری: اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ الخ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ تغابن)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں یعنی ان

میں سے جو تمہیں اللہ کی اطاعت سے روک دیں اور عذاب میں مبتلا کر دیں، وہ تمہارے دشمن ہیں ان سے بچ کر رہو۔اور اگر وہ تم سے خلاف شرع کام کا تقاضا کریں تو انہیں سمجھا دو کہ یہ کام خلافِ شرع ہے، اس کا تقاضا مت کرو۔ مگر انہیں سزا دینے میں جلدی نہ کرو بلکہ معافی و درگزر سے کام لو اور ان کی غلطی بخش دو کیونکہ اللہ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) بیوی بچوں کی خلافِ شرع خواہش مت پوری کی جائے اور نہ ہی بیوی بچوں کو اپنے سربراہ خانہ سے ایسی خواہش کرنی چاہیے اگر بیوی بچے سربراہ خانہ کو کسی حرام کاروبار کے شروع کرنے پر مجبور کریں یا کسی بے حیائی کی جگہ لے جانے کی خواہش کریں تو ان کی بات ہرگز نہ مانی جائے اور ان سے کہا جائے کہ میرے دشمن نہ بنو، مجھے عذاب الٰہی میں مت گرفتار کرواور میں تمہاری خوشی کے لیے اپنی قبر آگ سے نہیں بھر سکتا۔

چنانچہ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا دشمن صرف وہ نہیں کہ تم اسے قتل کرو یا وہ تمہیں قتل کرے، بلکہ تمہارا دشمن وہ بھی ہے جو تمہاری پشت سے پیدا ہوا پھر تمہارا دشمن تمہارا مال ہے (جس کی محبت تمہیں اللہ کی نافرمانی پر ابھارتی ہے)'' (طبرانی کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۴۴۵)

(2) جو شخص ہمیں خلافِ شرع چلنے پر مجبور کرے وہ ہمارا دشمن ہے، خواہ وہ ہمارا بیٹا ہو۔اور جو ہمیں اللہ و رسول کی اطاعت کی تلقین کرے وہ ہمارا دوست ہے، خواہ اس کا ہم سے کوئی جسمانی تعلق نہ ہو۔تو ہمیں اپنے دوست اور دشمن میں تمیز پیدا کرنی چاہیے۔

[10] لہٰذا بیوی بچوں کی غلط باتیں ماننے کی بجائے اللہ سے ڈرو اور اس کا حکم سنو اور مانو اور اس کی راہ میں مال خرچ کرو اور بخل سے کام نہ لو اور جن لوگوں کو اللہ نے بخل سے بچا لیا، وہی کامیاب ہیں۔لہٰذا اللہ کو اچھا قرض دو یعنی اگر تم اس کی راہ میں مال خرچ کرو، تو یہ ایسے ہے جیسے تم نے اس کو قرض دیا ہے۔وہ تمہارا دیا ہوا مال تمہیں یوں لوٹائے گا جیسے قرض لوٹایا جاتا ہے۔یہی نہیں بلکہ وہ اسے تمہارے لئے بڑھا دے گا اور آخرت کی بخشش الگ ہے۔اللہ جل مجدہ الکریم کی رحمت پہ قربان جائیں وہ اپنے ہی دیئے ہوئے مال کو ہم سے بطورِ قرض مانگتا ہے، پھر ساتھ میں کثیر اضافہ کر کے واپس عطا فرماتا ہے۔

الحمدللہ آج 29 شوال 1429ھ بمطابق 29 اکتوبر 2008ء بروز بدھ بعد نماز عشاء سورہ تغابن کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورۃ الطلاق

ترتیب تلاوت میں یہ سورۃ قرآن کریم کی 65ویں سورت ہے اور ترتیب نزول میں 65ویں سورت ہے۔ جو سورہ انسان کے بعد اور سورہ بینہ سے قبل نازل ہوئی۔ اس میں طلاق کے احکام مذکور ہیں، اس لئے اسے سورۂ طلاق کہا گیا۔ یہ مدنی سورت ہے۔

اس میں 2 رکوعات، 12 آیات، اور 249 کلمات ہیں۔

فضیلت

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک بار حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور سورۂ طلاق تلاوت فرمائی۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۱۸۸)

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں طلاق دینے کے احکام بتائے گئے، پھر طلاق کی صورت میں عدت کے شرعی احکام مذکور ہوئے، مثلاً یہ کہ جب طلاق دی جائے تو اس پہ دو عادل آدمیوں کی گواہی قائم کرنی چاہیے اور بتایا گیا کہ جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو، وہ عدت کیسے گزاریں اور حاملہ عورت کی عدت کیا ہے وغیرہ۔ اور اس رکوع میں رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پہ توکل کا عظیم درس دیا گیا ہے۔

جبکہ اس کے دوسرے رکوع میں بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کا ذکر ہیں جو مومنوں کو تاریکی سے نکال کر جنت کی طرف لاتے ہیں، پھر اللہ رب العزت کا سات آسمان اور سات زمینیں پیدا کرنا بتایا گیا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۱۲ ۶۵ سُوْرَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۲ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا

اے نبی (ﷺ آپ فرما دیں) جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت پر طلاق دو [1] اور عدت کی

الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ

گنتی کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے [2] انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور

اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ

نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بےحیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو اللہ کی حدود سے

اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۞

بڑھے اس نے خود پر ظلم کیا۔ تم نہیں جانتے کہ ممکن ہے اللہ اس کے بعد کوئی معاملہ ظاہر فرما دے [3]

مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی عدت کا بیان

[1] اس حکم کی تشریح اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی۔ ان کے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر نبی اکرم ﷺ سے کیا۔ آپ غصے میں آئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اسے چاہیے کہ طلاق سے رجوع کرلے، تاآنکہ اسکی بیوی (حیض سے) پاک ہو جائے، پھر اسے حیض آئے، پھر پاک ہو، پھر اگر وہ اسے طلاق دینا چاہے تو اس حالت میں طلاق دے کہ اس پاکی میں اس سے مباشرت نہ کی ہو۔ تو یہ وہ عدت ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ طلاق حدیث ۴۹۰۸)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر حیض میں طلاق دی جائے تو مطلقہ عورت کی عدت بڑھ جاتی ہے کیونکہ وہ حیض

عدت میں شمار نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے بعد والے حیض سے عدت شروع ہوگی۔ یوں عدت میں قریباً ڈیڑھ ماہ کا اضافہ ہو جائے گا۔ اس لئے حضور ﷺ حیض میں طلاق دیئے جانے پر غصہ میں آئے۔

یوں ہی حضور ﷺ نے اس حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ اس پاکی میں بھی طلاق نہ دو جس میں تم نے عورت سے مباشرت کی ہو، کیونکہ ممکن ہے بیوی کو حمل ٹھہر جائے اور اس کی عدت وضع حمل تک (جو قریباً نو ماہ ہیں) طویل ہو جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کہ عورتوں کو اگر طلاق دینا ہی پڑے تو عدت کو دیکھ کر طلاق دو، کہیں وہ طویل نہ ہو جائے۔ اور اس بیچاری کو زیادہ دیر مصیبت میں نہ رہنا پڑے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) عورت کی عدت میں اضافہ کرنا گناہ ہے۔

لہٰذا حالت حیض میں طلاق دینا گناہ ہے، مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ سے ظاہر ہے اور مذکورہ حدیث بخاری نے اس کی وضاحت کی ہے۔ اگر حیض میں طلاق واقع ہی نہ ہوتو حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو رجوع کا حکم کیوں دیا۔ اسی طرح جس طہر (پاکی) میں بیوی سے مباشرت کی جائے اس میں طلاق دینا گناہ ہے، جیسا کہ اس آیت اور مذکورہ حدیث سے ظاہر ہے، اور گناہ اسی لیے ہے کہ ان دونوں صورتوں میں مطلقہ عورت کی عدت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک اسے طلاق دی گئی دوسرا اس کی عدت کو لمبا کر دیا گیا۔

(2) اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم ﷺ کو نام کی بجائے القاب سے یاد فرماتا ہے۔

جیسا کہ یا ایھا النبی سے ظاہر ہے جبکہ پہلے انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ناموں سے یاد فرمایا۔ یہ حضور ﷺ کی تمام انبیاء پر افضلیت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے باقی انبیاء کو یوں پکارا: یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ۔ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا۔ ونادیناہ ان یا ابراھیم۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝١٧ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ خذ الکتاب۔ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ

لیکن رسول اللہ ﷺ کو کہیں فرمایا گیا يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١

[2] یعنی عدت کی گنتی میں اللہ سے ڈرو مثلاً اگر مطلقہ عورت نے عدت ختم ہونے سے قبل نکاحِ ثانی کرلیا، تو وہ حرام کاری کی مرتکب ہوگی۔ اور اگر مرد نے رجعی طلاق میں عدت ختم ہونے کے بعد رجوع کیا تو وہ غیر معتبر ہے۔ اور جب تک عورت عدت میں ہے عورت کا نان ونفقہ مرد کے ذمے ہے، اس لئے عدت کی گنتی لازم ہے۔

[3] عدت کے دوران مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے (یعنی تم انہیں اپنے گھروں سے) مت نکالو، کیونکہ گھر اصل میں عورت ہی سے ہوتا ہے۔ تو جس گھر میں وہ ملکہ بن کر رہتی رہیں وہاں سے انہیں یکدم نہ نکالو، بلکہ عدت تک انہیں وہیں ٹھہراؤ اور وہ خود بھی عدت تک وہاں سے نہ نکلیں، سوا اس کے کہ وہ صریح بے حیائی یعنی خلافِ شرع امور کا ارتکاب

کریں جیسے بدکاری اور شوہر اور اس کے گھر والوں پر زبان درازی وغیرہ۔

تو یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز کرنے والا خود پر ظلم کرتا ہے۔ اور دورانِ عدت عورت پہ شوہر کے گھر میں رہنا اس لئے ضروری کیا گیا ہے کہ ممکن ہے اللہ کوئی نیا معاملہ ظاہر کر دے، یعنی طلاق رجعی کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان دوبارہ الفت ڈال دے اور نکاح ٹوٹنے سے بچ جائے اور ممکن ہے کہ طلاق بائنہ کی صورت میں میاں بیوی نکاح ثانی پر آمادہ ہو جائیں اور ایسا عموماً ہوتا ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) مطلقہ عورت پر شوہر کے گھر عدت گزارنا ضروری ہے:

خواہ وہ طلاق رجعی ہو یا طلاق بائنہ۔ کیونکہ **ولا یخرجن** حکم صریح ہے، جس کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ (ہاں اگر وہ مکان گرنے والا ہو یا وہاں جسمانی و ایمانی خطرات لاحق ہوں، جیسے بیماری کا خطرہ ہو یا طلاق بائنہ کی صورت میں مرد کی طرف سے مباشرت کا امکان وغیرہ، تو مطلقہ عورت شوہر کے گھر سے جا سکتی ہے)

عدت کے بعض ضروری احکام

بلکہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت کو سفر میں طلاق ہو جائے اور وہ شرعی فاصلہ سے کم دوری پر ہو، تو وہیں سے شوہر کے گھر لوٹ آئے۔ البتہ اگر شوہر فوت ہو جائے اور بیوی کے پاس اتنا مال نہیں کہ ضرورت خانہ کے لئے کافی ہو تو وہ طلب رزق کے لئے دن کے وقت گھر سے جا سکتی ہے، مگر رات وہیں آ کر رہے۔ اگر شوہر بیوی کو عدت میں گھر سے نکال دے یا شوہر کے مرنے پر اس کے ورثاء عورت کو نکال دیں تو وہ گناہگار ہیں، ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی ہو سکتی ہے۔ الغرض اسلام کا ہر قانون ایک مساوات وعدل پہ قائم ہے۔

البتہ آجکل عموماً طلاق سے قبل ہی عورت اپنے شوہر کے گھر سے جا چکی ہوتی ہے، یعنی دونوں کے تعلقات میں ایسی کشیدگی ہو جاتی ہے کہ عورت شوہر کے گھر میں نہیں رہ سکتی اور والدین کے پاس چلی جاتی ہے اور وہیں اسے طلاق نامہ وصول ہوتا ہے۔ ان حالات میں اگر کشیدگی کی ذمہ دار عورت ہے تو شوہر کے گھر میں عدت نہ گزارنے کا گناہ عورت کے سر آئے گا اور اگر ذمہ دار مرد ہے تو مرد پہ آئے گا۔

(2) طلاق اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ عمل ہے:

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا سے طلاق کا عند اللہ ناپسندیدہ ہونا ظاہر ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ طلاق سے عرشِ الٰہی ہل جاتا ہے۔ (قرطبی جلد ۱۸ صفحہ ۱۴۹)

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
پھر جب مطلقہ عورتیں اپنی عدت (کے اختتام) کو پہنچیں تو انہیں بھلائی سے روک لو یا بھلائی سے جُدا کر دو
وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ
اور خود میں سے دو عدل والے گواہ قائم کرو اور اللہ (کی رضا) کے لئے گواہی قائم کرو، یہ نصیحت اس شخص کو
بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ڛ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ
کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھے [4] اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے (مشکلات سے) نکلنے کا
مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ
راستہ بنا دے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں اسے گمان نہ ہو۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ
حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾
اسے کافی ہے۔ بے شک اللہ اپنے حکم کا پورا کرنے والا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ رکھا ہے[5]

[4] جب مطلقہ عورتوں کی عدت (خواہ وہ تین حیض ہو یا وضع حمل) ختم ہونے کو ہو تو اے شوہرو، تمہیں اختیار ہے کہ خواہ انہیں بھلائی کے ساتھ رکھ لو یعنی طلاق رجعی واپس لے لو، پھر ان سے ایسا سلوک کرو کہ دوبارہ طلاق کی نوبت نہ آئے، خواہ انہیں بھلائی سے آزاد کر دو اس طرح کہ ان پر جھوٹے الزامات نہ دھرو یعنی یوں نہ کہو کہ وہ زبان دراز تھی بے حیا تھی وغیرہ اور یہ بھی کہ انہیں مار پیٹ کر یا دھکے دے کر گھر سے نہ نکالو۔

اور دونوں صورتوں میں (خواہ تم مطلقہ عورت کو رکھو یا آزاد کرو) دو عادل گواہ قائم کر لو اور وہ گواہ عند الضرورت اللہ کی رضا کے لئے سچی گواہی دیں۔ یہ نصیحت ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور روزِ جزا پہ ایمان رکھیں۔ کیونکہ جو کافر ہے اس سے احکامِ شرع کا خطاب متعلق نہیں اور جو مومن ہے اس پر احکامِ شرع کی پابندی لازم ہے۔

اکٹھی تین طلاق دیدینے کی بُرائی

یہاں فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ سے معلوم ہوا کہ عند الضرورت طلاق رجعی ہی دینی چاہیے تاکہ رجوع کا امکان باقی رہے۔ تین طلاقیں اکٹھی دینا اللہ رب العزت کے ہاں سخت ناپسندیدہ ہے۔ ہمارے ہاں کئی جہلاء سمجھتے ہیں کہ طلاق تین ہی ہوتی ہیں، وہ اگر طلاق دیں تو تین ہی دیتے ہیں، حالانکہ یہ بڑی جہالت ہے۔ اگر

شوہر سمجھے کہ طلاق دینا ہی مسئلہ کا حل ہے تو وہ عورت سے کہے کہ میں تجھے ایک طلاق دیتا ہوں، یہ رجعی طلاق ہے۔ عموماً اس ایک طلاق ہی سے بہت سی عورتوں کا ہوش ٹھکانے آجاتا ہے، بہرحال یہ رجعی طلاق ہے۔

یعنی عدت کے اختتام سے قبل مرد اس طلاق کو واپس لے سکتا ہے اور اگر واپس نہ لے تو عدت کے گزرنے سے نکاح ختم ہوجائے گا اور اگر میاں بیوی دوبارہ ملنا چاہیں تو وہ دو گواہوں کی موجودگی میں دوبارہ نکاح پڑھ سکتے ہیں۔ کسی حلالہ کی ضرورت نہیں اور اگر دو طلاق دیدیں تو بھی یہی مسئلہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ یعنی ''رجعی طلاق دو ہی بار ہے، پھر اگر چاہو تو بھلائی سے روک لو (رجوع کرلو) اور چاہو تو احسان کے ساتھ آزاد کردو۔'' (بقرہ، ۲۲۹) لیکن اگر تین طلاق اکٹھی دیدیں، تو رجوع کا حق بھی ختم ہوگیا اور عدت کے بعد حلالہ کے بغیر واپسی بھی ناممکن ہے۔

چنانچہ کتب حدیث میں یہ حدیث بہت مشہور ہے، وہ یہ کہ سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ابغض الحلال عند الله الطلاق ''حلال چیزوں میں سے اللہ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔''

(ابوداؤد کتاب الطلاق باب ۳، ابن ماجہ کتاب الطلاق باب ۱)

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک شخص نے عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اپنی عورت کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنا تو غصے سے کھڑے ہوگئے اور فرمایا:

ایلعب بکتاب الله وانا فیکم۔ کیا لوگ میری موجودگی میں اللہ کی کتاب سے کھیلیں گے؟

(نسائی کتاب الطلاق جلد دوم صفحہ ۹۹ مطبوعہ کراچی)

[5] یعنی جو شخص خانگی امور اور حقوق زوجین میں اللہ سے ڈرے اور حلال روزی پر صبر کرکے اپنے اہل خانہ کو حلال روزی کھلائے اور حرام سے بچے، اللہ اس کے لئے مالی مشکلات سے نکلنے کا راستہ بناتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان نہ ہو۔ لہٰذا مالی مشکلات سے گھبرا کر طلاق دینے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے اور جو اللہ پر بھروسہ کرے، اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ اللہ اپنا حکم نافذ کرکے رہتا ہے البتہ اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا ہے کہ کب کس کو کیا اور کتنا رزق دیا جائے گا۔

عظیم درسِ توکل وصبر

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ غریب اور حاجت مند آدمی تھے۔ ایک ہی بیٹا تھا جو کچھ کما سکتا تھا، اسے کفار نے گرفتار کرلیا وہ بہت پریشان تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں فرمایا کہ صبر رکھو، اللہ سے ڈرو اور کثرت سے لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم پڑھا کرو، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ان کا بیٹا جہاں گرفتار تھا، وہ لوگ اس سے غافل ہوئے تو وہ وہاں سے بھاگ اُٹھا اور ساتھ میں ان کے بہت سے

اونٹ اور بکریاں بھی ہانک لایا (یعنی اس کی گرفتاری ان کے اہل خانہ کے لیے باعثِ نعمت بن گئی، کیونکہ انہوں نے صبر وتوکل سے کام لیا) تب یہ آیت نازل ہوئی: وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا الخ۔

(تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۱۰۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جو شخص اس آیت کو سلطان جابر کے سامنے یا سمندر کی طوفانی موجوں اور درندوں کے درمیان پڑھے اسے کوئی چیز نقصان نہ دے گی۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۱۹۶ بروایت تاریخ بغداد)

اس آیت میں عظیم درس صبر وتوکل ہے، اگر مومن اس آیت پر نگاہ رکھے تو کبھی مال حرام کی طرف توجہ نہ کرے اور حلال پر صابر ہو جائے اور بعض مفسرین نے کشائشِ رزق کے لئے اس آیت کی کثرت تلاوت کو بہت مفید قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کثرت سے استغفار کرے اللہ اس کے لیے ہر غم سے نجات بناتا ہے اور ہر تنگی سے فراخی دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۴۸)

وَالّٰٓـئِىۡ يَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِيۡضِ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ
اور تمہاری بیویوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو جائیں اگر تمہیں شک ہے، تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان
اَشۡهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـئِىۡ لَمۡ يَحِضۡنَ ؕ وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ؕ
عورتوں کی عدت بھی (تین ماہ ہے) جنہیں حیض نہ آتا ہو[6] اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ اپنا حمل رکھ دیں (بچہ جن دیں)
وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا ۝۴ ذٰلِكَ اَمۡرُ اللّٰهِ اَنۡزَلَهٗۤ
اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے معاملہ میں آسانی فرما دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف
اِلَيۡكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرۡ عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا ۝۵
اتارا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہ مٹا دیتا اور اس کا اجر بڑا کر دیتا ہے۔ [7]

[6] یعنی جن عورتوں کو بڑھاپے کی وجہ سے حیض سے مایوسی ہو جائے اور جن عورتوں کو کم عمری یا بیماری کے باعث حیض ہی نہ آتا ہو، اگر تم انہیں طلاق دو اور تم اس شک میں ہو کہ ان کی عدت کیسے پوری ہو۔ تو یاد رکھو کہ ان کی عدت تین حیض کے بدلے تین ماہ ہے یعنی روزِ طلاق سے لیکر تین قمری ماہ پورے کرنے کے بعد وہ عدت سے آزاد ہیں، خواہ طلاق رجعی ہو یا بائنہ۔

[7] جن عورتوں کو حمل کی وجہ سے حیض نہ آ رہا ہو اور ان کو حالت حمل میں طلاق ہو جائے، ان کی عدت یہ ہے کہ وہ حمل رکھ دیں یعنی بچہ جن دیں، جیسے ہی بچہ پیدا ہو عدت ختم ہو جائے گی، خواہ طلاق کے چند لمحے بعد پیدا ہو یا نو ماہ بعد۔ اور شوہر پر لازم ہے کہ وضع حمل تک عورت کو نان ونفقہ اور رہائش دے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

طلاق کی عدت تین حیض ہے نہ کہ تین طہر

اس آیت میں حیض سے مایوس عورتوں کی اور جن کو حیض نہ آتا ہو، ان کی عدت تین ماہ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل بتائی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل عدت تین حیض ہی ہے اور قرآن کی آیت وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (بقرہ، ۲۲۸) میں تین قروء سے تین حیض مراد ہیں اور وَالّٰٓـئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ اور وَالّٰٓـئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ کے الفاظ اس پر واضح دلالت کرتے ہیں۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے۔

وہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

دَعِي الصَّلٰوةَ اَيَّامَ اَقْرَائِكِ۔ تم اپنے ایام حیض میں نماز چھوڑ دو۔

(ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب ۱۰۷، ترمذی کتاب الطہارۃ باب ۹۴)

اس حدیث میں حیض ہی کو قروء کہا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لونڈی کے بارے میں فرمایا:

وقُرُؤُها حَيْضَتَانِ۔ اس کے قروء دو حیض ہیں (اس کی عدت دو حیض ہے)

(ابوداؤد کتاب الطلاق باب ٦، ابن ماجہ کتاب الطلاق باب ۳۰)

یہ تمام دلائل ثابت کرتے ہیں کہ ثلاثۃ قروء سے تین حیض ہی مراد ہیں اور یہی طلاق کی عدت ہے۔

اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ثلاثۃ قروء سے تین طہر مراد ہیں۔ طہر وہ ایام ہیں جو دو حیضوں کے درمیان ہوں، اور ایسے تین طہر کا گزرنا امام شافعی رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک طلاق کی عدت ہے۔ تاہم گزشتہ دلائل امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے موقف کو ترجیح دیتے ہیں۔

حاملہ بیوہ عورت کی عدت بھی وضع حمل ہی ہے

اگر حاملہ عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ کا ابتدائی موقف یہ تھا کہ چار ماہ دس دن اور وضع حمل میں سے جو مدت لمبی ہو، وہی اس کی عدت ہے۔ مگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سختی سے رد کیا اور فرمایا کہ میں ان لوگوں سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں، کیونکہ سورۂ طلاق سورۂ بقرہ کے کئی ماہ بعد نازل ہوئی اور اس میں حاملہ عورت کی عدت وضع حمل مقرر کی گئی ہے، خواہ عورت مطلقہ ہو یا اس کا شوہر فوت ہوا ہو۔

(ابوداؤد کتاب الطلاق باب ۴۷، نسائی کتاب الطلاق باب ۵٦)

یعنی سورہ بقرہ کی آیت 234 میں ارشاد ربانی (کہ جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، ان کی بیویاں چار ماہ دس عدت گزاریں) کے کئی ماہ بعد سورہ طلاق کی یہ آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

اُتری۔ اور اس نے سورہ بقرہ والی آیت میں تخصیص کر دی اور بتا دیا کہ حاملہ عورت کی عدت ہر حال میں وضع حمل ہی ہے۔ اس کی عدت چار ماہ دس دن یا تین حیض نہیں ہے۔ اور یہاں حدیث صریح کا فیصلہ بھی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ سبیعہ اسلمیہ کا شوہر (حجۃ الوداع میں) فوت ہو گیا اور اس کے چالیس دن بعد اس نے بچہ جنا، بعد ازاں اسے پیغام نکاح دیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاحِ ثانی کر دیا۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ طلاق حدیث ۴۹۰۹)

معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی عدت وضع حمل ہی قرار دی نہ کہ چار ماہ اور دس دن۔ اور مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اگر کسی شخص کا جنازہ تیار ہوا بھی اسے دفن نہ کیا گیا ہو کہ اس کی بیوی بچہ جنے، تو اس کی عدت ختم ہو گئی۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۰۲ بروایت عبد بن حمید)

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ

عدت والی عورتوں کو اپنی گنجائش کے مطابق وہاں ٹھہراؤ جہاں تم ٹھہرے ہو۔ اور انہیں تکلیف نہ دو کہ ان پر

لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى

زندگی تنگ کر دو، اور اگر وہ حمل والی ہیں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ

يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا

وہ اپنا حمل رکھ دیں [8] پھر اگر وہ تمہارے لئے (تمہارے بچے کو) دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو اور آپس میں

بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ۶ لِيُنْفِقْ ذُوْ

بھلائی کے ساتھ مشاورت کرو۔ اور اگر تمہارے درمیان تنگی ہو تو اس کے لئے دوسری عورت دودھ پلائے

سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ

گنجائش والا اپنی گنجائش سے خرچ کرے اور جس کا رزق تنگ کیا گیا ہے وہ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے (اپنی حیثیت سے)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۷ ع

خرچ کرے، اللہ کسی جان کو اسی قدر تکلیف دیتا ہے جس قدر اسے مال دے عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی کر دے گا۔ [9]

ع ۱۷

[8] مطلقہ عورتوں کے شوہروں پر لازم ہے کہ جہاں وہ خود ٹھہریں، وہاں انہیں ٹھہرائیں اور ان پر اپنی گنجائش کے

مطابق خرچ کریں۔ یہ نہیں کہ خود کوٹھی میں رہیں اور مطلقہ کو جھونپڑی میں رکھیں اور شوہروں کے لئے جائز نہیں کہ مطلقہ عورتوں پر ایسی سختی کریں کہ وہ بھاگ جانے پر مجبور ہو جائیں، خصوصاً جب وہ حاملہ ہوں تو ان کا زیادہ خیال رکھا جائے۔

جب عدت میں بیوی کی رہائش مرد کے ذمے ہے تو طلاق سے قبل اس کی رہائش کا مرد کے ذمہ میں ہونا زیادہ واضح ہے۔ اور مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں مرد رہتا ہو عورت پہ ضروری ہے کہ وہاں رہے، وہ مرد کو مجبور نہیں کر سکتی کہ جہاں میں رہتی ہوں تم وہاں رہو اور وہ شوہر کو مجبور نہیں کر سکتی کہ میں یہاں نہیں رہونگی وہاں رہونگی، یہ معاملہ مرد پہ چھوڑا گیا ہے۔

[9] جب عورت نے بچہ جن دیا تو اس کی عدت ختم ہوگئی۔ اب اگر وہ چاہے تو تمہارے بچے کو دودھ پلائے، چاہے تو نہ پلائے اور اگر پلائے تو تم اس کے دودھ پلانے کا خرچہ ادا کرو۔ اور اگر تمہارے درمیان اُلجھن آجائے مثلاً عورت زیادہ اُجرت مانگے تو پھر کسی دوسری عورت سے دودھ پلوایا جائے۔ اور دودھ پلانے کا خرچہ ہر شخص اپنی گنجائش کے مطابق دے۔ مالدار اپنی گنجائش دیکھے اور فقیر اپنی گنجائش اور فقیر صبر رکھے، اللہ تنگی کے بعد فراخی فرماتا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا سخت حساب لیا۔

وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝٨ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا

اور انہیں برا عذاب دیا، تب انہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا اور ان کے کام کا انجام

خُسْرًا ۝٩ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۖۚ

نامرادی ہی تھا۔ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔[10] اللہ سے ڈرو، تو اے عقل والو!

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝١٠ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ

جو ایمان لائے ہو، اللہ نے تمہاری طرف عظیم ذکر اتارا ہے یعنی وہ رسول جو تم پر

اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ

اللہ کی واضح آیات پڑھتا ہے تاکہ ایمان لانے اوراچھے اعمال کرنے والوں کوتاریکیوں سے نکال کر

اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

روشنی کی طرف لے آئے اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھا عمل کرے، اللہ اسے جنتی باغات میں داخل کرے گا

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝١١

جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ نے (جنت میں) اس کے لئے اچھا رزق تیار کیا ہے۔[11]

گزشتہ قوموں کی تباہی کا ذکر اور انسانوں کو دعوت توحید ورسالت

[10] گزشتہ قوموں نے اللہ کے رسولوں سے سرکشی کی تو اللہ نے انہیں سخت طرح سے پکڑا اور برے عذابات میں مبتلا کیا۔ چنانچہ کسی قوم پر پتھروں کی برسات ہوئی، کسی کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا گیا، کسی کی بستی الٹ دی گئی اور کسی پر آگ برسائی گئی اور ان کے لئے آخرت کا عذاب الگ تیار کیا گیا ہے۔ اس میں دورِ حاضر کی اسلام دشمن طاقتوں کے لئے وارننگ ہے کہ وہ گزشتہ اسلام دشمن قوموں کی ہلاکت سے عبرت پکڑیں اور اللہ کی پکڑ سے ڈریں۔ اللہ رب

اور ہر اسم کے حوالے سے آپ پر درود بھیجا گیا ہے۔ ان میں سے 95 ویں نمبر پر آپ کا نام ذکر اللہ بتایا گیا ہے۔ اور بلاشبہ حضور ﷺ اللہ کا ذکر ہیں۔ آپ کا حسن و جمال، صفات وخصال اور فضائل وکمال دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے۔

دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ — یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری
عرصۂ حشر میں گھبرائی ہوئی پھرتی ہے — ڈھونڈنے نکلی ہے مجرم کو شفاعت تیری

حضور ﷺ کا مقام تو بہت بلند ہے۔ آپ کے اطاعت گذار غلاموں کی شان یہ بتائی گئی ہے کہ اذا رُءُوا ذُكِرَ اللّٰہُ کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۴)

(3) ختم نبوت: رَّسُوۡلًا یَّتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخۡرِجَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ سے معلوم ہوا کہ جب تک قرآن لوگوں سے مخاطب ہے، تب تک ایک ہی رسول ہے جس کی تعلیمات انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتی ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کی موجودگی میں کسی نئے رسول اور نئے نور کی ضرورت نہیں۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ
اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین میں سے ان کی مثل بنائی۔ ان کے مابین
بَیۡنَهُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۙ۵ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ
اللہ کا حکم اُترتا ہے، تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے ہر چیز کو
اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴿۱۲﴾ ع
اپنے علم سے گھیر رکھا ہے۔ [12]

ع ۲ ۱۸

[12] اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور زمین بھی ان کی مثل بنائی اور اس کا حکم آسمان و زمین کے درمیان اُترتا رہتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

سات زمینوں کا کیا معنیٰ ہے

وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ سات آسمانوں کی طرح زمین کے بھی سات طبقات ہیں یعنی سات براعظم (افریقہ، ایشیا، مڈل ایسٹ، رشیا، یورپ، آسٹریلیا اور امریکہ) یا سات تہیں وغیرہ۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ سات آسمانوں کی طرح سات الگ الگ زمینیں ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''سات آسمان ہیں اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو برس کا فاصلہ ہے، اس کے اوپر عرش ہے۔ اور ساتویں آسمان

سے عرش تک کا فاصلہ بھی پانچ سو برس ہے۔ اور سات زمینیں ہیں اور ہر زمین سے دوسری زمین تک پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔'' (ترمذی کتاب التفسیر سورہ الحدید حدیث ۳۲۹۸)

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، ابن ابی حاتم، ابن جریر اور بزار رحمۃ اللہ علیہم نے بھی روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۲۵)

اور یہ بات آج کے دور میں سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ دیکھئے چاند سورج فضا میں چمک رہے ہیں ان کے اور ہمارے درمیان کوئی آسمان حائل نہیں۔ گویا پہلا آسمان ان سے بلند تر ہے اور سورج زمین سے چودہ کروڑ چھیانویں لاکھ کلومیٹر دور ہے۔ (فلکیات جدیدہ صفحہ ۱۳۲)

تو جتنی مسافت پہ ہم سے پہلا آسمان ہے اگر اتنی مسافت پر مزید ایسے سیارے ہوں، جن کی حالت زمین جیسی ہو اور سائنس انہیں ابھی تک دریافت نہیں کر سکی، تو اس میں کیا بعید از قیاس بات ہے۔ آج اہل فلکیات کہتے ہیں کہ فضا میں سینکڑوں کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں کے کئی بازو ہیں اور ہر بازو میں کروڑوں ستارے سیارے ہیں۔ اور ہماری زمین اور چاند اور سورج اور سورج کے گرد گھومنے والے تمام سیارے مثل عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل اور پلوٹو وغیرہ ایک کہکشاں کے ایک بازو میں کسی جگہ پر واقع ہیں۔ لہٰذا اگر زمین جیسے سات مزید سیارے مان لئے جائیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔

قول حضرت عبداللہ ابن عباس کہ سات زمینیں ہیں اور ہر زمین پہ انبیاء ہیں، کی تحقیق

البتہ امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول روایت کیا ہے کہ سات زمینیں ہیں، ہر زمین میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا ایک نبی ہے۔ تمہارے آدم جیسا آدم، نوح جیسا نوح، ابراہیم جیسا ابراہیم اور عیسیٰ جیسا عیسیٰ ہے۔

(الاسماء والصفات للبیہقی باب بدأ الخلق صفحہ ۴۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں، بلکہ یہ موضوع قول ہے۔ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے موضوعات کبیر صفحہ 19 میں اسے موضوع قرار دیا ہے۔ امام ابو حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر البحر المحیط میں اسے واقدی کذاب کا وضع کردہ قول قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

(البحر المحیط جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۵)

پھر اس کی سند میں احمد بن یعقوب اور عبید بن غنام جیسے راوی ہیں، جن کا کتب اسماء رجال میں کوئی نام ونشان نہیں، تو ایسے مجاہیل پر مشتمل سند والے قول کی بازار نقد میں کیا حیثیت ہے۔

پھر اس میں یہ الفاظ فِی کُلِّ اَرْضٍ نَبِیٌّ کَنَبِیِّکُمْ کہ ہر زمین میں تمہارے نبی (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسا ایک نبی ہے، عقیدۂ ختم نبوت کے صریحاً خلاف ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے مطابق خاتم النبیین ہیں، تو آپ کی موجودگی میں

چھ دیگر انبیاء کا وجود ماننا اور ان کا رسول اللہ ﷺ کی مثل سمجھنا سراسر گمراہی اور کفر ہے۔ پھر قرآن کے بقول انسان کو صرف اسی زمین پر بسایا گیا ہے: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (بقرہ، ٣٠) اَلْاَرْضِ اسم معرفہ ہے جو ایک ہی زمین پہ بولا جاسکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿٢٤﴾ کہ ''اس زمین ہی میں تمہارا ٹھہرنا اور کچھ عرصہ زندگی گزارنا ہے۔'' (اعراف، ٢٤) معلوم ہوا کہ ایک ہی زمین ہے جس میں انسان کو ٹھہرایا گیا ہے۔ لہٰذا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب یہ قول قرآن وحدیث سے متصادم اور ناقابل سماعت ہے۔

البتہ بعض علماء نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ ممکن ہے دیگر چھ زمینوں میں ایسے فرشتے ہوں، جن میں سے کوئی آدم علیہ السلام کی شکل وسیرت پہ ہو، کوئی نوح علیہ السلام کی شکل وسیرت پہ ہو، اسی طرح کوئی رسول اللہ ﷺ کی صورت وصفات والا ہو۔

مگر افسوس کہ بانی دار العلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی اس قول کو لے کر بیٹھ گئے اور اسے صحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش میں انہوں نے ایسی ٹھوکریں کھائیں کہ الامان، انہوں نے اس بات کا جواب دینے کے لیے کہ خاتم النبیین ﷺ کی موجودگی میں چھ دیگر انبیاء کیسے ہوسکتے ہیں، خاتم النبیین کا نیا معنی یعنی سب انبیاء سے افضل نبی نکال لیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ اس معنی کے مطابق اگر بالفرض حضور ﷺ کی موجودگی میں بلکہ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو، تو اس سے آپ کی خاتمیت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ (معاذ اللہ) (تحذیر الناس صفحہ ٢٤ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ دیوبند)

اس کافرانہ موذی عبارت نے مسلمانانِ ہند میں بے حد انتشار وافتراق پیدا کیا۔ بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی کو دعویٰ نبوت کا راستہ مل گیا، کاش ایسا نہ ہوتا۔ نانوتوی صاحب کو چاہیے تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب اس قول کو ائمہ محدثین کے اقوال کی روشنی میں موضوع وباطل قرار دیتے، جیسا کہ ابھی ہم نے لکھا ہے۔ مگر وہ اس کو درست کرنے بیٹھ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد چھ انبیاء کی موجودگی کو ممکن بتانے کے چکر میں پڑ گئے اور ایسے پڑے کہ مرزا قادیانی کے لیے نبوت کا راستہ ہموار کر کے چھوڑا۔

الحمد للہ آج 4 ذی قعدہ 1429ھ بمطابق 2 نومبر 2008ء بروز اتوار بعد نماز فجر سورہ طلاق کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورۃ التحریم

ترتیب تلاوت میں سورہ تحریم قرآن کریم کی 66ویں سورت ہے اور ترتیب نزول میں 107ویں سورت ہے۔ جو سورۂ حجرات کے بعد اور سورۂ جمعہ سے قبل نازل ہوئی، اسے سورہ تحریم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی پہلی آیت میں فرمایا گیا: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ یہ مدنی سورت ہے۔

اس میں 2 رکوعات، 12 آیات، 247 کلمات اور 1090 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ نے اپنی ازواج کی خوشنودی کے لیے بعض حلال چیزوں کو خود پہ کیوں حرام فرمایا۔ پھر آپ نے اپنی بعض ازواج کو راز کی بات فرمائی، جو انہوں افشا کر دی اور اللہ نے آپ کو اس سے مطلع فرمایا، پھر اس کے ساتھ ازواج رسول ﷺ کو سمجھا گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پہ کوئی بوجھ مت لائیں۔ پھر مومنوں سے فرمایا گیا کہ وہ خود کو، اپنے اہل خانہ کو، نار جہنم سے بچائیں۔

جبکہ دوسرے رکوع میں مومنوں کو توبہ کی اہمیت بیان کی گئی، پھر اہل ایمان کو حکم جہاد دیا گیا اور کفار کو حضرت نوح ولوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال دی گئی کہ جب وہ دونوں عورتیں ایمان نہ لائیں تو وہ اللہ کے عذاب سے بچ نہ سکیں۔ اور مومنوں کو فرعون کی بیوی کی مثال دی گئی۔ یعنی بتایا گیا کہ جب ان کے سامنے حق واضح ہو گیا تو انہوں نے اسے فوراً قبول کر لیا اور اس بات سے ہرگز خوف نہ کھایا کہ ان کا شوہر سخت ظالم و جابر ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتہا ۱۲ ۶۶ سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۷ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اس چیز کو (خود پر) کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لئے حلال رکھی ہے۔ اپنی بیویوں کی رضاجوئی کے لئے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [1] اللہ نے تم پر تمہاری قسموں کا کفارہ دینا مقرر کیا ہے، اللہ تمہارا

مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ②

مددگار ہے اور وہ علم والا حکمت والا ہے [2]

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض خانگی معاملات پر اللہ کی راہنمائی

[1] اس کے شان نزول میں دو واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اپنی بیوی) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر شہد تناول فرماتے اور زیادہ دیر ٹھہرتے تھے۔ چنانچہ میں نے اور حفصہ (رضی اللہ عنہا) نے باہم اتفاق کیا کہ آپ سے کہا جائے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی مہک آتی ہے یوں لگتا ہے کہ آپ نے مغافیر کھائی ہے (یہ ایک پودا ہے جس کے کھانے سے منہ سے مہک سی آتی ہے) جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کہی گئی تو آپ نے فرمایا میں نے مغافیر تو نہیں کھائی، البتہ زینب بنت جحش کے ہاں شہد پیا ہے (تو ممکن ہے اس شہد میں مغافیر کا اثر ہو) اور اب میں اسے ہرگز نہیں پیوں گا میں اس پر قسم اٹھاتا ہوں اور یہ بات کسی کو نہ بتانا۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ تحریم باب ۱)

دراصل حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت نفیس طبع اور رحیم طبیعت کے مالک تھے اور آپ سے آپ کی ازواج کو یا کسی دوسرے کو کچھ تکلیف پہنچے، آپ کو یہ گوارا نہ تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود پر شہد کو حرام فرما لیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور فرمایا کہ آپ اپنی ازواج کی خوشنودی کے لئے اس چیز کو خود پر کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ

کے لئے حلال فرمائی ہے۔

انہی ایام میں دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس ام المؤمنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کے گھر گئیں، بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لونڈی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں بلایا اور ان سے مباشرت فرمائی۔ حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو بعد میں جب یہ ماجریٰ معلوم ہوا تو انہیں بہت غیرت آئی۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے میرے حجرہ میں میرے بستر پر میری باری کے دن دوسری عورت سے مباشرت فرمائی ہے مجھے یہ اچھا نہیں لگا، آپ نے فرمایا: واللہ! میں تجھے ضرور راضی کروں گا۔ میں اس لونڈی کے قریب جانے کو خود پر حرام کرتا ہوں، مگر یہ بات کسی کو نہ بتانا۔ مگر جب انہوں نے یہ بات افشاء کر دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا۔ تب یہ آیات اُتریں یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۹ حدیث ۳۴۳۹۲)

قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں شہد والا واقعہ اور لونڈی والا واقعہ دونوں ممکن ہے ایک ہی زمانے میں ہوئے ہوں اور دونوں کے بعد یہ آیات اُتریں۔ احادیث میں ہے کہ اس کے بعد حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کا کفارہ ادا فرمایا۔

(درمنثور بروایت ابن جریر)

یعنی دونوں قسموں کا الگ الگ کفارہ ادا فرمایا:

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ خود پہ اس چیز کو کیوں حرام فرماتے ہیں جو اللہ نے آپ پہ حلال رکھی ہے۔ آپ اپنی ازواج کی خوشنودی چاہتے ہیں (اور اللہ نہیں چاہتا کہ آپ اور آپ کی امت کسی مشکل میں پڑے، کیونکہ اگر آپ شہد یا لونڈی کو خود پہ مستقل حرام رکھتے تو آپ کی پیروی میں آپ کی امت بھی ان چیزوں کو خود پہ حرام ٹھہرا لیتی جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے کیا۔ تفصیل ہم آگے بتا رہے ہیں) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، یعنی وہ اپنے بندوں کا مشقت میں پڑنا گوارا نہیں فرماتا۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) اللہ رب العزت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے نام سے نہیں پکارتا:

گزشتہ سورت سورہ طلاق بھی یا ایھا النبی سے شروع ہوئی اور یہ سورہ تحریم بھی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ سے، جبکہ گزشتہ انبیاء کو یا آدم یا نوح یا ابراھیم یا موسیٰ یا یحییٰ یا عیسیٰ وغیرہ کہہ کر پکارا گیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام و مرتبہ سب انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ ہے۔ اگر باپ اپنے بیٹے کو قاری صاحب، علامہ صاحب اور قاضی صاحب کہہ کر اس کے مناصب کے ساتھ پکاریں تو اس میں بیٹے کے لیے کس قدر عزت افزائی ہے اسے وہی جانتا ہے۔ یہ صرف سمجھانے کے لیے ایک مثال ہے۔

(2) حقیقی مختار کل، اللہ ہی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختار کل کہا جاتا ہے مگر وہ مخلوق کے اعتبار سے ہے کیونکہ آپ کو

ساری مخلوق سے زیادہ اختیار دیا گیا ہے (یعنی یہ کلی اضافی ہے، جیسے ملکہ بلقیس کے لیے کہا گیا: وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ۔ اسے ہر چیز دی گئی۔ (نمل، ۲۳) جبکہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں آپ کا اختیار کلی نہیں، بلکہ محدود ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعض حلال چیزوں کے خود پر حرام کرنے سے منع فرمایا اور اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر حضور سید عالم ﷺ شہد کو اور لونڈی کے قریب جانے کو خود پر ہمیشہ کے لئے حرام رکھتے تو آپ کی امت بھی ان چیزوں کو خود پر حرام کر لیتی۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود پر اونٹ کا گوشت حرام کیا، تو بنی اسرائیل اسے آج تک حرام سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ۔ ''بنی اسرائیل پہ ہر کھانا حلال تھا، سوا اس کے جو یعقوب (علیہ السلام) نے خود پہ حرام کیا۔'' (آل عمران، ۹۳) اور اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوا کہ اس کے محبوب کی امت مشکل میں پڑے۔

(3) بیویوں سے اچھا سلوک سنت رسول ﷺ ہے: تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ط سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ بیویوں کی بہت دلجوئی فرماتے تھے، حتیٰ کہ آپ نے ان کی خوشنودی کے لئے بعض چیزوں کو خود پر حرام ٹھہرا لیا۔ اس میں یہ درس ہے کہ بیوی کو پاؤں کی جوتی نہ سمجھا جائے، نہ بھیڑ بکری بنایا جائے بلکہ اسے جائز اہمیت دی جائے اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں۔'' (ابن ماجہ کتاب النکاح باب ۵۰)

[2] یعنی اے مومنو! اگر تم کسی چیز کو خود پر حرام کر لو تو وہ تم پر شرعاً حرام نہیں ہو جاتی بلکہ حلال ہی رہتی ہے، البتہ تم پر یہ لازم ہے کہ قسم کا کفارہ ادا کر کے اس چیز کو استعمال میں لاؤ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول پر حضور ﷺ نے قسم کا کفارہ ادا کیا اور اپنی لونڈی سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے حسب سابق قربت فرمانے لگے (اور شہد بھی نوش فرماتے رہے) (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۹)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) کسی چیز کو خود پر حرام کرنا قسم اٹھانے کے حکم میں ہے:

پہلے لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ج فرمایا گیا پھر قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ج کہہ کر بتایا گیا کہ کسی چیز کو خود پر حرام ٹھہرانا قسم اٹھانے کے حکم میں ہے اور اس کا کفارہ لازم آتا ہے یہی امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا مذہب ہے اور یہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

(مظہری جلد ۹ صفحہ ۳۳۸)

اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ تحریم باب ۱)

(2) امت محمدیہ کے لئے خصوصی رعایت:
قَدۡ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمۡ تَحِلَّۃَ اَیۡمَانِکُمۡ ۚ میں امت محمدیہ کو حکم فرمایا گیا کہ جب وہ قسم اٹھالیں کہ کسی چیز کے قریب نہ جائیں گے تو قسم کا کفارہ ادا کرلیں۔ جبکہ پہلی امتوں میں اگر کوئی شخص کسی چیز کو خود پر حرام کرلیتا تو وہ اس پر مستقل حرام ہوجاتی تھی جیسے اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِہٖ۔ (آل عمران، ۹۳) میں حضرت یعقوب علیہ السلام پر اونٹ کے گوشت کی حرمت کی طرف اشارہ ہے اور جب حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی کو سو کوڑے مارنے کی قسم اٹھائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر یہ چیز لازم ہوگئی، مگر انہیں یہ حیلہ بتایا گیا کہ وہ سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں والا ایک جاروب مار کر قسم پوری کرلیں، مگر انہیں کفارہ نہ بتایا گیا۔ کیونکہ انہیں قسم توڑنے کی اجازت نہ تھی اسی لئے ان سے فرمایا گیا: وَلَا تَحۡنَثۡ ؕ کہ قسم نہ توڑیں۔ (ص، ۴۴)

وَ اِذۡ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعۡضِ اَزۡوَاجِہٖ حَدِیۡثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتۡ بِہٖ وَ اَظۡہَرَہُ

اور یاد کرو جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی ایک زوجہ کو راز کی بات کہی، جب اس نے وہ بات ظاہر کر دی

اللّٰہُ عَلَیۡہِ عَرَّفَ بَعۡضَہٗ وَ اَعۡرَضَ عَنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَہَا بِہٖ قَالَتۡ

اور اللہ نے آپ کو اس پر مطلع کیا تو آپ نے اسے اس کا کچھ حصہ جتلایا اور کچھ سے اعراض کیا، جب آپ نے اسے بتایا (کہ تم نے

مَنۡ اَنۡۢبَاَکَ ہٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الۡعَلِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۳﴾

میرا راز فاش کیا ہے) تو وہ کہنے لگی: آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟ آپ نے فرمایا مجھے علم وخبر والے رب نے بتائی ہے [3]

[3] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں ماریہ قبطیہ کو خود پر حرام کرتا ہوں، تو ان کی دلجوئی کے لئے یہ بھی فرمایا کہ اے حفصہ! میں تمہیں ایک بشارت سناتا ہوں مگر وہ عائشہ کو نہ بتانا، بشارت یہ ہے کہ میرے بعد ابوبکر خلیفہ بنے گا اور اس کے بعد تمہارا باپ عمر۔
(طبرانی کبیر جلد ۱۲ صفحہ ۹۱ حدیث ۱۲۶۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو راز کی دو باتیں کہیں ایک ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا خود پر حرام ٹھہرانا، دوسری حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی بشارت۔ حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ باتیں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتادیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ تب آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں افشاء راز کی آگاہی تو دی کہ تم نے یہ راز افشاء کیا تھا، مگر خلافت کے بارے میں افشاء راز کی آگاہی نہ دی کہ تم نے یہ راز بھی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ افشاء کیا تھا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۶۲ حدیث ۱۸۹۲۲)

تو آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی ایک بیوی حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو راز کی بات بتائی کہ میں ماریہ قبطیہ کو خود پر حرام کرتا ہوں اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میرے بعد خلفاء ہوں گے۔ جب حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ راز ظاہر کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ آپ کی بیوی نے یہ راز ظاہر کر دیا ہے۔ تو آپ نے حضرت حفصہ کو یہ تو جتلایا کہ تم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے حرام کرنے والا راز ظاہر کر دیا ہے، مگر یہ نہ جتلایا کہ تم نے خلافت کی بشارت والا راز بھی ظاہر کیا ہے۔ حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو کس نے بتایا کہ میں نے آپ کا راز افشاء کر دیا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس رب نے بتایا ہے جو علیم وخبیر ہے۔

خلافتِ صدیق اکبر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کا قرآن سے ثبوت

معلوم ہوا صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی خلافت قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت امام ابن عدی، امام ابونعیم، امام ابن مردویہ اور امام ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی امارت تو قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ اس کی تفسیر یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اَبُوْكِ وَ اَبُوْعَائِشَةَ وَالِيَا النَّاسِ بَعْدِیْ فَاِیَّاكِ اَنْ تُخْبِرِیْ اَحَدًا۔ میرے بعد تمہارا باپ اور عائشہ کا باپ لوگوں کے والی بنیں گے مگر کسی کو یہ بات مت بتانا۔ (در منثور جلد ۸ صفحہ ۲۱۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حقیقت خود شیعہ تفاسیر میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ محمد بن یعقوب کلینی صاحب اصول کافی کے استاذ شیخ علی بن ابراہیم قمی نے اس آیت وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ کے تحت لکھا ہے کہ حفصہ (رضی اللہ عنہا) کا دن تھا، وہ کسی ضرورت کے لئے باہر گئی۔ آپ نے اس کے گھر میں اپنی لونڈی ماریہ قبطیہ سے مباشرت کی۔ حفصہ کو علم ہوا تو غضبناک ہوئی کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے میرے گھر میں میرے دن میں میرے بستر پر یہ مباشرت کی ہے؟ آپ کو اس سے حیاء آئی، آپ نے فرمایا: رک جاؤ، میں نے ماریہ کو خود پر حرام کیا ہے آئندہ کبھی اس کے قریب نہ جاؤں گا۔ اور میں تجھے راز کی بات بتاتا ہوں اگر تم نے اسے ظاہر کیا تو تم پر اللہ اور سارے فرشتوں اور سارے انسانوں کی لعنت ہے (یہ لعنت کے الفاظ شیخ قمی نے اپنی طرف سے گھڑ کر حضور ﷺ کی طرف منسوب کئے ہیں اس لئے ان کا حقدار وہ خود ہے) حفصہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا وہ راز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اِنَّ اَبَا بَكْرٍ یَلِی الْخِلَافَةَ مِنْ بَعْدِیْ ثُمَّ مِنْ بَعْدِهٖ اَبُوْكِ۔ بے شک ابوبکر میرے بعد خلافت سنبھالے گا اس کے بعد تمہارا باپ۔

(تفسیر قمی سورہ تحریم صفحہ ۶۸۶ مطبوعہ تہران طبع قدیم سن طباعت ۱۳۱۳ھ)

دوسرے شیعہ مفسر ملا محمد بن مرتضیٰ کاشانی نے بھی تفسیر صافی جلد 2 صفحہ 716 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ شارع ابوذر تہران میں یہی سارا واقعہ لکھا ہے۔ مگر ان دونوں شیعہ مفسرین نے یہاں یہ من گھڑت زہرناک بات بھی بڑھائی ہے کہ

حفصہ نے یہ راز عائشہ کو بتا دیا۔ عائشہ نے ابوبکر کو بتایا، ابوبکر نے عمر کو بتایا۔ تب یہ چاروں اکٹھے ہوئے اور سب نے اتفاق کیا کہ حضور ﷺ کو زہر دے دیا جائے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اللہ نے آپ کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا، آپ نے حفصہ کو بلا کر ماریہ قبطیہ کے بارے میں افشاء راز کی اطلاع تو دی، مگر انہوں نے آپ کو جو زہر دینے کا منصوبہ بنایا تھا وہ نہ بتایا۔ اس لئے اللہ نے فرمایا: وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ الخ

شیعہ مفسرین کی یہ من گھڑت تفسیر اور من گھڑت حدیث اس قدر دل آزار، کافرانہ، ملحدانہ، زندیقانہ اور امہات المؤمنین وخلفاء راشدین کے بارے میں گستاخانہ ہے کہ اسے سن کر ایک مومن کا کلیجہ پھٹنے کو آتا ہے اور اس کے جواب میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اے اللہ! امہات المؤمنین اور خلفاء راشدین پہ جھوٹی تہمتیں رکھنے والوں کو ہدایت عطا فرما۔ اور اگر ان کے نصیب میں ہدایت نہیں تو ان پر دنیا و آخرت میں لعنت فرما۔ کیونکہ کفار کے بارے میں تیرا ارشاد ہے: اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝٨٧ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝٨٨ ''ان کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت پڑتی ہے وہ ہمیشہ اس (پھٹکار) میں رہیں گے، نہ ان پر سے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔'' (آل عمران، ۸۷)

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ

(اے نبی کی دونوں بیویو) اگر تم اللہ کے حضور توبہ کرو تو تمہارے دل (حب رسول ﷺ میں) جھکے ہوئے ہیں۔ اور اگر تم آپ پر زور لگاؤ

هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ

تو بے شک اللہ آپ کا مددگار ہے اور جبرائیل (علیہ السلام) اور مومنین میں سے صالح لوگ آپ کے مددگار ہیں اور اس کے بعد فرشتے

ظَهِیْرٌ ۝٤ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ

مددگار ہیں [4] اگر آپ تمہیں طلاق دے دیں تو قریب ہے کہ آپ کا رب تمہارے بدلے آپ کو دوسری بیویاں دے دے

مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝٥

جو تم سے بہتر ہوں یعنی اسلام والی، ایمان والی، اطاعت گزار، توبہ شعار، عبادت پسند، روزہ دار، بیوہ اور کنواریاں [5]

[4] یعنی اے حضرات عائشہ وحفصہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہما! اگر تم اللہ کے حضور توبہ کرو تو یہ تمہارا حق ہے کیونکہ تمہارے دل حضور ﷺ کی محبت میں اس قدر جھکے ہوئے ہیں کہ آپ کو قدرے تکلیف پہنچنے لگی ہے یعنی تمہاری رضا جوئی

کے لئے آپ نے خود پر شہد کو اور اپنی لونڈی سے قربت کو حرام ٹھہرا لیا۔ لہٰذا تم اپنے طریقہ کار پر نظرِ ثانی کرو اور اگر تم اسی طرح آپ پر زور لگاتی رہیں یعنی آپ کی قربت اور توجہ کے حصول میں آپ پر اسی طرح زور دیتی رہیں، تو یاد رکھو اللہ آپ کا مددگار ہے اور جبرائیل امین علیہ السلام اور صالح مومنین اور سارے فرشتے آپ کے مددگار ہیں۔ وہ آپ کے دل اطہر پر کوئی بوجھ گوارا نہیں کریں گے۔

دراصل جب یہ آیت یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ الخ اُتری تو حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر بوجھ آیا اور انہی دنوں ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے کچھ مالی مطالبات بھی کئے تھے، وہ بھی آپ کے قلب اطہر پر بوجھ کا سبب بنا تھا۔ توانہی اسباب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زواج مطہرات سے ایک ماہ کے لئے علیحدگی فرمائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بخاری میں طویل حدیث مروی ہے، اس کا آخری حصہ یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتایا تو آپ نے اپنی ازواج سے ایک ماہ تک علیحدگی فرمائی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ کے ذریعے آپ کو تنبیہ فرمائی تھی (اور آپ کے قلب مبارک پر اس سے بوجھ تھا) تب آیت تخییر نازل ہوئی: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الخ (احزاب، ۲۸) اور تمام ازواج مطہرات نے اللہ و رسول کو اختیار کر لیا۔

(بخاری کتاب المظالم باب ۲۴ حدیث حدیث ۲۴۶۸)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ تمام ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے گرد جمع ہیں اور آپ خاموش بیٹھے ہیں اور ازواج بھی خاموش ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دل میں کہا میں ایسی بات کہوں گا جس سے آپ مسکرا پڑیں گے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر میری بیوی بنت خارجہ مجھ سے خرچہ مانگتی تو میں اس کی گردن کو ایسے ایسے دباتا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر مسکرا پڑے اور فرمایا یہ عورتیں میرے پاس اس لئے بیٹھی ہیں کہ مجھ سے خرچہ مانگتی ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گردن دبانے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن دبانے لگے۔ وہ دونوں کہہ رہے تھے تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی چیز کیوں مانگتی ہو، جو آپ کے پاس (اس وقت بظاہر) نہیں ہے، ازواج مطہرات نے عرض کیا: واللہ! آئندہ ہم آپ سے کبھی ایسی چیز نہیں مانگیں گی جو آپ کے پاس نہ ہو، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج سے ایک ماہ علیحدگی فرمائی پھر آیت تخییر اتری: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا۔

(مسلم کتاب الطلاق حدیث ۲۹)

حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما قرآن کے مطابق صالح المؤمنین ہیں

مذکورہ بالا احادیث سے خوب واضح ہو گیا کہ جب ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آپ کے قلب اطہر پر بوجھ آیا

توحضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیٹیوں کی طرف داری کرنے کی بجائے آپ کی مدد کی۔ اور اپنی بیٹیوں کو مارا اور فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ کا نزول ہوا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما اگر تم توبہ کرو تو تمہارا حق ہے کیونکہ تمہارے دل محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زیادہ جھک گئے ہیں اور اگر تم آپ پہ دباؤ ڈالتی رہیں، تو یاد رکھو کہ اللہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مددگار ہے اور جبرائیل مددگار ہیں اور صالح مؤمنین بھی مددگار رہیں۔ تو بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما قرآن کے الفاظ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ کے صحیح مصداق ثابت ہوئے۔

اسی لئے حضرت عبداللہ ابن عباس، عبداللہ بریدہ، ابن مسعود، ابوامامہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کبار فرمایا کرتے تھے کہ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے حق میں اُتارے گئے۔

(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۲۳)

صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ اصل میں صالحٌ من المؤمنین ہے حرف مِنْ حذف کر دیا گیا، گویا یہ اضافت منی ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما پہ شیعی اعتراض کا جواب

اصل معاملہ یہ ہے کہ جب ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسباب دنیا کا مطالبہ کیا اور سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما نے مزید قربت حاصل کرنے کے لئے آپ پر دباؤ ڈالا اور آپ نے ان کی خوشنودی کے لئے خود پر شہد کو اور لونڈی سے قربت کو حرام ٹھہرایا۔ تو اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ طریقہ پسند نہ آیا اور اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ الخ کہہ کر انہیں تنبیہ فرمائی مگر چونکہ ان کی نیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت اور توجہ کا مزید حصول تھا، اس لئے ان پر کوئی پکڑ نہ فرمائی گئی۔

اس کی مثال برادران یوسف علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے وہ اپنے والد کی زیادہ توجہ چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا کر دیا، پھر ان سے متعدد غلطیاں ہوئیں جیسے چھوٹے بھائی کو کنوئیں میں پھینکنا اور اجنبی لوگوں کے ہاتھ اسے فروخت کرنا اور اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر باپ کو دکھانا وغیرہ۔ چونکہ ان کی نیت باپ کی توجہ حاصل کرنا تھا، مگر اس کا طریقہ غلط تھا اس لئے انہیں معاف کیا گیا۔

لہٰذا اگر آج کوئی شخص برادران یوسف علیہ السلام پہ زبان طعن دراز کرے تو وہ گمراہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا عظیم مقام ہے، وہ نبی کے بھائی، نبی کے بیٹے، نبی کے پوتے اور نبی کے پڑپوتے ہیں۔ وہ خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو مثل کواکب دکھائے گئے۔ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا، یوسف (علیہ السلام) نے والد صاحب سے کہا، میں نے خواب میں گیارہ ستارے دیکھے ہیں۔ (یوسف، ۴) ایسی ہی صورتحال امہات المؤمنین حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کی بھی تھی، انہوں نے چاہا کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مزید قربت حاصل ہو۔

بلکہ ان کا معاملہ تو برادران یوسف علیہ السلام کے مقابلہ میں ہزار میں سے ایک حصہ کے برابر نہیں ہے۔ جیسا کہ ہر عقل مند منصف پہ واضح ہے، کیونکہ برادران یوسف علیہ السلام سے صریح گناہ سرزد ہوئے جیسے باپ سے عقوق، بھائی پہ ظلم، کذب بیانی

وغیرہ، مگر جب وہ نادم ہوئے تو انہیں معاف کر دیا گیا۔

جبکہ امہات المؤمنین سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا، انہوں نے صرف یہی کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے منہ سے مغافیر کی مہک آتی ہے اور ہر شہد کی اپنی مہک ہوتی ہے۔ جو شہد مغافیر (ایک درخت کا نام ہے) پر لگے اس میں مغافیر کی مہک ہوسکتی ہے۔ لہٰذا انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا، جب برادران یوسف علیہ السلام کے بارے میں لب کشائی کی اجازت نہیں ہے تو امہات المؤمنین کے حق میں کسی مومن کا زبان طعن دراز کرنا اپنے ایمان سے ہاتھ دھونے کے سوا کیا ہے۔

مگر افسوس کا مقام ہے کہ شیعہ لوگ اس آیت اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ کو پڑھ کر امہات المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کی شان میں بے باکیاں اور گستاخیاں کرتے ہیں۔ جب اللہ رب العزت نے ان پر پکڑ نہ فرمائی تو یہ لوگ خود کو مومنین کہنے کے باوجود مومنین کی ماؤں پر زبان طعن کیوں دراز کرتے ہیں؟ حلالی اولاد کا حق نہیں کہ اپنی ماؤں کی غلطیاں گنیں۔

فقد صغت قلوبکما کا صحیح مفہوم

شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ فرمایا: فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ کہ اے عائشہ وحفصہ (رضی اللہ عنہما) تمہارے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں۔ لہٰذا ان کے دل ٹیڑھے تھے۔ اور اس پہ وہ ان نفوس قدسیہ کے بارے میں جو حرم رسول ﷺ ہیں، مزید زبان درازیاں کرتے ہیں۔ حالانکہ صغیٰ یصغیٰ کا معنیٰ جھکنا ہے، ٹیڑھا ہونا نہیں ہے۔ قرآن میں ہے: وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ''اور شیطان کی طرف انہی لوگوں کے دل جھکنے چاہئیں جو آخرت پہ ایمان نہیں رکھتے۔'' (انعام، ۱۱۳) اس آیت میں تصغیٰ کا معنیٰ جھکنا ہی بنتا ہے نہ کہ ٹیڑھا ہونا۔

اور عربی لغت منجد میں ہے: صغیٰ یصغو و یصغیٰ۔ الیه، مائل ہونا۔ النجوم، ڈوبنے لگنا۔ اصغیٰ اصغاء۔ الی حدیثه، کان لگانا (یعنی کسی کی طرف جھک کر اس کی بات سننا) تو ان دلائل کے باوجود فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ کا معنیٰ دل کا ٹیڑھا ہونا وہی لوگ کرتے ہیں جنکے اپنے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں۔ اب اللہ ہی ان کے دل سیدھے کرسکتا ہے۔

رسل ملائکہ، عوام بشر سے اور عوام بشر، عوام ملائکہ سے افضل ہیں

(عوام بشر سے مراد یہاں مؤمنین میں سے غیر انبیاء ہیں جیسے صدیقین وشہداء وصالحین، اور عوام ملائکہ سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو رسل ملائکہ مثل جبرائیل ومیکائیل کے سوا ہیں)۔ قاضی ثناء پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ سے استدلال فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام اور ان جیسے رسل ملائکہ (عزرائیل اسرافیل اور میکائیل علیہم السلام) صالح المؤمنین (من جملہ ابوبکر وعمر اور دیگر صحابہ) سے افضل ہیں اسی لئے حضرت جبرائیل کا ذکر ان سے پہلے کیا گیا اور صالح المؤمنین دیگر ملائکہ (جو رسل ملائکہ میں سے نہیں ہیں) سے افضل ہیں

اسی لئے انہیں ملائکہ سے پہلے ذکر کیا گیا۔ (تفسیر مظہری جلد ۹ صفحہ ۳۳۹)

اسی لئے امام عمر نسفی فرماتے ہیں:

ورسل البشر افضل من رسل الملائکة ورسل الملائکة افضل من عامة البشر وعامة البشر افضل من عامة الملائکة۔ رسل بشر رسل ملائکہ سے، رسل ملائکہ عوام بشر سے اور عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔ (عقائد نسفیہ صفحہ ۱۷۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس کی تشریح میں علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں رسل ملائکہ کی عوام بشر پر تفضیل بالاجماع بلکہ بالضرورة ہے۔ (شرح عقائد نسفیہ صفحہ ۱۷۷)

ایک من گھڑت روایت کی تردید

یہاں اس من گھڑت حکایت کا رد ضروری ہے جو یوں بیان کی جاتی ہے کہ ایک بار حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید فوت ہو گیا۔ انہوں نے عزرائیل علیہ السلام سے کہا میرے مرید کی روح واپس کرو، انہوں نے کہا میں امر ربی سے سارا کام کرتا ہوں۔ حضرت غوث اعظم نے ان سے روحوں والی زنبیل (تھیلی) چھین لی۔ چنانچہ سب ارواح اڑ کر واپس چلی گئیں اور اس دن سارے عالم میں جتنے لوگ فوت ہوئے تھے سب زندہ ہو گئے۔ ملک الموت عزرائیل علیہ السلام نے جا کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عبدالقادر میرا محبوب ہے اگر تم اس کی بات مان لیتے تو اس قدر شرمندگی نہ اٹھاتے۔ (مناقب غوثیہ صفحہ ۸۸)

یہ من گھڑت حکایت ہے جو یہ بتا رہی ہے کہ غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی قوت اور قرب الٰہی میں عزرائیل علیہ السلام سے بڑھ کر ہیں، حالانکہ یہ اہل سنت کے اجماعی عقیدہ اور نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔ بلکہ اس میں رسل ملائکہ میں سے ایک عظیم رسول کی بے ادبی بھی شامل ہے، ایسے غلو سے بچنا مومن پہ لازم ہے۔

لفظ مولیٰ کی تحقیق

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ الخ میں لفظ مولیٰ بمعنی مددگار ہے۔ عربی میں مولیٰ کا معنی دوست، مددگار، قریبی رشتہ دار، وارث، غلام، آقا، سرپرست اور حاکم وغیرہ ہے اور ہر جگہ حسب حال معنی کیا جاتا ہے جیسے ارشاد رسول ﷺ ہے:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ۔ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی مولیٰ ہے۔ اے اللہ! جو علی کو دوست رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو اسے دشمن رکھے تو اسے دشمن رکھ۔ (ابن ماجہ مقدمہ باب ۱۱)

اس میں مولیٰ بمعنی دوست ہے کیونکہ اگلی عبارت اللّٰهم وال من والاه اس پر دلالت کر رہی ہے۔ مگر اہل تشیع مصر ہیں کہ من کنتُ مولاہ میں مولیٰ بمعنی حاکم ہی ہے یعنی جس کا میں حاکم ہوں اس کا علی حاکم ہے اور وہ اپنے زعم

میں اس حدیث کو امامت علی کی بنیاد سمجھتے ہیں۔

مگر ہم اہل تشیع سے کہتے ہیں کہ اگر ہر جگہ مولیٰ کا معنی حاکم ہی کیا جائے تو فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ کا معنی یوں ہوگا کہ اللہ حضور ﷺ کا حاکم ہے اور جبرائیل آپ کے حاکم ہیں اور سب نیک مومنین آپ کے حاکم ہیں۔ اگر یہ معنی درست نہیں تو پھر مان لو کہ ہر جگہ مولیٰ کا معنی حاکم نہیں ہے۔ بلکہ اس کا معنی حسب حال ہوتا ہے اور جس طرح فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ میں مولی بمعنی مددگار اور دوست ہے، اسی طرح من کنت مولاہ میں بھی مولی بمعنی مددگار اور دوست ہے، یعنی حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ جسکا میں محبوب یا دوست و مددگار ہوں اسکا علی بھی محبوب اور دوست و مددگار ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَّوْلًی، قیامت کے دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہ آئے گا۔ (دخان، ۴۱) تو کیا اس جگہ بھی اہل تشیع مولیٰ کا معنی حاکم کرتے ہوئے یہی کہیں گے کہ روز قیامت کوئی حاکم کسی حاکم کے کام نہ آئے گا؟ آخر اہل تشیع کہاں تک قرآن سے بھاگیں گے؟

[5] یعنی اے ازواج رسول ﷺ! تم کوئی ایسا عمل نہ کرو جو آپ کے لئے بارِ خاطر بنے اور تمہیں آپ سے جو نسبت و تعلق حاصل ہے اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرو۔ اگر آپ تمہیں طلاق دے دیں تو اللہ آپ کو تم سے بہتر اسلام والی، ایمان والی، اطاعت گزار، توبہ شعار، عبادت کار اور روزہ دار، بیوہ یا کنواری بیویاں عطا فرما دے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے پہ نزولِ قرآن

یہ آیت اور اس سے قبل والی آیت دونوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان پر اُتریں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حجاب کے اُترنے سے پہلے کی بات ہے۔ ہوا یہ کہ جب یہ افواہ پھیلی کہ حضور ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے چہرے پر غضب کے آثار تھے (آپ ازواج مطہرات کے خرچہ مانگنے اور ان کے دیگر چند امور کے سبب پریشان تھے) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ عورتوں کے بارے میں کیوں پریشان ہیں، اگر آپ انہیں طلاق دے دیں تو اللہ آپ کا مددگار ہے، سب فرشتے اور جبریل و میکائیل مددگار ہیں اور ابوبکر اور دوسرے مومنین آپ کے مددگار ہیں۔ اور الحمد للہ ایسا کم ہی ہوا کہ میں نے کوئی کلام کیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے میری بات کی تصدیق نہ کی ہو۔ چنانچہ یہ آیت اُتری: عَسٰی رَبُّہٗۤ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗۤ اَزْوَاجًا الخ اور یہ آیت بھی نازل ہوئی: وَاِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ الخ (مسلم کتاب الطلاق حدیث ۳۰)

یہ آیت اپنے شانِ نزول کی روشنی میں جہاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت اور اصابت رائے بیان کر رہی ہے وہاں مزید واضح کر رہی ہے کہ گزشتہ آیت میں صالح مومنین سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ

اے ایمان والو! خود کو اور اپنے گھر والوں کو اس نار جہنم سے بچا لو جس کا ایندھن انسان

وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ

اور پتھر ہیں، اس پر سخت مزاج سخت گیر فرشتے مقرر ہیں، اللہ انہیں جو حکم دے وہ اس کی مخالفت

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝٦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا

نہیں کرتے اور وہی کچھ کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جائے۔ اے کافرو! بہانے نہ بناؤ آج تمہیں وہی سزا دی جائے گی

تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧

جو تم عمل کرتے تھے۔[6]

ع ١ / ١٩

[6] جب نبی پاک صاحب لولاک ﷺ کو گھریلو معاملات میں راہنمائی فرمائی گئی، تو اب مومنوں کو ان کے بیوی بچوں کے بارے میں بہتر کفالت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اے مومنو! خود کو بھی نار جہنم سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی بچاؤ یعنی اگر تمہاری غفلت کے سبب تمہارے اہل خانہ شریعتِ محمدیہ سے دور ہٹے، تو روز قیامت تم سے اس کا سوال ہوگا۔

ہر شخص اپنے اہل خانہ کی اسلامی تربیت کا ذمہ دار ہے

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر کوئی چرواہا ہے اور ہر کوئی اپنی بھیڑوں کا ذمہ دار ہے، ہر حاکم چرواہا ہے وہ اپنی عوام کا ذمہ دار ہے، ہر شوہر چرواہا ہے اس سے اس کے اہل خانہ کے بارے میں پوچھا جائے گا، ہر خادم اپنے مالک کے مال کا چرواہا ہے اور اس بارے میں اس سے سوال ہوگا اور ہر بیوی اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس بارے میں سوال ہوگا۔ (بخاری کتاب الجمعہ باب ١١)

یعنی جیسے چرواہے کی غفلت سے اگر ایک بھیڑ بھی گم ہو جائے، تو بھیڑوں کا مالک اس سے حساب لیتا ہے۔ یونہی ہر کوئی اپنے اہل خانہ پر چرواہا مقرر کیا گیا ہے اور اس پر لازم ہے کہ ان کی پوری نگرانی کرے اگر اس کی غفلت کے سبب اس کا کوئی بیٹا یا بیٹی دین سے ہٹے، تو اس کا عذاب جہاں اسے ہوگا ساتھ میں اس کے باپ کو بھی ہوگا۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمہارا بچہ سات برس کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دو اور جب دس برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اسے سزا دو۔'' (مسند احمد جلد ٢ صفحہ ١٨٠)

اب اگر کوئی شخص بچے کو سات برس کی عمر میں نماز کا حکم نہیں دیتا (کیونکہ وہ خود بے نماز ہے) اور دس برس کی عمر میں ترک نماز پر سزا نہیں دیتا، یوں وہ بچہ بے نمازی ہو جاتا ہے۔ تو اس نے جس قدر نمازیں ترک کیں، خواہ وہ سینکڑوں میں ہوں یا ہزاروں میں، ان سب کا حساب اس کے باپ سے لیا جائے گا اور یہ جبھی ممکن ہے کہ آدمی خود نمازی ہو، بے نماز انسان اپنی اولاد کو نماز کا حکم کیسے دے سکتا ہے؟ خود جھوٹ بولنے والا شخص اپنی اولاد کو جھوٹ سے کیسے روک سکتا ہے؟ اسی لئے قرآن فرماتا ہے: وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ ''اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دو اور خود اس پر استقامت کرو۔'' (طٰہٰ، ۱۳۲)

اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی: رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ''اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد کو بھی۔'' (ابراہیم، ۴۰) گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے درس دیا کہ پہلے خود نمازی بنو، پھر اولاد کو بھی نمازی بناؤ۔

اور ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ''اللہ اس مرد پر رحم کرے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے، پھر بیوی کو اٹھائے۔ اگر وہ نہ اُٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اور اللہ اس عورت پر رحم کرے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے پھر اپنے شوہر کو اٹھائے اگر وہ نہ اُٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔'' (ابن ماجہ کتاب الدقامہ باب ۲۷۵)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! نار جہنم پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو سخت مزاج، سخت گیر ہیں اور انہیں جو حکم ملے وہی کرتے ہیں یعنی کسی جہنمی سے رعایت نہیں برتتے اور مروی ہے کہ جہنم پر انیس (19) نگران فرشتے ہیں۔ (عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ۔ سورہ مدثر، ۳۰)

ان کے دو کندھوں کے مابین فاصلہ دو سو برس ہے، ان کے دلوں میں کچھ رحم نہیں ہے۔ وہ صرف عذاب کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی فرشتہ جب کسی جہنمی کو ایک ضرب لگائے گا تو اسے سر سے پاؤں تک آٹا بنا دے گا۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۲۶)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا ؕ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ
اے ایمان والو! اللہ کے حضور مخلصانہ توبہ کرو قریب ہے کہ تمہارا رب تم سے
یُّکَفِّرَ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ یُدۡخِلَکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ
تمہارے گناہ مٹا دے اور تمہیں ان جنتی باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، [7]
یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۚ نُوۡرُهُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ
جس دن اللہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہ کرے گا، اس دن ان کا نور ان کے آگے
اَیۡدِیۡهِمۡ وَ بِاَیۡمَانِهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَ اغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّکَ
اور ان کے دائیں چلے گا۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر دے اور ہماری بخشش فرما، بے شک تو
عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۸﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الۡکُفَّارَ وَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ
ہر چیز پر قادر ہے [8] اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کفار و منافقین سے جہاد کریں۔ ان پر سختی برتیں۔
وَ اغۡلُظۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ وَ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۹﴾
ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ کیا ہی بُرا انجام ہے۔ [9]

حکم توبہ و جہاد اور زوجہ نوح و لوط علیہما السلام اور زوجہ فرعون کی مثال

[7] جب کہا گیا کہ اے مومنو! خود کو اور اپنے گھر والوں کو نار جہنم سے بچا لو۔ تو اب اس کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کے حضور سچی توبہ کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو قریب ہے کہ اللہ تمہارے گناہ مٹا دے (یعنی نامۂ اعمال میں ان کی تحریر ہی مٹ جائے) اور تمہیں جنتی باغات عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

سچی توبہ کیا ہے اور اس کی کیا شرائط ہیں

امام خازن فرماتے ہیں علماء کے نزدیک ہر گناہ کے بعد فوری توبہ واجب ہے، خواہ وہ گناہ صغیرہ ہو یا گناہ کبیرہ۔ اور ضروری ہے کہ وہ توبہ مخلصانہ ہو۔ اگر وہ توبہ حقوق اللہ کے بارے میں ہو (اس میں کسی بندے کا حق پامال نہ کیا گیا ہو) تو توبہ کے لئے تین شرائط ہیں۔ اول: گناہ مکمل ترک کیا جائے۔ دوم: گزشتہ گناہ پر سچی شرمندگی محسوس کی جائے۔ سوم: اللہ

تعالیٰ سے یہ عہد اور پختہ عزم کیا جائے کہ وہ گناہ دوبارہ نہ کیا جائے گا۔ ان تین شرائط کے ساتھ وہ توبہ نصوح ہے اور اگر اس گناہ میں بندے کا حق بھی پامال کیا گیا ہو تو چوتھی شرط یہ ہے کہ حق دار کو اس کا حق لوٹایا جائے۔ اگر کسی کا مال کھایا ہو تو اسے واپس دیا جائے، یا اس سے معاف کروایا جائے۔ اگر کسی پر بہتان باندھا ہو تو خود کو قذف کے لئے پیش کیا جائے یا بہتان زدہ شخص معاف کر دے۔ (تفسیر خازن جلد ۷ صفحہ ۱۲۲)

توبہ کی اہمیت وفضیلت

حضرت اغر بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو کہ میں ہر دن میں سو بار توبہ کرتا ہوں۔'' (ابوداؤد کتاب الوتر باب ۲۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کی قسم! میں دن میں ستر بار سے زیادہ استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔'' (بخاری کتاب الدعوات باب ۳)

جب معصوم عن الذنب کی توبہ کا یہ عالم ہے تو غیر معصوم بلکہ سراپا ذنوب کی توبہ کا کیا عالم ہونا چاہیے یہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اور سچی توبہ کی فضیلت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔'' (ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۳۰)

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ یعنی قریب ہے کہ اللہ تمہارے گناہ تم سے (یعنی تمہارے اعمال نامہ سے) مٹا دے۔

[8] یعنی جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر چلے اللہ تعالیٰ اسے روزِ قیامت عظمت سے نوازے گا اور آپ کی زبان پر آپ کے پیروکاروں سے جو وعدے کئے گئے ہیں، وہ ضرور پورے کئے جائیں گے، تاکہ آپ کو یا آپ کے پیروکاروں کو کوئی خفت نہ اٹھانی پڑے۔ بلکہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کی عظمت کا اس دن یہ عالم ہوگا کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دور دور تک چل رہا ہوگا۔ یاد رہے مومنوں کے چاروں اطراف میں نور ہی نور ہوگا، تاہم ان کے آگے اور دائیں زیادہ نور ہوگا، ان کی پیشانیاں سجدوں کے نور سے چمکتی ہوں گی اور دائیں ہاتھ میں نیکیوں کا عمل نامہ چمکتا ہوگا۔ ابتداء میں منافقین کو بھی کچھ نور دیا جائے گا، مگر وہ بعد میں بجھ جائے گا اس لئے مومنین کہیں گے اے اللہ! اتمم لنا نورنا ہمارا نور پورا کر یعنی اسے بجھنے نہ دے تا آنکہ ہماری مکمل بخشش ہو جائے اسی لئے قرآن میں ہے کہ منافقین اہل ایمان سے کہیں گے کہ ہماری طرف نظر ڈالو ہم تمہارے نور سے کچھ لینا چاہتے ہیں۔ (حدید، ۱۳)

اس جگہ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ سے معلوم ہوا کہ قرآن کے مخاطبین کے لئے ایک ہی نبی ہے جس کے پیروکاروں کے لئے روز قیامت نور ہوگا یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یہ ختم نبوت کا واضح بیان ہے۔

[9] یعنی دشمنان اسلام سے کوئی رعایت نہ برتی جائے تاہم جن کفار سے معاہدہ امن ہو جائے، ان سے وعدہ نبھایا

جائے۔اور اگر وہ معاہدہ کی آڑ میں مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں جیسے آج مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے کہ ایک طرف اقوام متحدہ کے تحت اقوام عالم کے مابین معاہدۂ امن قائم ہے اور دوسری طرف فلسطینی، عراقی، افغانی اور کشمیری مسلمانوں سے خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، ایسے کفار سے جہاد کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہود مدینہ اور مشرکین مکہ سے امن کے معاہدے کئے، مگر جب انہوں نے معاہدہ شکنی کی تو آپ نے ان سے کچھ رعایت نہیں برتی اور جہاد کے ذریعے ان کی قوت کا خاتمہ کر دیا۔اور جو نام نہاد مسلمان منافقت کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو کمزور اور کفار کے ہاتھ مضبوط کریں، ایسے منافقین سے بھی جہاد کرنا فرض ہے۔

جہاد تا قیامت فرض ہے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد تا قیامت فرض ہے۔کیونکہ جَاهِدِ الْكُفَّارَ میں وقت کی کوئی قید نہیں اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے الجہادُ ماضٍ الی یومِ القیامۃِ جہاد تا قیامت جاری ہے۔

(بخاری کتاب الجہاد باب ۴۴، ابوداؤد کتاب الجہاد باب ۳۳)

اس کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی کا کہنا کہ اس کے آنے سے جہاد منسوخ ہو گیا ہے، قرآن کی کثیر آیات سے انکار اور صریح کفر ہے۔

دراصل مرزا غلام احمد قادیانی کو عیسائیوں نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور ان کے عقائد خراب کرنے کے لیے پیدا کیا تھا۔چنانچہ اس نے ساری زندگی اسی بات پہ زور دیا کہ عیسائیوں کے خلاف بلکہ کسی کافر قوم کے خلاف جہاد نہ کیا جائے، خواہ وہ کس قدر ہی مسلمانوں پہ ظلم کریں بلکہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے ہو جائیں کہ انہیں خواہ کس قدر مارا جائے وہ آگے سے کچھ جواب نہ دیں۔

جب اس کے زمانہ میں برطانوی فوجیں مسلمانوں کا قتل عام کرتے ہوئے عراق میں داخل ہوئیں اور بصرہ پہ قبضہ کیا تو ساری دنیا میں مسلمانوں کے غم واندوہ کی انتہاء نہ تھی، مگر قادیانی گروہ اس وقت خوشیاں منا رہا تھا۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ کے لیے یہ گروہ کس قدر نقصان دہ اور مخفی دشمن ہے

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا
اللہ کافروں کے لئے زوجۂ نوح (علیہ السلام) اور زوجۂ لوط (علیہ السلام) کی مثال بیان فرماتا ہے وہ ہمارے بندوں میں سے
تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ
دو صالح بندوں کے گھر تھیں، پھر دونوں نے ان سے خیانت کی، تو وہ انہیں اللہ سے
اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
کچھ بچا نہ سکے اور دونوں سے کہا گیا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ [10] اور اللہ مومنوں کے لئے
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي
زوجۂ فرعون کی مثال بیان فرماتا ہے جب اس نے کہا اے میرے رب! میرے لئے جنت میں
الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لا
اپنے ہاں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچا لے اور مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرما [11]
وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا
اور مریم دختر عمران کو یاد کرو جس نے اپنی پاکدامنی کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی
وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝ ع
اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھی [12]

وقف لازم

ع ۲ / ۲۰

[10] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان دونوں عورتوں نے کوئی بدکاری نہ کی تھی، زوجۂ نوح علیہ السلام کی خیانت یہ تھی کہ وہ لوگوں کو بتاتی کہ نوح علیہ السلام مجنون ہیں، لہٰذا ان کی دعوت پہ کان نہ دھرو اور جو شخص ان پر ایمان لاتا وہ جابر وظالم سرداروں کو جا کر اس کا نام بتاتی تاکہ وہ اسے ایمان سے برگشتہ کریں۔ اور زوجۂ لوط علیہ السلام کی خیانت یہ تھی کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کے پاس کوئی مہمان آتا تو وہ قوم کے بدکردار لوگوں کو اس سے آگاہ کرتی۔ ورنہ کسی نبی کی بیوی زنا جیسی بے حیائی میں ملوث نہیں ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۴۱۹)

اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ان دو عورتوں کی مثال دے کر سمجھایا کہ ان دونوں کو اللہ کے پیغمبروں سے جو قرب میسر تھا وہ

کسی اور کو نہیں ہوسکتا، مگر جب انہوں نے کفر کا راستہ اپنایا اور راہِ حق دیکھ کر اس سے آنکھیں بند کر لیں، تو اللہ نے ان کے دلوں پر گمراہی کی پکی مہر لگا دی۔ آخر کار دونوں دنیا و آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوگئیں۔ زوجۂ نوح علیہ السلام کفار کے ساتھ غرق آب ہوگئی اور زوجۂ لوط علیہ السلام پر آسمان سے ایسا ہی ایک پتھر آگرا جیسے پتھر دوسرے کفار پر گر رہے تھے۔ حالانکہ وہ لوط علیہ السلام کے ساتھ کھڑی تھی۔ یعنی ایمان کے بغیر نبی کا قرب کچھ نہیں بچا سکتا۔ اسی طرح یہود کو اولادِ انبیاء ہونا اُخروی فلاح نہیں دلا سکتا اور مشرکین مکہ کو اولاد ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہونا مفید نہیں ہے۔

[11] مومنوں کو فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی مثال دی جا رہی ہے کہ اگر دین پر استقامت اور صبر کا نمونہ دیکھنا ہے تو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا میں دیکھو، کہ جب وہ عورت ہو کر دین پہ استقامت کا یہ جذبہ رکھتی ہیں تو اس میں مردوں کے لیے عظیم درسِ عمل ہے۔

سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا زوجۂ فرعون کی عظیم استقامت

حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرعون کے خازن کی بیوی مسلمان تھی وہ فرعون کی بیٹی کی خادمہ تھی۔ ایک دن وہ اسے کنگھی کر رہی تھی کہ اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی اس نے کہا اللہ کے منکروں کی ہلاکت ہو، فرعون کی بیٹی نے باپ کو بتایا کہ اسے کنگھی کرنے والی عورت کسی اور خدا کو مانتی ہے۔ فرعون نے اس عورت کو بلایا اور اس سے پوچھا، اس نے کہا میں اس رب کو پوجتی ہوں جس نے مجھے اور تمہیں پیدا کیا ہے۔ فرعون نے اس کے سامنے اس کے ایک بیٹے کو ذبح کر دیا، بیٹے کی روح نے جاتے ہوئے کہا اماں صبر رکھو اللہ کے ہاں تمہارا ثواب بہت بڑا ہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد فرعون نے اس کے دوسرے بیٹے کو بھی اس کے سامنے ذبح کیا اس کی روح نے بھی جاتے ہوئے اسے یہی آواز دی۔

فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے یہ مناظر دیکھے تھے اور بچوں کی روحوں کی یہ پکار سنی تھی۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں اور فرعون کی خدائی کا سختی سے انکار کیا۔ تب فرعون نے چار میخیں گاڑیں اور ان سے حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے، اس وقت انہوں نے دعا کی: رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ اے میرے رب! میرے لیے جنت میں گھر بنا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی وقت جنت میں ان کا گھر دکھا دیا وہ مسکرانے لگیں فرعون نے کہا یہ مجنونہ ہے ہم اسے عذاب دیتے ہیں، یہ مسکراتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ان کی روح قبض کر لی اور انہیں جنت میں پہنچا دیا۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۲۰)

اسی لئے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مردوں میں کئی کامل ہوئے ہیں، مگر عورتوں میں سے صرف آسیہ زوجۂ فرعون، مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد کاملہ ہوئی ہیں اور تمام عورتوں پہ عائشہ کی فضیلت ایسے ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کی فضیلت۔'' (بخاری کتاب الانبیاء باب ۳۲، مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۷۰)

[12] سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی دین پر استقامت اور صبر میں بھی مومنوں کے لئے بڑا نمونۂ عمل ہے، وہ پاکدامنہ تھیں۔ اللہ

تعالیٰ نے ان کے وجود میں اپنی روح یعنی اپنی پیدا کردہ روح پھونکی تو ان کے پیٹ میں روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ یہود نے ان پر تہمت زنی اور زبان درازی شروع کر دی وہ اپنی جان اور عزت اور اپنے بیٹے کی جان بچانے کے لئے فلسطین سے ہجرت کر کے مصر چلی گئیں۔ انہوں نے غریب الوطنی میں بہت مصائب و آلام دیکھے، مگر ان کے پائے صبر و استقامت میں لغزش نہ آئی۔ کیونکہ وہ اپنے رب کی ہر بات پر اور اس کی کتابوں پہ ایمان رکھتی تھیں اور اللہ کی اطاعت گزار تھیں۔ اس میں مومنین کے لئے بہت بڑا درس ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمت ایمان سے نوازا ہے تو انہیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے اور ایمان کی وجہ سے پیش آمدہ مصائب پر صبر و استقامت سے کام لینا چاہیے۔

فضیلت سیدہ مریم رضی اللہ عنہا

سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں یہ حدیث نہیں بھولنی چاہیے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پہلے لوگوں کی عورتوں میں مریم بنت عمران سب سے بہتر ہیں اور ہماری عورتوں میں خدیجہ بنت خویلد سب سے بہتر ہیں۔'' (بخاری کتاب الانبیاء باب ۴۵)

اور حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت وصال میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تم تمام جنتی عورتوں کی سردار ہو سوا مریم بنت عمران کے۔'' (ترمذی کتاب الفضائل)

یاد رہے قرآن میں سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کے سوا کسی عورت کا نام مذکور نہیں اور ان کا نام قرآن میں 27 مرتبہ وارد ہوا ہے۔

الحمد للہ آج 7 ذی قعدہ 1429ھ بمطابق 5 نومبر 2008ء بروز بدھ بعد نماز فجر سورہ تحریم کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورۃ الملک

سورہ ملک ترتیب تلاوت میں قرآن کی 67ویں سورت ہے اور ترتیب نزول میں 76ویں سورت ہے، جو سورۂ طور کے بعد اور سورہ الحاقہ سے قبل نازل ہوئی۔ یہ مکمل مکی سورت ہے، اس کا آغاز یوں ہوا: تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ اس لئے اسے سورۂ ملک کہا گیا۔ اس سورت میں 2 رکوعات، 30 آیات، 330 کلمات اور 1313 حروف ہیں۔

فضیلت

اس سورت کی فضیلت پر کثیر احادیث وارد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک صحابی رسول نے کسی جگہ خیمہ لگایا اسے معلوم نہ تھا کہ اس جگہ نیچے قبر ہے۔ مگر وہاں قبر تھی اور اس میں سے سورۂ ملک کی آواز آ رہی تھی، یہاں تک کہ پڑھنے والے نے ساری سورت ختم کر ڈالی۔ وہ صحابی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور ماجریٰ عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ سورت عذاب کو روکنے اور نجات دینے والی ہے۔ صاحب قبر کو عذاب سے بچاتی ہے۔
(ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''قرآن میں تیس آیات والی ایک سورت ہے، جو شخص اسے پڑھا کرے وہ اس کی طرف سے اللہ کے حضور شفاعت کرتی رہے گی یہاں تک کہ اسے بخشوا لے گی اور وہ سورۂ ملک ہے۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک الٓمّٓ تنزیل اور سورۂ ملک نہ پڑھ لیتے۔ (ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''قرآن میں تیس آیات والی ایک سورت ہے جو اس کے پڑھنے والے کی طرف سے اللہ کے ہاں جھگڑتی رہے گی حتیٰ کہ اسے بخشوا کر جنت میں لے جائے گی یعنی تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ۔''
(طبرانی اوسط جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ حدیث ۳۶۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
میری تمنا ہے کہ سورہ ملک میری امت کے ہر شخص کے دل میں موجود ہو (یعنی اسے حفظ ہو) (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۳۱)

مضامین

سورہ ملک کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں اپنی قدرتوں کا بیان فرمایا، پھر کفار کے لیے دوزخ کی ہولناکی بیان کی گئی اور اللہ کا خوف رکھنے والوں کی لیے جنت کی بہار بتائی گئی۔ جبکہ دوسرے رکوع میں اللہ رب العزت کی پیدا کردہ بعض زمینی نعمتوں کا تذکرہ ہوا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتہا ۳۰ ۶۷ سُوْرَۃُ الْمُلْکِ مَدَنِیَّۃٌ ۷۷ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ ز وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۞ الَّذِیْ

برکت والا ہے وہ اللہ جس کے قبضہ میں سب بادشاہی ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے [1] جس نے موت

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۞

اور زندگی کو بنایا تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے بہتر عمل والا ہے اور اللہ غلبے والا بخشش والا ہے [2]

قدرت ہائے خداوندی اوران کے منکروں کیلئے عذابِ جہنم کا بیان

[1] اللہ تعالیٰ سب برکتوں کا مالک ہے وہ جس چیز میں چاہے برکت ڈال سکتا ہے، کیونکہ سب بادشاہی اس کے قبضہ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا کسی کو اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور اس کے حلال پر صبر کرے اور اس کے حرام سے بچے تو اللہ تعالیٰ تھوڑے میں برکت فرما دیتا ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ نے موت و حیات بنائی ہے کہ کچھ لوگ مرتے ہیں تو ان کی جگہ دوسرے لوگ جی اُٹھتے ہیں اور اس سلسلۂ موت و حیات کا مقصد یہ ہے کہ اللہ آزمائے کہ دنیا میں آکر کون بہتر عمل کرتا ہے۔ یاد رہے بہتر عمل یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھا جائے، ان کی کسی بات سے انکار نہ کیا جائے، ان کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے اور اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق پورے کئے جائیں۔

اس جگہ دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) موت کا فکر زندگی سے زیادہ رکھنا چاہیے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ میں موت کا ذکر حیات سے پہلے کیا گیا تاکہ انسان زندگی سے زیادہ موت کا فکر کرے اور اس کی طرف زیادہ دھیان رکھے۔ کیونکہ جو شخص موت کا فکر زیادہ رکھے گا، وہ زندگی کو غنیمت شمار کر کے اس میں آخرت کی زیادہ تیاری کر لے گا

(2) یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے:

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ دنیا میں انسان امتحان (Examination) کے لئے آیا ہے بعض انسانوں کو دنیوی نعمتیں دے کر آزمایا گیا ہے کہ وہ کس قدر شکر کرتے ہیں اور بعض کو نہ دے کر آزمایا گیا ہے کہ وہ کس قدر صبر کرتے ہیں۔ پھر ایک امتحان یہ بھی ہے کہ ایک طرف رحمانی احکامات ہیں اور دوسری طرف شیطانی و نفسانی خواہشات، اب انسان کا امتحان ہے کہ وہ رحمانی احکامات پر چلتا ہے یا نفسانی خواہشات پر چلتا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ

جس نے تہہ بہ تہہ سات آسمان بنائے، تم خدائے رحمن کی تخلیق میں کوئی کمی بیشی

تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۞ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ

نہ دیکھو گے۔ تم نگاہ پھیر کر دیکھو، کیا تمہیں (کہیں) کوئی خرابی نظر آتی ہے؟ پھر دوبار نظر دوڑاؤ۔

يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۞ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا

تمہاری نظر تمہاری طرف ناکام اور حسرت زدہ لوٹ آئے گی [3] اور ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے سجایا۔

بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۞

اور چراغوں کو شیطان کے مار بھگانے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے ان کے لئے جلانے والی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے [4]

[3] اللہ تعالیٰ نے تہہ بہ تہہ سات آسمان بنائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم آسمان کی وسعتوں میں بار بار نظر ڈالو تمہیں کہیں کوئی خلل یا خرابی نظر نہ آئے گی اور تمہاری نظر تھک ہار کر ناکام لوٹ آئے گی مثلاً اگر انسان نظام شمس وقمر میں غور کرے تو وہ دیکھے گا کہ وہ ایک نہایت مربوط ومضبوط نظام کے تحت ہزار ہا صدیوں سے طلوع وغروب ہو رہے ہیں اور کبھی ایک منٹ کی کمی بیشی نہیں ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ کائنات از خود چل نہیں رہی ہے بلکہ کسی خالق و مالک کے بنانے سے بنی ہے اور اس کے چلانے سے چل رہی ہے اور وہی اللہ ہے، نہ کہ کوئی بے جان بت۔

[4] سات آسمانوں کی تخلیق پر اجمالی روشنی ڈالنے کے بعد سب سے نیچے والے آسمان کی بات کی جا رہی ہے جو زمین سے قریب تر ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ستاروں کے چراغوں سے جگمگایا اور سجایا ہے۔ اور جب شیاطین آسمان کے قریب جاتے ہیں تاکہ فرشتوں کی گفتگو سن سکیں، تو یہی ستارے ان پر مارے جاتے ہیں اور انہیں بھگایا جاتا ہے اور ان شیاطین کے لئے آخرت میں عذاب نار تیار ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا:

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ ''ہم نے قریب والے آسمان کو ستاروں کی زینت سے سجایا اور انہیں ہر سرکش شیطان سے حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے، وہ اوپر والی مخلوق (فرشتوں) کی باتیں نہیں سن سکتے، ان پر ہر طرف سے مار پڑتی ہے تاکہ انہیں بھگایا جائے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے، ہاں اگر کوئی شیطان ایک آدھی بات اُچک لے تو ایک روشن شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔'' (صافات، ۶۔۱۰)

وَلِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ اِذَآ اُلْقُوْا

اور جو لوگ اپنے رب سے انکار کرتے ہیں ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ کیا ہی برا انجام ہے۔ جب وہ اس میں

فِیْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِیْقًا وَّهِیَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِیَ

ڈالے جائیں گے تو اس کے دھاڑنے کی آوازیں سنیں گے اور وہ جوش مارتی ہوگی، قریب ہے کہ غصے سے پھٹ پڑے، جب بھی اس میں

فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا

کوئی فوج ڈالی جائے گی تو ان سے جہنم کے دربان پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا تھا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں ہمارے پاس

نَذِیْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۚۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ

ڈرانے والا آیا تھا، مگر ہم نے اسے جھٹلایا اور ہم نے (رسولوں سے) کہا کہ اللہ نے (تم پر) کوئی وحی نہیں اتاری تم تو بس

كَبِیْرٍ ۝ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝

بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔ اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم (رسولوں کی بات) سنتے یا سمجھتے تو (آج) اہل جہنم میں سے نہ ہوتے۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝

وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے، تو اہل جہنم کے لئے (رحمت سے) دوری ہے[5]

[5] یعنی جو لوگ شیطان کی پیروی میں رب رحمان سے انکار کرتے ہیں ان کے لئے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی رسول یا اس کی نازل کردہ کسی کتاب سے انکار یا اس کے رسول کی کسی بات کی تکذیب حقیقت میں اس رب سے انکار ہے، جس نے اس رسول کو بھیجا ہے اور اس انکار کی سزا جہنم ہے۔

کفار کو جہنم میں اپنے عذاب پہ کوئی شکوہ نہ ہوگا

آگے فرمایا گیا کہ جب کفار کی ایک فوج جہنم میں ڈالی جائے گی تو جہنم کے دربان فرشتے سب کچھ جاننے کے باوجود کفار کو ذہنی عذاب دینے کیلئے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نبی نہ آیا تھا جو تمہیں اللہ کی نافرمانی پر عذاب کا ڈر سناتا؟ کفار کہیں گے: ہاں ہمارے پاس ڈرانے والے انبیاء و رسل تو ضرور آئے تھے، مگر ہم نے انہیں جھٹلایا ہم نے ان سے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو، اللہ نے تم پر کوئی وحی یا کتاب نہیں اُتاری، تم بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔ یعنی ہم نے انبیاء کی بات ماننے کی بجائے ان سے گستاخی واہانت کی۔ کاش اگر ہم ان کی بات سنتے اور سمجھتے، تو آج اہل جہنم میں سے نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے، مگر اس وقت اعتراف کا کچھ فائدہ نہ ہو گا بلکہ ان سے کہا جائے گا کہ آج اہل جہنم کے لئے رحمت سے دوری ہی مقدر ہے۔

گویا کفار دائمی عذاب جہنم کا شکار ہوتے ہوئے مطمئن ہوں گے کہ انہیں جو عذاب دیا جارہا ہے وہ اسی کے مستحق ہیں، ان کے دلوں میں اللہ کے بارے میں کوئی شکوہ نہ ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ ''جو شخص بھی جہنم میں جائے گا وہ جانتا (اور مانتا) ہوگا کہ اس کے لئے جنت کی بجائے دوزخ ہی حق ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۴ ۴ بروایت مسند احمد بن حنبل)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا
بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے اور تم
قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ
اپنی بات کو خواہ چھپا کر کہو یا اسے بلند آواز سے کہو (اللہ کے لیے برابر ہے) بے شک وہ سینوں کے بھید جانتا ہے۔ کیا وہ نہ جانے گا
خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾
جس نے پیدا کیا ہے؟ جبکہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہے اور ہر خبر رکھتا ہے [6]

ع ۱

[6] اس کا شان نزول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ جب مشرکین مکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو بدزبانی کرتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیتا، تو وہ ڈر گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ آہستہ بولا کرو کہیں محمد کا رب نہ سن لے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ اے منکرو! تم اپنی بات کو خواہ خفیہ کہو یا زور سے کہو، اللہ کے لئے برابر ہے وہ تو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے۔ کیا جس رب نے ہر چیز پیدا کی ہے، وہ نہ جانے گا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ وہ تو لطیف وخبیر ہے، یعنی تم اسے نہیں دیکھ سکتے اور وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾ (انعام ۱۰۳)

هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِہَا وَ کُلُوۡا مِنۡ

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کیا تو تم اس کے نشیب و فراز میں چلو اور اللہ کے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف

رِّزۡقِہٖ ؕ وَ اِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ

(تم نے) اٹھنا ہے [7] کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ جس رب کی آسمان میں حکومت ہے وہ تمہیں زمین میں

الۡاَرۡضَ فَاِذَا ہِیَ تَمُوۡرُ ﴿ۙ۱۶﴾ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ

دھنسا دے، جب ہی تو وہ لرزتی ہے؟ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ جس کی آسمان میں حکومت ہے

عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ ﴿۱۷﴾ وَ لَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ

وہ تم پر پتھروں والی ہوا بھیج دے، تو تم جلد جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔ بلاشبہ ان سے

قَبۡلِہِمۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ﴿۱۸﴾ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَہُمۡ صٰٓفّٰتٍ

پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تو میرا انکار کیسا رہا [8] کیا انہوں نے پرندے نہیں دیکھے جو ان کے اوپر پر پھیلاتے

وَّ یَقۡبِضۡنَ ؕۘ مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنۡ

اور سمیٹتے ہیں، انہیں صرف رحمان ہی روکے ہوئے ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پہ نگہدار ہے [9] تو تمہارا

وقف لازم (اختلافی)
وقف غفران
وقف منزل

ہٰذَا الَّذِیۡ ہُوَ جُنۡدٌ لَّکُمۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ ؕ اِنِ

کونسا لشکر ہے جو تمہیں رحمن کے مقابلہ میں مدد دے؟ کافر لوگ

الۡکٰفِرُوۡنَ اِلَّا فِیۡ غُرُوۡرٍ ﴿ۚ۲۰﴾ اَمَّنۡ ہٰذَا الَّذِیۡ یَرۡزُقُکُمۡ اِنۡ اَمۡسَکَ

محض دھوکے میں مبتلا ہیں۔ یا کون ہے وہ جو تمہیں رزق دے، اگر اللہ اپنا رزق

رِزۡقَہٗ ۚ بَلۡ لَّجُّوۡا فِیۡ عُتُوٍّ وَّ نُفُوۡرٍ ﴿۲۱﴾

روک لے؟ بلکہ (کفار) اپنی سرکشی اور نافرمانی میں بڑھ گئے ہیں [10]

اللہ کی نعمتیں اور اللہ کے منکروں کے لئے وعیدیں

[7] گزشتہ رکوع میں آسمانی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی قدرتیں بیان کی گئیں۔اب زمینی تخلیق میں اس کی قدرتیں بتائی جارہی ہیں۔توفرمایا گیا کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کیا یعنی تمہیں اختیار دیا گیا کہ تم زمین سے راستے بناؤ، چشمے نکالو، کنوئیں کھودو، فصلیں اُگاؤ اور زمین پر اونچی عمارات کھڑی کرو، اگر اللہ چاہتا تو زمین کو ایسی سخت پتھریلی بنا دیتا کہ اس میں انسان کوئی تبدیلی نہ کر سکتا، مگر اللہ نے اپنی رحمت سے زمین کو انسان کے لئے مسخر کر دیا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسانو! تم زمین کے نشیب وفراز میں چل پھر کر اللہ کا رزق ڈھونڈو اور اس کے رزق میں سے کچھ کھاؤ یعنی اس میں سے کچھ خود کھاؤ کچھ دوسرے ناداروں کو کھلاؤ یا یہ معنی ہے کہ اس میں سے حلال کو کھاؤ حرام کے قریب نہ جاؤ۔اور تم نے اللہ کی طرف اُٹھنا ہے یعنی تم سے اس رزق کے بارے پوچھا جائے گا۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''روز قیامت ابن آدم کے قدم (حساب و کتاب سے) ہٹ نہ سکیں گے، جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھا نہ جائے، اس سے پوچھا جائے گا کہ اس نے مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔عمر کہاں گزاری، جوانی میں کیا کرتا رہا اور علم پہ کس قدر عمل کیا۔'' (ترمذی کتاب القیامہ باب ۱)

اس آیت سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) حصول رزق کے لئے دوڑ دھوپ خلاف توکل نہیں:

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ط میں تلاش رزق کا حکم ہے۔گویا رزق دینے والا اللہ ہے، مگر رزق ڈھونڈنا انسان کا کام ہے۔توانسان پہ لازم ہے کہ اپنا رزق ڈھونڈے، مگر حلال طریقہ سے ڈھونڈے، حرام سے نہیں۔ اگر حرام طریقہ سے تلاش کرے گا تو بھی وہی ملے گا جو اس کے لیے لکھا ہوا ہے، اس سے زائد نہیں مل سکتا۔تو پھر حرام کی طرف جانا سراسر حماقت ہے۔

(2) پاسپورٹ کے لئے تصویر سازی کی اجازت:

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا میں جب زمین میں چل پھر کر رزق ڈھونڈنا اللہ کا حکم ہے تو آج ساری دنیا میں سفری ضرورت کے طور پر پاسپورٹ کا ہونا لازم قرار دیا گیا ہے۔لہٰذا دورِ حاضر میں فقہاء نے سفری ضرورت کے لئے پاسپورٹ بنوانا اور اس کے لئے اپنی تصویر کھنچوانا بامر مجبوری جائز قرار دیا ہے، کیونکہ الضرورات تبیح المحضورات۔ البتہ اس سے ہٹ کر اخباری اشتہاری تصاویر کا کوئی جواز نہیں۔ اس کی حرمت پر ہم صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ (غافر، ۶۴) اور (تغابن، ۳) کے تحت مفصل کلام کر آئے ہیں۔

(3) بھوک ہڑتال (Hunger Strike) جائز نہیں ہے:

اللہ تعالیٰ نے كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ فرمایا ہے۔معلوم ہوا اس قدر کھانا فرض ہے کہ جان بچائی جا سکے۔اور عبادت کی ادائیگی میں خلل نہ آئے۔لہٰذا یوں بھوکا رہنا کہ جان پہ بن جائے، جائز نہیں ہے۔آج کل لوگوں نے سیاسی دکانیں چمکانے کے لیے

بھوک ہڑتال کا طریقہ اپنایا ہوا ہے، اپنے حقوق کی خاطر جدوجہد کرنی چاہیے، مگر غیر شرعی طریقہ کا اپنانا جائز نہیں ہے۔

[8] یعنی اے منکرو اور اے نافرمانو! کیا تم اللہ کی زمین پہ چلتے ہوئے اس بات سے بے خوف ہو کہ اگر اللہ چاہے تو تمہیں زمین میں دھنسا دے، جیسے اللہ نے قارون کو اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تھا (فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ قصص 81 کے تحت ہم اس کا مفصل بیان لکھ آئے ہیں) اسی لئے تو زمین دہلتی ہے یعنی زمین میں زلزلے آتے ہیں تا کہ تمہیں خبردار کریں کہ اللہ جب چاہے زمین کو حکم دے تو وہ پھٹ جائے اور تم اس میں اُتر جاؤ۔ اور اے منکرو اور اللہ کے نافرمانو! کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ اگر اللہ چاہے تو تم پر پتھروں والی طوفانی ہوا بھیج دے، تب تم جان لوگے کہ اللہ کا ڈرانا کیسا تھا۔ جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے گئے تھے تو تمہیں چاہیے کہ گزشتہ منکر قوموں کے عذابات سے عبرت حاصل کرو۔ اس جگہ مَّنْ فِي السَّمَآءِ کا یہ معنی ہے کہ وہ اللہ جس کی آسمان میں حکومت ہے، یعنی اصل عبارت یوں ہے مَنْ حُكْمُهٗ فِي السمآءِ، کیونکہ اللہ آسمان میں مقید نہیں ہے نہ ہی وہ کوئی جسم ہے کہ کسی خاص جگہ مقید ہو۔

یاد رہے کہ اللہ رب العزت کی حکومت تو ساری کائنات میں ہے، مگر صرف آسمان کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ آسمان کی عظمت انسان کے دل میں جاگزیں ہے اور آسمان میں اللہ کی حکومت بتانے کا یہ معنی ہے کہ ہر جگہ اسی کی حکومت ہے۔

[9] انسان کو پرندوں میں غور کرنا چاہیے کہ وہ اپنے پروں کو ہوا میں پھیلاتے اور سمیٹتے ہوئے اُڑتے چلے جاتے ہیں انہیں ہوا میں اللہ کے سوا کس نے روکا ہوا ہے، آخر زمین پر چلنے والے جانور اور انسان ہوا میں کیوں نہیں اُڑ سکتے؟ اس کا یہی جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس مخلوق کو جیسا چاہا بنا دیا۔ لہٰذا وہی عبادت کا مستحق ہے اسے چھوڑ کر جانوروں، پتھروں اور دیگر مخلوقات کی عبادت کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور یہ جو انسان ہوائی جہاز کے ذریعے ہوا میں اُڑتا ہے، تو یہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ہے کیونکہ اللہ ہی نے انسان کو یہ علم دیا کہ وہ جہاز بنا کر ہوا میں اُڑائے۔ اور اللہ جب چاہے تیز ہوا کے ذریعے جہازوں کو زمین پہ پٹخ دے، ہر وقت اسکی پکڑ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

[10] یعنی اے اللہ سے سرکشی کرنے والے انسانو! اگر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینا چاہے تو تمہارا کون سا لشکر ہے جو تمہیں خدائے رحمان کے مقابلہ میں بچانے آئے، مگر وہ رحمان ہے اس لئے تمہاری سرکشی کے باوجود تم پر دنیا میں عذاب نہیں ڈالتا۔ تو کفار دھوکے میں مبتلا ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ان کے جھوٹے خدا انہیں اللہ کے مقابلہ میں بچا سکتے ہیں۔ اور اگر اللہ تمہارا رزق روک لے یعنی آسمان سے بارش کا برسانا بند کر دے اور زمین سے کوئی چیز نہ اُگائے تو تمہیں اللہ کے سوا کون رزق دے سکتا ہے؟ اس لئے کفار سرکشی و نافرمانی میں بہت بڑھ گئے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے جھوٹے خدا انہیں اللہ کے مقابلہ میں بچا بھی سکتے ہیں کھلا بھی سکتے ہیں، یا یہ معنی ہے کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے سوا انہیں کوئی کھلا نہیں سکتا، تو پھر اللہ کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پرستش کر کے وہ بہت بڑی نافرمانی و سرکشی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِۦٓ أَهْدَىٰٓ أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَٰطٍ

تو جو شخص اپنے منہ کو اوندھا کئے چلتا ہے، کیا وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو سیدھے راستے پر

مُّسْتَقِيمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ

سیدھا چلتا ہے [11] آپ فرمائیں کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان، آنکھیں

وَٱلْأَفْـِٔدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ ٱلَّذِى ذَرَأَكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ

اور دل بنائے، تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔ آپ فرما دیں کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا

وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا ٱلْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿۲۵﴾

اور اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے [12] کفار کہتے ہیں (اے مومنو) اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ) یہ وعدہ کب آئے گا۔

قُلْ إِنَّمَا ٱلْعِلْمُ عِندَ ٱللَّهِ وَإِنَّمَآ أَنَا۠ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً

آپ فرما دیں کہ (اسکا) علم تو اللہ کے پاس ہے۔ اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں۔ پھر جب کفار جہنم کو قریب تر دیکھیں گے

سِيٓـَٔتْ وُجُوهُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَقِيلَ هَٰذَا ٱلَّذِى كُنتُم بِهِۦ تَدَّعُونَ ﴿۲۷﴾

تو کفار کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کے بارے میں تم جھوٹے دعوے کرتے تھے [13]

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِىَ ٱللَّهُ وَمَن مَّعِىَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَن يُجِيرُ

آپ فرما دیں کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے

ٱلْكَٰفِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ ٱلرَّحْمَٰنُ ءَامَنَّا بِهِۦ وَعَلَيْهِ

تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا [14] آپ فرما دیں کہ وہی رحمٰن ہے ہم جس پر ایمان لائے اور اسی پر ہم نے

تَوَكَّلْنَا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ

بھروسہ کیا ہے۔ تو جلد تم جان لوگے کہ کون کھلی گمراہی میں ہے۔ آپ فرمائیں کہ تمہارا کیا خیال ہے، اگر تمہارا پانی نیچے اتر جائے

ع ٢

اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝٣٠

تو کون ہے جو تمہارے پاس (زمین میں سے) پھوٹتا ہوا پانی لے آئے؟[15]

[11] یعنی ایک شخص منہ جھکائے ٹھوڑی سینے سے لگائے چل رہا ہے اسے راستہ نظر نہیں آتا، وہ سیدھے راستے سے کبھی دائیں ہٹ جاتا ہے کبھی بائیں، دوسرا شخص سر اٹھا کر راستہ دیکھ کر سیدھا جا رہا ہے، بتاؤ کون ہدایت یافتہ ہے یعنی کون منزل پہ پہنچنے والا ہے۔ اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ کافر سیدھا راستہ دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا وہ قصداً اس سے نظریں چراتا ہے، اس لئے وہ دائیں بائیں بھٹکتا ہے اور مومن اللہ ورسول کے بتائے ہوئے راستہ کو دیکھ کر اس پر سیدھا چلتا ہے، وہ پست نفسانی خواہشات کی طرف نظریں نہیں جھکاتا بلکہ منزل پہ نظر رکھتا ہے۔

[12] اللہ تعالیٰ نے تمہیں انسان پیدا کیا اور تمہیں سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں بخشیں، اگر تم ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہو تو کبھی نہیں کر سکتے (کان کا شکر یہ ہے اس سے کلام حق سنا جائے اور کان کو غیبت، گمراہی کی باتوں اور گندے گانوں کے سننے سے بچایا جائے۔ آنکھ کا شکر یہ ہے کہ اسے گناہ کی باتوں کی طرف اُٹھنے سے بچایا جائے اور زیارت قرآن، زیارت صالحین اور زیارت والدین وغیرہ میں صرف کیا جائے۔ اور دل کا شکر یہ ہے کہ اس میں خوف خدا وحب مصطفی ﷺ بھرا جائے اور نافرمانی کے خیالات سے پاک رکھا جائے۔ یعنی سماعت وبصارت اور دل اللہ کی وہ نعمتیں ہیں کہ اگر تم ساری زندگی سجدے میں گرے رہو، تو بھی کم ہے پھر تم کس قدر تھوڑا شکر ادا کرتے ہو۔ اللہ ہی نے تمہیں زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم زمین سے اُٹھائے جاؤ گے یعنی وہ تم سے حساب لے گا کہ تم نے اس کی نعمتوں کا کس قدر شکر ادا کیا۔

تو یہ انسان کی کس قدر غفلت و نادانی ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ تو اٹھاتا ہے، مگر اسے رب نہیں مانتا اس کے رسول سے انکار کرتا ہے، اس کی نازل کردہ کتاب کو جھٹلاتا ہے یا اس کے احکامات پہ عمل نہیں کرتا۔ وہ اس کی زمین پہ اس کا رزق کھاتا ہے، مگر اس کے حضور زمین پہ سجدہ نہیں کرتا، تو کس قدر ناشکرا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے تھے اے بے نماز انسان! اگر تم اللہ کی زمین پہ پیشانی نہیں رکھ سکتے، تو تمہیں اللہ کی زمین سے اپنے قدم بھی اٹھا لینے چاہیں۔

[13] کفار کہتے تھے کہ اے مسلمانو! جس قیامت کا تم ہم سے وعدہ کرتے اور اس سے ہمیں ڈراتے ہو وہ کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ! آپ ان سے فرما دیں کہ درحقیقت قیامت کا علم تو اللہ کے پاس ہے اور میرا کام کھلے طور پر ڈرانا ہے، لہٰذا تم مجھ سے وہ چیزیں پوچھا کرو جن پر تمہاری نجات موقوف ہے، قیامت کب آئے گی اس سے تمہیں کوئی سروکار نہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب روز قیامت کفار جہنم کو قریب تر دیکھیں گے تو ان کے چہرے شرمندگی اور خوف سے بگڑ جائیں گے۔ تب ان سے کہا جائے گا کہ یہ قیامت کا دن ہے اور یہ قیامت کا عذاب ہے

جس کے بارے میں تم دعوے کرتے تھے کہ یہ سب جھوٹ ہے کوئی قیامت نہیں اور کوئی قیامت کا عذاب نہیں۔

[14] حضور سرور کونین ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب قرآن کی وہ آیات پڑھتے جن میں بتوں کی بے بسی و بے توقیری بیان کی گئی ہے تو بت پرست مشرکین ہدایت پکڑنے کی بجائے تمنا کرتے کہ کاش یہ لوگ مر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ! آپ ان کفار سے فرما دیں اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو دنیا سے اٹھالے یا ہم پر رحم فرما کر ہمیں لمبی عمر دے دے، تو اس سے کفار کے عذاب میں کیا کمی آسکتی ہے؟ انہیں دردناک عذاب سے کون بچا سکتا ہے؟ لہٰذا انہیں ہماری ہلاکت کی دعا کرنے کی بجائے ہدایت کا راستہ اپنانا چاہیے۔

[15] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ! آپ فرما دیں کہ اے منکرو! ہم تو خدائے رحمان پر ایمان اور بھروسہ رکھتے ہیں، تو عنقریب مرنے کے بعد تم جان لو گے کہ کون ہدایت پر ہے اور کون کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔ اور اے منکرو! جو کسی خدا پر یقین نہیں رکھتے ہو یا جو اللہ کے ساتھ جھوٹے خداؤں کو ملاتے ہو، یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تمہاری زمین کا پانی نیچے اُتار دے اور گہرا کر دے تو کون ہے جو تمہیں زمین سے بہتا ہوا پانی نکال کر دے؟

یاد رہے کہ دراصل زمین میں پانی کی ایک تہہ ہے جو سطح زمین سے چند گز نیچے اللہ تعالیٰ نے بچھائی ہے اور اسے بارشوں کے ذریعے بھرا جاتا ہے۔ اس تہہ سے چشموں کنوؤں اور نلکوں وغیرہ میں پانی آتا ہے، اگر اللہ اس آبی تہہ کو گہرا کر دے تو اللہ کے سوا کون ہے جو اسے قریب لائے اور زمین سے بہتا ہوا پانی نکال سکے؟ پھر انسان کس بل بوتے پر اللہ کی ذات سے انکار کرتا یا اس کی زمین پہ رہ کر اس کے احکامات سے سرتابی کا مرتکب ہوتا ہے؟

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک فلسفی نے یہ آیت سنی: اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا الخ کہ اگر تمہارا پانی گہرا ہو جائے تو تمہیں بہتا ہوا پانی کون لا کر دے سکتا ہے۔ اس نے کہا ہم آلات کے ذریعے زمین کو کھود کر اس سے بہر حال پانی نکال سکتے ہیں، وہ رات کو سویا تو خواب میں کسی نے اسے زوردار طمانچہ رسید کیا اور اس کی بینائی جاتی رہی اور غیب سے آواز آئی۔

گفت ہاں زین چشمۂ چشم اے شقی ... با تبر نورے برآر ار صادقی

یعنی کسی نے کہا: اے بدبخت! اگر تم سچے ہو تو کسی تبر (آلہ) سے اس آنکھ کے چشمے کا پانی ہی واپس لا کر دکھاؤ۔
الغرض انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجالاتے رہنا چاہیے۔

الحمدللہ آج 5 ذی قعدہ 1429ھ مطابق 7 نومبر 2008ء بروز جمعۃ المبارک سورہ ملک کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورۃ القلم

سورۃ القلم ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 68 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآنِ مجید کی دوسری سورت ہے، جو سورۂ علق کے بعد نازل ہوئی۔ (الاتقان فی علوم القرآن جلد اول صفحہ ۲۹)

یہ مکمل مکی سورت ہے چونکہ یہ نٓ وَالْقَلَمِ سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ القلم کہا گیا، اسی لئے اسے سورہ نون بھی کہتے ہیں۔ اس میں 2 رکوعات، 52 آیات، 300 کلمات اور 1458 حروف ہیں۔

مضامین

سورۃ القلم کے پہلے رکوع میں رسول اللہ ﷺ کی طرف کفار کے نسبت جنون کرنے کی نفی کی گئی، پھر آپ کا خلق عظیم بیان کیا گیا اور آپ کی شان میں گستاخی کرنے والے ولید بن مغیرہ کے دس عیوب گنوائے گئے اور ایسے گستاخوں کا جہنم میں مقام بتایا گیا۔ پھر ایک باغ والے تین بھائیوں کا ذکر کیا گیا، جن کی کنجوسی اور بخل نے ان کے باغ کو اُجاڑ دیا۔ مگر جب انہوں نے سچی توبہ کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دنیا دوبارہ آباد کر دی۔

جبکہ دوسرے رکوع میں کفار کو جھنجھوڑنے کے لیے ان سے چند تیکھے سوال کیے گئے اور اس ضمن میں نماز با جماعت کی اہمیت بیان کی گئی۔ اس کے علاوہ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ کس طرح انہوں نے اللہ رب العزت سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکلیف کو دور فرمایا۔ اور آخر میں وہ بات بتائی گئی جب کفار مکہ نے حضور سرورِ کونین ﷺ کو نظر بد کے ذریعہ نقصان پہنچانا چاہا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتها ٥٢ ٦٨ سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ٢ رکوعاتها ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝١ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢ وَاِنَّ

نون [1] قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں [2] آپ اپنے رب کی نعمت کے صدقے مجنون نہیں ہیں [3] اور بے شک

لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝٣

آپ کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے [4]

عظمت و اخلاق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور منکرین رسالت پر خدائی پکڑ

[1] یہ نٓ حروف مقطعات میں سے ہے جیسے صٓ اور قٓ ہیں، کیونکہ چودہ حروف مقطعات میں سے ایک نون بھی ہے اور یہ نون قرآنِ مجید میں اسی جگہ ہے۔ یہ چودہ حروف اس جملہ میں جمع ہیں: نَصٌّ حَكِيْمٌ قَاطِعٌ لَهٗ سِرٌّ۔ (خدائے دانا کی نص قطعی ہے اس میں راز ہے) ان میں پہلا حرف نون ہے۔

مچھلی پہ کھڑے بیل کے سینگوں پہ زمین کا کھڑا ہونا من گھڑت فسانہ ہے

بعض مفسرین نے نون کو یہاں حروفِ مقطعات میں سے شمار کرنے کی بجائے مستقل کلمہ (بمعنی مچھلی) قرار دیا ہے جیسے حضرت یونس علیہ السلام کو قرآن میں ذَا النُّوْنِ مچھلی والا کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔ (انبیاء، ٨٧) پھر انہوں نے یہاں مچھلی سے وہ مفروضہ مچھلی مراد لی ہے جس پر ان کے بقول بیل کھڑا ہے اور بیل کے سینگوں پر زمین کھڑی ہے، مگر یہ سب فسانہ من گھڑت اور اسرائیلیات میں سے ہے۔

رہا جو حدیث مبارکہ میں ہے کہ اہل جنت کا پہلا کھانا مچھلی کا کلیجہ ہوگا۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب احادیث ٣٣٢٩)
اور اس کے بعد انہیں جنت کا بیل کھلایا جائے گا۔ (مسلم کتاب الحیض حدیث ٣٤)

تو اس مچھلی یا بیل کا اس تصوراتی مچھلی یا بیل سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس سے مطلقاً مچھلی یا بیل کا گوشت مراد ہے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ کے الفاظ میں فزیادۃ کبد النون اور ثور الجنۃ ہے۔ اس میں کسی خاص مچھلی یا بیل کی طرف

اشارہ نہیں ہے۔ القصہ نٓ یہاں حروف مقطعات میں سے ہے اور اس سے کوئی مچھلی مراد نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو نٓ کی بجائے نون لکھا جاتا اور اس پر کوئی اعراب لکھا ہوتا یعنی نُونٌ یا نُونٍ وغیرہ ہوتا۔

بہر حال صحیح یہی ہے کہ نٓ حروفِ مقطعات میں سے ہے اور جس طرح دیگر حروف مقطعات ایک قول کے مطابق اسمآء الٰہیہ سے اشارے ہیں جیسے حٰمٓ میں حاء اللہ رب العزت کے اسماء حمیدٌ حکیمٌ اور حلیمٌ سے اور میم مؤمنٌ متکبّرٌ اور مصوّرٌ سے اشارہ ہے، یونہی نٓ یہاں اللہ تعالیٰ کے اسماء نصیرٌ، نورٌ اور نافعٌ سے اشارہ ہے۔

[2] قلم سے مطلقاً جنس قلم مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم یاد فرمائی۔ حکماء فرماتے ہیں دوات منہ ہے، قلم اس کی زبان ہے اور سیاہی اس زبان کی تھوک ہے جیسے گوشت کی زبان سے علم پھیلتا ہے، یونہی قلم کی زبان سے بھی علم پھیلتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵ ''اللہ وہ ہے جس نے قلم کے ذریعے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔'' (اقرأ، ۴)

اور وَمَا یَسْطُرُوْنَ سے وہ تمام انسانی تحریرات مراد ہیں، جو علم نافع پھیلاتی ہیں۔ دوسرے قول کے مطابق قلم سے وہ نوری قلم مراد ہے جس سے فرشتے لوح محفوظ پر مخلوق کی تقدیریں لکھتے ہیں۔ یعنی لکھی ہوئی تقدیر میں بحکم الٰہی کمی بیشی کرتے ہیں، ورنہ قلم نے سب کچھ پہلے ہی لکھ دیا تھا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو بنایا اور اسے فرمایا لکھ دے، تو اس نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، سب لکھ دیا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ قلم حدیث ۳۳۱۰)

[3] کفار مکہ نے حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے کہا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ ''اے وہ شخص جس پر ذکر اتارا گیا ہے تم مجنون ہو۔'' (حجر، ۶) اللہ رب العزت کو کفار کی یہ گستاخی گوارا نہ آئی اور اس کے جواب میں یہ آیات اتار کر پہلے قلم اور اس کی تحریر کی قسم اٹھائی، پھر فرمایا: اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ پر آپ کے رب کی جو بے حساب نعمتیں ہیں ان کے صدقے میں آپ مجنون نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے جنون کی نفی کے لئے قلم اور اس کی تحریر کی قسم اس لئے یاد فرمائی کہ قلم نے لوح محفوظ پر جو کچھ لکھا وہ سب اللہ نے آپ کے قلب اطہر پر بصورت قرآن نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَتَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ''قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے جس میں کوئی شک نہیں۔'' (یونس، ۳۷) اس لئے قلم کی قسم یاد کر کے گویا فرمایا گیا کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ تو لوح وقلم کے تمام علوم سے آگاہ ہیں، آپ کا جنون سے کیا واسطہ؟ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْیَا وَ ضَرَّتَهَا وَ مِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

اللہ جل شانہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جواب دیتا ہے

معلوم ہوا حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ کفار آپ کی بے ادبی کرتے ہیں، آپ خاموش رہتے ہیں اور آپ کا رب آپ کی طرف سے جواب دیتا ہے۔ کفار نے کہا آپ مجنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ جواب دیا کہ آپ مجنون نہیں ہیں، بلکہ آپ پر اللہ کی نعمتیں پیہم برس رہی ہیں۔ یونہی ابولہب نے آپ سے کہا: تَبًّا لَكَ. اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ. اسی طرح آپ کو کاہن کہا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ (طور، ٢٩) جبکہ پہلے انبیاء پر جو اعتراض ہوتا اسکا جواب وہ خود دیتے تھے، مگر آپ کی طرف سے آپ کا رب جواب دیتا ہے۔

[4] اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے اعلاء کلمۃ الحق کے لئے جو تبلیغ مساعی فرمائی ہیں اس کا اجر کبھی ختم نہ ہونے والا ہے۔ کیونکہ جب تک قرآن پڑھا جائے گا اور اس پر آپ کی امت عمل کرتی رہے گی، تب تک ان سب اعمال کا اجر آپ کو ملتا رہے گا۔ لہٰذا آپ کا جنون سے کیا تعلق ہے؟ مجنون شخص کے لئے تو کچھ بھی اجر نہیں ہے کیونکہ وہ مکلف ہی نہیں۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴿٤﴾
اور بے شک آپ عظیم خلق کے مالک ہیں[5]

[5] یعنی اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کفار آپ کو مجنون کہہ کر آپ کا دل دکھاتے ہیں اور آپ اس کے عوض ان کی ہدایت کی دعا فرماتے ہیں، کیونکہ آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: وانك لصاحبُ خلقٍ عظیم کہ آپ صاحب خلق عظیم ہیں بلکہ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ فرمایا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ خلق عظیم پر سوار ہیں، خلق عظیم آپ کی سواری ہے آپ اسے جدھر چاہیں موڑ دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق عظیم

یعنی خلق عظیم کوئی ایسا معیار نہیں جس کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیروی کریں، بلکہ ہر خلق آپ کی پیروی کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کریں یا کہیں وہی خلق عظیم ہے۔ آپ کے اسوۂ حسنہ سے ہٹ کر حسن خلق کا کوئی معیار نہیں، آپ کی سیرت کو اخلاق کے کسی معیار پر پرکھا نہ جائے گا، بلکہ تمام اخلاقیات کو آپ کی سیرت کے معیار پر پرکھا جائے گا: مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر، ٧) اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ. مجھے اسی لئے بھیجا گیا ہے تا کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کر دوں۔ (موطا امام مالک کتاب الخلق باب ٨)

یعنی آپ کی سیرت اخلاق سے مکمل نہیں ہوئی بلکہ آپ کی سیرت نے اخلاق کو مکمل کیا ہے۔

اور حضرت سعد بن ھشام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق

کیسا تھا؟ وہ فرمانے لگیں کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا ہاں پڑھتا ہوں، فرمایا: کان خلقه القرآن، قرآن ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق ہے۔ (مسلم کتاب المسافرین حدیث ۱۳۹)

اس جگہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کی چند جھلکیاں پیش کی جا رہی ہیں۔

حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے زیردستوں سے حسن سلوک

یاد رہے اگر کسی کا حسن خلق دیکھنا ہو تو یہ جاننا چاہیے کہ اس کا اپنے زیردست لوگوں سے کیسا معاملہ ہے؟ کیونکہ اپنے ہم پلہ یا اپنے قوی تر شخص سے ہر کوئی حسن سلوک رکھتا ہے اور یہ کوئی خوبی نہیں مجبوری ہے۔ خوبی یہ ہے کہ اپنے سے کمزور اور زیردست لوگوں سے حسن سلوک رکھا جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہیں، وہ فرماتے ہیں میں نے دس برس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی، واللہ! آپ نے مجھے کبھی اُف بھی نہ کہا، کبھی کسی کام پر یہ نہ فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا یا کیوں نہ کیا۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث ۵۱)

آدمی کی بیوی بھی اس کی زیردست ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج پاک سے جو رحیمانہ وشفیقانہ سلوک فرماتے تھے، وہ مثالی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں حالت حیض میں ہوتی، میں پانی پی کر برتن آپ کو دیتی تو آپ وہیں لب مبارک لگاتے جہاں میں نے لگائے تھے، میں ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتی پھر آپ کو پیش کرتی، تو آپ (میری دلجوئی کے لیے) وہیں لب لگاتے جہاں میں نے لگائے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الحیض حدیث ۱۴)

آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ دوڑ لگاتے کبھی میں آگے نکل جاتی کبھی آپ۔ (ابن ماجہ کتاب النکاح باب ۵۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک زوجہ کے گھر تشریف فرما تھے، دوسری زوجہ نے برتن میں کچھ کھانا بھیجا۔ گھر والی زوجہ نے غیرت کھائی اور خادم کے ہاتھ پر مارا جس سے وہ برتن گر کر ٹوٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اٹھ کر برتن کے ٹکڑے اور کھانا جمع کرنے لگے اور صرف یہ فرمایا کہ تمہاری ماں کو غیرت آ گئی ہے۔ پھر آپ نے گھر والی زوجہ کے ہاں سے دوسرا برتن اس زوجہ کو بھجوا دیا جس نے کھانا بھیجا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح باب ۱۰۸ حدیث ۵۲۲۵)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام لوگوں سے حسن سلوک

حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن خلق عام لوگوں سے بھی بے حد عظیم تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک عورت کے دماغ میں کچھ خرابی تھی (پاگل پن تھا) وہ کہنے لگی مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم مدینہ کی جس گلی میں مجھے بٹھا لو گی میں بیٹھ کر تمہاری بات سنوں گا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس بیٹھ گئے اور وہ جب تک (پاگل پن کی) باتیں کرتی رہی، آپ اس کے پاس بیٹھے رہے۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث ۷۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ کی بچیوں میں سے کوئی بچی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جدھر چاہتی

لے جاتی۔ (بخاری) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے مصافحہ فرماتے تو جب تک وہ اپنا ہاتھ نہ کھینچتا، آپ بھی اپنا ہاتھ نہ کھینچتے اور نہ چہرہ پھیرتے اور آپ اپنے کسی ہمنشین کے آگے پاؤں نہ پھیلاتے۔
(ترمذی کتاب القیامہ باب ۴۶)

حضور رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عفوودرگزر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیا۔ احد میں آپ کے دندان مبارک زخمی کئے گئے، آپ کے لب ہائے نازک سے خون بہا اور آپ کے کپڑے رنگین ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی کہ آپ کفار کے خلاف بددعا کریں آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا نہیں، رحمت کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔ پھر فرمایا: اے اللہ! میری قوم کو بخش دے وہ نہیں جانتے۔ (مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ مقصد ۳ فصل ۹)

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر اہم موقع پر تکلیف پہنچائی، اس نے آپ کو پریشان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اسی بدبخت نے آپ کی زوجہ مطہرہ طیبہ طاہرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ تہمت رکھ کر آپ کو شدید ایذاء دی، مگر جب وہ فوت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اسے اپنی قمیص میں کفن دیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آئندہ کسی کافر کا جنازہ پڑھنے سے منع فرما دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل سے متاثر ہو کر عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار افراد ایمان لے آئے۔

خیبر کے یہود نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے میں زہر ملا دیا، آپ نے ایک لقمہ کھا لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہی دی تو آپ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا، مگر آپ نے یہود سے کچھ انتقام نہ لیا اور انہیں معاف فرما دیا۔

آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفوودرگزر کا سب سے بڑا مظاہرہ فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ کفار مکہ کو آپ کے سامنے قطار میں کھڑا کیا گیا۔ آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے میں تم سے کیسا سلوک کروں گا؟ انہوں نے کہا آپ ہمارے سخی بھائی ہیں اور سخی بھائی کے بیٹے ہیں، آپ کرم فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا میں تم سے آج وہ سلوک کروں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا جاؤ آج تم سب آزاد ہو۔ رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عظیم حسن خلق دیکھ کر وہ سب ایمان لے آئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تواضع وانکسار

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تواضع بھی بے مثال ہے، آپ کو عبد نبی اور ملک نبی بننے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ملک نبی بننے کی بجائے عبد نبی بننا پسند فرمایا۔ آپ نے کبھی تکیہ لگا کر کھانا نہ کھایا، کیونکہ اس میں یک گونہ کبر ہے۔ آپ فرماتے تھے لوگو میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا۔ میں بس اللہ کا بندہ ہوں، تم یہ کہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ (بخاری حدیث ۳۴۴۵)

یہ حضور ﷺ کا تواضع تھا، ورنہ تعظیم کے لیے کھڑا ہونا فی نفسہ جائز ہے۔ اس میں علماء و مشائخ کے لیے درس عبرت ہے کہ ان کے دلوں میں یہ خواہش نہیں ہونی چاہیے کہ لوگ ان کے لیے کھڑے ہوں، مگر آج ہمارا حال اس کے برعکس ہے۔ آج بہت سے مشائخ ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کا مرید ان کو دیکھ کر بیٹھا رہے تو ممکن ہے وہ حلقہ ارادت ہی سے نکال دیا جائے۔

ایک بار سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بکری کا گوشت بنایا، کسی نے کہا میں اسے ذبح کروں گا، کسی نے کہا میں گوشت بناؤں گا، کسی نے کہا میں اسے پکاؤں گا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں ایندھن کے لئے لکڑیاں جمع کر کے لاؤں گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ کی جگہ کام کے لئے ہم موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں تم سے ممتاز بن کر نہیں رہنا چاہتا، اللہ تعالیٰ کو ایسا شخص پسند نہیں جو اپنے ساتھیوں میں ہر وقت ممتاز بن کر رہے۔ (مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۳۴۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب و معزز نہ تھا، مگر وہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ حضور ﷺ کو یہ چیز پسند نہ تھی۔ (شمائل ترمذی باب تواضع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۴)

جب خندق کھودی جارہی تھی تو آپ بھی لوگوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹوں پہ پتھر باندھے ہوئے تھے، تو دیکھا گیا کہ جانِ کائنات ﷺ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔

حضور ﷺ کا جود و کرم

بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور مختار دو جہاں ﷺ کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے آپ سے مال مانگا، آپ نے اسے اتنی بکریاں دیں کہ ان سے ایک وادی بھر گئی۔ وہ اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا، لوگو! محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ میں نے ان سے بڑا سخی کوئی نہیں دیکھا۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث ۸۵)

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے فتح حنین کے موقع پر بکریوں سے بھری وادی عطا فرما دی، وہ اسلام لے آئے اور کہنے لگے اتنی سخاوت کوئی نبی ہی کر سکتا ہے۔ (مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۳۶۸)

جب بحرین کا مال آیا تو مروی ہے کہ اس میں سے آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اتنا دیا کہ وہ اٹھا نہ سکے اور انہیں اس میں سے تین بار کم کرنا پڑا۔ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۴۲)

اتنی عظیم سخاوت کرنے والے رسول کا گھریلو ماحول یہ تھا کہ بسا اوقات آپ کی ازواج کے گھروں میں ایک ماہ تک کھانا نہ پکتا تھا، صرف کھجور اور پانی کے ساتھ وقت گزرتا تھا۔ آپ کی بیٹی نے غلام مانگا تو آپ نے اسے تسبیح و تہلیل و تحمید کا وظیفہ سکھا دیا، کیونکہ آپ کو اپنے اہل بیت کے لئے مال پسند نہ تھا۔

رسول پاک ﷺ کا جود و کرم صرف یہی نہیں کہ آپ نے مال لٹایا، بلکہ اس سے بڑا جود و کرم یہ ہے کہ آپ مصیبت زدہ لوگوں کا دکھ بانٹتے ہیں، آپ کے پاس کوئی بیمار آتا ہے تو شفا لے کر جاتا ہے، جاہل آتا ہے تو علم لے کر جاتا ہے، کافر آتا ہے تو ایمان لے کر جاتا ہے، گناہ گار آتا ہے تو بخشش لے کر جاتا ہے۔ آپ آج بھی اپنے روضہ انور میں بیٹھے شفاعت

کی دولت لٹا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴿۶۴﴾ ''اور جب لوگ اپنی جانوں پہ ظلم کرلیں تو آپ کے پاس آ جائیں تو اللہ سے بخشش مانگیں اور رسول اللہ ﷺ ان کے لیے بخشش کی دعا کر دیں، تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا پائیں گے۔'' (نساء، ۶۴)

اور روز قیامت تو آپ ﷺ کے جود و کرم کا حال ہی نرالا ہوگا۔

حضور ﷺ کی شجاعت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار مدینہ شریف میں رات کے وقت خوفناک آواز آئی۔ لوگ آواز کی طرف گئے، دیکھا کہ حضور ﷺ ادھر سے ہی واپس آ رہے ہیں، تلوار آپ کی گردن شریف میں لٹک رہی تھی اور آپ گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ فرما رہے تھے گھبراؤ نہیں کچھ نہیں ہوا۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ۲۴)

گویا آقائے دو جہاں ﷺ بڑے سے بڑے خطرے کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے اور اکیلے ہی اس کی طرف سب سے پہلے چل پڑتے تھے۔ اسی لئے آپ نے سترہ غزوات میں اسلامی لشکر کی قیادت فرمائی، آپ ہر بار اپنے سے کئی گناہ طاقتور لشکروں کے مقابلہ میں اُترے اور فتح سے ہمکنار ہوئے۔ جنگ حنین میں وہ وقت بھی آیا کہ کچھ دیر کے لئے سب لشکر اسلامی منتشر ہو گیا، حضور ﷺ اکیلے رہ گئے، آپ اس وقت تلوار لہرا کر فرما رہے تھے: انا النبیُّ لا کذب انا ابن عبد المطلب یعنی میں سچا نبی ہوں جس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبد المطلب کا (بہادر) بیٹا ہوں۔

(بخاری کتاب المغازی باب ۵۴)

حضور سید کائنات ﷺ کی حیاء

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیا والے تھے جو پردے میں بیٹھی ہو۔ (بخاری کتاب المناقب باب ۲۳)

آپ ﷺ کی حیاء پر قرآن میں مذکورہ واقعہ بھی گواہ ہے، جب حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر آپ نے دعوت ولیمہ فرمائی لوگ کھانا کھا کر چلے گئے، مگر کچھ لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ان کے بیٹھے رہنے سے آپ کو تکلیف ہوئی، مگر آپ نے انہیں اٹھنے کو نہ کہا اور تکلیف گوارا کرتے رہے۔ اس موقع پر اللہ رب العزت نے یہ آیت اتاری کہ ''اے مومنو! نبی ﷺ کے گھر میں بے اجازت نہ جاؤ، نہ وہاں کھانے کا انتظار کرو اور جب کھا چکو تو فوراً وہاں سے چل دو، گفتگو لے کر نہ بیٹھ جاؤ یہ چیز نبی ﷺ کو تکلیف دیتی ہے، مگر وہ تم سے حیاء رکھتے ہیں اور اللہ حق کہنے سے حیاء نہیں رکھتا۔'' (احزاب، ۵۳) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کبھی آپ کی جائے ستر نہ

دیکھی نہ آپ نے میری جائے ستر دیکھی۔ (شمائل ترمذی باب حیاء النبی ﷺ)

حضور سید عالم ﷺ کا زہد

زہد کا معنی دنیا سے بے رغبتی ہے، آپ ﷺ کو اسباب دنیا سے قطعی سروکار نہ تھا، آپ کی ازواج مطہرات نے آپ سے اسباب دنیا منجملہ زیور وغیرہ کا مطالبہ کیا، تو وہ اللہ و رسول کو پسند نہ آیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے پیارے نبی ﷺ! آپ اپنی ازواج سے فرمادیں اگر تم حیات دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو، تو آؤ میں تمہیں متاع دنیا دے کر اپنے نکاح سے بہتر طریقہ کے ساتھ آزاد کردوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور دار آخرت چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکوکاروں کے لئے اجر عظیم تیار کیا ہے۔'' (احزاب، ۲۸) چنانچہ تمام ازواج پاک نے دنیا ترک کر کے آپ کی سنگت اختیار کرلی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ چٹائی پر سوتے تو آپ کے جسم مبارک پر اس کے نشانات پڑ جاتے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم آپ کے لئے نرم بستر بچھادیں؟ آپ نے فرمایا میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میں دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں جس نے درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام کیا، پھر وہاں سے چل پڑا۔ (ترمذی کتاب الزہد حدیث ۲۳۷۷)

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے یا اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ مسکینی میں موت دے اور روز قیامت زمرۂ مساکین میں اٹھا۔ (ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۱۷)

آپ ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھ پر تین راتیں یوں آئیں کہ اس میں سے میرے پاس کچھ بھی باقی ہو۔ (صحیح بخاری کتاب التمنی باب ۲)

یاد رکھنا چاہیے کریم آقا ﷺ کا یہ زہد وفقر اختیاری تھا۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک انصاری عورت نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا بستر ایک دوہری چادر ہے بس، تو اس نے آپ کے لیے صوف سے بھرا ایک اچھا لحاف بھیج دیا۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا اسے واپس بھیج دو، میں نے واپس نہ کیا مجھے وہ اچھا لگ رہا تھا۔ آپ نے مجھے تین بار یہ حکم فرمایا اور آخری بار فرمایا: اے عائشہ! اسے واپس کردو، اللہ کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا دے۔ (شمائل الرسول لابن کثیر صفحہ ۱۰۲ باب زہدہ ﷺ مطبوعہ دار القبلہ جدہ)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پہ مرض وصال طاری ہوا تو آپ نے مجھے سات دینار دیے اور حکم فرمایا کہ انہیں تقسیم کردوں۔ مجھے آپ کی بیماری نے ایسا مشغول کیا کہ مجھے ان کا تقسیم کرنا یاد نہ رہا۔ آپ کو اللہ نے کچھ افاقہ دیا تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ ان دیناروں کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! آپ کی بیماری نے وہ مجھے بھلا دیے تھے۔ حضور ﷺ نے وہ دینار منگوائے اور انہیں ہاتھ میں لے کر فرمایا، اللہ کے نبی کا کیا حال ہوگا اگر وہ اللہ

سے اس حال میں ملے کہ اس کے پاس یہ چیز ہو۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۹۸)

حضور رحمت کائنات ﷺ کا بچوں سے پیار

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نماز کو لمبا کرنا چاہتا ہوں، پھر مجھے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو نماز میں جلدی کرتا ہوں کیونکہ مجھے اس کی ماں کی تکلیف یاد آتی ہے۔ (بخاری کتاب الاذان باب ۶۵)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ کو بچوں کو چومتے دیکھا تو کہا ہم تو انہیں نہیں چومتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحمت کھینچ لی ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔

(بخاری کتاب الادب باب ۱۸)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے غلام زادے تھے، وہ مکی دور کے آخر میں پیدا ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کو ان سے والہانہ پیار تھا۔ آپ اپنے ایک ران پر حسنین کریمین رضی اللہ عنہما میں سے کسی کو بٹھاتے تو دوسرے پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو، کئی بار آپ ﷺ نے ان کا بہتا ناک اپنے دست مبارک سے صاف فرمایا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کی نظیر لانے سے اقوام عالم قاصر ہیں، تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اور ایک لاکھ سے زائد صحابہ زمین پر کھڑے تھے۔ پھر جب عرفات سے واپسی کا وقت آیا تو اسامہ نظر نہ آئے۔ آپ ﷺ نے ان کا انتظار کیا تمام صحابہ نے بھی انتظار کیا۔ جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے روانگی پکڑی، بعض اہل یمن نے کہا: کیا اس کالے غلام کے لئے اتنی دیر کی گئی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے سن کر فرمایا ایسی ہی باتوں کی وجہ سے اہل یمن اب تک کافر رہے ہیں۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد اول صفحہ ۵۷)

حضور ﷺ کا ایفاء عہد

آپ ﷺ نے کفار سے کئے ہوئے معاہدوں پر بھی سختی سے عمل کیا، خواہ اس میں بظاہر مسلمانوں کا نقصان تھا۔ مگر ایفاء عہد کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس نقصان کو نفع میں بدل دیا۔ پیچھے سورہ فتح کے تیسرے رکوع کے تحت ہم معاہدۂ حدیبیہ کی تفصیلات لکھ آئے ہیں۔ وہ اس پر دال ہیں۔ حضرت ابو الحماء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سودا کیا، یہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ میں نے کہا آپ یہیں ٹھہریں، میں ابھی رقم لے کر آتا ہوں، میں گھر جا کر بھول گیا۔ مجھے تین دن بعد یاد آیا میں واپس گیا تو حضور سید عالم ﷺ وہیں کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا: اے نوجوان! تم نے مجھے بڑی مشقت میں ڈال دیا، میں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

(الشفاء جلد اول صفحہ ۷۴ باب ۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت وامانت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے قبل بھی الصادق الامین کے لقب سے معروف تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر اس وقت 25 برس تھی، جب قریش نے کعبۃ اللہ کی تعمیر نو کی اور حجر اسود کو اس کی جگہ پر واپس رکھنے پر ان میں جھگڑا ہوا۔ پھر یہ اتفاق ہوا کہ کل جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے، وہ یہ سعادت حاصل کرے گا۔ اگلے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے قبل حرم میں داخل ہوئے سب کفار نے بیک آواز کہا ھٰذَا الْاَمِیْنُ مُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ امین محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۹۳ مطبوعہ بیروت)

غزوۂ بدر سے قبل اخنس بن شرق ابو جہل کو تنہائی میں لے گیا اور کہا مجھے سچ سچ بتاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچے ہیں یا جھوٹے؟ وہ کہنے لگا تمہاری بربادی ہو یہ کیسا سوال کیا ہے تم نے؟ واللہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صادق ہے اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ بات صرف یہ ہے کہ جب اس کے خاندان بنی قصی نے لوائ، سقایہ، حجابہ اور نبوت سارے مناصب سنبھال لئے تو باقی قریش کے پاس کیا رہ گیا؟ اس لئے ہم نے اس سے مخالفت کی، تو اس موقع پر یہ آیت اُتری، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴿۳۳﴾ ''کفار آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، بلکہ ظالم لوگ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔'' (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۴)

کفار مکہ شدید دشمنی کے باوجود اپنی امانتیں حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پاس رکھتے تھے۔ اسی لئے آپ نے ہجرت کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اہل مکہ کی امانتیں لوٹا کر میرے بعد چلے آنا (سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۱۴)۔ اے کاش! ہم مسلمان بھی اپنے آقا و مولیٰ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کو اپنا سکیں۔

فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۵﴾ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ

توعنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھیں گے کہ تم میں سے کون مجنون ہے۔ بے شک آپ کا رب اس شخص کو بہتر جانتا ہے جو

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا لَوْ

اس کے راستے سے بھٹک جائے اور وہ ہدایت والوں کو بھی خوب جانتا ہے [6] تو آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں۔ وہ چاہتے ہیں

تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۙ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ

کہ آپ انہیں ڈھیل دیں تو وہ ڈھیلے پڑیں۔ اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو زیادہ قسمیں اٹھانے والا، ذلیل، اشارہ باز،

بِنَمِيْمٍ ۙ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَنْ

چغل خوری میں مستعد، بھلائی کا روکنے والا، ظالم، بدکردار اور بداخلاق ہے اور اس کے علاوہ بے اصل ہے (اسے یہ گھمنڈ ہے)

كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾

کہ وہ مال و اولاد والا ہے۔ جب اس پر ہماری آیات پڑھی جائیں تو کہتا ہے یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

عنقریب ہم اس کی تھوتھنی بگاڑ دیں گے [7]

[6] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! کفار عذاب جہنم کو دیکھ کر یوں حواس کھو بیٹھیں گے جیسے نشے میں ہوں یعنی مجنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿۲﴾
''تم لوگوں کو نشے میں دیکھو گے مگر وہ نشے میں نہ ہوں گے، مگر اللہ کا عذاب سخت ہے۔'' (حج، ۲)

یعنی روز قیامت پتہ چل جائے گا کہ کون مجنون ہے، نبی اکرم ﷺ کو مجنون کہنے والے اس دن خود مجنون نظر آئیں گے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب و مقرب ہیں کہ جب کوئی بدبخت آپ سے بے ادبی و گستاخی کا ارتکاب کرے تو اللہ رب العزت آپ کا چاہنے والا آپ کی طرف سے اس گستاخ کو جواب دیتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کا رب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے ہمیشہ کے لئے بھٹک گیا ہے اور کون ہدایت پر آنے والا ہے۔ اس لیے اللہ کے ہاں کوئی حیلہ بہانا نہیں چل سکتا۔ اور روز قیامت انسان کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ دیا جائے گا اور نیت کا جاننے والا اللہ ہے جیسی نیت ہوگی ویسی وہ جزا دے گا۔

[7] ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ کفار مکہ نے حضور ﷺ سے کہا آپ ہمارے بتوں کی تردید چھوڑ دیں، اس کے عوض اگر آپ کو مال چاہیے تو ہم آپ کے قدموں میں سونے چاندی کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ سرداری چاہیے تو ہم آپ کو سارے عرب کا سردار بنا دیتے ہیں اور اگر کسی عورت سے شادی چاہیے تو ہم عرب کی کسی حسین ترین عورت سے آپ کی شادی کر دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج لا کر رکھ دو تو میں درس توحید اور ردشرک سے باز نہ آؤں گا، میں اللہ کا رسول ہوں مجھے کوئی مال سرداری یا عورت نہیں چاہئے۔ تب ولید بن مغیرہ نے کہا یہ شخص مجنون ہے، دنیا کی ساری نعمتیں ٹھکرا کر پورے عرب سے مخالفت مول لے رہا ہے۔ اس کے جواب میں سورہ قلم نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ اپنے رب کی نعمت کے صدقے مجنون نہیں ہیں، آپ کا اجر کبھی ختم نہ ہو گا، آپ صاحب خلق عظیم ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کفار کی بات نہ مانیں اور نہ ہی انہیں کچھ ڈھیل دیں۔

گستاخِ رسول ﷺ ولید بن مغیرہ کے مذمت میں نزولِ قرآن

پھر اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کی دس برائیاں گنوائیں۔ (1) وہ جھوٹی قسمیں اٹھاتا ہے، (2) ذلیل ہے، (3) اشارے باز ہے، (4) چغل خور ہے، (5) بھلائی سے روکنے والا ہے (درس توحید و ردشرک سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے)، (6) سرکش ہے، (7) مجرم ہے، (8) متکبر ہے، (9) سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بے اصل ہے، (10) اور جب اس کو قرآن کی آیات سنائی جائیں تو کہتا ہے یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

مروی ہے کہ جب حضور ﷺ نے یہ آیات پڑھیں تو ولید بن مغیرہ سمجھ گیا کہ یہ ساری اس کی برائیاں بتائی گئی ہیں کیونکہ اسی نے آپ کو مجنون کہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ باقی ساری برائیاں تو مجھ میں موجود ہیں، مگر یہ زنیم (بے اصل) کیا ہے میرا باپ تو معروف ہے، تاہم محمد (ﷺ) جھوٹ نہیں بولتے مجھے اس کی تحقیق کرنی چاہیے۔ وہ تلوار لے کر اپنی ماں کے سینے پر جا بیٹھا (بے اصل لوگ ایسا ہی کرتے ہیں) کہنے لگا بتاؤ میرا باپ کون ہے ورنہ میں تمہارا سر اُڑا دوں گا۔ وہ کہنے لگی اے ولید سنو! تمہارا باپ عورت کے قابل نہیں تھا، اس کے بھائی بھتیجے کافی تھے جو اس کی میراث پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ اس کی میراث باہر نہ جائے تو میں نے فلاں غلام سے بدکاری کروائی اور تم اس سے پیدا ہوئے۔ (روح البیان جلد ١٠ صفحہ ١١٢ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جب ولید کو اپنا حرام زادہ ہونا معلوم ہوا تو اس کی اسلام دشمنی بڑھ گئی اسے یہ خفت چین نہیں لینے دیتی تھی، تو وہ زندگی بھر اسلام دشمن رہا۔ آخر بدر میں فرشتوں نے اس کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ مگر یہ حیرت ناک حقیقت ہے کہ اسی ولید بن مغیرہ کے بیٹے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اللہ کی تلوار بن کر دنیائے کفر پر چمکے اور عرب کے ہزاروں مربع میل پر پرچم اسلام لہرا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا روز قیامت ہم ولید بن مغیرہ جیسے مکذبین کی تھوتھنی بگاڑ دیں گے۔ گویا روز قیامت کفار کی شکل بگاڑ کر ان کی ناک لمبی کر کے

ہاتھی جیسی سونڈ بنادی جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو انسانی شکل کا آگ میں جلانا پسند نہیں۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(1) گستاخ رسول کی اللہ رب العزت کے ہاں برائی:

دیکھیے ولید بن مغیرہ نے گستاخی کرتے ہوئے حضور سید عالم ﷺ کو معاذ اللہ مجنون کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مردود کی دس برائیاں گنوائیں اور اس کی حرام زادگی سے بھی پردہ اٹھا دیا۔ معلوم ہوا آپ کی گستاخی کرنا حرامیوں کا کام ہے۔

(2) زیادہ قسمیں اٹھانا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں:

ولا تطع کل حلافٍ میں ولید بن مغیرہ کی ایک برائی اس کا زیادہ قسمیں اٹھانا بھی بتائی گئی اور بلاشبہ جو قسمیں اٹھانے کا عادی ہو اس سے جھوٹی بات پر قسم اٹھانا بھی بعید نہیں اور یہ اللہ کے نام کی توہین ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹی قسم اٹھائی جائے۔

(3) غلط اشارے بازی کا گناہ:

هَمّازٍ کہہ کر غلط اشارے بازیوں کی برائی بتائی گئی۔ کئی لوگ ہاتھوں اور آنکھوں کیساتھ اور باتوں باتوں میں ایسے اشارے کرتے ہیں جس سے دوسروں کا دل دکھتا ہے، یہ چیزیں گناہ اور حرام کے زمرہ میں ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝١ ''ہر اشارے باز عیب گیر کے لئے بربادی ہے۔'' (ہمزہ،۱)

(4) غیبت کی برائی:

مشّآءٍ بنميمٍ۔ کہہ کر نمیمت (غیبت) کی برائی بتائی گئی اور دوسری جگہ غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ (حجرات،۱۲)

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَیَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِیْنَ ﴿۱۷﴾ لا

ہم نے انہیں اسی طرح آزمایا ہے جیسے ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا۔ جب انہوں نے باہم قسم اٹھائی کہ وہ صبح ہی صبح پھل کاٹ لیں گے۔

وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَیْهَا طَآىٕفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآىٕمُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور وہ ان شاء اللہ نہیں کہہ رہے تھے، تب اس باغ پر تمہارے رب کی طرف سے پھرنے والا (عذاب) پھر گیا اور وہ سوئے تھے۔

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِیْمِ ﴿۲۰﴾ لا فَتَنَادَوْا مُصْبِحِیْنَ ﴿۲۱﴾ لا اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ

تو وہ باغ کٹے ہوئے بھوسے کی طرح بن کر رہ گیا، چنانچہ انہوں نے ایک دوسرے کو صبح ہی صبح پکارا کہ اپنی کھیتی پر تڑکے ہی پہنچ چلو

اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِیْنَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ یَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ لا اَنْ لَّا یَدْخُلَنَّهَا

اگر تم نے پھل کاٹنا ہے۔ تو وہ چل پڑے اور وہ باہم سرگوشی کر رہے تھے کہ آج تمہارے پاس

الْیَوْمَ عَلَیْكُمْ مِّسْكِیْنٌ ﴿۲۴﴾ لا وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا

کوئی مسکین نہ آنے پائے اور وہ (بزعم خود) قادر بن کر صبح ہی چل پڑے ۔جب انہوں نے باغ کو دیکھا

قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ لا بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ

تو کہنے لگے ہم راستہ بھول گئے ہیں (پھر بولے) نہیں بلکہ ہم تو محروم ہیں۔ ان میں سے درمیانہ بولا: کیا میں نے تم سے

لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ

کہا نہ تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کہتے؟ کہنے لگے: ہمارے رب کے لیے پاکی ہے، بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ تب وہ

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِیْنَ ﴿۳۱﴾

ملامت کرتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے، کہنے لگے ہائے ہماری بربادی، ہم ہی سرکش تھے۔

عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ

قریب ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر باغ عطا فرمائے۔ ہم اپنے رب کی طرف رغبت لاتے ہیں۔ اسی طرح (دنیوی)
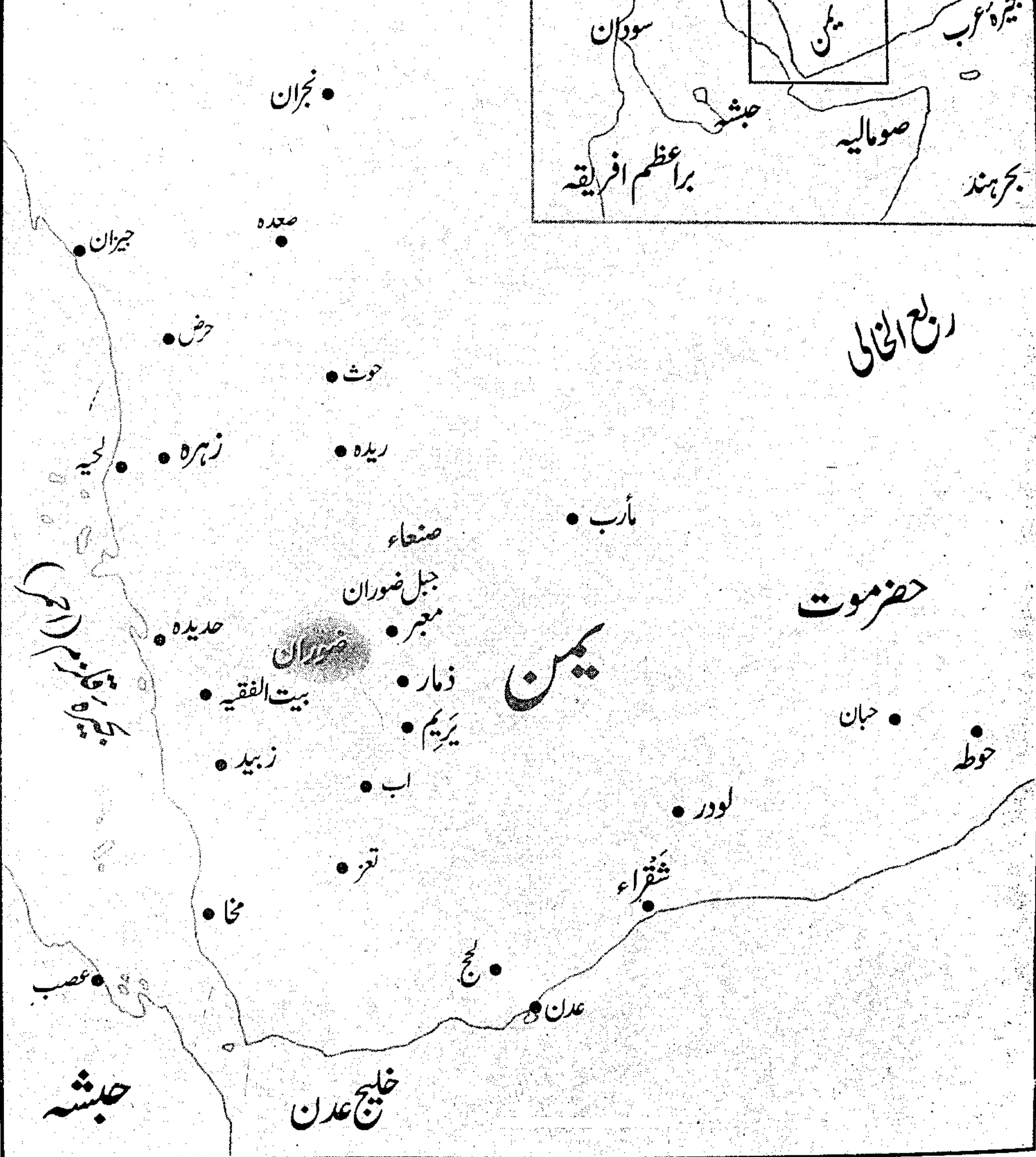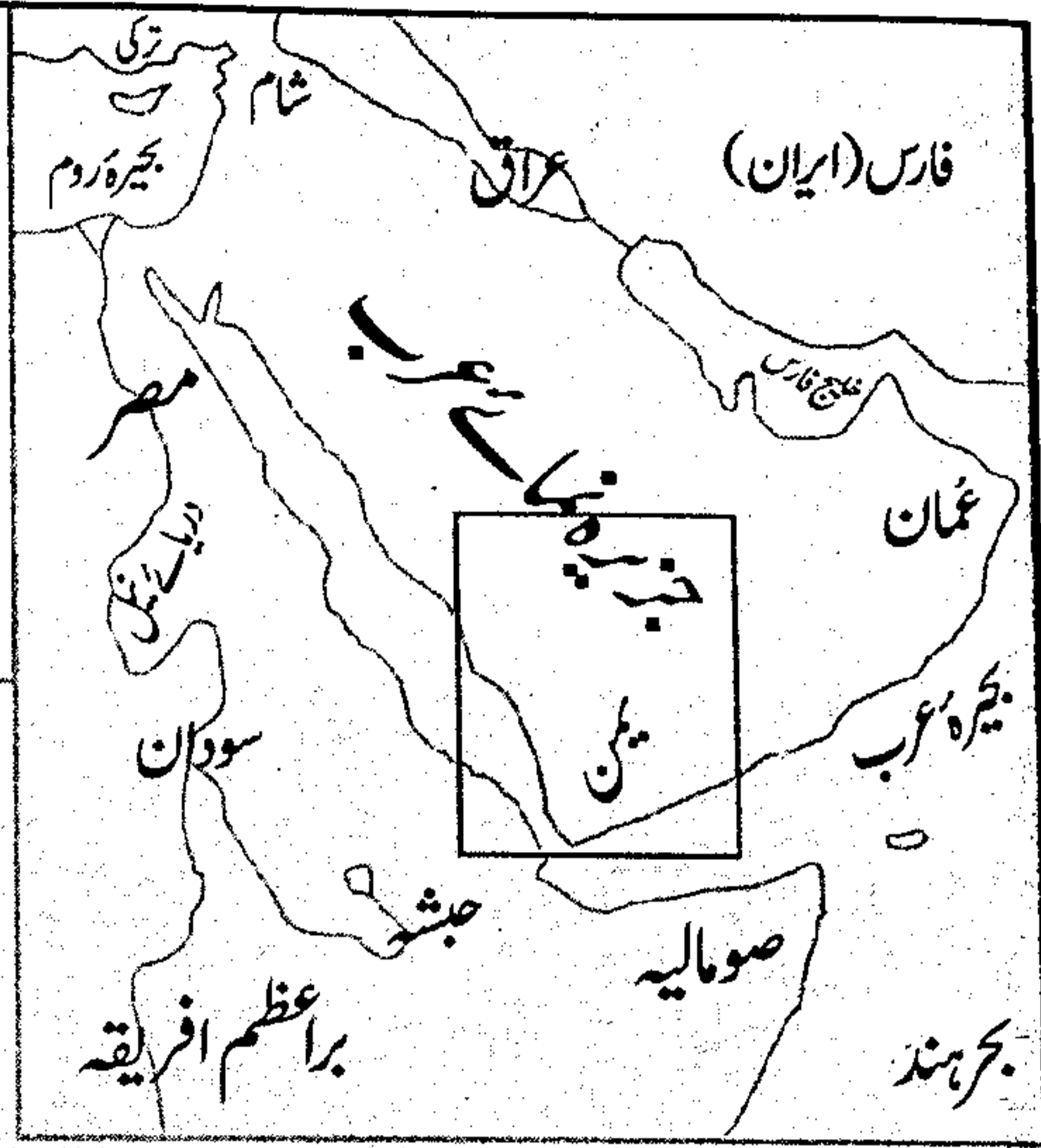
الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

عذاب ہے اور آخرت کا عذاب یقیناً اس سے بڑا ہے اگر وہ جانتے (تو ان کے لئے اچھا تھا)[8]

[8] یعنی کفارِ مکہ جو رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ مجنون کہہ کر ایذاء دیتے ہیں انہیں اللہ نے نعمتیں دیں، مگر وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے، جیسے ایک باغ والے تین بھائی مبتلا ہوئے۔ انہیں اللہ نے پھلوں سے لدا ہوا باغ دیا، جب پھل کٹنے کا وقت آیا تو انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ صبح ہی صبح جا کر پھل کاٹ لیں تا کہ کوئی مسکین مانگنے کے لئے نہ آ جائے، وہ ان شآء اللہ بھی نہیں کہہ رہے تھے۔ اللہ کو ان کا ارادہ پسند نہ آیا اور راتوں رات اس باغ کو عذاب کے ذریعے اُجاڑ دیا گیا۔ جب وہ صبح وہاں پہنچے تو انہیں باغ نظر نہ آیا، کہنے لگے ہم جگہ بھول گئے ہیں، مگر جگہ تو وہی تھی۔ تب وہ کہنے لگے نہیں ہم محروم ہو گئے۔ ان میں سے درمیان والے بھائی نے کہا: کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کہتے۔ تو وہ کہنے لگے اللہ کے لئے تسبیح ہے، ہم نے خود پر ظلم کیا۔ وہ خود کو ملامت کرتے ہوئے باہم متوجہ ہوئے، کہنے لگے ہم نے اللہ کے حکم سے سرکشی کی ہے، قریب ہے کہ ہماری توبہ کے صدقے اللہ ہم پر رحم کرے اور ہمیں اس سے اچھا باغ عطا فرمائے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا کا عذاب اسی طرح ہے جیسے ان باغ والوں پر آیا اور آخرت کا عذاب اس سے بہت بڑا ہے، اگر کافر لوگ جان لیں تو ان کے لئے اچھا ہے۔

باغ والے بھائیوں کے واقعہ کی کچھ تفصیل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان بھائیوں کی توبہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کو دوبارہ پُر بہار بنایا اور اس میں کثرت سے پھل لگے۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۱۵۷)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ باغ والے بستی ضوران میں رہتے تھے جو یمن کے دار الخلافہ صنعاء سے چھ میل دور ہے۔ ان کے باپ نے ان کے لئے وراثت میں ایک باغ چھوڑا تھا، وہ اہل کتاب تھے۔ ان کا باپ اس باغ میں سے سال بھر کا خرچہ نکال کر باقی سارا پھل راہِ خدا میں بانٹ دیتا تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کے بیٹوں نے کہا ہمارا باپ تو احمق تھا کہ سارا مال فقیروں کو دے دیتا تھا، اگر ہم فقیروں کو روک دیں تو ہمارا مال بڑھ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ارادے کی سزا دی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۴۳۴)

ان آیات سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) اللہ رب العزت دینے والوں کو دیتا ہے نہ دینے والوں کو نہیں:

باغ والوں کا باپ راہ خدا میں دیتا تھا تو اللہ رب العزت اس کے باغ میں کثرت سے پھل لاتا تھا۔ جب اس کے بعد اس کے بیٹوں نے راہِ خدا میں نہ دینے کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا باغ راتوں رات تباہ کر دیا۔ اسی لئے حدیث

مبارکہ میں ہے کہ ہر روز دو فرشتے زمین پر اُترتے ہیں، ایک دعا کرتا ہے اے اللہ! جو تیری راہ میں دیتا ہے تو اسے مزید دے، دوسرا دعا کرتا ہے اے اللہ! جو مال کو روکتا ہے تو اسے تباہی دے۔ (بخاری کتاب الزکوۃ حدیث ۱۴۴۲)

(2) توبہ سے مصائب ٹل جاتے ہیں:

باغ والوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا تباہ شدہ باغ دوبارہ پُر بہار کر دیا۔ مصیبت آنے پہ انسان کو ان باغ والوں کی طرح اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے اور گناہ سے باز آنا چاہیے۔

(3) اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کہنے کی فضیلت:

وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ سے معلوم ہوا ہر کام کا ارادہ کرنے سے قبل ان شاء اللہ کہنا چاہیے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ''تم کسی کام کے بارے میں نہ کہو کہ میں اسے کل کروں گا، مگر اس کے ساتھ ان شاء اللہ ضرور کہو۔'' (کہف، ۲۳)

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ

بے شک پرہیز گاروں کے لئے ان کے رب کے ہاں نعمتوں والے باغات ہیں [9] تو کیا ہم اطاعت گزاروں کو مجرموں کی طرح

كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ ۫ وقفة كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ

کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہے کیسا (بُرا) فیصلہ کرتے ہو؟ [10] کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں

تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ

تم پڑھتے ہو؟ کیا اس میں یہ لکھا ہے کہ تم جو چاہو وہی تمہارا حق ہے؟ [11] کیا تمہارے لئے ہم پر قیامت تک

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ

پہنچنے والے کوئی معاہدے ہیں کہ تم جو فیصلہ کر لو وہی چیز تمہاری ہے؟ آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس کا

زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾

ذمہ دار ہے؟ کیا ان کے پاس کوئی گواہ ہیں؟ تو اگر وہ سچے ہیں تو اپنے گواہ لائیں [12]

کفار پر اللہ کے چند سوالات اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سامان تشفی

[9] یاد رہے پرہیز گاری (تقویٰ) کا پہلا زینہ کفر سے بچ کر ایمان پر قائم رہنا ہے۔ اس لحاظ سے ہر مومن متقی ہے

کیونکہ وہ کفر سے بچتا ہے، تو ہر مومن جنتی باغات کا حقدار ہے اور اس کا آخری ٹھکانہ بہر حال جنت ہے۔ اس کا دوسرا زینہ فرائض کی پابندی اور حرام کاموں سے بچنا ہے اور تیسرا زینہ سنتِ نبویہ کی پیروی اور غیر مسنون کاموں سے بچنا ہے۔ تو جو شخص جتنے زینے طے کرے، اس کے لئے اسی قدر جنت کے باغات ہیں۔

[10] کفار کہتے تھے اگر قیامت قائم ہوئی تو ہم وہاں مسلمانوں سے افضل درجہ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اطاعت گزاروں اور مجرموں کو ایک جیسا کر دیں یعنی مؤمنین اطاعت گزار ہیں اور کفار مجرمین، تو کیسے ممکن ہے کہ دونوں کو جنت کا حقدار کر دیا جائے؟

[11] یعنی کیا کفار کے پاس اللہ کی طرف سے نازل کردہ کوئی کتاب ہے، جسے وہ پڑھتے ہیں۔ اور کیا اس میں لکھا ہے کہ کفار جو چیز پسند کرلیں، وہی ان کا حق ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا کفار نے ہم سے کوئی معاہدے کر رکھے ہیں جن کے تحت انہیں روز قیامت اختیار ہوگا کہ وہ جو چاہیں فیصلہ کرلیں اور اللہ کو انہیں ہر وہ چیز دینا پڑے گی جو وہ فیصلہ کرلیں؟

[12] اے پیارے محبوب ﷺ آپ کفار سے پوچھیں کہ اگر تمہارا اللہ سے کوئی معاہدہ ہے، تو تم میں سے اس کا ذمہ دار کون ہے یعنی کس نے اللہ سے وہ معاہدہ کیا ہے اور کیا اس معاہدہ کا کوئی گواہ بھی ہے؟ اگر کوئی گواہ ہے تو اسے پیش کرو۔ یہاں شرکاء بمعنی شھداء آء ہے۔ (خازن، بغوی، قرطبی، ابن کثیر)

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾
یاد کرو جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جائے گا، تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے،
خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ
ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی، ان پر ذلت سوار ہو گی، انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا
وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ
اور وہ تندرست ہوتے تھے (پھر بھی نماز کو نہ آتے تھے) [13] تو چھوڑ دو مجھے اور اس بات کے جھٹلانے والے کو (میں جانوں اور وہ جانیں)
مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾
ہم انہیں یوں غافل کر کے پکڑیں گے کہ وہ نہ جان سکیں گے۔ میں انہیں مہلت دیتا ہوں میری تدبیر بہت مضبوط ہے [14]

[13] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روز قیامت ہمارا رب اپنی پنڈلی کھولے گا، تو سب مومن مرد و عورت اس کے آگے سجدے میں گر جائیں گے، صرف وہ رہ جائیں گے جو دنیا میں

دکھاوے کے لئے سجدہ کرتے تھے۔ وہ سجدہ کرنا چاہیں گے، مگر ان کی پشت ایک تختے کی طرح سیدھی اکڑ جائے گی۔''
(بخاری کتاب التفسیر سورۃ قلم، حدیث ۴۹۱۹)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کے تحت فرمایا: يُكْشَفُ عن نورٍ عظيمٍ فيخرون له سُجّداً، یعنی ایک نور عظیم سے پردہ اُٹھایا جائے گا، تو وہ اس کے آگے سجدے میں گر جائیں گے۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۲ صفحہ ۱۹۹)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کے تحت یہ معنی مروی ہے کہ ایک عظیم الشان امر ظاہر ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ کے بارے میں فرماتے تھے کہ روز قیامت مومنین کو سجدے کا حکم ہوگا تو وہ سجدے میں گر جائیں گے، مگر منافقوں کی پشت اکڑ جائے گی اور إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ کی تفسیر پانچ نمازوں کی حاضری ہے۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۵۶)

اللہ رب العزت کے لیے اپنی پنڈلی کھولنے کا معنیٰ

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے پنڈلی کو کھولنے سے مراد اللہ کا ایک نور عظیم یا اپنے جلال کو ظاہر کرنا ہے، کیونکہ اہل عرب پنڈلی کے کھولنے کو کسی معاملہ کے اہم تر ہونے سے بھی تعبیر کرتے ہیں، جیسے وہ کہتے ہیں: کشف الامر عن ساقه۔ یعنی معاملہ سخت وسنگین ہوگیا اور کہتے ہیں قامر الحرب على ساقه، جنگ اپنی شدت کے ساتھ برپا ہوگئی۔ (منجد، ۵۰۳ مطبوعہ دارالاشاعۃ کراچی)

تو معنیٰ یہ ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ اپنا ایک عظیم الشان حکم یا جلال ظاہر فرمائے گا، تو اہل ایمان سجدے میں گر جائیں گے، کیونکہ وہ دنیا میں نماز کی دعوت پر نماز کے لئے (مسجد میں) آتے تھے اور منافقین کی پشت اکڑ جائے گی کیونکہ وہ دنیا میں تندرست ہونے کے باوجود نماز کی دعوت (اذان) پر نماز کے سجدے کے لئے نہیں آتے تھے۔ اسی لئے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ آیت وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو نماز پنجگانہ باجماعت سے پیچھے رہتے ہیں۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۱۴۰)

نماز باجماعت کی اہمیت و وجوب

گویا صحت مند ہونے کے باوجود نماز باجماعت سے پیچھے رہنے والے روز قیامت سجدہ نہ کرسکیں گے اور سب مسلمانوں کے درمیان رسوا ہوں گے، ان پر ذلت سوار ہوگی۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا ہے کہ لکڑیوں میں آگ جلائی جائے، پھر نماز کی اذان ہو اور میں کسی شخص سے کہوں کہ میری جگہ نماز پڑھائے اور میں خود جا کر ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو مسجد

نہیں آتے۔(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ حدیث ٦٤٤)

اس جگہ قرآن نے وَهُمْ سٰلِمُوْنَ کہہ کر واضح کر دیا کہ جو تندرست نہ ہو یعنی اپاہج اندھا اور مریض ہو، اسے نماز باجماعت سے غیر حاضر ہونے میں گناہ نہیں۔ یونہی عورتوں کو بھی نماز باجماعت کی پابندی سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

[14] ولید بن مغیرہ اور دوسرے کفار نے حضور سرکار دو عالم ﷺ کو مجنون کہا (معاذ اللہ) آپ کا دل دکھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دلجوئی کے لئے فرمایا: اے میرے حبیب! آپ ان جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑیں، میں جانوں اور یہ جانیں، ہم ان کو یوں غافل کر کے پکڑیں گے کہ انہیں پتہ نہ چلے اور توبہ بھی نہ کر پائیں۔ یعنی ہم ان پر اسباب دنیا کی مزید فراوانی کر دیں گے تاکہ وہ انہی میں بدمست ہو جائیں۔ پھر ہم انہیں اچانک پکڑ لیں گے جیسا کہ کفار مکہ کو بدر میں یوں پکڑ لیا گیا کہ ان کے گمان میں بھی نہ تھا، وہ اپنی بدمستی میں اپنے ساتھ رسیاں لائے تھے وہ سمجھتے تھے کہ لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئے گی بلکہ وہ مٹھی بھر مسلمانوں کو رسیوں سے باندھ کر لے جائیں گے۔

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے پھر اچانک پکڑ لیتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے پھر جب اسے اچانک پکڑ لیتا ہے تو کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا۔'' (بخاری کتاب التفسیر سورہ ھود، مسلم کتاب البر حدیث ٦٢)

اَمْ تَسْــٴَـلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ
کیا آپ ان سے کوئی اجر مانگتے ہیں جس کی ادائیگی میں وہ دبے ہوئے ہیں؟ کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے
فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤٧﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ
جسے وہ لکھتے ہیں؟ [15] تو آپ اپنے رب کے حکم پر صبر کریں اور مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو جائیں، جب
نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ
اس نے پکارا اور وہ بہت مغموم تھا، اگر اسے اس کے رب کی نعمت نہ آ پہنچتی تو وہ چٹیل میدان میں الزام زدہ پھینک دیا جاتا۔
وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٥٠﴾
تب اس کے رب نے اسے چن لیا اور اسے (انعام کا) سزاوار کیا [16]

وقف لازم

[15] یعنی اے پیارے رسول ﷺ کیا آپ کفار سے اپنی تبلیغ کے لئے بدلے میں کوئی اجرت مانگتے ہیں جو ان کے لئے بوجھ بن گئی ہے؟ آپ تو محض رضاء الٰہی کے لئے انہیں ان کے بھلے کی بات بتا رہے ہیں اور کیا ان کے پاس کوئی غیب

کی خبر ہے جسے وہ کسی کتاب میں لکھتے ہیں؟ نہیں، بلکہ وہ صرف باپ دادا کی اندھی تقلید میں پتھروں کو پوج رہے ہیں، غیب کی خبریں تو اے پیارے رسول ﷺ! آپ کے پاس ہیں، جنہیں آپ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

[16] اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کفار کی گستاخیوں پر صبر رکھیں، آپ مچھلی والے نبی حضرت یونس علیہ السلام کی طرح جلدی نہ فرمائیں۔ انہوں نے بطورِ اجتہادی خطاء جلدی کی، تو مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔ وہاں انہوں نے بہت مغموم ہو کر اپنے رب کو پکارا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر سمندر کے کنارے پھینکا۔ اور اگر اللہ کی رحمت ان کی طرف متوجہ نہ ہوتی تو وہ اس ساحل سمندر پر الزام زدہ پڑے رہتے، نہ ان پر کدو کی بیل سایہ کرتی، نہ انکی قوم ان سے معافی مانگنے کے لئے وہاں آتی، بلکہ اُلٹا آپ پر الزام رکھتی کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو آپ کی پیش گوئی کے مطابق ان پر عذاب کیوں نہ آتا۔ مگر اللہ نے ان پر رحمت فرمائی، ان کی دعا کو قبول فرما کر ان کی قوم کو ان کی طرف متوجہ کر دیا، وہ آئے اور ان کے قدموں میں گر گئے اور ان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا وار انعام فرمایا۔ اس کا مفصل واقعہ ہم سورہ یونس آیت 98 اور سورہ انبیاء آیت 87 کے تحت لکھ آئے ہیں وہاں دیکھیں۔

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ
اور بے شک قریب ہے کہ کفار آپ کو اپنی نظروں کے ذریعے گرا دیں، جب وہ ذکر سنتے ہیں
وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ع
اور کہتے ہیں کہ وہ مجنون ہے۔ اور قرآن تو تمام جہانوں کے لیے ذکر ہے۔[17]

وقف لازم ۔ رکوع ۲ (۱۹)

[17] یعنی جب کفار آپ ﷺ سے ذکر (قرآن) سنتے ہیں تو آپ کو معاذ اللہ مجنون قرار دیتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ آپ پر ایسی نظر بد ڈالیں کہ آپ کھڑے کھڑے گر جائیں، حالانکہ قرآن تو تمام جہانوں کے لئے ذکر ہے یعنی رہتی دنیا تک تمام اقوام عالم کے لئے ہدایت بنا کر اُتارا گیا ہے۔

جب کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو نظر بد کے ساتھ ختم کرنا چاہا

مروی ہے کہ قریش کا قبیلہ بنو اسد نظر بد ڈالنے میں بہت معروف تھا حتیٰ کہ اگر کوئی موٹی تازی گائے یا اونٹنی ان کے قریب سے گزرتی، تو وہ اس پر نظر بد ڈالتے اور اپنی لونڈی سے کہتے کہ اس جانور کے گوشت کے لئے برتن اور پیسے تیار رکھو، تو تھوڑی ہی دیر میں وہ جانور قریب الموت ہو جاتا اور اسے ذبح کر دیا جاتا۔ امام کلبی کہتے ہیں عرب کا ایک شخص نظر بد ڈالنے میں معروف تھا۔ وہ دو تین دن بھوکا رہتا، پھر اپنے خیمے سے پردہ ہٹاتا اور کوئی اونٹ وہاں سے گزرتا تو وہ اسے دیکھ کر کہتا: اس سے خوبصورت اور صحت مند جانور میں نے کبھی نہیں دیکھا، تو تھوڑی ہی دیر میں وہ جانور گر پڑتا۔ کفار مکہ

اس شخص کے پاس گئے اور اسے رسول اللہ ﷺ پر نظر بد ڈالنے کے لئے اُکسایا، وہ آیا اور اس نے حضور سرور کونین ﷺ پر بھرپور نظر بد ڈالی اور آپ کو گرانے کی پوری کوشش کی، مگر وہ ناکام رہا۔ تو اس موقع پر یہ آیت اُتری: وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ الخ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۱۴۱، مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۴۷)

نظر بد کا لگنا برحق ہے

وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ سے معلوم ہوا کہ نظر بد لگ جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْعَیْنُ حَقٌّ نظر کا لگنا برحق ہے۔

(بخاری کتاب الطب باب ۳۵، مسلم کتاب السلام حدیث ۴۱)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نظرِ بد سے بچنے کے لئے دم کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

(بخاری کتاب الطب باب ۳۵)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو ان کلمات سے دم کرتے تھے: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَیْطَانٍ وَ هَآمَّةٍ وَ مِنْ كُلِّ عَیْنٍ لَآمَّةٍ ''میں اللہ کے مکمل کلمات کے ساتھ ہر وہم پیدا کرنے والے شیطان اور ہر چھونے والی آنکھ سے پناہ مانگتا ہوں۔''

(ابن ماجہ کتاب الطب باب ۳۶ حدیث ۳۵۲۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں سانپ اور کیڑے کے ڈسنے اور نظر کے لگنے پر انہیں دم کرنے کی اجازت عطا فرمائی (ایک خاص دم سکھایا)۔ (ابن ماجہ کتاب الطب باب ۳۴ حدیث ۳۵۱۶)

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ان کے گھر میں ایک لونڈی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ اس کا چہرہ زرد تھا، آپ نے فرمایا: بِهَا نَظْرَةٌ، اسے نظر لگی ہے۔ پھر حضور ﷺ نے اسے دم کرنے کا حکم فرمایا۔ (مسلم کتاب السلام حدیث ۵۹)

اچھی نظر بھی لگ سکتی ہے

جب بُری نظر کا لگنا ثابت ہے تو اچھی نظر کا لگنا بطریقِ اولیٰ قابل فہم ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کی نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر پڑی تو ہر صحابی کو آسمانِ ہدایت کا چمکتا ستارہ بنا دیا۔ اور اسی طرح اولیاء کاملین کی نگاہ کی تاثیر سے مجرمین متقین بن گئے۔ علامہ اقبال نے خوب کہا:

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

الحمد للہ آج 10 ذی قعدہ 1429ھ بمطابق 12 نومبر 2008ء بروز بدھ بعد نماز فجر سورہ ن کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورة الحاقہ

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 69ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 77ویں سورت ہے۔ چونکہ یہ اَلْحَاۤقَّةُ ۝ مَا الْحَاۤقَّةُ ۝ سے شروع ہوئی، اس لئے اسے سورہ الحاقہ کہتے ہیں۔ یہ مکی سورت ہے، اس میں 2 رکوعات، 52 آیات، 256 کلمات اور 1034 حروف ہیں۔

فضیلت

طبرانی میں حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں سورہ الحاقہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۶۳)

مضامین

سورہ الحاقہ کے پہلے رکوع میں میں قوم ثمود، قوم عاد، قوم فرعون اور قوم لوط پہ آنے والے عذابات بتائے گئے ہیں۔ پھر قیامت کے آنے کا حال بتایا گیا ہے اور روز قیامت اعمال نامے کیسے تقسیم ہونگے بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جس کو اس کا نامۂ عمل دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ بہت خوش ہوگا اور دوستوں سے کہے گا آؤ میرا عمل نامہ پڑھو۔ اور جس کو اس کا عمل نامہ بائیں ہاتھ مین دیا جائے گا وہ اپنی بربادی کو پکارے گا۔ اس کے بعد کفار کے لیے جہنم کے عذابات کا ذکر ہے۔ اور دوسرے رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور عظمت بیان کی گئی ہے اور آپ کے بارے میں کفار کے کہانت اور شاعری کے الزامات کی نفی کی گئی ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۵۲ ۶۹ سُوْرَۃُ الْحَاقَّۃِ مَکِّیَّۃٌ ۷۸ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ؕ﴿۳﴾

برحق آنے والی (قیامت) کیا ہی برحق آنے والی ہے اور تم کیا جانو برحق آنے والی کیا ہے[1]

گزشتہ نافرمان قوموں کی تباہی اور قیامت میں کفار کا عذاب

[1] قیامت کے ناموں میں سے ایک نام اَلْحَاقَّةُ بھی ہے یعنی برحق آنے والی۔ مقصد یہ ہے کہ قیامت کا آنا برحق ہے اور اسے آنا چاہیے اگر قیامت نہ آئے تو اس کا معنی یہ ہے کہ مرنے کے بعد ظالم و مظلوم اور نیک و بد سب ایک جیسے ہو جائیں اور یہ عقل کے خلاف ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾

قوم ثمود اور قوم عاد نے تنبیہ کرنے والی (قیامت) کو جھٹلایا، چنانچہ ثمود کو حد سے بڑھی ہوئی (خوفناک چیخ) سے ہلاک کیا گیا[2]

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ

جبکہ عاد کو ہلاکت خیز سرکش طوفانی ہوا سے ہلاک کیا گیا جو اللہ نے ان پر لگاتار سات راتوں

وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ

اور آٹھ دن کے لئے مسلط کر دی تھی، کہ تم ان لوگوں کو اس میں یوں پچھاڑے ہوئے دیکھتے جیسے وہ اُکھڑی ہوئی کھجوروں کے

نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ﴿۷﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾

تنے ہوں، تو کیا تم ان کا کوئی باقی ماندہ نشان دیکھتے ہو؟[3]

[2] یہ اللہ تعالیٰ کا دستور رہا ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے اور ان پر کتابیں نازل

فرمائیں اور لوگوں کو دنیا و آخرت میں کامیابی کا راستہ بتایا اور انہیں خبردار کیا کہ قیامت آنے والی ہے اس دن تم سے دنیوی زندگی کا حساب لیا جائے گا۔ پھر جن لوگوں نے انبیاء سے دشمنی کی اور اللہ کی کتابوں کو جھٹلایا اور قیامت سے انکار کیا، انہیں اللہ نے خوفناک عذابات سے ہلاک کیا اور قیامت کا عذاب الگ ہے۔ مثلاً حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف اور حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کی طرف بھیجے گئے (یہ قومیں طوفان نوح کے بعد خطۂ عرب میں اول اول آباد ہوئیں) جب ان قوموں نے قیامت سے انکار کیا تو ان پر عذابات آئے۔

قوم ثمود حدود شام میں آباد تھی، ان پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حد سے بڑھی ہوئی خوفناک چیخ ماری، جس کی دہشت سے ان سب کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ سب یکدم یوں مر گئے جیسے ایک آدمی یکدم مر جائے۔

[3] اور قوم عاد حدود یمن میں آباد تھی، ان پر سات برس تک بارش نہ ہوئی سخت قحط ہو گیا، مگر یہ لوگ اسلام دشمنی سے باز نہ آئے۔ آخر ایک دن ان پر گہرے بادل چھا گئے وہ خوش ہوئے کہ بارش برسنے والی ہے، مگر وہ خوفناک آندھی تھی جو ان پر سات راتوں اور آٹھ دن تک چلتی رہی۔ وہ انہیں زمین سے اُٹھاتی اور واپس سر کے بل زمین پر دے مارتی تھی، تو انکی لاشیں ہر طرف یوں بکھری پڑی تھیں جیسے کھجوروں کے تنے زمین سے اُکھڑ کر ہر طرف بکھرے پڑے ہوں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝٢٠ ''ہوا لوگوں کو یوں کھینچتی تھی جیسے وہ اُکھڑے ہوئے کھجوروں کے تنے ہوں۔'' (القمر ۲۰) اس کے بعد ان کے مکانات اور بستیوں پر آگ برسائی گئی اور ان کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩ فَعَصَوْا رَسُوْلَ
اور فرعون اور اس سے پہلے لوگوں نے اور اُلٹائی گئی بستیوں کے لوگوں نے گناہ کئے۔ انہوں نے اپنے رب کے رسول کی
رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝١٠ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى
نافرمانی کی، تو اللہ نے انہیں شدید گرفت سے پکڑا [4] بے شک جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تمہیں کشتی (نوح) میں
الْجَارِيَةِ ۝١١ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝١٢
سوار کیا۔ تاکہ ہم اسے تمہارے لئے وجہ عبرت بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں [5]

[4] قوم عاد اور قوم ثمود کی تباہی کے بعد فرعون اور اس سے قبل والے لوگوں (جیسے اہل مدین) کی ہلاکتیں ہوئیں اور حضرت لوط علیہ السلام کو جس قوم کی طرف بھیجا گیا ان کی بستیاں اُلٹائی گئیں۔ ان سب لوگوں نے یہی گناہ کیا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں اور اس کی نازل کردہ کتابوں سے دشمنی کی اور اہل ایمان پر مظالم ڈھائے، تو اللہ نے انہیں سخت طریقہ سے

پکڑا۔ اور یہ قومیں خطہ عرب میں آباد تھیں، ان کے کھنڈرات کو اپنے اسفار میں کفار مکہ دیکھتے رہتے تھے، تو کفار مکہ کو ان واقعات کے ذریعے ڈرایا گیا کہ اگر تم نے اسلام دشمنی کا راستہ نہ چھوڑا تو اللہ کی پکڑ تم پر بھی آسکتی ہے اور وہ بدر میں آ گئی۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) دشمنانِ اسلام کے لئے وارننگ:

ان واقعات میں قیامت تک اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں کے لئے وارننگ ہے کہ وہ اسلام کو دبا دینے اور اہل اسلام کو غلام بنا کر رکھنے کا خناس دل سے نکال دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین ہی کو غالب فرماتا ہے، اسے ہمیشہ مغلوب نہیں رہنے دیتا۔ دیکھئے قرآن کے ماننے والے بارہ صدیوں تک دنیا پر غالب رہے اور عنقریب پھر غلبہ کا دور آنے والا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رنگ گردوں کا تو دیکھ کہ عنابی ہے نئے ابھرتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

(2) اتمام حجت کے بغیر عذاب نہیں دیا جاتا:

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ سے معلوم ہوا کہ پہلے رسول کو بھیج کر لوگوں کو پیغام پہنچایا جاتا ہے، پھر ان کے انکار پر ان پر عذاب اتارا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے جو بچے ناسمجھی کی عمر میں مر جائیں ان کو عذاب نہ ہوگا، کیونکہ ان پر اتمام حجت نہیں ہوسکی، نہ وہ بعثت رسول کو سمجھ سکے ہیں۔ یہی حال کفار میں سے پاگل لوگوں کا ہے جو شعور حاصل نہیں کر سکے۔ البتہ جب کفار پر دنیوی عذاب آتا ہے تو انکے چھوٹے بچے اور مجانین بھی ساتھ میں مارے جاتے ہیں اور وہ راہ حق میں شہادت کا درجہ پاتے اور جنت میں بلند درجہ پر پہنچائے جاتے ہیں اور ان کی ہلاکت کا وبال بھی کفار پر آتا ہے۔

[5] یعنی اے انسانو! جو آج دنیا میں آباد ہو، ہم نے تم سب کو کشتی نوح میں سوار کیا تھا (کیونکہ تم حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کی پشتوں میں موجود تھے) اور یہ ہم نے اس لئے کیا تا کہ اسے تمہارے لئے درس عبرت بنایا جائے اور اسے یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں کہ نجات اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہے۔ دراصل ہر دور کا رسول ایمان والی کشتیٔ نجات لے کر آتا ہے، جو سعید روحیں اس میں سوار ہو جائیں وہ بچ جاتی ہیں دوسری ہلاک ہو جاتی ہیں۔ یہاں حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ سے معلوم ہوا کہ کشتی نوح میں سوار نہ ہونے والا کوئی انسان زمین پر زندہ نہ رہا تھا سب کو غرق کر دیا گیا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: اللہ نے مجھے حکم فرمایا کہ تمہیں قریب رکھوں، دور نہ رکھوں اور تمہیں سکھاؤں اور تم یاد رکھو اور تمہیں یاد رکھنا چاہیے۔ چنانچہ اسی موقع پر یہ آیت اتری: وَّتَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ۝۱۲ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۹ صفحہ ۲۱۳) گویا یہ آیت مولا علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں نازل ہوئی، مگر اس کا حکم عام ہے۔ ہر وہ شخص جو قرآنی عبرتوں کو سن کر یاد رکھتا ہے وہ اس کے مصداق میں داخل ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا

تو جب صور میں یکدم پھونک دیا جائے اور زمین اور پہاڑوں کو اُٹھا لیا جائے، پھر انہیں ریزہ ریزہ کر کے

دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَیَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ

ایک بنا دیا جائے، تو اس دن وقوع پذیر (قیامت) واقع ہو جائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن

یَوْمَئِذٍ وَّاهِیَةٌ ﴿١٦﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰۤی اَرْجَآئِهَا ؕ وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ

بہت کمزور ہو گا۔ اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور لوگوں کے اوپر آپ کے رب کے عرش کو

یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ ﴿١٧﴾ یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْكُمْ خَافِیَةٌ ﴿١٨﴾

آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوں گے، اس دن تم یوں پیش کئے جاؤ گے کہ تم میں سے کوئی چھپنے والی جان چھپ نہ سکے گی۔[6]

[6] منکرین قیامت قوموں کے دنیوی عذابات بتانے کے بعد اب قیام قیامت کا حال بتایا جا رہا ہے کہ جب صور میں اچانک پھونکا جائے گا تو زمین اور اس کے تمام پہاڑوں کو اُٹھا کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور سب ایک ہی چیز بن جائے گی، کوئی بلندی و پستی نہ رہے گی قرآن میں ہے: لَّا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ "تم اس زمین میں کوئی اونچا نیچا مقام نہ دیکھو گے۔" (طٰہٰ، ١٠٧)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صور کے پھونکے جانے پر آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس دن بہت کمزور ہو گا یعنی پھٹنے اور ٹکڑے ہونے میں دیر نہ لگائے گا اور جب ہر آسمان پھٹے گا، تو اس کے فرشتے اُڑ کر اس کے کناروں پر کھڑے ہو جائیں گے اور روایات کے مطابق ہر آسمان کے فرشتے صف در صف نیچے اُتر آئیں گے اور سب انسانوں کو ایک جگہ جمع کریں گے۔ جیسے قرآن میں ہے: وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ (فجر، ٢٢) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سات آسمانوں سے اوپر جو عرش الٰہی ہے اسے آٹھ فرشتے اٹھا کر نیچے لے آئیں گے۔ بعض نے کہا اس سے فرشتوں کی آٹھ صفیں مراد ہیں جو عرش کو اٹھا لائیں گی اور اہل محشر عرش کو اپنے اوپر دیکھیں گے۔ پھر جس پر اللہ چاہے گا اپنے عرش کا سایہ ڈالے گا اور کئی لوگ عرش کے نیچے بے سایہ کھڑے ہوں گے۔

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ ۙ فَیَقُوۡلُ هَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا كِتٰبِیَهۡ ﴿ۚ۱۹﴾ اِنِّیۡ

تو جس کو اس کی کتاب دائیں ہاتھ میں دی جائے گی، وہ کہے گا آؤ میری کتاب پڑھو مجھے یقین تھا کہ

ظَنَنۡتُ اَنِّیۡ مُلٰقٍ حِسَابِیَهۡ ﴿ۚ۲۰﴾ فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿ۙ۲۱﴾ فِیۡ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ﴿ۙ۲۲﴾

میں اپنے (ایسے ہی) حساب کو پانے والا ہوں۔ تو وہ من پسند عیش میں بلند جنت میں ہو گا

قُطُوۡفُهَا دَانِیَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا هَنِیۡٓـئًۢا بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِی الۡاَیَّامِ الۡخَالِیَةِ ﴿۲۴﴾

جس کے خوشے جھکے ہوئے ہیں، رچتا پچتا کھاؤ اور پیو، یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو تم نے گزشتہ ایام میں کئے [7]

[7] روز قیامت سب انسان اللہ کے حضور پیش کئے جائیں گے، کوئی اس سے چھپ نہ سکے گا۔ تب ہر انسان کو اس کا عمل نامہ دیا جائے گا بعض کو دائیں ہاتھ میں اور بعض کو بائیں ہاتھ میں۔ جس کو دائیں ہاتھ میں دیا جائے وہ خوش ہو کر ساتھیوں سے کہے گا کہ آؤ میرا عمل نامہ دیکھو، مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ میرا رب رحیم ہے، وہ میری توبہ قبول فرمائے گا اور اچھے انجام سے نوازے گا۔ تو وہ شخص جنت اعلیٰ میں عیش کرے گا وہاں کے درختوں کے پھل خود جھک کر اس کے قریب آ جائیں گے اسے پھل توڑنے کے لئے ہاتھ اٹھانے کی زحمت بھی نہیں اٹھانا پڑے گی۔ ایسے لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم نے دنیا میں جو نیک اعمال کئے آج اس کے عوض جنت کی نعمتیں کھاؤ پیو۔

جنت کے بلند درجات کا ذکر

اس جگہ فِیۡ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ﴿۲۲﴾ فرمایا گیا، کہ انکو بلند جنت میں رکھا جائے گا۔ یہ اس لیے ہے کہ جنت میں بلند ترین درجات ہونگے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اہل جنت ایک دوسرے کو دیکھنے جایا کریں گے؟ فرمایا: ہاں بلند درجات والے لوگ نیچے والوں کو ملنے کے لیے اُترا کریں گے، انہیں سلام کہیں گے، ان سے ملیں گے (پھر واپس اوپر چلے جائیں گے) مگر نیچے والے لوگ بلند درجات کی طرف نہ جا سکیں گے، کیونکہ ان کے اعمال انہیں وہاں نہیں جانے دیں گے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۷۱ حدیث ۱۹۰۲۹)

دوسری حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''جنت کے سو درجات ہیں اور ہر درجہ سے دوسرے درجہ تک اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں۔'' (بخاری کتاب الجہاد باب ۴)

اور حدیث میں یہ مضمون بھی ہے کہ ''جنت میں نچلے درجات والے لوگ اوپر والوں کے درجات کو یوں دیکھیں گے جیسے تم زمین سے ستاروں کو دیکھتے ہو۔'' (ترمذی کتاب المناقب ۱۴)

جنتی پاسپورٹ کی تحریر

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک اسے وہاں کا جواز (Passport) نہ ملے۔ اس جواز پہ یہ تحریر ہوگی:

بسم الله الرحمن الرحیم، ھذا کتاب لفلان بن فلان آدخلوہ فی جنة عالیة قطوفها دانیة. ''خدائے رحمان ورحیم کے نام سے، یہ تحریر فلان بن فلاں کے لیے ہے، اسے اس بلند جنت میں داخل کردو جس کے شگوفے جھکے ہوئے ہیں۔'' (طبرانی کبیر جلد ۶ حدیث ۶۱۹۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''روز قیامت اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو اپنے قریب کرلے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کروائے گا حتیٰ کہ وہ گمان کرے گا کہ وہ ہلاک ہوگیا۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تمہارا پردہ رکھا اور آج تمہیں معاف کرتا ہوں۔ تب اس کے نامہ اعمال میں صرف نیکیاں رہ جائیں گی اور اسے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ جبکہ کافر ومنافق کے بارے میں بلند آواز سے پکارا جائے گا: هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ کہ سن لو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب سے انکار کیا۔'' (بخاری کتاب المظالم باب ۲)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) دائیں ہاتھ کی بائیں پر فضیلت:

نیکیوں والا نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر اچھا کام دائیں ہاتھ سے کرنا پسند تھا جیسے کھانا پینا، لینا دینا وغیرہ۔

(2) اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہیے:

اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ سے معلوم ہوا کہ مومن اللہ کے بارے میں نیک گمان رکھتا ہے اور اللہ اس کے گمان کو پورا کرتا ہے۔ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ میں اپنے بندے کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہوں جو وہ میرے بارے میں گمان کرے۔ (بخاری کتاب التوحید باب ۱۵ حدیث ۷۴۰۵)

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ۬ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ

اور رہا وہ جسے اس کی کتاب بائیں ہاتھ میں دی جائے تو وہ کہے گا اے کاش مجھے میری کتاب نہ دی جاتی اور میں

اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾

نہ جانتا میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش قصہ تمام کرنے والی موت آ جائے، مجھے میرا مال نہ بچا سکا

هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِیْ

میرا سب اختیار ختم ہو گیا [8] (حکم ہو گا) اسے پکڑ لو، پھر اسے جکڑ لو، پھر جہنم میں پہنچا دو، پھر اس زنجیر میں جس کی

سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

ایک کڑی ستر ہاتھ لمبی ہے اسے پرو دو، کیونکہ وہ عظمت والے اللہ پر ایمان نہیں

الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ

رکھتا تھا اور مسکین کے کھانا کھلانے پر رغبت نہیں دلاتا تھا [9] تو آج اس کے لئے یہاں

هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾

کوئی دوست نہیں ہے اور نہ ہی جہنمیوں کی پیپ کے سوا (اس کے لیے) کوئی کھانا ہے جسے صرف مجرم لوگ ہی کھا سکتے ہیں [10]

[8] جس شخص کو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے، وہ بہت افسوس کرے گا کہے گا: کاش مجھے یہ نامہ اعمال نہ دیا جاتا، کاش مجھے موت آ جائے۔ مگر وہاں موت بھی نہ آئے گی۔ پھر وہ کہے گا کہ افسوس میرا مال مجھے نہ بچا سکا اور میرا اختیار ختم ہو گیا کہ اختیار مال کے ساتھ تھا جب مال نہ رہا تو اختیار کہاں۔

[9] یعنی کہا جائے گا کہ اے فرشتو! جس کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے اسے پکڑ لو اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے جہنم میں پھینک دو۔ اس کے بعد اسے اس زنجیر میں پرو دو جس کی ایک کڑی ستر ہاتھ لمبی ہے، یہ سزا اس لئے دی گئی ہے کہ یہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور مسکین کو کھانا کھلانے کی رغبت نہیں دلاتا تھا یعنی اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق نہیں بجا لاتا تھا۔

روز قیامت نامۂ اعمال کا بائیں ہاتھ میں دیا جانا کفار ہی کا شعار ہے

یاد رہے قیامت میں جن لوگوں کو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا وہ اکثر کفار ہی ہوں گے۔ کیونکہ ہر کافر کو

بائیں ہاتھ ہی میں نامۂ اعمال دیا جائے گا، تو یہ انہی کی پہچان اور انہی کا شعار ہے۔ البتہ کچھ تھوڑے مومنین کو بھی جہنم میں کچھ عرصہ کے لیے جانا ہوگا اور انہیں بھی بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ اس وقت ان کی حالت کفار والی ہوگی، مگر وہ دائمی نہ ہوگی۔ اسی لیے قرآن میں جابجا ایمان والوں کو اصحاب الیمین اور کافروں کو اصحاب الشمال کہا گیا ہے۔ اور حدیث کے مطابق مومنین روز میثاق حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف کھڑے تھے اور کفار بائیں طرف۔ اور روز قیامت مومنین عرش الٰہی کے دائیں کھڑے ہونگے اور کفار بائیں طرف۔ اس لیے مومنین کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور کفار کو بائیں ہاتھ میں۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ جس شخص کو بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔

آگے فرمایا گیا کہ بائیں ہاتھ والے شخص کے بارے میں فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اسے اس زنجیر میں پرو دو جس کی ایک کڑی ستر ہاتھ لمبی ہے۔ اور حدیث میں ہے یہ زنجیر اس قدر لمبی ہے کہ اگر اس کے ایک سرے سے ایک پتھر گرایا جائے تو وہ چالیس برس میں اس کی جڑ تک پہنچے گا۔ (ترمذی کتاب صفۃ جہنم باب ۶)

اور بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ زنجیر جہنمی کی دبر میں ڈال کر اس کے منہ سے نکال لی جائے گی، یوں وہ اس میں پرو دیا جائے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۷۲ حدیث ۱۸۹۷۵)

یاد رہے ایسی خوفناک جہنمی سزائیں صرف کفار کے لئے ہوں گی۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور اگر کسی مومن کو بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا اور اسے جہنم میں جانا پڑا، تو اس کو کفار جیسے ذلت آمیز عذابات سے دوچار نہیں کیا جائے گا۔

[10] کافر کے لئے جہنم میں غسلین کا کھانا ہوگا یعنی جہنمیوں کے جسم سے نکلنے والی پیپ، یہ کھانا مجرمین یعنی کفار ہی کھائیں گے۔ اور قرآن میں اکثر کفار ہی کو مجرمین کہا گیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ کہ ''مجرمین عذاب جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔'' (زخرف، ۷۴)

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قرآن میں اعراب اور نقطے لگوانا

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت صعصعہ بن صوحان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دیہاتی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہنے لگا یہ قراءت کیسی ہے: لَّا يَأْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۝ (کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن میں نقطے اور اعراب نہیں لکھوائے تھے تو یہ الا الحطون لکھا ہوا تھا۔ تو اس اعرابی نے اسے دیکھ کر سمجھا کہ اس کا معنی قدم اٹھانے والے ہے۔ گویا ہر قدم اٹھانے والا جہنم کا غسلین کھائے گا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکرا پڑے اور فرمایا: یہ قراءت ایسے ہے: لَّا يَأْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۝ کہ گناہگار لوگ جہنم کا غسلین کھائیں گے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر ابوالاسود دولی کو قرآن میں اعراب اور نقطے لگانے کا حکم

دیا۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۷۴ سورہ الحاقۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابوالاسود دولی کو قرآن میں اعراب اور نقطے لگانے کا حکم فرمایا تھا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۶۳ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾

تو مجھے قسم ہے اس کی جو تم دیکھتے ہو اور جو تم نہیں دیکھتے، بے شک یہ قرآن رسول معزز (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قول ہے [11]

وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا

وہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ تم کس قدر کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ یہ کسی نجومی کا قول ہے، تم کس قدر کم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ

نصیحت پکڑتے ہو، یہ رب کائنات کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے [12] اور اگر رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم پر بعض باتیں

الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا

خود گھڑتے ہوتے تو ہم انہیں قوت سے پکڑ لیتے، پھر ہم ان کی رگ جاں کاٹ دیتے

مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ

پھر تم میں سے کوئی انہیں بچانے والا نہ ہوتا [13] اور بے شک قرآن پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔ اور ہم بلاشبہ جانتے ہیں کہ تم میں سے

اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ

بعض کا کام ہی جھٹلانا ہے۔ اور یقیناً قرآن کافروں کے لئے باعث حسرت ہے اور وہ یقین کی

الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

سچائی ہے، تو آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کیجیے۔ [14]

قرآن کریم کی حقانیت

[11] یعنی اے انسانو! تم عالم اجسام کو دیکھتے ہو عالم ارواح کو نہیں، تم عالم دنیا کو دیکھتے ہو، عالم آخرت کو نہیں۔ اور ہم

ان سب کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں (یعنی ساری کائنات کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں) کہ یہ قرآن رسول معزز ﷺ کا قول ہے، کسی شاعر یا نجومی کا قول نہیں۔ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ میں کریم بمعنی معزز بھی ہے اور بمعنی سخی بھی اور بلاشبہ حضور ﷺ ساری مخلوق خدا سے زیادہ معزز بھی ہیں سخی بھی ہیں، آپ سے بڑھ کر کائنات میں کوئی معزز ہے نہ سخی ہے۔

حضور سرور کونین ﷺ کی عزت کا یہ عالم ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام آپ کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خطاء آپ کے وسیلے سے معاف کی گئی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آپ کے وسیلے سے بھنور سے نکلی۔ آپ ﷺ کی عزت کا یہ عالم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کی امت میں شمولیت کے لئے دعا کرتے ہیں۔

(دلائل النبوۃ جلد اول فصل پنجم صفحہ ۷۱)

اور آپ ﷺ کی سخاوت کا یہ عالم ہے کہ مانگنے والے کو اپنے جسم مبارک سے قمیص بھی اُتار دیتے ہیں۔ اور آج بھی جو سائل آپ کے دربارِ عالی میں جا کر آپ کے توسل سے دعا کرتا ہے، جو وہ مانگے اسے دیا جاتا ہے۔

[12] یعنی اے قرآن کو کسی شاعر یا نجومی کا کلام کہنے والو! یعنی صاحبِ قرآن رسول کو شاعر یا نجومی قرار دینے والو! تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے، کیا شاعروں اور نجومیوں کے کلام ایسے ہی ہوتے ہیں؟ کیا قرآن شعری اوزان وقوافی پہ کسی طرح پورا اُترتا ہے اور کیا کوئی نجومی اس قدر سچا کلام کہہ سکتا ہے؟

جن آیات کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام کے قریب آ گئے تھے

ان آیات نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اسلام سے بہت قریب کر دیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک بار (قبول اسلام سے قبل) حضور ﷺ کو تکلیف دینے نکلا، آپ مسجد حرام میں عبادت کر رہے تھے۔ میں قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سورہ الحاقہ کی تلاوت شروع کر دی۔ میں اس کے حسن بیان سے متعجب ہو کر کہنے لگا واللہ یہ کسی عظیم شاعر کا کلام ہے۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آپ نے یہ آیت پڑھی: وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ط کہ قرآن کسی شاعر کا کلام نہیں۔ تب میرے دل میں خیال آیا کہ یہ کسی کاھن (نجومی) کا کلام ہے (کہ ادھر میں نے سوچا ہے کہ یہ کسی شاعر کا کلام ہے اور ادھر وہ اس کی تردید کر رہے ہیں۔ گویا وہ کاہن ہیں) تو آپ نے اگلی آیت پڑھ دی: وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ط کہ یہ کسی کاھن کا کلام بھی نہیں، تو اسلام میرے دل میں جاگزیں ہو گیا۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۶۳ بروایت طبرانی)

یعنی اس واقعہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل پہ صداقت قرآن کا گہرا اثر ہوا، تاہم وہ اس وقت اسلام نہ لائے۔ پھر جب انہوں نے بہن اور بہنوئی سے قرآن سنا تو ان کا دل اسلام کے لئے مکمل نرم ہو گیا اور وہ اسلام لے آئے (کیونکہ متاثر تو پہلے ہی تھے)۔ یعنی پہلے ہی آپ کا دل مان چکا تھا کہ قرآن ایسا کلام ہے کہ کوئی کاہن یا نجومی ایسا کلام نہیں بنا سکتا۔ پھر جب اپنے بہنوئی اور اپنی بہن سے یہی قرآن کریم سنا، تو اس نے فوراً اثر کیا، اور آپ کو ندامت ہوئی کہ میں کیوں اس مقدس کلام کا مقابلہ کر رہا ہوں، اگر اسی حالت میں موت آ گئی تو کیا بنے گا؟

محبوبیتِ مصطفیٰ ﷺ

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ کفار نے آپ کو شاعر یا کاہن کہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے جواب دیا: مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ اور وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ اسی طرح آپ کو انہوں نے معاذ اللہ مجنون کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ (قلم، ۲) یہ بھی معلوم ہوا کہ ناموس مصطفیٰ ﷺ کا دفاع کرنا سنتِ الٰہیہ ہے۔ الحمد للہ اللہ رب العزت نے یہ اعزاز اہل سنت کو عطا فرمایا ہے کہ وہ ناموس رسالت کے تحفظ میں ہر قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور گستاخان رسول اللہ ﷺ کا ہر میدان میں تعاقب کرتے ہیں۔

[13] یعنی اگر بالفرض حضور ﷺ اللہ کی طرف کوئی جھوٹی بات اپنی طرف سے منسوب کرتے، تو ہم انہیں یوں پکڑتے کہ انہیں کوئی چھڑا نہ سکتا اور ہم ان کی رگ جان کاٹ کر رکھ دیتے (وتین وہ رگ ہے جو دماغ سے خون لے کر دل کو پہنچاتی ہے اس کے کٹ جانے سے انسان مر جاتا ہے)

اس سے دو فوائد ثابت ہوئے:

(1) حجیت حدیث:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ الخ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے، ان کا ہر قول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ (نجم، ۴) اس سے حدیث کی حجیت واضح ہوئی۔

(2) جھوٹے نبی کا انجام بد:

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ سے معلوم ہوا جو شخص اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرے اللہ اسے پکڑ لیتا اور اسے نشان عبرت بنا دیتا ہے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، مختار ثقفی اور مرزا غلام احمد قادیانی و دیگر جھوٹے مدعیانِ نبوت کا انجام سب پر واضح ہے مؤخر الذکر (مرزا قادیانی) ہیضے سے مرا اور وہ ہیضے کی موت کو ذلت کی موت کہتا تھا۔ اس نے خود کہا تھا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو میں طاعون اور ہیضے جیسی مہلک مرض سے مروں گا۔

(مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۵۷۸ مطبوعہ لندن سن طباعت ۱۰۸۶)

مرزا قادیانی کی اللہ جل وعلا کی طرف سے رسوائی

پھر اسے اللہ تعالیٰ نے ہیضے کی موت سے مارا اور اس کی اپنی ہی زبان سے اسے جھوٹا ثابت کیا۔ چنانچہ اس کا سسر مرزا ناصر کہتا ہے کہ حضرت صاحب (غلام احمد قادیانی) نے مجھے آخری وقت میں بلایا اور کہا مرزا صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔ (حیات ناصر صفحہ ۱۴ مرتبہ شیخ یعقوب علی قادیانی)

سورۃ المعارج

سورۃ معارج ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 70ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 83ویں سورت ہے۔ جو سورۃ حاقہ کے بعد اور عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ سے قبل نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے۔ اسے معارج اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں یہ الفاظ ہیں: ذِی الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (آیت: 3) چونکہ یہ الفاظ کسی دوسری سورت میں نہیں ہیں اس لئے اس کو سورۃ معارج کہا گیا۔ اس سورت میں 2 رکوعات، 44 آیات، 224 کلمات اور 920 حروف ہیں۔

مضامین

سورۃ معارج کے پہلے رکوع میں قیامت کی ہولناکی اور اس کے دن برپا ہونے والے احوال بیان کئے گئے ہیں اور مومنین کی صفات حمیدہ مذکور ہوئے ہیں۔ جبکہ دوسرے رکوع میں بتایا گیا ہے کہ جب حضور ﷺ مکہ میں دعوت دیتے تھے تو کفار کس طرح آپ کی گستاخیاں کرتے تھے اور ان کا انجام بھی بتایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ روز قیامت جب لوگ قبروں سے نکلیں گے تو اس دن مجرموں کا سوائے ذلت کے کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا۔

راجی رحمۃ ربہ عبداللہ بن محمد حبیب غفرلہ

آیاتہا ۴۴ ۷۰ سُورَۃُ الْمَعَارِجِ مَکِّیَّۃٌ ۷۹ رکوعاتہا ۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ لَـيۡسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ

مانگنے والے نے وہ عذاب مانگا جو کافروں پہ پڑنے ہی والا ہے۔ اسے کوئی ٹال نہیں سکتا [1]۔ وہ عذاب بلندیوں والے

ذِى الۡمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ

اللہ کی طرف سے ہے جس کی طرف فرشتے اور روح الامین بلند ہوتے ہیں، وہ (عذاب) اس دن میں ہے جس کی مقدار

خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ‌ ۚ﴿۴﴾

پچاس ہزار برس ہے[2]

عذاب آخرت کی شدت اور اس سے بچنے والے مومنوں کی صفات حمیدہ

[1] یہ آیات نضر بن حارث کے بارے میں اُتریں، اسی نے کہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے سچا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں دردناک عذاب دے دے۔ (انفال، ۳۲) اللہ تعالیٰ نے اس مردود پر دنیا میں عذاب اُتارا کہ وہ بدر کی جنگ میں گرفتار ہوا اور اسے باندھ کر قتل کیا گیا اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔ (بغوی قرطبی درمنثور وغیرہم) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مانگنے والے (نضر بن حارث) نے وہ عذاب مانگا ہے جو کفار پر پڑنے ہی والا ہے یعنی جہنم کا عذاب اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔

[2] یعنی کفار نے جو عذاب مانگا ہے وہ بلندیوں والے اللہ کی طرف سے ہے، جس کی طرف سب فرشتے خصوصاً روح الامین جبرائیل علیہ السلام (مومنوں کے اعمال لے کر) بلند ہوتے ہیں۔ کفار پر قیامت کا دن واقع ہوگا اور یہ وہ دن ہے جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔

روز قیامت کا پچاس ہزار برس پہ مشتمل ہونا

جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اونٹوں

گائیوں اور بکریوں کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کو روز قیامت کھلے میدان میں لٹایا جائے گا، پھر یہ جانور قطار میں آ کر اپنے قدموں اور سینگوں سے اسے لتاڑیں گے۔ جب آخری جانور گزر جائے گا تو پھر پہلا آ جائے گا اور یہ سلسلہ اسی طرح اس دن میں چلتا رہے گا، جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب ۳۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مال والا اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا، روز قیامت اس مال کی تختیاں بنائی جائیں گی، پھر انہیں خوب گرما کر ان سے اس کی پیشانی پہلو اور پشت کو داغا جائے گا (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے اموال سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا۔ سورہ توبہ، ۳۵) تا آنکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلے نمٹا دے اور یہ اس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۳۲)

یاد رہے قیامت کا دن کافروں منافقوں اور بدکردار لوگوں کے لئے تو پچاس ہزار برس کا ہوگا، مگر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہ دن مومن کے لئے ایک نماز کی ادائیگی سے بھی کم وقت میں گزر جائے گا۔'' (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۷۵)

اسی طرح قرآنِ مجید میں دوسری جگہ یہ بھی فرمایا گیا: وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ کہ ''قیامت کا معاملہ آنکھ جھپکنے جیسا ہے یا اس سے بھی قریب تر۔'' (نحل، ۷۷) اور ایک جگہ قرآنِ مجید میں قیامت کے دن کی مقدار ایک ہزار برس بھی بتائی گئی ہے۔ (حج، ۴۷)

اس سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) قیامت کا دن ہر شخص کے لئے اس کے اعمال کے مطابق لمبا یا چھوٹا کر دیا جائے گا، کسی کے لئے وہ پچاس ہزار برس کا ہوگا، کسی کے لیے ایک ہزار برس کا، کسی کے لیے ایک نماز کے وقت جیسا اور کسی کے لئے لمحہ بھر میں بدل جائے گا۔

(2) اس سے طیِ زمان (وقت کا لپیٹ دیا جانا) بھی ثابت ہوا۔ یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک وقت کسی شخص کے لیے طویل تر ہو اور وہی وقت دوسرے شخص کے لیے لپیٹ کر مختصر کر دیا جائے۔ جس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شب معراج ساتوں آسمانوں، عرش و کرسی اور ستر ہزار نوری حجابات کو طے کیا اور آپ بار بار نمازوں میں کمی کے لیے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں آتے جاتے رہے، مگر یہ ہزاروں برس کا سارا سفر چند لمحوں میں طے ہو گیا۔ بعض اولیاء اللہ کے لئے بھی طیِ زمان والی کرامات مشہور ہیں۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا۝۵ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا۝۶ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا۝۷ يَوْمَ تَكُوْنُ

تو آپ پیارے طریقے پر صبر کریں ،کفاراس دن کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے قریب جانتے ہیں، جس دن آسمان

السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ۝۸ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ۝۹ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا۝۱۰

پگھلی ہوئی چاندی جیسا ہو جائے گا اور پہاڑ روئی کی طرح ہو جائیں گے [3] اور کوئی دوست کسی دوست کے بارے میں نہ پوچھے گا،

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ۝۱۱

حالانکہ وہ انہیں دکھائی دیتے ہوں گے، مجرم تمنا کرے گا کاش وہ اس دن کے عذاب کے بدلے میں اپنے بیٹے دے دے

وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ۝۱۲ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ۝۱۳ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

اور اپنی بیوی اور اپنا بھائی اور اپناوہ قبیلہ دیدے جو اسے پناہ دیتا ہے اور جو لوگ بھی زمین میں ہیں سب کو دے دے،

جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ۝۱۴

پھر یہ چیز اسے بچالے۔[4]

[3] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ! اگر کفار قرآن کا یا قیامت کے عذاب کا مذاق اُڑاتے ہیں، تو آپ صبر جمیل رکھیں یعنی آپ کی زبان سے ان کے خلاف کوئی دعا نہ نکلے۔ کفار قیامت کے عذاب کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے قریب جانتے ہیں اس دن آسمان چاندی کی طرح پگھل جائے گا اور پہاڑ روئی کے گولوں کی طرح اُڑ جائیں گے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ۝۵ کہ ''پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔''
(قارعہ،۵)

[4] قیامت میں گہرے دوست ایک دوسرے سے اجنبی بن جائیں گے، حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے پہچانتے ہوں گے، مگر یہ کافروں اور مجرموں کی بات ہے۔ صالحین و متقین یعنی اولیاء کاملین اس روز بھی اپنی دوستی نبھائیں گے۔ قرآن میں ہے: اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ۝۶۷ ''گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوا پرہیز گاروں کے۔'' (زخرف،۶۷)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دن مجرم انسان تمنا کرے گا کہ کاش وہ اپنی جگہ اپنے بیٹوں، اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے محافظ قبیلے کو بلکہ تمام روئے زمین کے انسانوں کو بدلے میں دے کر اپنی جان کو عذاب سے بچالے، یعنی اگر اس

کے بس میں یہ ہوتو وہ ایسا کر گزرے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ﴿۳۶﴾ اس دن انسان اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے بھاگے گا۔ (عبس، ۳۴) اس آیت میں بیٹوں کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا کیونکہ انسان کو سب سے زیادہ محبت اپنی اولاد سے ہوتی ہے، مگر روز قیامت انسان اپنی جان بچانے کے لئے اپنی اولاد کو بھی اپنی جگہ دینے پر تیار ہوگا۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) بیوی بچوں کی خوشنودی کے لئے مال حرام کمانا عظیم خسارہ ہے:

انسان اپنی فیملی کے اچھے مستقبل کے لئے حرام مال کماتا، نمازیں چھوڑتا اور دوسروں کا حق کھا جاتا ہے، مگر روز قیامت یہ سب اس کے دشمن ہوں گے۔ تو ایسے بیوفاؤں کے لئے اپنی عاقبت کو برباد کرنا کتنا بڑا خسارہ ہے۔ ایسے ہی بیوی بچوں کے بارے میں فرمایا گیا: اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ''بیشک تمہارے بیوی بچوں میں سے تمہارے دشمن ہیں، ان سے بچ کر رہو۔'' (تغابن، ۱۴)

(2) دنیوی دوستیاں آخرت میں کام نہ آئیں گی:

جیسا کہ وَلَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ﴿۱۰﴾ سے ظاہر ہے، لوگ بُرے دوستوں کے کہنے پر اپنے عقائد خراب کر لیتے، گناہوں میں مبتلا ہوجاتے اور اللہ ورسول کو ناراض کر لیتے ہیں۔ مگر کوئی دوست قیامت کے دن انہیں بچانے نہ آئے گا۔

(3) حسب ونسب پہ فخر کرنا بے معنی ہے:

وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِ ﴿۱۳﴾ سے پتہ چلا کہ انسان قیامت کے دن اپنے قبیلے سے بھاگے گا۔ گویا برادری ازم روز قیامت ختم ہوجائے گا، تو کیوں نہ اسے دنیا ہی میں ختم کردیا جائے۔ ہاں اسلامی برادری روز قیامت بھی قائم ہوگی۔ حدیث مبارکہ میں ہے ''اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے باہم محبت کرنے والے دو دوست عرش کے سائے میں ہوں گے۔''

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب ۳۶ مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ۹۱)

كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚۖ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ وَجَمَعَ
ہرگز نہیں وہ شعلہ بار آگ ہے جو کھال کھینچ لیتی ہے۔ جہنم اس شخص کو بلائے گی، جو شخص پیٹھ پھیرے اور منہ موڑے اور مال
فَاَوْعٰى ۞ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّاِذَا
جمع کرے اور بچا کر رکھے [5] بیشک انسان کو حریص بنایا گیا ہے۔ جب اسے بُرائی پہنچے تو چلاتا ہے اور جب
مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ
بھلائی آئے تو اسے روک لیتا ہے[6]

[5] روز قیامت انسان اپنے بیٹوں، والدین اور عزیزوں سے اس لئے بھاگے گا کہ اسے بھڑکتی جہنم نظر آئے گی جو کھال اُتار لیتی ہے اور وہ اللہ کے احکام سے منہ موڑنے والوں کا نام لے کر انہیں پکارے گی کہ او فلاں شخص! اب مجھ سے بھاگو مت۔ تمہارے لئے جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہے، تم اللہ کے احکام سے بھاگتے تھے، تم مال جمع کرتے تھے اور اس میں سے غریبوں کا حق نہیں نکالتے تھے اب تم مجھ میں آجاؤ۔ تو انہیں اپنی پڑی ہوگی وہ اپنے بیٹوں، والدین اور عزیزوں کو کیا دیکھیں گے؟

[6] انسان کو مال دنیا کا حریص بنایا گیا ہے اگر اس سے مال چھن جائے تو وہ روتا چلاتا ہے اور جب مال ہاتھ آجائے تو اسے روک لیتا ہے اسے راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتا۔

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝۲۲ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝۲۳ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ

سوا ان نمازیوں کے جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرتے ہیں اور جن کے اموال میں

اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝۲۴ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۲۵ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ

مانگنے والے اور محروم شخص کے لئے مقرر حق ہے [7] اور جو روز انصاف کی

بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝۲۶ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝۲۷ اِنَّ

تصدیق کرتے ہیں اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک

عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝۲۸ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۲۹ اِلَّا

ان کے رب کا عذاب ایسا نہیں کہ اس سے بے خوف ہوا جائے [8] اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوا

عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۳۰ فَمَنِ

اپنی بیویوں کے یا ان (لونڈیوں) کے جن پر ان کے ہاتھ مالک ہیں، کہ اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں، چنانچہ

ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۳۱ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ

جس نے اس کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈھا، تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں [9]

وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۳۲ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝۳۳ وَالَّذِيْنَ

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدے کی حفاظت کرتے ہیں اور جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور جو

هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۳۴ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝۳۵

اپنی نماز پر حفاظت کرتے ہیں، وہی لوگ جنتی باغات میں عزت یافتہ ہوں گے [10]

[7] یعنی روز قیامت انسان کا اپنی اولاد، اپنے والدین اور دوسرے عزیزوں سے بھاگنا اور دنیا میں مال کا حریص ہونا یہ اللہ کے نافرمان بندوں کی صفات ہیں جبکہ فرمانبردار بندوں کی یہ نو (9) صفات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کی نو (9) صفات

اول: وہ ایسے نمازی ہیں کہ اپنی نماز پر ہمیشگی کرتے ہیں یعنی پابندی سے نماز پڑھتے ہیں، یہ نہیں کہ جب جی آیا نماز پڑھ لی، بلکہ وہ اسے اللہ کا سب سے بڑا فرض سمجھ کر پابندی سے پڑھتے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ نماز تہجد وغیرہ شروع کریں تو اس پر بھی پابندی کرتے ہیں، خواہ دو رکعات ہی پڑھیں۔ اسی لئے ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ ''اللہ کے ہاں پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے خواہ وہ کم ہو۔'' (بخاری کتاب اللباس باب ٧٣)

دوم: ان کے مال میں سائل (مجبوری کے وقت میں اپنی حاجت کے لئے مانگنے والا) اور محروم (اپاہج ومعذور جو کما نہیں سکتا) کے لئے مقرر حق ہے، جو بصورت زکوٰۃ، عشر اور فطرانہ وغیرہ ادا کیا جاتا ہے اور وہ اس حق کو ادا کرتے ہیں۔

[8] سوم: وہ قیامت کے دن کی تصدیق کرتے ہیں۔ یعنی وہ دل میں قیامت کا خوف رکھتے اور گناہوں سے دور رہتے ہیں۔

چہارم: وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو دنیا میں آسکتا ہے اور آخرت میں بھی اس سے بے خوف رہنا مومن کی شان نہیں۔

[9] پنجم: وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یعنی زنا اور اس کی طرف دعوت دینے والے کاموں سے دور رہتے ہیں جیسے بے حیائی کا دیکھنا اور بے حیائی کے بول سننا وغیرہ۔ البتہ اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے جنسی تقاضا پورا کرتے ہیں اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔

لونڈی وہ عورت ہے جو دوران جنگ کفار میں سے گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئی، اسے کوئی مسلمان خرید سکتا ہے اور خریدتے ہوئے جو الفاظ کہے جاتے ہیں وہ نکاح کے ایجاب وقبول کی جگہ پر ہیں۔ اور ضروری ہے کہ نکاح کی طرح لونڈی کا خریدنا بھی دو گواہوں کی موجودگی میں ہو۔ لہٰذا جو شخص بیوی اور لونڈی کو چھوڑ کر کسی اور طریقے (جیسے زنا لواطت اور خود لذتی وغیرہ) سے جنسی تقاضا پورا کرے، وہ اللہ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرتا ہے۔

لونڈیوں اور غلاموں کے حوالہ سے اسلام پہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام نے اس کا جواز کیوں رکھا ہے؟ مگر اعتراض کرنے والے یہ نہیں دیکھتے کہ ایسا کرنا اس وقت کی مجبوری رہی، اگر اس کی اجازت نہ رکھی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کفار تو ہر جنگ میں مسلمانوں کو قیدی اور غلام بنا لیتے اور بدلے میں ان کو یہ ڈر نہ ہوتا کہ ہمیں بھی مسلمانوں کے ہاتھوں غلام بننا پڑ سکتا ہے، یعنی غلام بنانے کی اجازت اس لیے دی گئی تاکہ کفار کے سامنے یہ دھمکی رہے۔

متعہ حرام ہے

اہل تشیع متعہ کو حلال کہتے ہیں۔ مگر یہ آیت متعہ کو حرام بتا رہی ہے کیونکہ مُتمتِّعہ (جس عورت سے متعہ کیا جائے) نہ بیوی ہے نہ لونڈی ہے۔

اس کا لونڈی نہ ہونا تو ظاہر ہے، کیونکہ لونڈی وہ ہے جسے خریدا جائے۔ اور بیوی نہ ہونا اس لئے ہے کہ اہل تشیع کے ہاں جو متعہ معروف ہے اس میں ان کے نزدیک متمتعہ عورت کے لئے نہ رہائش مہیا کرنا ضروری ہے نہ نان ونفقہ، اوراس کے لئے نہ طلاق ہے نہ میراث، نہ اس کے لئے چار کا عدد مقرر ہے بلکہ بیک وقت ہزاروں عورتیں ان کے نزدیک متعہ میں رکھی جا سکتی ہیں۔ (فروع کافی جلد ۵ صفحہ ۴۵۲ کتاب النکاح)

ان کے نزدیک متعہ میں گواہ کی بھی ضرورت نہیں۔ (الاستبصار صفحہ ۵۴۴ مطبوعہ الاعلمی، بیروت)

بلکہ ان کے نزدیک متعہ کرنے والے پر کسی عدت کا پاس بھی لازم نہیں۔ اہل تشیع نے اپنی مرضی سے متعہ کی عدت 45 دن مقرر کی ہے، حالانکہ قرآن میں ایسی کسی عدت کا ذکر نہیں۔ تاہم ایک شیعہ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا سے پوچھا کہ جس متعہ والی عورت کی عدت ابھی مکمل نہ ہوئی ہو اور اس سے کوئی دوسرا مرد متعہ کرے تو کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا مرد پہ کوئی گناہ نہیں، صرف عورت پہ گناہ ہے (گویا مرد کو کسی تحقیق کی ضرورت نہیں)

(فروع کافی کتاب النکاح باب شروط المتعۃ صفحہ ۸۵۵)

اس کی مفصل بحث ہم پیچھے سورہ مومنون آیت نمبر 5 کے تحت لکھ آئے ہیں، وہاں دیکھیں۔

معلوم ہوا کہ متعہ والی عورت کسی بھی لحاظ سے بیوی نہیں کہلا سکتی اور وہ لونڈی بھی نہیں ہے، تو پھر اس کے ساتھ جنسی عمل کرنے والے کو قرآن کی زبان میں سرکش ہی کہا جائے گا۔

خودلذتی حرام ہے

جب بیوی اور لونڈی کے سوا کسی اور طریقہ سے جنسی تقاضا پورا کرنے والا حد سے بڑھنے والا ہے تو عمل بالید (ہاتھ سے مادہ منویہ کا اخراج) بھی حرام ہے، کیونکہ یہ بھی اس میں شامل ہے۔ اس کے حرام ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ اس کا مرتکب انسان اسے لوگوں سے چھپاتا اور اس پر شرمندگی محسوس کرتا ہے اور ارشاد نبوی ہے:

الاثمُ ماحاكَ فی نفسكَ و كرِهتَ ان يطّلعَ النّاسُ عليه۔ ''گناہ ہر وہ کام ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تجھے یہ پسند نہ ہو کہ لوگوں کو پتہ چلے۔'' (مسلم کتاب البر حدیث ۱۴)

[10] ششم: مؤمنین اپنی امانتوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ یعنی اگر ان کے پاس کوئی مال یا راز امانت رکھا جائے تو اس میں خیانت نہیں کرتے۔ اور سب سے بڑی خیانت مسلمانوں کے اجتماعی مال میں خیانت ہے۔

خیانت کرنے والے کا عذاب

حدیث مبارکہ میں ہے کہ کسی غزوہ میں ایک شخص نے مال غنیمت میں سے دو چادریں تقسیم سے قبل چرا لیں، پھر اسے تیر لگا اور وہ مر گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ شخص آپ کے اونٹ اور کجاوے کی دیکھ بھال کر

رہا تھا آپ کو اس کی شہادت پر مبارک ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں، ہرگز نہیں (یہ منافق تھا) اس نے مال غنیمت سے دو چادریں چُرائی تھیں، وہ آگ بن کر اس پر لپٹی ہوئی ہیں۔ اور یاد رکھو جس نے ایک تسمہ بھی سرکاری مال سے چرایا ہوگا وہ اس کے لئے آگ بن جائے گا۔ (بخاری کتاب المغازی باب ۳۷)

مگر ہمارے حاکموں اور سرکاری افسران کا یہ حال ہے کہ وہ عوام کے مال کو شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر رہے ہیں اور اس پہ انہیں ذرا بھی شرم یا خوف محسوس نہیں ہوتا۔

ہفتم: مومنین اپنا وعدہ پورا کرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں یہ حکم ہے: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾ ''وعدہ پورا کرو بے شک وعدے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔'' (بنی اسرائیل، ۳۴)

ہشتم: مومنین اپنی گواہی پر قائم رہتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے توحید و رسالت پر گواہی دی تو اس پر وہ قائم رہتے ہیں جس میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ اللہ و رسول کے احکام پورے کرتے ہیں اور جس شرعی معاملہ میں انہیں گواہ بنایا جائے، وہ عندالطلب گواہی کو نہیں چھپاتے۔

نہم: وہ نماز پر حفاظت کرتے ہیں۔ نماز کی حفاظت یہ ہے کہ اس کے فرائض و واجبات میں کوتاہی نہ کی جائے۔ اور نماز کے بعد کسی مسلمان کو دھوکہ، جھوٹ، غیبت اور گالی کے ذریعے نہ ستایا جائے، ورنہ بندے کی نمازوں کا ثواب ان لوگوں کو منتقل ہوسکتا ہے جن کو اس نے ستایا تھا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان نو صفات کے حامل لوگ جنت میں بڑی عزت و مرتبت کے ساتھ رہیں گے۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی ان صفاتِ عالیہ کا حامل بنائے۔ آمین!

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ

تو کافروں کے لئے کیا سبب ہے کہ وہ آپ کی طرف دائیں بائیں سے جماعت در جماعت

عِزِيْنَ ۝ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّا

لپکے آتے ہیں [11] کیا ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے؟ ہرگز نہیں [12] ہم نے

خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا

انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جو وہ جانتے ہیں۔ تو مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم ہم

لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝

اس بات پر قادر ہیں کہ ان کے بدلے ان سے اچھے لوگ لے آئیں اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں [13]

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ يَوْمَ

تو آپ انہیں چھوڑ دیجئے کہ (اپنی دنیا میں) ڈوبے اور کھیلتے رہیں، حتیٰ کہ اس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، جس دن

يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ خَاشِعَةً

وہ قبروں سے تیزی سے نکلیں گے جیسے وہ نصب شدہ نشانات کی طرف لپک رہے ہوں، ان کی

اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝

آنکھیں جھکی ہوں گی ان پر ذلت سوار ہو گی، یہ وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا [14]

کفار کے اخروی عذابات کا بیان

[11] مروی ہے کہ یہ آیت کفار کی ایک جماعت کے بارے میں اُتری جو حضور سید عالم ﷺ کے گرد جمع ہو جاتے، آپ کا کلام سنتے، پھر اس کا مذاق اُڑاتے اور تکذیب کرتے تھے۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۱۵۲)

عزین عِزَةٌ کی جمع ہے جو اصل میں عِزْهَةٌ ہے جس کا معنی جماعت ہے جیسے سنین سِنَةٌ کی جمع ہے جو اصل میں سِنهَةٌ ہے جس کا معنی برس ہے، تو عزین کا معنی جماعت در جماعت ہوا۔ جیسے حدیث مبارکہ میں ہے کہ صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم مسجد میں الگ الگ حلقے بنا کر بیٹھے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا:
مالی اراکم عِزِین کیا سبب ہے کہ میں تمہیں ٹولیوں میں دیکھتا ہوں۔ یعنی کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جماعت در جماعت دائیں بائیں سے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور آپ کے پاس بیٹھنے کے باوجود ایمان نہیں لاتے، کیونکہ وہ محض مذاق کرنے آتے ہیں ان کے دل میں آپ کا احترام نہیں ہے۔ معلوم ہوا ایمان کی بنیاد احترام و تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔

[12] مروی ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہونے والے کفار آپ کے پاس بیٹھے ہوئے غریب و نادار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھ کر کہتے: اگر یہ لوگ جنت میں گئے تو ہم ضرور جنت میں جائیں گے۔ (تفسیر عزیزی)

اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ کیا ان کفار میں سے ہر شخص جنت میں جانا چاہتا ہے؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق بھی اُڑائیں اور جنت میں بھی جائیں۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گستاخ جنت میں نہیں جائے گا۔ دور حاضر کے گستاخان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عبرت پکڑنی چاہیے۔

[13] یعنی کفار جانتے ہیں کہ بحیثیت انسان وہ کس چیز سے پیدا کئے گئے ہیں، وہ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ تو ہمیں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم یعنی ہمیں ہماری اپنی قسم! جب ہم نے کفار کو مٹی سے بنایا ہے تو ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ انہیں دنیا سے اٹھا کر ان کی جگہ دوسرے لوگ لے آئیں۔ یاد رہے کہ زمین گول ہے اور اس کی گولائی تین سو ساٹھ ڈگریوں میں منقسم ہے۔ اور سورج روزانہ ان میں سے ہر ڈگری پر سے گزرتا ہے اور وہاں کے رہنے والوں کو طلوع وغروب ہوتا نظر آتا ہے۔ اس طرح اس کے تین سو ساٹھ مشارق اور اتنے ہی مغارب ہیں۔ اس لیے فرمایا گیا: فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ۔

[14] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کفار کو اپنی سرکشی میں ڈوبے رہنے اور کھیلتے رہنے دیں یعنی ان کی سرکشی پر پریشان نہ ہوا کریں، قیامت کے دن یہ لوگ اپنی قبروں سے یوں تیزی سے نکلیں گے جیسے کوئی نشان مقرر کیا گیا ہو اور لوگ اس تک سب سے پہلے پہنچنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ یعنی آج وہ آپ کی آواز پر لبیک نہیں کہتے، مگر روز قیامت وہ فرشتے کی پکار پر تیزی سے لپکیں گے، ان کی آنکھیں ذلت سے جھکی ہوں گی، مگر یہ ندامت انہیں فائدہ نہ دے گی۔ تب ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے قیامت کا دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اور تم اس کو جھٹلاتے تھے۔

الحمد للہ آج 13 ذی قعدہ 1429ھ بمطابق 15 نومبر 2008ء بروز ہفتہ بعد نماز عشاء سورہ معارج کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورۃ نوح

سورہ نوح ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 71ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 70ویں سورت ہے۔ جو سورۂ نحل کے بعد اور سورۂ ابراہیم سے قبل نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے۔ اسے سورۂ نوح اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اول تا آخر حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ اور ان کی قوم کے انکار کے سبب ان پر آنے والے عذاب کا ذکر ہے۔ اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام سے ہٹ کر کوئی بیان نہیں ہے۔

اس سورت میں 2 رکوعات، 28 آیات، 224 کلمات اور 999 حروف ہیں۔

مضامین

سورہ نوح کے پہلے رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی مساعی کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ جس قدر آپ نے پیغام حق کے پہنچانے میں جدوجہد کی، اسی قدر قوم نے انکار کی روش اپنائی۔ آپ نے ان کو بتایا کہ دیکھو اللہ ہی خالق ارض وسما ہے اور وہی شمس وقمر کے چراغ روشن کرنے والا ہے تو اسی کی عبادت کرو۔

جبکہ دوسرے رکوع میں بتایا گیا ہے کہ ان کی قوم نے دعوت حق کو ٹھکراتے ہوئے کہا کہ اپنے ود، سواع، یعوق اور نسر وغیرہ بتوں کی پرستش مت چھوڑو۔ تب حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی غرقابی کی دعاء کی، تو اللہ تعالیٰ نے سب کو پانی میں ڈبو کر مار دیا۔ اور پوری قوم نوح میں سے ایک کافر کو بھی زندہ نہ چھوڑا گیا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتہا ۲۸ ﴿۷۱ سُوْرَۃُ نُوحٍ مَکِّیَّۃٌ ۷۱﴾ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ

بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرائیں اس سے قبل کہ ان پر دردناک

عَذَابٌ اَلِیْمٌ ① قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ② اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

عذاب آ جائے [1] انہوں نے کہا اے میری قوم! میں تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو

وَاتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْنِ ③ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ

اور اس سے ڈرو اور میری بات مانو، تو اللہ تمہارے گناہوں میں سے بخش دے گا اور تمہیں مقرر مدت تک

مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④

مہلت دے گا۔ بے شک جب اللہ کی تقدیر آجاتی ہے تو پیچھے نہیں کی جاتی، اگر تم جانتے تو (کفر نہ کرتے) [2]

وقف لازم

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی مساعی اور قوم کا انکار

[1] حضرت نوح علیہ السلام وہ پہلے رسول ہیں جو کفار کو دعوتِ توحید ورسالت دینے کے لئے مبعوث ہوئے۔ ان سے قبل حضرت آدم علیہ السلام، شیث علیہ السلام اور ہاد علیہ السلام مبعوث ہوئے، اس وقت نسل انسانی کا آغاز ہو رہا تھا اور جو چند انسان تھے وہ مسلمان ہی تھے۔ پھر جب نسل انسانی پھیلی تو ان میں بت پرستی بھی آ گئی (جس کے اسباب اگلے رکوع میں بتائے گئے ہیں) تب حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ وہ حدودِ عراق میں مبعوث ہوئے (اسوقت انسانی آبادی جزیرۂ عرب سے باہر نہیں نکلی تھی)

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جتنے انسان زمین پر آباد تھے آپ ان سب کی طرف مبعوث ہوئے۔ تاہم تمام روئے زمین کے لئے تا ابد مبعوث کیا جانا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا خاصہ ہے۔ کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت صرف اپنے زمانہ کے لئے تھی۔ ان کے بعد نئے انسان نئے انبیاء اور نئے احکام آ گئے، مگر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں

آئے گا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں اُرْسِلْتُ اِلَی الخلقِ کافَّۃً وَ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔ مجھے تمام مخلوق خداوندی کی طرف بھیجا گیا ہے اور مجھ پر سلسلۂ انبیاء کو ختم کر دیا گیا ہے۔

(مسلم کتاب المساجد جلد اول صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ کراچی، مسند احمد بن حنبل جلد دوم صفحہ ۴۱۲، سنن بیہقی جلد ۹ صفحہ ۵ کتاب السیر)

اسی لئے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہاں فرمایا گیا: اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ۔ اور حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ (انبیاء، ۱۰۷) اور فرمایا گیا: تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۝ ''برکت والا ہے وہ رب جس نے اپنے بندۂ خاص (محمد مصطفیٰ ﷺ) پہ فرقان (قرآن) نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے نذیر (نبی) بنے۔'' (فرقان، ۱)

[2] حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہیں کھلے طور پر خبردار کرنے آیا ہوں کہ بت پرستی چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کرو، اسی سے ڈرو، بتوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور میری پیروی کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو ایمان لانے کی برکت سے اللہ تمہارے سابقہ گناہوں میں سے کچھ معاف کر دے گا یعنی اپنے حقوق بخش دے گا جبکہ بندوں کے حقوق بندے ہی معاف کریں تو وہ معاف ہو سکتے ہیں۔ اور اللہ تمہیں مقررہ مدت تک مہلت دیدے گا یعنی تمہاری موت کا جو وقت مقرر ہے اس تک تمہیں زندہ رہنے دے گا، اس سے قبل نہیں مارے گا اور جب اللہ کا وعدہ یعنی اس کا عذاب آجاتا ہے تو اسے موخر نہیں کیا جاتا لہٰذا اللہ کے عذاب کو مت للکارو۔

اسلام کی برکت سے زمانۂ کفر کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں

اس جگہ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے کی برکت سے سابقہ زندگی کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی لئے جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں اس شرط پر ایمان لاتا ہوں کہ میرے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں تو حضور سرور کونین ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تم جانتے نہیں ہو: اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا قَبْلَهٗ کہ اسلام اپنے سے قبل والے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۹۲)

اس سے اہل تشیع کو عبرت پکڑنی چاہیے جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبل اسلام والی زندگی کے حوالے سے ان پر اعتراضات کرتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ

نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی، مگر میری پکار نے ان کے فرار ہی میں

اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ

اضافہ کیا، اور میں نے جب بھی انہیں بلایا تاکہ اے اللہ! تو ان کو بخشے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں

وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ

اور خود کو کپڑوں میں ڈھانپ لیا اور (کفر پر) اصرار کیا اور بڑا تکبر کیا۔ پھر میں نے انہیں

جِهَارًا ۙ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۹﴾ فَقُلْتُ

کھلی دعوت دی پھر میں نے انہیں علانیہ بھی پکارا اور خفیہ بھی بلایا [3] تو میں نے کہا (اے لوگو)

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾

اپنے رب سے بخشش مانگو، بے شک وہ بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا

وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾

اور تمہیں اموال اور اولاد کے ذریعے مدد دے گا اور تمہارے لئے باغات اور نہریں بنا دے گا [4]

[3] حضرت نوح علیہ السلام طویل ترین عرصہ جو ساڑھے نو صدیوں پر محیط تھا تبلیغ دین فرماتے رہے، مگر چند افراد جو روایات کے مطابق اسی (80) یا کم وبیش تھے، کے سوا کوئی شخص ایمان نہ لایا۔ تب حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ! میں نے قوم کو دن رات دعوت حق دی ہے مگر میری دعوت نے ان کی نخوت ہی میں اضافہ کیا ہے۔ حضرت میں نے جب بھی انہیں بلایا انہوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور خود پر کپڑا ڈال لیا، تاکہ میری شکل نہ دیکھیں اور میں انہیں نہ دیکھ پاؤں کہ کون کھڑا ہے کون سن رہا ہے؟ اور یہ بات نہیں کہ انہیں میری دعوت کی سمجھ نہیں آئی، وہ سب کچھ سمجھنے کے باوجود صرف تکبر کی وجہ سے کفر پر اصرار کرتے ہیں، پہلے میں انہیں خفیہ دعوت دیتا رہا تاکہ چند ساتھی جمع ہو جائیں تو پھر کھلی دعوت عامہ شروع کی جائے۔ جب چند افراد جمع ہوئے تو میں نے کھلی دعوت شروع کی، پھر میں اجتماعی انداز میں علانیہ تبلیغ بھی کرتا رہا اور انفرادی انداز میں خفیہ دعوت بھی دیتا رہا۔

[4] جب قوم نوح نے مسلسل کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قحط مسلط کر دیا۔ تب حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے لوگو!

اپنے رب سے بخشش مانگو یعنی کفر وسرکشی اور گناہوں سے توبہ کر کے ایمان لاؤ اور اچھے اعمال کرو تو اللہ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہارے اموال واولاد میں برکت ڈالے گا اور باغات کھل اُٹھیں گے اور نہریں بہہ پڑیں گی۔

استغفار کی کثرت سے برکتیں آتی ہیں

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ الخ سے معلوم ہوا کہ استغفار سے قحط دور ہوتا، بارشیں برستیں، اموال واولاد کی کثرت آتی، باغات مہکتے اور نہریں بہتی ہیں۔

شعبی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز استسقآء کے لئے نکلے، تو صرف استغفار پڑھتے رہے اور کچھ نہ کیا۔ ابھی وہ پلٹے نہ تھے کہ بارش شروع ہوگئی۔ لوگوں نے کہا: آپ نے بارش طلب کرنے کا تو نام ہی نہ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا میں نے بھرپور بارش طلب کی تھی۔ کیونکہ میں نے استغفار کیا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت پڑھی: اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ (تفسیر قرطبی جلد ۱۸ صفحہ ۳۰۲)

اسی طرح ایک صحابی کے بارہ میں مروی ہے کہ کسی نے ان سے کہا بارش نہیں ہورہی، فرمایا: استغفار کیا کرو۔ پھر کسی نے کہا: میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی، فرمایا: استغفار کیا کرو، کسی نے کہا میرے رزق میں تنگی ہے، فرمایا: استغفار کیا کرو۔ کسی نے پوچھا آپ نے ہر سوال کے جواب میں یہی کہا ہے کہ استغفار کرو۔ کہنے لگے: کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں پڑھی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مصائب سے نجات کا واحد طریقہ اللہ ورسول کی اطاعت ہے۔ کیونکہ اس آیت سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ سے سچے دل کے ساتھ گناہوں کی معافی مانگیں اور اپنے دل میں جذبہ اطاعت پیدا کرلیں تو اللہ جل مجدہٗ الکریم ہمیں خوش حالی دے دے گا اور زبوں حالی دور ہوجائے گی۔ آج مسلمانوں کی زبوں حالی کی وجہ صرف ان کی بدعملی ہے۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ
تمہیں کیا ہے کہ اللہ کے جلال کی توقع نہیں رکھتے ہو؟ جبکہ اس نے تمہیں کئی مراحل میں پیدا کیا، کیا تم نہیں دیکھتے ہو
خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ
کہ اللہ نے تہہ بہ تہہ سات آسمان بنائے اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو
الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ
روشن چراغ بنایا؟ [5] اور اللہ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، پھر وہ تمہیں
فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ﴿۱۹﴾
زمین میں لوٹائے گا اور پھر اس میں سے تمہیں نکالے گا اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا
لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ ع
تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چل سکو [6]

ع ۱

[5] حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کی پکڑ سے کیوں نہیں ڈرتے، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے تمہیں مختلف مراحل میں پیدا کیا۔ تمہیں پہلے نطفہ سے، پھر خون کے قطرہ سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے، مکمل انسان بنایا، پھر تم میں روح ڈالی، پھر وہ تمہیں دنیا میں لایا اور بچپن ولڑکپن سے گزار کر جوانی و بڑھاپے تک لایا۔ اور اللہ نے تمہارے اوپر تہہ بہ تہہ سات آسمان بنائے، پھر ان کے نیچے چاند کو ایک نور بنایا، جو خود تو روشن ہے مگر کسی دوسرے ستارے کو روشن کر نہیں سکتا اور سورج کو چمکانے والا چراغ بنایا کہ اس کے نور سے چاند اور ستارے روشن ہوتے ہیں، تو جس رب کی اتنی قدرتیں اور عظمتیں ہیں اس کی پکڑ سے بے خوف ہو کر اس کے ساتھ بتوں کو معبود بنانا کس قدر سینہ زوری و جہالت ہے۔

[6] حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے لوگو! اللہ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، پھر وہ تمہیں زمین میں لوٹا دے گا، پھر زمین ہی سے دوبارہ اُٹھائے گا اور اس نے تمہارے لئے زمین میں راستے بنائے ہیں کہ تم ان پر چل کر اپنے مقاصد تک پہنچ سکو۔ کیونکہ اس نے زمین کو بچھونے کی طرح نرم بنایا ہے جس میں تم آسانی سے راستے بنا لیتے ہو، اگر وہ زمین کو پتھر کی طرح سخت بنا دیتا تو تم اس میں کوئی راستہ نہ بنا سکتے۔ لہٰذا اس کا شکر بجا لاؤ اور اس کے ساتھ بتوں کو معبود نہ بناؤ۔

عربوں کے اصنام اور مورتیں

۱۔سواع ۲۔العزیٰ ۳۔اللات ٤۔مناة
٥۔نسر ٦۔ود ۷۔یعوق ۸۔یغوث

وہ بت جن کا ذکر قرآن کریم میں نہیں

۹۔إساف ۱۰۔ذوالخلصہ ۱۱۔ذوالشریٰ
۱۲۔ذوالکفین ۱۳۔نائلة ۱٤۔ہبل

جزیرہ نمائے عرب
نجد
حجاز
عسیر
یمن
ربع الخالی
الاحساء
عُمان
ظفار
مدین
مصر
سودان
حبشہ
صحرائے نوبیہ
صحرائے نفود
فارس (ایران)
بحیرۂ احمر
بحیرۂ قلزم
بحیرۂ عرب
بحر ہند
خلیج عربی (خلیج فارس)
خلیج عُمان
خلیج عدن
قرن افریقہ
دریائے نیل
بحیرۂ روم
بحیرۂ مردار
عراق
سیناء
فیوم
قاہرہ
اسکندریہ
ایلہ
عقبہ
تبوک
دُومۃ الجندل
کاظمہ
دارین
شیراز
بوشہر
زاہدان
دبا
صحار
مسقط
مصیرہ
مدینہ منورہ
رابغ
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
نجران
صنعاء
حدیدہ
مخا
عدن
مکلا
حضرموت
تریم
جیزان
مصوع
عصب
باب المندب

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا

نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کے پیچھے چلے جس کے مال اور اولاد نے اس کے لیے

خَسَارًا ۟ۚ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۟ۚ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ

خسارے کے سوا کچھ نہیں بڑھایا [7] اور انہوں نے بڑا فریب کیا۔ اور کہنے لگے اپنے خداؤں کو مت چھوڑو، اور وَد، سواع،

وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۥ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۟ۚ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۥ وَلَا

یغوث، یعوق اور نسر کو مت چھوڑو [8] اور انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور اے اللہ!

تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۥ

ظالموں کے لیے گمراہی کے سوا کچھ نہ بڑھا، وہ اپنی خطاؤں ہی کے سبب غرق کیے گئے اور نار جہنم میں داخل کیے گئے،

فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾

تو انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں کوئی مدد نہ پائی [9]

حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کے خلاف دعاء ہلاکت

[7] حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی نافرمان قوم کے خلاف اللہ تعالیٰ کے حضور استغاثہ کرتے ہوئے عرض کیا: اے میرے رب! ان لوگوں نے میری نافرمانی کی ہے اور اپنے ان سرداروں اور وڈیروں کی بات مانی ہے جن کو ان کے مال اور ان کی اولاد نے خسارے کے سوا کچھ نہیں بڑھایا۔ یعنی اللہ نے انہیں مال و اولاد کی کثرت دی، تو وہ متکبر و سرکش اور اللہ سے باغی ہو گئے اور اپنے قبائل کو اپنے پیچھے لگا کر کفر و شرک کے راستہ پر ڈال دیا۔ اس میں یہ درس ہے کہ اللہ جس کو مال و اولاد کی کثرت دے اسے دوسرے لوگوں سے زیادہ اللہ و رسول کی اطاعت بجالانا چاہیے اور اللہ کی نعمتیں حاصل کر کے متکبر و سرکش ہو جانا کفار کا کام ہے۔

[8] قوم نوح علیہ السلام کے سرداروں نے کہا: اے لوگو! نوح کے کہنے پر اپنے خداؤں کو نہ چھوڑو جن کے یہ نام ہیں وَد، سُواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ حضرت نوح علیہ السلام نے مزید عرض کیا کہ اے اللہ! ان بڑے کافروں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، لہٰذا اے اللہ! تو ان ظالموں کے لئے گمراہی کے سوا کچھ نہ بڑھا۔ گویا آپ اللہ کے بتانے سے جانتے تھے کہ یہ گمراہ کن سردار اب جہنم ہی کا ایندھن بننے والے ہیں، اس لئے آپ نے ان کی سزا میں اضافہ کی دعا کی۔

ود، سواع، یغوث، یعوق اور نصر قوم نوح کے صالحین تھے

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

قوم نوح علیہ السلام میں جو بت تھے وہ بعد میں اہل عرب کے ہاں پوجے جانے لگے۔ چنانچہ دومۃ الجندل میں آباد بنو کلب ود کو پوجنے لگے۔ بنو ھذیل سواع کو، بنو مراد یغوث کو، بنو ہمدان یعوق کو اور آل ذی کلاع نسر کو پوجنے لگے اور یہ (ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) قوم نوح علیہ السلام کے چند صالحین کے نام تھے۔ جب وہ صالحین فوت ہوئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ جن مقامات پر وہ عبادت کرتے تھے، وہاں ان کے ناموں کے بت بطور یادگار کھڑے کر دو۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، جب وہ لوگ مر گئے اور پچھلے لوگوں کو معلوم نہ رہا کہ یہ بت کیا ہیں تو انہوں نے ان بتوں ہی کی پوجا شروع کر دی۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ نوح حدیث ۴۹۲۰)

مروی ہے کہ ود کی پرستش دومۃ الجندل یعنی علاقہ تبوک میں ہوتی تھی، سواع کی علاقہ مدین میں، یغوث کی علاقہ عسیر میں جو جزیرہ عرب کا جنوب ہے، یعوق کی طائف میں اور نسر کی نجران میں جو یمن میں ہے۔ آجکل نجران سعودیہ کا جنوبی بارڈر ہے۔ نقشہ میں یہ تمام علاقے ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

محمد بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں:

یغوث، یعوق اور نسر حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے مابین کچھ صالحین گزرے تھے، ان کے مرنے کے بعد ان کے پیروکاروں نے ان کی تصویریں (مورتیاں) بنالیں تاکہ ان کی یاد قائم رہے۔ جب وہ پیروکار مر گئے اور دوسرے لوگ آ گئے تو ابلیس نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ پہلے لوگ ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے اور انہی کے ذریعے انہیں بارش ملتی تھی، تو انہوں نے ان مورتوں کی عبادت شروع کر دی۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۴)

امام باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَد ایک مسلمان آدمی تھا لوگ اس سے محبت رکھتے تھے۔ جب وہ مر گیا تو لوگ اس کی قبر کے گرد بیٹھ کر روتے تھے۔ جب شیطان نے یہ دیکھا تو ان کے پاس انسانی شکل میں آ کر کہنے لگا: میں تمہارا یہاں رونا دیکھتا ہوں، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں اس کی مورت بنادوں اور تم اسے اپنی مجلس میں رکھ لو تاکہ اسے یاد کیا کرو؟ انہوں نے کہا: ہاں درست ہے۔ تو شیطان نے انہیں وَد کی مورت بنادی جو انہوں نے اپنی مجلس میں رکھ لی۔ پھر وہ لوگ مر گئے اور انکی اگلی نسل آ گئی تو انہوں نے اسی مورت کو پوجنا شروع کر دیا، تو سب سے پہلا جھوٹا خدا جس کو پوجا گیا وہ وَد کا بت تھا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۷۶ حدیث ۱۸۹۹۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مکہ مکرمہ)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ طوفان نوح میں یہ مورتیں ریت میں دب گئیں اور طویل زمانہ دبی رہیں، پھر شیطان نے انہیں مشرکین عرب کے لئے نکال لیا۔ (تفسیر مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۷۷)

امام خازن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی لئے ظہور اسلام سے قبل عرب میں عبد ود اور عبد یغوث کے نام معروف تھے۔
(خازن جلد ۷ صفحہ ۱۵۷)

ہم کہتے ہیں اس کی مثال ایسے ہے کہ 500 قبل مسیح میں مہاتما بدھ نے ہندو مذہب کی برائیوں کے خلاف تبلیغ شروع کی۔ جب وہ مر گیا تو اس کے پیرکاروں نے اس کے یادگاری بت بنا لئے اور کچھ زمانہ بعد ان بتوں کی پرستش شروع ہوگئی۔ حالانکہ مہاتما بدھ کی تعلیمات میں بت پرستی کا کوئی دخل نہ تھا، مگر اس کے مرنے کے بعد عقیدت مندوں نے اس کے بت گھڑے اور بعد میں ان بتوں کی پوجا شروع ہوگئی اور آج جاپان، چین، تھائی لینڈ اور تائیوان وغیرہ کے کروڑوں لوگ مہاتما بدھ کے بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ یونہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، انہوں نے اپنا وقت درسِ توحید وردِ شرک میں گزارا، مگر بعد میں انہی کو خدا بنا لیا گیا اور ان کے یادگاری بت بنا کر ان کی پوجا کی جانے لگی، اگر یہی واقعہ قوم نوح میں بھی ہوا ہو تو کچھ بعید نہیں۔

پیروں فقیروں کی تصویریں بنانے کا گناہ

اسی لئے اسلام نے کسی جاندار مخلوق کی تصویر، مورت اور بت کا بنانا حرام قرار دیا ہے۔ اگر یہ جائز ہوتا تو لوگ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ کے بت بنا لیتے اور بعد میں ان کی پرستش شروع ہو جاتی۔ آج بعض جہلاء اولیاء اللہ کی قبور کو سجدے کرتے نظر آتے ہیں، اگر ان کو اولیاء اللہ کے بت بنانے کی اجازت دی جاتی تو وہ ان کے بتوں کو بھی سجدے کرتے۔ اسی لئے فقہاء نے قبور کے بوسے سے منع فرمایا ہے۔ حکماء کہتے ہیں بخار سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ نزلے سے بچا جائے۔ میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ بازار میں ہندوؤں کے دیوتا کرشنا کی تصویر گری پڑی تھی اور لوگ اس کو روندتے ہوئے گزر رہے تھے۔ ایک ہندو نے دیکھ کر کہا: مسلمانوں کے نبی نے تصویر کو حرام قرار دے کر بہت اچھا کیا ہے، ورنہ ان کی تصویر کا بھی یہی حال ہوتا۔

کفار مکہ نے کعبہ شریف کی دیوار پر حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تصاویر بنا رکھی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر سب سے اول ان تصاویر کو اپنے ہاتھ سے مٹایا۔ (بخاری کتاب الحج باب ۵۴)

جو لوگ گھروں میں اپنے پیر و مرشد کی تصویر کو سجا کر لگاتے ہیں، وہ سوچیں کہ ان کے پیر و مرشد کا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے جد اعلیٰ خلیل اللہ علیہ السلام کی تصویر برداشت نہیں ہے، تو کسی پیر فقیر کی تصویر کی کیا حیثیت ہے؟

[9] یعنی قوم نوح کو انہی جرائم کی وجہ سے پانی میں غرق کر کے مارا گیا اور جہنم میں داخل کیا گیا اور ان کے جھوٹے خدا انہیں دنیوی و اُخروی عذاب سے نہ بچا سکے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) عذاب برزخ کی حقانیت: فَاُدْخِلُوْا نَارًا کا مفہوم یہ ہے کہ قوم نوح کو غرق کے بعد فوراً نار جہنم میں پہنچا دیا گیا یعنی ان کی ارواح کو جہنم میں جلایا گیا، اسی کو عذاب برزخ یا عذاب قبر کہا جاتا ہے۔ معتزلہ نے عذاب قبر سے انکار کیا، مگر یہ حق ہے۔ چنانچہ مشہور حدیث ہے کہ حضور ﷺ دو قبروں کے درمیان سے گزرے تو آپ کا دراز گوش اُچھلا۔ آپ ﷺ نے نیچے اُتر کر ایک ٹہنی منگوائی اور اس کے دو حصے کر کے دونوں قبروں پر ایک ایک حصہ گاڑ دیا اور فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا تھا۔ ایک پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا غیبت کرتا تھا اور اب جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں ان کا عذاب ہلکا رہے گا۔ (بخاری کتاب الوضوء باب ۵۵)

(2) عذاب برزخ کے لئے قبر ہی میں دفن ہونا ضروری نہیں:

اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا سے معلوم ہوا کہ قوم نوح کو قبروں میں دفن نہ کیا گیا تھا، پھر بھی وہ برزخ کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ لہٰذا کسی مُردے کا جسم خواہ سمندر میں ڈوب جائے یا آگ میں جلا دیا جائے، بہرحال وہ عذاب میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ

اور نوح (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کسی کو چلتا پھرتا نہ چھوڑ، اگر تو انہیں چھوڑے گا تو وہ تیرے

تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ

بندوں کو گمراہ کریں گے اور بد کردار سخت کافر کے سوا کچھ جنم نہ دیں گے [10] اے میرے رب! میری

وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

اور میرے والدین کی اور جو بھی میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہو اس کی بخشش فرما۔ اور سب مومن مردوں عورتوں کی بخشش فرما

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع

اور ظالموں کو تباہی کے سوا کچھ نہ بڑھا [11]

النصف ۲ ع ۸

[10] محمد بن کعب، مقاتل اور ربیع کا کہنا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہر کافر کی ہلاکت کے لئے دعا کرنا اس وقت تھا جب کفار کی پشتوں اور ان کی عورتوں کے رحموں سے ہر مومن روح نکال لی گئی تھی اور چالیس برس سے ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ تب حضرت نوح علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ یہ لوگ کبھی ایمان نہ لائیں گے اور ان کے ہاں کوئی مومن پیدا نہ ہوگا اور عذاب کے وقت ان میں کوئی بچہ موجود نہ تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ۔ ''جب قوم نوح نے رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کر دیا۔'' (فرقان، ۳۷) اور ظاہر ہے کہ بچوں

سے تکذیب متصور نہیں، معلوم ہوا جو کفار غرق کیے گئے ان میں کوئی بچہ نہ تھا۔ (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۸۷)

اور جس روایت میں ہے کہ طوفان نوح میں ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ اس حالت میں ہلاک ہوئی کہ اسنے بچے کو دونوں ہاتھوں سے بلند کر رکھا تھا، اس روایت کو امام ابن کثیر نے غریب قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۰ سورہ ہود)

[11] حضرت نوح علیہ السلام نے کفار کی ہلاکت کی دعا کے بعد مومنین کی مغفرت کی دعا کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! میری اور میرے والدین کی اور جو لوگ میرے گھر میں یعنی میری کشتی میں آ جائیں، ان کی اور روز قیامت تک آنے والے تمام مومن مردوں عورتوں کی بخشش فرما اور ظالموں کو یعنی دشمنان اسلام کے لئے تباہی بڑھا۔ معلوم ہوا مومن کو پہلے اپنے لئے پھر اپنے والدین کے لئے، پھر اپنے جاننے پہچاننے والوں کے لئے اور پھر سب اہل ایمان کے لئے دعاء مغفرت کرنی چاہیے۔

الحمدللہ آج 15 ذی قعدہ 1429ھ بمطابق 17 نومبر 2008ء بروز پیر وار بعد نماز فجر سورہ نوح کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورۃ جن

سورۃ الجن ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 72ویں سورت ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے 39 ویں سورت ہے۔ جو سورہ اعراف کے بعد اور سورہ یٰسٓ سے قبل نازل ہوئی، یہ مکمل مکی سورت ہے۔ اسے سورۂ جن اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے پہلے رکوع میں جو اس کا اکثر حصہ ہے بتایا گیا ہے کہ جنات میں سے کافر جن کیسے ہیں اور مومن کیسے ہیں؟

سورہ الجن میں 2 رکوعات، 28 آیات، 285 کلمات اور 870 حروف ہیں۔

مضامین

سورہ جن کے پہلے رکوع میں بتایا گیا کہ جنات کا ایک گروہ پہلی بار رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ سے قرآن سنا، ان پہ قرآن کریم کی تلاوت نے ایسا اثر کیا کہ وہ اسلام لے آئے اور انہوں نے اپنی قوم میں جا کر وعظ کیا اور انہیں توحیدِ خداوندی اور رسالتِ محمدیہ کا درس دیا اور بتایا کہ صرف اللہ ہی عبادت کے لائق ہے۔ وہ جنات یہ بھی کہنے لگے کہ پہلے ہم آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے تھے، مگر اب جو جن یا شیطان آسمان کے قریب جاتا ہے تو اس کو آگے سے ایک شعلہ پڑتا ہے۔

جبکہ دوسرے رکوع میں بتایا گیا کہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے، وہی ہر کسی کو پناہ دینے والا ہے، وہی عالم الغیب ہے، مگر وہ اپنے علم غیب میں سے جس قدر چاہے، اپنے رسولوں کو حصہ عطا فرماتا ہے اور جب اللہ رسولوں پہ وحی اُتارتا ہے تو ان کے پاس فرشتوں کے مضبوط پہرے بٹھاتا ہے تاکہ شیاطین قریب نہ بھٹکیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۲۸ ۷۲ سُوْرَةُ الْجِنّ مَكِّيَّةٌ ۴۰ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا
آپ فرمائیں مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنات کے ایک گروہ نے (قرآن پر) کان لگایا تو (دوسرے جنات سے) کہا ہم نے عجیب (تاثیر والا)
قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝۱ یَّهْدِیْۤ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۝۲
قرآن سنا ہے جو سیدھی راہ دکھاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں [1] اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے
وَّاَنَّهُ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝۳ وَّاَنَّهُ كَانَ یَقُوْلُ
اور یہ کہ ہمارے رب کی عظمت بلند ہے، نہ اس نے کوئی بیوی پکڑی ہے نہ اولاد، اور ہم میں سے بے عقل جنات
سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا ۝۴ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ
اللہ کے بارے میں بے انصافی کی باتیں کہتے تھے۔ اور ہم سمجھتے تھے کہ انسان اور جنات اللہ پر
عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۝۵
جھوٹ نہیں باندھ سکتے [2]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جنات کا حاضر ہو کر اسلام لانا

[1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جنات کئی بار حاضر ہو کر ایمان لائے۔ یہاں ان میں سے پہلی بار کا واقعہ بتایا جا رہا ہے اور یہ واقعہ سورہ احقاف آیت 29۔32 میں بھی بتایا گیا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم طائف تشریف لے گئے وہاں سے واپسی پر راستہ میں ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ نمازِ فجر میں کھڑے ہوئے اور تلاوتِ قرآن فرمانے لگے۔ جنات کا ایک گروہ قریب سے

گزرا، ان کے کانوں میں قرآنِ مجید کی پُر تاثیر آواز پڑی تو وہ قریب بیٹھ کر غور سے سننے لگے۔ ان کے دلوں میں ایمان گھر کر گیا اور وہ ایمان لے آئے کہ یہ اللہ کا سچا کلام ہے۔

سورہ جن میں مذکور جنات نبی اکرم ﷺ کے پاس کب اور کہاں سے آئے؟

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس موقعہ پر ان جنات کی رسول اللہ ﷺ سے کوئی گفتگو نہ ہوئی نہ آپ نے انہیں دیکھا، یہ علاقہ نصیبین کے جنات تھے۔ ان جنات نے اپنی قوم میں جا کر بتایا کہ ہم نے عجیب تاثیر والا قرآن سنا ہے (ممکن ہے انہوں نے جو آیات سنی تھیں ان میں قرآن کا نام مذکور ہو کیونکہ قرآن جا بجا اپنا نام قرآن بتاتا ہے) اور ہم اسے سنتے ہی اس پر ایمان لے آئے ہیں کہ یہ سیدھی راہ دکھانے والا کلام ہے۔ لہٰذا ہم آئندہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو سورہ جن کے ذریعے جنات کے قرآن سننے اور اپنی قوم میں جا کر قرآن کی دعوت کے عام کرنے کے متعلق آگاہ کیا اور تسلی دی کہ آپ طائف والوں کی بدسلوکی سے پریشان نہ ہوں، آپ کا قرآن تو جنات میں بھی پھیل گیا ہے۔

جنات کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک سے زائد بار آیا

احادیث کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان جنات کی تبلیغ سے بہت سے جنات اسلام لے آئے، پھر جنات کا ایک بڑا لشکر نبی کریم ﷺ کے پاس مکہ مکرمہ میں مقام حجون پر حاضر ہوا۔ انہوں نے آپ ﷺ سے مفصل گفتگو کی اور اسلام قبول کیا۔ آج بھی مکہ مکرمہ کے علاقہ حجون میں اس جگہ مسجد جن کے نام سے ایک مسجد موجود ہے، جو مسجد حرام سے مشرق میں کچھ ہی فاصلہ پہ واقع ہے۔ مزید تفصیل ہم پیچھے سورہ احقاف آیت 29۔32 کے تحت لکھ آئے ہیں۔

آج بھی کئی جنات انسانی شکل میں دینی مجالس میں شریک ہوتے ہیں اور علمائے دین کے مواعظِ حسنہ سے استفادہ کرتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی سنا گیا ہے کہ کئی علماء سے بعض جنات نے عرصۂ دراز علوم اسلامیہ پڑھے اور وہ ان کے دروس وحلقات میں پابندی کے ساتھ کسی اجنبی کی شکل میں حاضر ہوتے رہے۔ اور یہ بات کچھ بعید از قیاس نہیں ہے، کیونکہ جنات کو یہ اختیار ہے کہ وہ مختلف مخلوقات کی شکلیں اپنا لیتے ہیں۔ جیسے حدیث مبارکہ میں ہے کہ وہ سانپوں کی شکل اپنا لیتے ہیں۔ دلائل النبوۃ میں امام نعیم نے ایسی متعدد احادیث لکھی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے گھر میں سانپ دیکھو تو اس سے کہو اگر تم جنات میں سے ہو تو چلے جاؤ، اگر وہ نہ جائے تو پھر اس کو مار دو۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جنات میں سے جو اہل ایمان اور اہل عمل ہیں ان میں حصول علم کا بھی شوق وذوق ہے۔

[2] چونکہ یہ تاریخ اسلام کے سب سے پہلے جنات تھے، جو اسلام لائے اور دنیائے جنات میں یہ پہلی دعوت وتبلیغ

حق تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن میں دو جگہ اہتمام سے بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان جنات نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کے ہاں کوئی بیوی نہیں نہ بچہ ہے۔ البتہ ہم میں سے بیوقوف جنات اللہ کے بارے میں بیوی اور بچے مان کر ناانصافی کی باتیں کہتے ہیں۔ دراصل ہمیں بعض گمراہ جنات نے یہ باتیں بتائی تھیں اور ہم سمجھتے تھے کہ کوئی انسان یا جن اللہ کے بارے میں جھوٹی بات نہیں کرسکتا، تو ہم نے ان کے کہنے پر اللہ کے لئے بیوی بچے مان لئے اور ہم اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگے، مگر اب ہم ہرگز شرک نہیں کریں گے کیونکہ قرآن اس سے منع کرتا ہے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) نبی اکرم ﷺ سب جن وانس کے رسول ہیں:

آپ ﷺ قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان اور ہر جن کے لئے ہادی بن کر آئے ہیں، اسی لئے آپ کا پیغام جنات میں پھیلایا گیا بلکہ آپ ساری خلقِ خدا کی طرف مبعوث ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَافَّةً مجھے تمام خلق خدا کی طرف بھیجا گیا ہے۔ (ترمذی کتاب السیر باب ۵) فرق صرف یہ ہے کہ جن وانس میں سے بعض آپ کی رسالت سے انکار کرتے ہیں اور باقی ساری مخلوق انکار نہیں کرتی۔

(2) قرآن کی تاثیر:

جنات نے قرآن سنا تو فوراً ایمان لے آئے۔ اس میں انسانوں کے لئے درسِ عبرت ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے اس پر ایمان لانے کے زیادہ حقدار ہیں۔

(3) تبلیغ دین کی اہمیت:

جنات نے قرآن سنا تو فوراً قوم میں جا کر اس کی تبلیغ کی اور یہی حکم رسول ﷺ ہے کہ مجھ سے تمہیں جو آیت ملے اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب ۵۰)

اور دینِ اسلام ہم تک اسی طرح پہنچا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے جو سنا، اسے انہوں نے آگے پہنچایا، پھر تابعین نے اسے اگلی نسلوں کی طرف منتقل کیا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ خطبۂ جمعہ میں جو سنتے ہیں اسے اپنے گھر والوں اور دوستوں تک پہنچائیں، تاکہ یہ روشنی زیادہ سے زیادہ پھیلے۔

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ

اور انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات میں سے بعض افراد کی پناہ لیتے تھے، تو جنات انہیں مزید

رَهَقًا ۝ وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۝ وَأَنَّا

اترانے لگے [3] اور انسانوں نے سمجھ لیا جیسے (اے جنات) تم سمجھتے ہو کہ اللہ کسی کو (بطور نبی) ہرگز مبعوث نہیں کرے گا [4] اور

لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ۝ وَأَنَّا كُنَّا

ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے شدید پہروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا اور ہم (آسمان میں فرشتوں کی گفتگو)

نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ۝

سننے کے لئے نشست گاہوں میں بیٹھتے تھے، تو جو اب سننے کی کوشش کرے وہ اپنے لئے ایک شعلہ منتظر پاتا ہے۔

وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝

اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے لئے کوئی برائی چاہی گئی ہے یا ان کے رب نے ان کے لئے ہدایت چاہی ہے [5]

[3] ظہور اسلام سے قبل کفار عرب جنات سے فریادیں کرتے اور ان سے حفاظت مانگتے تھے، جس کی وجہ سے جنات انسانوں کو زیادہ ڈرانے لگے۔

حضرت کردم بن انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ظہور اسلام سے قبل میں نے ایک بار ایک چرواہے کو دیکھا کہ بھیڑیے رات کو اس کی بکریوں سے لے گئے تو وہ پکارنے لگا اے اس وادی کے سردار جن! ہم تمہارے پڑوسی ہیں، ہماری بکریاں چھوڑ دو تو تھوڑی دیر بعد اس کی بکریاں واپس آ گئیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۔۔۔ حدیث ۔۔۔)

اس سے معلوم ہوا کہ شیاطین کی پناہ حاصل کرنا کفار کا کام ہے۔ مگر افسوس آج نام نہاد مسلمان لوگ جادوگری کے ذریعے شیاطین موکلوں کی خدمات حاصل کرتے اور ایمان ضائع کرتے ہیں۔

[4] تلاوتِ رسول ﷺ سن کر ایمان لانے والے جنات نے اپنی قوم سے جا کر یہ بھی کہا کہ اے قوم! تمہاری طرح انسان بھی یہی سمجھتے تھے کہ اللہ کسی کو بطور نبی مبعوث نہیں کرے گا، مگر یہ خیال غلط تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا ہے اور اس پر قرآن اتارا ہے تو ہمیں اس پر ایمان لانا چاہیے۔

[5] ان جنات نے یہ بھی کہا کہ پہلے ہم آسمان کے قریب جا کر اپنی مقرر کردہ نشست گاہوں میں بیٹھ جاتے اور فرشتوں کی گفتگو سنتے تھے (تا کہ ہمیں پتہ چلے کہ عنقریب زمین پر کیا حادثات و واقعات ہونے والے ہیں اور پھر فرشتوں کی باتوں میں ہم ہزار جھوٹ مزید ملا کر کاہنوں اور نجومیوں کو بتاتے تھے) مگر پھر یہ تبدیلی ہوئی کہ جب ہم آسمان کے قریب گئے تو وہاں سخت پہرا لگا ہوا تھا اور ہمیں آگے سے آگ کے شعلے پڑنے لگے، ہمیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہوا ہے، کیا زمین والوں کے لئے کوئی بُرائی چاہی گئی ہے یا اللہ نے ان کے لئے کوئی ہدایت چاہی ہے؟ (مگر یہ عقدہ اس وقت کھلا جب ہم نے مکہ میں محمد مصطفیٰ ﷺ سے قرآن سنا۔ تب ہمیں معلوم ہوا کہ اس قرآن کی حفاظت کے لئے یہ انتظام کئے گئے ہیں)۔

جب بھی نئی کتاب نازل ہوئی تو آسمان پہ پہرے لگائے گئے

دراصل جنات کو تجربہ تھا کہ جب بھی کوئی نئی کتاب اہل زمین کے لئے اُتاری جاتی ہے، تو آسمان پر پہرے لگا دیئے جاتے ہیں تا کہ آسمان سے جو وحی اُترے اس میں جنات یعنی شیاطین اپنی طرف سے کچھ نہ ڈال سکیں۔

اسی لئے ایمان لانے والے ان جنات کی اپنی قوم سے یہ گفتگو دوسری جگہ یوں بتائی گئی ہے۔

يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ۔ ''اے ہماری قوم! ہم نے وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام کی تورات) کے بعد اُتاری گئی ہے جو اس سے قبل والی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور راہ حق دکھاتی ہے۔'' (احقاف، ۳۰)

گویا جنات نے محسوس کیا کہ جیسے نزولِ تورات کے وقت آسمان کی حفاظت کی گئی تھی ویسی یا اس سے سخت تر حفاظت نزولِ قرآن پر کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف شر کو منسوب نہیں کرنا چاہیے

اس جگہ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا سے معلوم ہوا کہ اگرچہ خیر و شر دونوں کا خالق اللہ ہے اور دونوں اللہ ہی کی طرف سے آتی ہیں، مگر اللہ رب العزت کی طرف شر کی نسبت نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ شر ہمارے اعمال بد کی وجہ سے ہم پر آتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝۳۰ ''اور تمہیں جو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے اور اکثر کو تو اللہ معاف فرما دیتا ہے۔'' (شوریٰ، ۳۰)

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ وَّاَنَّا

اور ہم میں سے کچھ نیکو کار جنات ہیں اور کچھ اس کے سوا ہیں، ہم مختلف مذاہب رکھتے تھے۔

ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ وَّاَنَّا لَمَّا

اور (اب) ہم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ اس کی پکڑ سے بھاگ سکتے ہیں اور جب ہم نے

سَمِعْنَا الْهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ

ہدایت کی تو ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، پس جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے وہ نہ کسی نقصان کا خوف رکھتا ہے نہ زیادتی کا[6]

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا

اور ہم میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ بے انصاف، تو جو اسلام لائے انہوں نے ہدایت کا راستہ

رَشَدًا ۝ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ

چن لیا اور جو بے انصاف ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں[7]

[6] سب سے پہلے ایمان لانے والے جنات نے اپنی قوم سے یہ بھی کہا کہ ہم جنات میں سے کچھ صالحین ہیں اور کچھ فاسقین ہیں۔ یعنی جب بھی وہ کسی کتاب کے نزول سے آگاہ ہوں تو ان میں سے کچھ اس پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ انکار کرتے ہیں۔ یوں شروع سے ہمارے مذاہب مختلف رہے ہیں، مگر قرآن سننے کے بعد ہم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ یعنی اس کا حکم ہم پر غالب ہے اور ہم اس کی پکڑ سے بھاگ نہیں سکتے۔ اس لئے جب ہمارے کانوں میں ہدایت کی آواز آئی تو ہم اس پر فوراً ایمان لے آئے اور جو شخص ایمان لے آئے وہ اس بات سے بے خوف ہو جاتا ہے کہ اللہ اس کے ثواب میں کمی کر دے گا یا اس پر زیادتی کی جائے گی۔

صحبتِ رسول ﷺ کا اثر

سبحان اللہ جنات نے صرف ایک بار نبی اکرم ﷺ سے قرآن سنا تو ان کے دلوں میں علوم و معارف کا سمندر موجزن ہو گیا اور انہوں نے ایسی باتیں کہیں جو عقائد اسلامیہ کی بنیاد ہیں۔ یہ سب صحبت رسول ﷺ کا اثر ہے۔ جس نے بھی ایمان و اخلاص کے ساتھ ایک لمحہ بھی آپ ﷺ کی صحبت پالی اس کے دل میں ایمان و معرفت کا دریا بہہ پڑتا ہے، خواہ وہ جنات میں سے ہو۔

[7] جنات نے اپنی قوم سے یہ بھی کہا کہ ہم میں سے کچھ تو اللہ کا پیغام سن کر اس کے آگے سر جھکا دیتے ہیں یعنی اسلام قبول کر لیتے ہیں اور کچھ بے انصافی کی راہ پر چل پڑتے ہیں۔ تو جو اسلام لائیں انہوں نے ہدایت کی راہ چن لی اور جو کفر کے راستہ پر چلیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

مومن جنّات کا جنت میں جانا

اس آیت میں وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۟ۙ‏ سے استدلال کر کے بعض مفسرین نے کہا کہ جنات میں سے جو کافر ہیں وہ جہنم میں جائیں گے، مگر جو مومن ہیں وہ جہنم سے بچ جائیں گے مگر جنت میں نہ جائیں گے بلکہ انہیں جانوروں کی طرح ختم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مومن جنات کے لئے جنت کی وضاحت نہیں کی، البتہ کافر جنات کے لئے جہنم کی وضاحت ضرور کی ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہی مروی ہے اور دوسرے قول میں ان سے اس بارے میں توقف مروی ہے۔ تاہم کچھ علماء نے مومن جنات کے جنت میں جانے پر قوی دلائل پیش کئے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ کہ ''ان منکر لوگوں پہ فیصلہ ٹھہر گیا کہ یہ بھی جن و انس کی ان امتوں میں داخل ہیں جو ان سے پہلے گزریں، یہ خسارے میں ہیں۔ اور ہر کسی کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔'' (احقاف، ١٨) گویا جن و انس سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دی جائے گی۔ لہٰذا جب انسانوں کے لئے اچھے اعمال کے عوض جنت ہے تو جنات کے لئے کیوں نہیں؟

پھر سورہ رحمان میں کثیر جنتی نعمتیں گنوائیں گئیں جیسے وہاں نہریں، باغات، پھل، حوریں اور خوابگاہیں ہیں اور ہر نعمت کے ساتھ فرمایا گیا: فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کہ ''اے جن و انس! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔'' گویا سورہ رحمان کی کثیر آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ جنات کے لئے بھی جنتی نعمتیں تیار ہیں۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ

اور (مجھے وحی کی گئی ہے کہ) اگر لوگ راہ حق پر قائم رہتے تو ہم انہیں کھلا سیراب کرتے، تاکہ ہم انہیں

فِیْهِ ؕ وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ یَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ

یہاں آزمائیں، اور جو شخص اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرے اسے اللہ چڑھتے عذاب کی طرف چلائے گا[8] اور یہ کہ

الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ

مساجد اللہ کے لیے ہیں تو تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو[9]۔ اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اللہ کو پکارنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ

یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ؑ

اس پر گروہ در گروہ لپکتے ہیں[10]

[8] ایمان لانے والے پہلے جنات کا کلام بتانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ اگر کفر کرنے والے جن و انس سیدھے راستہ پر قائم رہتے، تو ہم انہیں کھلا سیراب کرتے یعنی ان پر دنیا و آخرت میں نعمتوں کی برسات کردیتے تاکہ ہم انہیں دنیا میں آزمائیں۔ اور جو شخص اپنے رب کی نعمتیں حاصل کرکے اس کی یاد سے منہ موڑے اللہ اسے عذاب سے دوچار کرتا ہے۔ معلوم ہوا اگر مومنین اللہ و رسول کی اطاعت کریں تو ان کی دنیا ہی جنت بن جائے اور جب تک اہل اسلام نے اللہ و رسول کی اطاعت جاری رکھی وہ دنیا کی سب سے غالب قوت تھے۔ جب سے انہوں نے نافرمانی شروع کی تو ان پر زوال آ گیا۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

[9] لَا تَدْعُوْا بمعنی لا تعبدوا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ یعنی ''آپ فرمادیں مجھے اس سے روکا گیا ہے کہ ان خداؤں کی عبادت کروں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔'' (انعام، ۵۶) چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود و نصاریٰ جب اپنے عبادت خانوں اور گرجوں میں جاتے ہیں تو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے مومنو! مسجدیں اللہ کی عبادت کے لئے ہیں جب تم مسجدوں میں جاؤ تو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔'' (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۹۲)

ایسے ہی مشرکین مکہ نے مسجد حرام کو بتوں سے بھر رکھا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد بھی فرمایا کہ مسجد تو اللہ کی عبادت کے لیے ہوتی ہے اور تم مسجد میں بت رکھتے ہو، یہ کیسا ظلم ہے۔

حضرت اعمش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ انہیں بھی آپ کی مسجد میں نماز کے

لئے حاضری کی اجازت دی جائے، تب یہ آیت نازل ہوئی: وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ الخ

(ابن ابی حاتم جلد ١٠ صفحہ ٣٣٧٨ حدیث ١٩٠٠٧)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جنات سے فرمایا کہ وہ مسجدوں میں ضرور آئیں، مگر اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ مساجد سے اعضاء سجدہ مراد ہیں یعنی پیشانی ہاتھ، گھٹنے اور قدم۔ معنی یہ ہے کہ اعضاء سجدہ اللہ ہی کے لئے ہیں، لہٰذا انہیں اللہ ہی کے حضور سجدے میں گراؤ۔ تاہم اکثر مفسرین پہلا معنی ہی اختیار کرتے ہیں۔

مساجد کو غیر دینی مقاصد کے لیے استعمال کی حرمت

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ میں یہ درس ہے کہ مساجد کو اللہ کے دین کے لئے استعمال کیا جائے، غیر دینی مقاصد کے لئے نہیں جیسے تجارت، سیاسی مقاصد اور رہائش وغیرہ۔ لہٰذا مسجد میں خرید وفروخت، کھانا پینا اور سونا جائز نہیں ہے۔ البتہ جو شخص مسجد میں معتکف ہو، وہ وہاں کھا پی اور سوسکتا ہے، مگر مسجد کو صاف رکھنا اس کی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ ''میرے گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔'' (بقرہ، ١٢٥)

[10] یہاں عبداللہ سے رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ یعنی جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو جنات آپ کا قرآن سننے کے لئے لپکتے آتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی معنی مروی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا۝۲۰ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ
آپ فرما دیں میں تو اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ آپ فرما دیں میں (ازخود)
لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا۝۲۱ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۵ وَّلَنْ اَجِدَ
تمہارے لئے کسی نقصان اور ہدایت کا مالک نہیں ہوں [11] آپ فرما دیں مجھے اللہ سے کوئی بچا نہیں سکتا اور میں اس کے
مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۝۲۲ ۙ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ
مقابلہ میں کوئی جائے پناہ نہیں پاتا۔ سوا اللہ کی طرف سے تبلیغ اور اس کے پیغامات کے [12] اور جو اللہ اور اس کے
وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ۝۲۳ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا
رسول (ﷺ) سے نافرمانی کرے اس کے لئے نار جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہاں تک کہ جب وہ (اس عذاب کو) دیکھ لیں گے
یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا۝۲۴
جو ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو پھر وہ جان جائیں گے کہ کس کا مددگار کمزور ہے اور کون تعداد میں کم ہے [13]

عظمت منصب رسالت

[11] جب جنات کے حوالے سے درسِ توحید اور ردِ شرک پر روشنی ڈالی گئی، تو اب انسانوں کو درسِ توحید دیا جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! آپ فرما دیں کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور میں ازخود تمہارے لئے کسی نقصان یا ہدایت کا مالک نہیں ہوں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ہر چیز میں جو نفع و نقصان کی طاقت ہے وہ ازخود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر اللہ نہ چاہے تو آگ جلا سکتی ہے، نہ پانی بجھا سکتا ہے، نہ چھری کاٹ سکتی ہے اور جب اللہ کا حکم ہو تو پتھر بغیر زبان بولتے ہیں اور درخت بغیر قدم دوڑتے ہیں۔ حضور ﷺ اللہ رب العزت کے اذن سے ہر قسم کے نفع کے مالک ہیں۔ آپ کے ہاتھ اُٹھیں تو ڈوبا ہوا سورج لوٹ آئے، چاند شق ہو جائے، بادل برسنے لگیں اور درخت چلنے لگیں۔

[12] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! آپ فرما دیں کہ اگر بالفرض میں اللہ کے حکم سے سرتابی کروں تو مجھے اللہ کی پکڑ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ مجھے کوئی پناہ ملے گی۔ میرا کام تو صرف یہ ہے کہ اللہ کے احکام کی تبلیغ کروں اور اس کے احکام لوگوں تک پہنچاؤں۔ یہ کلام بناء بر فرضیت ہے، ورنہ اللہ کا نبی اللہ سے نافرمانی کر ہی نہیں سکتا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے

فرمایا گیا: لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ؕ ''اگر بالفرض زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی خدا ہوتے تو زمین و آسمان ٹوٹ پھوٹ جاتے۔'' (انبیاء، ۲۲)

[13] جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے کسی حکم سے انکار کرے، وہ کافر ہے اس کیلئے دائمی جہنم ہے، ایسے لوگ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔ اور جب وہ قیامت میں اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یا جب وہ دنیا میں اللہ کی پکڑ کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو انہیں معلوم ہو جائیگا کہ کس کے مددگار کمزور اور تعداد میں کم ہیں، مسلمانوں کے یا کفار کے۔ چنانچہ بدر میں کفار نے دیکھ لیا کہ اہل ایمان کے مددگار ہزاروں فرشتے تھے جو بہت طاقتور ہیں اور کفار کی مدد میں کوئی بھی نہ تھا۔ اس میں تا قیامت اسلام دشمن طاغوتی قوتوں کو تنبیہ ہے کہ جب ان پر اللہ کی پکڑ آئے گی تو انہیں کوئی مددگار نہ ملے گا۔ یہاں وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سے معلوم ہوا کہ قرآن کے مخاطبین کے لئے ایک ہی رسول ہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ۔ کیونکہ رَسُوْلَهٗ اسم معرفہ ہے جو ایک ہی ذات پر دال ہے، یہ ختم نبوت کا بیان ہے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ

آپ فرما دیں میں نہیں جانتا کہ تم سے جو وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کے لئے کوئی مہلت رکھی ہے [14]

الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ

غیب کا جاننے والا رب اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوا اپنے کسی پسندیدہ رسول کے [15] کہ بے شک وہ اس (رسول) کے

يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا

آگے اور پیچھے پہرے مقرر کر دیتا ہے تا کہ اللہ ظاہر کر دے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں

رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ اللہ نے گھیر رکھا ہے اور ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے [16]

[14] جب اللہ تعالیٰ کی پکڑ کی بات کی گئی تو کفار نے پوچھا وہ کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول ﷺ! آپ ان کے جواب میں فرما دیں کہ میں از خود نہیں جانتا کہ آیا وہ پکڑ جس کا کفار سے وعدہ کیا جاتا ہے قریب ہے یا ابھی اللہ نے اس کے لئے کوئی مہلت رکھی ہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مطلع فرمایا تو آپ نے غزوۂ بدر سے قبل میدان بدر میں ستر نشانات لگائے کہ ان مقامات پر فلاں فلاں کفار کے لاشے تڑپیں گے۔ چنانچہ ہر کافر اپنے

اپنے نشان پر خاک وخون میں غلطاں ہوا۔ (مسلم کتاب الجہاد حدیث ۸۳، ابوداوٗد کتاب الجہاد باب ۱۱۵)

اسی طرح حضور سرور کونین ﷺ نے خندق کی کھدوائی کے دوران ایک چٹان کو توڑتے ہوئے تین ضربات لگائیں، ہر ضرب پر چمک نمودار ہوئی اور ہر چمک پر آپ ﷺ نے فرمایا ایران فتح ہو جائے گا، روم فتح ہو جائے گا اور یمن فتح ہو جائے گا۔ (نسائی کتاب الجہاد باب ۴۲)

[15] یعنی غیب کا جاننے والا حقیقتاً اللہ ہے، وہ اپنے غیب پر جس رسول کو پسند کرے مطلع فرماتا ہے۔ غیب ہر وہ چیز ہے جس کو انسان اپنے حواس اور اپنی عقل سے معلوم نہ کر سکے، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ مطلع کرے۔ مثلاً جنت، نار، فرشتے، قیامت، عذاب قبر، کل کیا ہونے والا ہے، کس نے کہاں اور کب مرنا ہے وغیرہ۔ یہ امور اللہ رب العزت ہی جانتا ہے اور اللہ جس رسول کو چاہے ان امور پر مطلع فرماتا ہے۔ وہ رسول انسان بھی ہوسکتا ہے اور فرشتہ بھی ہوسکتا ہے۔

رہا اولیاء اللہ کا بعض غیبی امور پر مطلع ہونا جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دوران خطبہ کہنا اے ساریہ! پہاڑ کے پیچھے ہو جاؤ، جبکہ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ اس وقت ایران میں مقام نہاوند پر کفار سے محوِ جنگ تھے۔ اور اگر وہ اس وقت پہاڑ کی پناہ نہ لیتے تو کفار کے ہاتھوں بڑا نقصان اٹھاتے اور انہوں نے وہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آواز سنی۔

(مشکوٰۃ کتاب الکرامات بروایت بیہقی فی دلائل النبوۃ)

تو یہ باب کرامت ہے اور ولی کی کرامت درحقیقت اس کے نبی کا معجزہ اور نبی کی اطاعت ہی کا فیض ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر ولی کو علم غیب حاصل ہو تو اس سے اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ پر کوئی اعتراض نہیں۔ رہا یہ سوال کہ آج سائنس دان ماں کے پیٹ میں بچی بچے کی خبر دے رہے ہیں، ہزاروں میل سے بتا اور دکھا رہے ہیں کہ کون کیا کر رہا ہے؟ تو یہ علم غیب نہیں بلکہ آلات کے ذریعے جاننا ہے، جبکہ اللہ کا نبی (اور نبی کے فیض سے ولی) آلات کے بغیر محض اطلاع خدا سے غیب پر مطلع ہوتا ہے، یہی علم غیب ہے۔

غیب کا حقیقی علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی عالم الغیب ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود کو عٰلِمُ الْغَیْبِ سے تعبیر فرمایا، اس کے بعد ارشاد فرمایا: فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۶ کہ ''وہ اپنے غیب میں سے جس رسول کو جو چاہے بتا دے'' معلوم ہوا کہ اصل میں اللہ رب العزت ہی غیب دان ہے اور انبیاء و رسل کو جو علم غیب حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطاء سے ہوتا ہے اور اولیاء کو جو علم غیب ملے وہ اتباع رسول کی برکت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم غیب کہنا جائز نہیں ہے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۹ صفحہ ۸۱ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ کراچی)

رسول اللہ ﷺ کا کلی علم غیب

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ میں بتایا گیا کہ اللہ رب العزت جس رسول پر راضی ہو اسے غیب پر مطلع فرماتا

ہے۔اب ہمارے آقا و مولا سید المرسلین ﷺ سے بڑھ کر کس رسول پر اللہ راضی ہوگا۔اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جس رسول پر جس قدر راضی ہوگا اسی قدر غیب پر مطلع کرے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو سب انبیاء سے زیادہ غیب پر مطلع کیا حتیٰ کہ اپنی ذات کا دیدار بھی عطا فرما دیا، جو غیب الغیب ہے۔دوسری جگہ اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ''اللہ تعالیٰ تم کو غیب پہ مطلع کرنے والا نہیں، مگر اللہ اس کے لیے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے۔'' (آل عمران، ۱۷۹)

اب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کتنا علم عطا فرمایا؟ تو اس بارے قرآن و سنت بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساری کائنات کا علم عطا فرمایا ہے۔جس میں عالم غیب بھی ہے اور عالم شہادت بھی، یعنی عالم محسوس بھی ہے اور عالم غیر محسوس بھی۔چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ''اور ہم نے آپ پر قرآن کو ہر چیز کا واضح بیان بنا کر اُتارا ہے۔'' (نحل، ۸۹)

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ''قرآن ایسا کلام نہیں کہ اسے اللہ کی عطا کے بغیر از خود گھڑا جاسکے، بلکہ یہ اپنے سے ماقبل والی کتب کی تصدیق ہے اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔'' (یوسف، ۱۱۱)

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ ''اور کوئی خشک چیز ایسی نہیں اور نہ کوئی تر چیز ہے جو روشن کتاب میں مذکور نہ ہو۔'' (انعام، ۵۹) اس روشن کتاب سے لوح محفوظ بھی مراد ہو سکتا ہے اور قرآن کریم بھی مراد ہو سکتا ہے۔

ان آیاتِ قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کا واضح بیان قرآن میں ہے اور سارا قرآن قلب حبیب رحمان میں ہے۔تو پھر وہ کونسی چیز ہے جس کا علم رسول اللہ ﷺ کو حاصل نہیں۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ ''اور اے پیارے رسول ﷺ! اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت کو نازل فرمایا ہے اور آپ جو کچھ نہ جانتے تھے وہ اللہ نے آپ کو سکھا دیا ہے اور آپ پر اللہ کا عظیم فضل ہے۔'' (نساء، ۱۱۳)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا:

قام فینا رسول اللہ ﷺ مقاما فاخبرنا عن بدأ الخلق حتی دخل اھل الجنة منازلھم واھل النار منازلھم حفظ ذالك من حفظه ونسيه من نسيه۔ ''حضور ﷺ ہم میں کھڑے ہوئے اور ابتداء تخلیق سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہوا یا ہوگا آپ نے سب کچھ بتا دیا حتیٰ کہ اہل جنت جنت میں داخل ہوں اور اہل جہنم جہنم میں۔یہ خطبہ جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا، جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔'' (بخاری کتاب بدأ الخلق باب ۱)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قام فینا رسول الله ﷺ قائما فما ترك فی مقامه ذالك الی قیام الساعة الا حدثه حفظه من حفظه ونسیه من نسیه۔ کہ حضور ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو کچھ ہونیوالا تھا وہ آپ نے اسی جگہ کھڑے کھڑے بتا دیا۔ آگے فرمایا کہ آج جب ان واقعات میں سے کوئی واقعہ ظاہر ہوتا ہے تو میں یاد کرتا ہوں (کہ آپ نے اس کا بھی ذکر کیا تھا) جیسے کوئی بھولا ہوا چہرہ یاد آ جائے۔ (ابوداؤد کتاب الفتن باب احدیث ۴۲۴۰)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو سب سے بہتر صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ملاء اعلی کس چیز میں جھگڑتے ہیں، میں نے عرض کیا: اللہ بہتر جانتا ہے: فوضع الله یده بین کتفیّ فوجدت بردها بین ثدییّ فعلمت ما فی السماوات والارض۔ یعنی اللہ رب العزت نے اپنا دست قدرت (اپنی شان کے مطابق) میرے دونوں کندھوں کے درمیان میں رکھا، تو میں نے اسکی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، تو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ (ترمذی کتاب التفسیر حدیث ۳۲۳۳۔ دارمی کتاب الرؤیا باب ۱۲)

یہی حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ سے بھی مروی ہے: فعلمت مابین المشرق والمغرب، تو میں نے جان لیا جو کچھ مغرب ومشرق کے درمیان ہے۔ (ترمذی کتاب تفسیر القرآن سورۃ ص حدیث ۳۲۳۴)

اور یہی حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے: فتجلّی لی کلّ شیء وعرفتُ، تو مجھ پر ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے اسے جان لیا۔ (ترمذی کتاب التفسیر حدیث ۳۲۳۵، مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو کائنات کی ابتداء تخلیق سے تا قیام قیامت ہر چیز کا علم عطا فرمایا ہے، اور یہ سب چیزیں ہم سے غائب ہیں۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کلی علم غیب عطا فرمایا ہے، مگر یہ کلی اضافی ہے، یعنی باقی تمام انبیاء ورسول سے آپ کا علم غیب زیادہ ہے، مگر علم الٰہی کے مقابلہ میں آپ کا علم سمندر میں قطرہ بھی نہیں ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ملکہ بلقیس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ، "اسے ہر چیز دی گئی تھی۔" (نمل، ۲۳) اب یہ معنی نہیں کہ اسے کائنات کی ہر چیز دی گئی تھی، یہ تو ناممکن ہے۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ اسے عام لوگوں کے مقابلہ میں ہر چیز دی گئی تھی۔ تو بلقیس کے لیے کل شیء کے الفاظ کلی اضافی کے طور پر ہیں۔

اگر سوال کیا جائے کہ کئی مواقع پر رسول اللہ ﷺ سے کچھ پوچھا گیا تو آپ نے وحی کا انتظار فرمایا، کئی بار آپ نے حالات کی خبر لینے کے لیے لوگ بھیجے، اگر آپ ہر چیز کا علم رکھتے ہیں تو آپ نے وحی کا انتظار کیوں کیا اور جواسیس کیوں بھیجے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا علم تدریجی ہے، نزولِ قرآن کے ساتھ ساتھ آپ کا علم مکمل ہوا۔ تو ممکن ہے کسی وقت آپ کو ایک چیز کا علم نہ ہو بعد میں اس کا علم دیدیا جائے۔ پھر آپ مخلوق ہیں اور مخلوق کا علم قبضہء خالق میں ہے، کبھی

انسان جاننے کے باوجود بحکم الٰہی نہیں جانتا اور اس میں حکمت الٰہیہ کارفرما ہوتی ہے۔ آج ہر کوئی جانتا ہے کہ قبر میں کیا سوالات ہونگے، مگر قبر میں جا کر اسے ہی یاد رہیں گے جس پہ اللہ کا کرم ہوگا، تو حضور ﷺ کے علم پہ ذہول بھی ہوسکتا ہے اور عدم توجہ بھی طاری ہوسکتی ہے۔

رہ گئیں وہ آیات جن میں غیر خدا سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے (جیسے قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ ''آپ فرمادیں کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا'' (سورہ نمل، ۶۵) یا جن آیات میں حضور ﷺ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے (جیسے وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائی جمع کر لیتا۔'' (سورہ اعراف، ۱۸۸) تو اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی شخص علم غیب حاصل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ علم غیب کسی ظاہری ذریعۂ علم سے حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے بتانے ہی سے مل سکتا ہے۔ اس پہ مزید کلام انہی آیات کے تحت ہم تفصیلاً کر آئے ہیں۔

نجومیوں اور جوگیوں وغیرہ کی خبر کو قطعی سمجھنا گمراہی ہے

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے واضح ہوا کہ اللہ رب العزت غیب کی خبریں کسی رسول کو (اور رسول کے فیض سے اس کے اطاعت گزار ولی کو) بتاتا ہے۔ تو نجومیوں وغیرہ کی آئندہ کے بارے میں خبر محض قیافہ وقیاس ہے، جبکہ کاہنوں اور جادوگروں کی خبر شیطان کے القاء سے ہے جس کا اکثر حصہ جھوٹ ہوتا ہے۔ تو نجومیوں اور جادوگروں کا دعویٰ کرنا کہ وہ سب کچھ بتا سکتے ہیں کہ کیا ہونے والا ہے اور یہ کہنا کہ وہ ہر مراد پوری کر دیں گے، سخت گناہ، بڑا جھوٹ اور مشابہ کفر ہے۔ گویا یہ علم غیب اور قدرت کا دعویٰ ہے اور ان کی خبر کو قطعی سمجھنا بھی گمراہی ہے۔ اور اگر ان کی خبر کو وحی کے مفہوم میں لے لیا تو صریح کفر ہے۔

رسول کی پیش گوئی غلط نہیں ہوسکتی

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے یہ بھی معلوم ہوا رسول کو اللہ غیب کی خبر دیتا ہے، لہٰذا وہ جھوٹی نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ جھوٹی ہو تو اللہ جل وعلا کا معاذ اللہ جاہل یا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء نے جو پیشگوئیاں اور غیب کی خبریں دیں، وہ حرف بحرف پوری ہوئیں۔ جبکہ مرزا قادیانی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور اس کی سب پیشگوئیاں غلط اور جھوٹی نکلیں، خواہ وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی موت کی خبر ہو، عبداللہ آتھم کی ہلاکت کی خبر ہو یا محمدی بیگم سے نکاح کی پیش گوئی ہو۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد باب نبوت بند کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اب نبوت کا ہر مدعی جھوٹا ہے اور وہ جو اطلاع علی الغیب کی بات کرتا ہے وہ جھوٹی ہوتی ہے اور اللہ اسے اسکا جھوٹ ظاہر کر دیتا ہے۔ یہی کچھ مرزا قادیانی سے ہوا۔

[16] یعنی جب اللہ اپنے رسول پر غیب کی خبر بذریعہ وحی اُتارتا ہے تو رسول کے آگے پیچھے فرشتوں کا پہرہ بٹھا دیتا ہے تاکہ اس وحی میں شیاطین خلل نہ ڈال سکیں اور اللہ ظاہر کردے کہ فرشتوں نے یا رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں۔ اور رسولوں کو اللہ جو علم دیتا ہے وہ اللہ کے احاطہ میں ہے اور اللہ ہر چیز کی گنتی جانتا ہے یعنی اسے معلوم ہے کہ سمندروں میں پانی کے کتنے قطرے ہیں اور ہر قطرے کو پانی کے ہر ذخیرہ سے حجم کی قلت و کثرت کے اعتبار سے کیا نسبت ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ ہر پہاڑ میں کتنے ارب وکھرب ذرات ہیں اور ہر ذرے کی کائنات کی ہر چیز سے کمی بیشی کے اعتبار سے کیا نسبت ہے۔

رسول کی وحی میں شیاطین خلل نہیں ڈال سکتے

فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ سے معلوم ہوا رسول کی وحی میں شیاطین کوئی خلل نہیں ڈال سکتے، نہ اس کی تلاوت میں اپنا کلام داخل کرسکتے ہیں۔ لہٰذا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ (سورہ حج، ۵۲) کا یہ معنی کرنا کہ ہر رسول و نبی کی تلاوت میں شیطان نے اپنا کلام ڈالا، غلط ہے اور وہ واقعہ بھی درست نہیں جو بعض تفاسیر میں لکھا ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے سورۃ النجم کی تلاوت کی تو شیطان نے اس میں اپنی طرف سے الفاظ ڈال دیئے۔ اس کی مکمل وضاحت ہم نے سورہ حج کے مذکورہ مقام کے تحت کردی ہے، وہاں دیکھیں۔

الحمدللہ آج 17 ذی القعدہ 1429ھ مطابق 19 نومبر 2008ء بروز بدھ سورہ جن کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔
و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

سورۃ المزمل

سورۃ المزمل قرآن کریم میں ترتیب تلاوت کے اعتبار سے 73ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی تیسری سورت ہے۔ جو سورۂ مدثر سے قبل اور سورۂ نون کے بعد نازل ہوئی، یعنی سب سے پہلے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۟ۚ نازل ہوئی، پھر سورہ نون، پھر سورہ مزمل۔ یہ مکمل مکی سورت ہے، اسے مزمل کہنا اس لئے ہے کہ اس کا آغاز یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ سے ہوا۔

اس میں 2 رکوعات، 20 آیات، 258 کلمات اور 838 حروف ہیں۔

مضامین

سورۃ المزمل کے پہلے رکوع میں رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ آدھی رات یا کم وبیش روزانہ نماز تہجد میں قیام فرمایا کریں اور اس میں خوب ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی تلاوت فرمائیں۔ پھر کفار کو اُخروی عذابات سے ڈرایا گیا اور بتایا گیا کہ ان کے لیے جہنم میں کیسے کیسے خوفناک عذابات ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو رسالتِ موسوی سے مشابہت دی گئی اور اس کے بعد قیامت کی فکر دلائی گئی ہے۔

اور دوسرے رکوع میں فرمایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی آدھی رات یا اس کے لگ بھگ تہجد میں کھڑے رہتے ہیں۔ مگر چونکہ ہمیشہ ایسی طویل عبادت کو سب لوگ نہیں نبھا سکتے اس لیے آدھی رات تک قیام کی پابندی ختم کی جاتی ہے، جس قدر تم چاہو قیام کرلو (خواہ دو رکعت چھوٹی سورتوں کے ساتھ) اور آخر میں بتایا گیا کہ انسان دنیا میں جیسا عمل کرتا ہے آخرت میں اس کو ویسا ہی اجر مل جاتا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتها ۲۰ ۷۳ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّل مَكِّيَّةٌ ۳ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾
اے چادر اوڑھنے والے (پیارے رسول)[1] آپ رات کو قیام کریں مگر کچھ حصہ (آرام بھی کریں) نصف رات قیام کریں یا اس سے کچھ کم کر دیں
اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾
یا اس پر زیادہ کر لیں اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں[2]

قیام اللیل کا حکم اور کفار کے لئے عذاب آخرت کا بیان

[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آغازِ وحی میں مزمل اور مدثر (اے چادر اوڑھنے والے محبوب) کہہ کر پکارا گیا (اور مزمل نزول کے اعتبار سے قرآن کی تیسری اور مدثر چوتھی سورت ہے) اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلسلۂ تبلیغ شروع نہیں کیا تھا۔ اس وقت آپ نے چادر اوڑھی، کیونکہ آپ پر پہلی وحی کی وجہ سے خوف و ہیبت کا غلبہ تھا۔

(تفسیر مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۲)

آغازِ نزول وحی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چادر اوڑھنا

یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب غار حراء میں پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ نازل ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے اور فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ آپ پر چادر ڈال دی گئی، کچھ دیر بعد آپ کی گھبراہٹ دور ہو گئی۔ (بخاری کتاب بدأ الوحی حدیث ۳، مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۵۲)

اللہ رب العزت کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ چادر اوڑھنا پسند آیا تو يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کہہ کر اسی طرف اشارہ فرمایا۔

پھر اس سے کچھ عرصہ بعد چادر اوڑھنے کا واقعہ دوبارہ ہوا کیونکہ آغاز نزول قرآن میں کچھ عرصہ تک وحی رک گئی پھر سورہ مدثر اُتری۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وحی رُک گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میں کہیں چلا

جا رہا تھا میں نے آسمان میں ایک آواز سنی۔ میں نے سر اٹھایا تو دیکھا وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا وہ آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا تھا۔ میں خوف زدہ ہو گیا میں نے گھر آ کر کہا: زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے چادر اوڑھنے والے! اس کے بعد مسلسل وحی اُترنے لگی۔

(بخاری کتاب بدأ الوحی باب ا، حدیث ۴۔ مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۵۵)

یعنی آغاز وحی میں حضور ﷺ کا گھبرا کر دوبار چادر اوڑھنا اللہ تعالیٰ کو پسند آیا کیونکہ یہ گھبراہٹ راہِ خدا میں تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دلجوئی کے لئے آپ کو یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اور یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کہہ کر یاد فرمایا۔ یعنی بندہ جب اللہ کی راہ میں تکلیف برداشت کرتا ہے تو اللہ کی رحمت ضرور اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ جب ایک عام مومن کی یہ حالت ہے تو اس ذات کی کیا بات ہے جو اللہ کے محبوب اور طالب ومطلوب ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعد میں حضور سرور کونین ﷺ کو ہمیشہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اور یاَیھا الرسول ہی کہا گیا کیونکہ چادر اوڑھنے کا واقعہ صرف ابتداء وحی میں تھا، بعد میں گھبراہٹ ختم ہوگئی اور یہ آپ کا گھبرانا اس لئے تھا کہ قرآن جیسا پرجلال کلام آپ کے قلب مبارک پر اُترنا شروع ہو رہا تھا۔ یہ ایسا پُر ہیبت اور پُر جلال کلام ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پہ اُتارتے تو وہ اس کی ہیبت سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔'' (سورہ حشر، ۲۱)

بعض جہلاء رسول اللہ ﷺ کے اس گھبرانے کو اس بات پہ محمول کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم نہ ہوسکا کہ آپ سے کیا واقعہ ہوا ہے اور آپ پہ کیا کلام نازل کیا گیا ہے؟ پھر جب آپ کو ورقہ بن نوفل نے بتایا کہ آپ پر وحی نازل ہوئی ہے، تو پھر آپ کو حقیقت حال سے آگاہی ہوئی۔ مگر ایسا کہنا قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے، پیغمبر پہ جو کچھ نازل ہوتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ''رسول (ﷺ) اس وحی پہ ایمان لاتے ہیں جو آپ پہ نازل کیا جاتا ہے اور اہل ایمان بھی۔'' (بقرہ۔ ۲۸۵)

اللہ رب العزت کو اپنے محبوب ﷺ کی ادائیں پسند ہیں

معلوم ہوا حضور سید المرسلین ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ اللہ کو آپ کی ادائیں پسند آتی ہیں۔ اور وہ آپ کو کبھی مزمل کہہ کر پکارتا ہے کبھی مدثر کہہ کر۔ امام قرطبی فرماتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے حضور ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مٹی پر سوتے دیکھا تو محبت سے فرمایا یا ابا تُراب اے مٹی والے! اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سوتے دیکھا تو محبت سے فرمایا یا نَومان او سونے والے۔ (قرطبی جلد ۱۹ صفحہ ۳۳)

صوفیاء نے یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کا یہ معنی بھی کیا ہے کہ اے عبادت وریاضت یا نبوت ورسالت کی چادر اوڑھنے والے۔

[2] یعنی اے چادر اوڑھنے والے پیارے محبوب ﷺ! آپ رات کو اٹھ کر نماز تہجد میں قیام فرمائیں۔ تاہم کچھ

حصہ رات میں آرام بھی کریں یعنی ساری رات قیام نہ کریں، آدھی رات قیام کریں یا اس سے کچھ کم و یا کچھ بیش کرلیں اور نماز میں قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں (کیونکہ قرآن کو خوبصورت طریقے سے درست تلفظ کے ساتھ پڑھنا اللہ کو محبوب ہے)۔

ابتداء اسلام میں نماز تہجد فرض کی گئی پھر اسے نفل بنا دیا گیا

یاد رہے ابتداء اسلام میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس آیت کے مطابق رات کا نصف یا کم و بیش حصہ نماز تہجد میں گزارنا فرض کیا گیا۔ پھر ایک سال بعد اس قدر طویل قیام اللیل کی فرضیت ختم کر کے اسمیں تخفیف کر دی گئی۔ پھر جب نماز پنجگانہ فرض کی گئی تو تہجد کو مطلقاً نفل قرار دیا گیا۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا میں قیام اللیل کو فرض کیا گیا اور حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک برس تک طویل قیام اللیل کرتے رہے حتیٰ کہ ان کے پاؤں سوج گئے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخری حصہ کو نازل کر کے تخفیف فرما دی اور قیام اللیل فرض کی بجائے نفل رہ گیا۔ (ابوداؤد کتاب التطوع باب ۲۶، نسائی کتاب قیام اللیل باب ۲)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ کے نزول پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات بھر قیام کرتے تھے حتیٰ کہ ان میں سے بعض خود کو رسی کے ذریعے دیوار کے ساتھ باندھ لیتے، آخر کچھ عرصہ بعد اسے نفل میں بدل دیا گیا۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۳۰ صفحہ ۷۹)

اور ابوعبدالرحمان سے مروی ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کے نزول پر صحابہ ایک سال تک رات بھر قیام کرتے رہے حتیٰ کہ ان کے قدم اور پنڈلیاں سوج گئیں۔ پھر فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ نازل ہوا تو لوگوں نے راحت لی۔
(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۳۰ صفحہ ۷۹)

ترتیلِ قرآن اور اس کے تقاضے

یہاں وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا کہہ کر قرآن کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اب ترتیل کیا ہے اور اس کے کیا تقاضے ہیں؟ تو یاد رکھا جائے کہ ترتیلِ قرآن کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اور اس کے ہر حرف کو اسکے مخرج و صفات لازمہ کے ساتھ ادا کیا جائے، کیونکہ قرآن کو مخارج اور صفات کی رعایت کے بغیر غلط اور تیز تر پڑھنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔ حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی ازواج میں سے کسی سے پوچھا کہ نبی اکرم ﷺ کی قرأت کیسی تھی؟ انہوں نے کہا: تم لوگ آپ جیسی قراءت کیسے کر سکتے ہو؟ آپ لمبا لمبا کر کے پڑھتے تھے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا ترتیل کا معنی یہ ہے کہ ہر لفظ کو جدا جدا کر کے پڑھو۔ حضرت قتادہ و حسن رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اسے کھول کھول کر پڑھو۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۷۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: بیّنْہُ، یعنی ہر حرف کو واضح کر کے پڑھو۔ اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اِنبِذْہُ حرفاً حرفاً، یعنی ایک ایک حرف کو علیحدہ علیحدہ کر کے پڑھو۔ (النشر فی القراءات العشر لابن الجزری جلد اول صفحہ ۲۰۸ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کو یوں پڑھنا کہ حروف کے مخارج وصفاتِ لازمہ بدل جائیں اور کھڑے پڑے کی تمیز نہ رہے، حرام ہے۔ الغرض یہ آیت علم تجوید القرآن کی اصل ہے۔ آج ہمارے ہاں ہند و پاک میں عام لوگ حروف کے مخارج وصفات سے یکسر نابلد ہیں اور قرآن کو اپنے اردو پنجابی لہجے میں پڑھتے ہیں مثلاً وہ اھدنا الصراط المستقیم کو اھدنا السرات المستکیم پڑھتے ہیں، ایسے پڑھنا حرام اور گناہ ہے۔ اور ہر مسلمان مرد وعورت پہ لازم ہے کہ قرآن کو یوں پڑھے کہ کوئی حرف دوسرے حرف سے نہ بدلے، کیونکہ اس طرح معانی بدل جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات کفریہ معانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ۔ جبرائیل علیہ السلام نے قرآن کو آپ کے دل پہ اتارا ہے۔ (بقرہ، ۹۷) اب اگر قاف کی جگہ کاف پڑھا جائے جیسا کہ عموماً لوگ پڑھتے ہیں تو معنی یہ ہوا کہ اس نے قرآن کو آپ کے کتے پر اتارا ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) تو لازم وواجب ہے کہ قرآن کو درست پڑھنا سیکھا جائے۔

اس موضوع پہ میں نے ایک رسالہ لکھا ہے: "قرآن کو صحیح پڑھو" یہ چھپ چکا ہے، اس کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

ترتیلِ قرآن کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ قرآن کو خشوع وخضوع کے ساتھ اور سمجھ کر پڑھا جائے اور اس کے معانی ومطالب میں تدبر کیا جائے۔ حضرت طاوس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: کسی شخص کی قراءت قرآن کیسی ہونی چاہیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ قرآن پڑھتے ہوئے کسی پہ اللہ کی خشیت طاری ہو جائے تو اس کی قراءت سب سے بہتر ہے۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک صحابی کسی شخص کے پاس سے گزرا جو ایک آیت کو بار بار پڑھتا اور روتا تھا۔ وہ صحابی کہنے لگا: اے لوگو! کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا؟ تو یہ ہے ترتیل۔ (درمنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ جلد ۶ صفحہ ۲۷۷)

اور ترتیلِ قرآن کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ اسے خوبصورت آواز اور ترنم کے ساتھ پڑھا جائے، یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اور بہت اہم ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پہ زور دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لیس منّا من لم یتغنّ بالقرآن۔ "جو قرآن کو ترنم سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

(بخاری کتاب التوحید باب ۴ حدیث ۷۵۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ نے اپنے نبی کو کسی چیز پہ اتنی تاکید نہیں فرمائی، جس قدر اچھے لہجے کے ساتھ قرآن کے پڑھنے کی تاکید فرمائی۔" (بخاری کتاب فضائل القرآن باب ۱۹، مسلم کتاب المسافرین حدیث ۲۳۲)

یعنی جیسا بھی آدمی کا لہجہ اور آواز ہو اسی کے مطابق اسے چاہیے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں ترنم پیدا کرے اور اسے بلا تکلف پڑھے۔

ان آیات سے دو فوائد حاصل ہوئے:

بحکم قرآن نماز میں قیام فرض ہے:

قُمِ الَّیْلَ (رات کو نماز پڑھو) کہہ کر نماز کو قیام سے تعبیر کیا گیا جس سے صاف واضح ہوا کہ قیام نماز کا اس قدر اہم جزء ہے کہ پوری نماز کو قیام سے تعبیر کر دیا گیا۔ اسی لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طول قیام کی اہمیت کثرت سجود سے زیادہ ہے، لہذا زیادہ نوافل پڑھنے سے تھوڑے نوافل پڑھنا اور زیادہ قیام کرنا افضل ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح تلاوت قرآن بھی زیادہ ہوتی ہے۔

اسی طرح حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ۝ (بقرہ، ۲۳۸) میں بھی نماز میں قیام کا فرض ہونا واضح کیا گیا ہے۔ لہٰذا صحیح مجبوری کے بغیر بیٹھ کر فرض نماز کا پڑھنا جائز نہیں۔ اور جس نے بلا عذر فرض نماز کو بیٹھ کر پڑھا اسکی نماز نہ ہوئی۔ کئی لوگ معمولی بیماری کے سبب نماز بیٹھ کر پڑھنے لگتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔

حتی کہ جو شخص لاٹھی یا دیوار یا خادم کے سہارے نماز میں قیام کر سکتا ہے اس پہ فرض ہے کہ اسی طرح قیام کرے، اگر اس میں اتنی طاقت ہے کہ کھڑے ہو کر صرف اللہ اکبر کہہ سکتا ہے تو فرض ہے کہ کھڑے ہو کر اتنا کہے پھر بیٹھ جائے۔

(غنیة المتملی باب فرائض الصلوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۱)

اگر ایک شخص گھر میں نماز پڑھے تو کھڑے ہو کر پڑھے گا اور اگر مسجد جائے تو تھک جائے گا اور وہاں اسے بیٹھ کر پڑھنا پڑے گی، تو لازم ہے کہ گھر میں کھڑے ہو کر پڑھے۔ اگر گھر پر جماعت میسر آجائے تو بہتر ورنہ تنہا پڑھے۔

(درمختار جلد ۲ صفحہ ۱۶۵)

نماز میں قراءت قرآن فرض ہے

جب اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل فرض فرمایا تو ساتھ ہی وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا کہہ کر اس میں قرآن کا پڑھنا بھی ضروری قرار دیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں قراءت قرآن کا محل قیام ہے نہ کہ رکوع و سجود و قعدہ۔ کیونکہ قُمِ الَّیْلَ کہہ کر اس کے بعد وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا کہا گیا۔ قراءت قرآن میں یہ ضروری ہے کہ زبان اور ہونٹ حرکت کریں اور ہر حرف صحیح ادا ہو، کئی لوگ ذہن ہی ذہن میں پڑھ لیتے ہیں زبان کو نہیں ہلاتے ان کی نماز ادا نہیں ہوتی۔

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۵ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ

بے شک ہم آپ پر عنقریب بھاری قول (قرآن) اُتاریں گے [3] بے شک رات کو اٹھنے والی جان ہی زیادہ ثابت قدم اور

قِيْلًا ۝۶ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝۷ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ

راست گو ہے۔ بلاشبہ آپ کے لئے دن میں طویل مشاغل ہیں اور آپ اپنے رب کا نام یاد کریں اور (سب سے کٹ کر) اسی کی طرف

تَبْتِيْلًا ۝۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝۹

متوجہ ہو جائیں۔ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو آپ اسی کو کارساز بنائیں۔ [4]

[3] سورۂ مزمل قرآن کی ابتداء میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو آنے والے وقت میں قرآن کے بارے میں تحمل مشقت پر اُبھارتے ہوئے فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! ہم آپ پر بھاری کلام اُتارنے والے ہیں۔

قرآن کو قَوْلًا ثَقِيْلًا کیوں کہا گیا؟

قرآن کو بھاری کہا جانا چند وجوہ سے ہے۔

اول: اس میں اوامر ونواہی اور حدود ہیں جن کا بجالانا انسانی طبائع پر بظاہر بہت بھاری ہے۔ جیسے نماز کے بارے میں فرمایا: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝۴۵ (بقرہ،۴۵)

دوم: قرآن میں جہنم کے ہولناک عذابات کا ذکر ہے جنہیں سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس لحاظ سے بھی یہ بھاری کلام ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے سورۂ ہود، واقعہ، نباء اور شمس (جیسی پُر ہیبت سورتوں) نے بوڑھا کر دیا ہے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ واقعہ باب ۶)

سوم: قرآن کا نزول حضور سرور کونین ﷺ پر ثقیل تھا دورانِ نزول آپ ﷺ کی پیشانی پسینے سے شرابور ہو جاتی تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہر بار نزول وحی پر مجھے یوں لگا کہ میری جان قبض کی جا رہی ہے۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۲۲)

چہارم: قرآن اپنی تلاوت کے اجر وثواب کے اعتبار سے بھی بہت بھاری ہے یعنی مومن کا نیکی والا پلہ اس سے بہت بھاری ہو جائے گا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے بخاری شریف کی آخری حدیث میں ہے: کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان۔ الخ

پنجم: قرآن میں ایک حسی بوجھ بھی ہے۔ اسی لیے مروی ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت حضور ﷺ کا جسم مبارک بہت

[5] سورہ مزمل آغازِ اسلام میں نازل ہونے والی سورت ہے۔ اللہ رب العزت کو معلوم تھا کہ آگے چل کر آپ کو شاعر، کاہن، جادوگر اور مجنون وغیرہ کہا جائے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ کفار آپ کو جو بھی کہیں آپ اس پر صبر رکھیں اور احسن طریقہ کے ساتھ کفار سے درگزر کریں اور جو لوگ آپ کو جھٹلائیں ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑیں۔ میں جانوں اور وہ جانیں۔ آپ ان کی تکذیب سے پریشان نہ ہوں اور انہیں کچھ مہلت دیں۔ یعنی ان کی ہلاکت کی دعا کرنے میں جلدی نہ کریں۔ اللہ چاہتا ہے کہ ان کو مہلت دے کر ان پر اتمام حجت کرے، پھر انہیں پکڑے، چنانچہ انہیں بدر میں پکڑ لیا گیا۔

[6] یعنی مکذبین کے لئے ہمارے ہاں جہنم میں بیڑیاں، بھڑکتی آگ، گلے میں پھنس جانے والا کھانا اور دیگر کئی قسم کا عذاب تیار ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جہنم کا کھانا درخت زقوم سے ہے، جو صبر سے زیادہ کڑوا، مردار سے بدبودار تر اور آگ سے گرم تر ہے۔ (مظہری)

ان آیات کی خصوصی تاثیر

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب قیامت برپا ہوگی تو اونچے اونچے پہاڑوں پہ ایسا زلزلہ آئے گا کہ وہ ریت کے ٹیلوں کی طرح بکھر جائیں گے۔

مروی ہے کہ ان آیات کو پڑھ کر حضور ﷺ کو غشی آ گئی اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پر اس آیت نے ایسا اثر کیا کہ تین دن تک کھایا نہ پیا۔ (تفسیر مدارک جلد ۴ صفحہ ۴۲۴)

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ۬ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ
بے شک ہم نے تمہاری طرف (عظمت والا) رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے، جیسے ہم نے فرعون کی طرف
رَسُوْلًا ؕ۝۱۵ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝۱۶ فَكَيْفَ
رسول بھیجا۔ تو فرعون نے اس رسول سے نافرمانی کی تو ہم نے اسے سخت پکڑ میں لے لیا [7] لہٰذا اگر تم
تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۖ۝۱۷ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ
کفر کرو تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے، آسمان اس کی وجہ سے پھٹ جائے گا،
كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝۱۸ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝۱۹ ع
اللہ کا وعدہ ہو کر رہے گا بے شک یہ ایک نصیحت ہے تو جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کی طرف راہ پکڑے [8]

[7] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے لوگو! ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے، یہ ویسا ہی رسول ہے جیسا ہم نے فرعون کی طرف بھیجا یعنی موسیٰ علیہ السلام۔ فرعون نے اس رسول سے انکار کیا تو ہم نے اسے سخت طرح پکڑ لیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مشابہت اور اس کے ثمرات

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے کافی مماثلت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے پھر ان کو فرعون کی سختی اور پکڑ سے بچ کر مصر سے مہاجر ہونا پڑا، وہ دس برس مصر سے دور رہے، پھر واپس آئے اور فرعونی حکومت کا خاتمہ کر کے مصر پر اسلامی حکومت کا جھنڈا لہرایا۔ اسی طرح حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کفار مکہ کی سختیوں سے تنگ آ کر بحکم الٰہی مکہ سے ہجرت کر گئے، پھر آٹھ برس مکہ سے باہر رہے۔ آخر آپ وطن واپس آئے اور وہاں سے مشرکین کی حکومت ختم کر کے اسلامی حکومت کا جھنڈا لہرا دیا۔ گویا اس آیت میں کفار مکہ کو آگاہ کیا گیا کہ ایک دن آنے والا ہے جب سرزمین مکہ پر ہمارے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت ہوگی۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسی مشابہت کی وجہ سے تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ پیش گوئی مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے رب نے مجھے کہا ہے کہ میں بنی اسرائیل کے بھائیوں (حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل) میں سے ایک رسول پیدا کروں گا جو اے موسیٰ! تمہارے جیسا رسول ہے اور میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور وہ لوگوں سے وہی کچھ کہے گا جو میں اسے کہوں گا۔ (تورات کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸)

تورات کی یہ بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی پر صادق نہیں آسکتی اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ عیسائی لوگ اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ٹھہراتے ہیں، مگر وہ مکمل غلط ہے۔

اول: اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس رسول کی بشارت دے رہے ہیں اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ بنی اسرائیل کے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل میں سے ہیں، جبکہ بنی اسماعیل میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور نبی آیا ہی نہیں۔

دوم: اس لیے کہ اس بشارت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ! وہ رسول تمہارے جیسا ہوگا، اب آپ دیکھ لیں کہ کون حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا رسول ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو ان سے کئی لحاظ سے فرق ہے۔ اول: حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بن باپ پیدا ہوئے، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باپ سے پیدا ہوئے، دوم۔ انہیں جو کتاب دی گئی اس میں صرف وعظ ونصیحت تھی، کوئی نئی شریعت یا نیا نظام نہ تھا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی صورت میں مکمل شریعت دی گئی، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شریعت موسوی ہی پہ عمل کرتے تھے، اسی لیے انجیل میں جہاں بھی شریعت کا لفظ آتا ہے اس سے تورات ہی مراد ہوتی ہے۔ سوم: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شادی نہیں کی نہ ان کی اولاد تھی جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شادی کی اور اولاد بھی ہوئی۔ چہارم: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پہ اٹھالیا گیا اور قرب قیامت میں اُتریں گے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ایسی نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں ان سب باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے ہیں، آپ باپ سے پیدا ہوئے، آپ کو مکمل شریعت دی گئی، آپ نے شادیاں کیں، آپ کی اولاد ہوئی اور آپ کی زندگی کے کثیر احوال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مشابہت رکھتے ہیں جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا: اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تورات کی بشارت کے مصداق ہیں۔

[8] یعنی اے دشمنان اسلام! اگر تم کفر پر اَڑے رہے تو تم اس دن کے عذاب سے کیسے بچ سکو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دیتا ہے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ پچاس ہزار برس کے برابر ہے: مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ (معارج، ۴) یعنی وہ اس قدر طویل ہے کہ اس میں کئی نسلیں پروان چڑھیں اور بوڑھی ہو جائیں۔ دوسرا یہ معنی ہے کہ وہ ایسا خوفناک دن ہے کہ اگر کوئی بچہ دیکھے تو خوف سے اس کے بال سفید ہو جائیں اور وہ بوڑھا نظر آنے لگے۔ کبھی پریشانیاں انسان کو جلد بوڑھا کر دیتی ہیں۔ زمخشری نے کہا کہ ایک شخص سیاہ بالوں کے ساتھ سویا، صبح اٹھا تو اس کے بال روئی کی طرح سفید تھے۔ اس نے بتایا کہ اس نے رات خواب میں قیامت کا ہولناک منظر دیکھا ہے کہ لوگوں کو زنجیروں میں جکڑ کر نار جہنم کی طرف گھسیٹ گھسیٹ کر لے جایا رہا ہے، اس خوف سے اس کے بال سفید ہو گئے۔ (قرطبی جلد ۱۹ صفحہ ۵۰)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہیگا۔ تو قیامت ایک نصیحت ہے یا قرآنی آیات ایک نصیحت ہیں، اب جس کا جی چاہے وہ نصیحت پکڑے اور اپنے رب کے راستہ پر آجائے اور وہ راستہ دین اسلام ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَىِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ رات کے دو تہائی حصہ کے قریب قیام کرتے ہیں اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات،

وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ

اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ بھی (قیام کرتا ہے) اور اللہ رات اور دن (کے اوقات) مقرر کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم اسے

تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ

نباہ نہ سکو گے، تو اس نے تم پر توبہ ڈالی، اب تمہیں قرآن سے جو میسر آئے (نماز تہجد میں) پڑھ لو [9] وہ جانتا ہے کہ

مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ

تم میں سے کچھ مریض ہوں گے، اور کچھ دوسرے زمین میں چلیں پھریں گے تاکہ اللہ کا فضل

اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖۗ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ

تلاش کریں اور کچھ دوسرے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے تو تمہیں قرآن سے جو میسر آئے

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا

(نماز تہجد میں) پڑھ لو [10] اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ کو قرض حسن دو اور تم اپنے لئے جو

تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ

نیکی آگے بھیجو، اسے تم اللہ کے ہاں بہتر اور بڑے اجر کی صورت میں پا لو گے

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع

اور اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بخشنہار مہربان ہے [11]

جب قیام اللیل کے حکم میں تخفیف فرمائی گئی

[9] اس سورت کے آغاز میں يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ① قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ② نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ③

اَوْ زِدْ عَلَیْهِ کے ذریعے حضور سید عالم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رات کا کچھ حصہ چھوڑ کر باقی ساری رات، یا نصف رات یا اس سے کم وبیش قیام اللیل کرنے کا حکم فرمایا گیا اور یہ قیام ایک برس تک فرض رہا حتیٰ کہ طویل قیام اللیل سے صحابہ کے پاؤں اور پنڈلیاں سوج گئیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس میں نرمی کرنے کے لئے یہ آیت اُتاری اور فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ کبھی قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا پر عمل کرتے ہوئے دوتہائی رات کے قریب قیام کرتے ہیں، کبھی نِّصْفَهٗۤ پر عمل کرتے ہوئے آدھی رات اور کبھی اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ پر عمل پیرا ہو کر ایک تہائی رات قیام کرتے ہیں اور آپ کے ساتھیوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کا ایک گروہ بھی آپ کے ساتھ آپ کے برابر قیام کرتا ہے۔ اور اللہ رات دن کے اوقات مقرر کرتا ہے یعنی کبھی رات کو لمبا اور کبھی دن کو لمبا کر دیتا ہے اور اللہ جانتا ہے کہ تم ہمیشہ اتنا طویل قیام اللیل نباہ نہ سکو گے خصوصاً سردیوں کی طویل راتوں میں، اس لئے اللہ نے تم پر توبہ ڈالی یعنی رحم فرماتے ہوئے اتنے طویل قیام اللیل کی فرضیت ختم کر دی، اب تم کو جس قدر قرآن کا پڑھنا میسر آئے پڑھو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ دیر نماز تہجد میں قیام کر کے اس میں قرآن پڑھ لو تو وہی کافی ہے نصف شب یا کم وبیش کے برابر قیام اللیل ضروری نہیں۔

یاد رہے فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کا حکم بتا رہا ہے کہ اس کے بعد بھی تہجد کی نماز فرض ہی رہی، کیونکہ فاقرؤا صیغۂ امر ہے جو مفید وجوب ہے۔ پھر جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی تو تہجد کی فرضیت مکمل ختم ہوگئی کیونکہ اس کے بعد حضور ﷺ نے جب بھی فرض نماز کی بات کی تو نماز پنجگانہ ہی کا ذکر کیا، تہجد کا ذکر نہ کیا۔ اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھاری اکثریت رات کو تہجد پڑھتی تھی، جبکہ رسول اللہ ﷺ پر نماز تہجد ہمیشہ فرض ہی رہی۔

(تفسیر خازن جلد ۷ صفحہ ۱۷۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس جگہ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ سے معلوم ہوا کہ نماز میں قراءت فرض ہے کیونکہ نماز کو قرآن کے پڑھنے سے تعبیر کیا گیا اور قرآن میں ایک جگہ قراءت قرآن کو نماز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا: لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا۔ ''اپنی نماز کو یعنی قرأت کو نہ بہت بلند کرو نہ پست تر رکھو'' (بنی اسرائیل، ۱۱۰) اسی طرح وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ (بنی اسرائیل، ۷۸) کا معنیٰ وصلوۃ الفجر ہے۔

[10] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ تم میں کئی لوگ مریض ہو سکتے ہیں، بعض نے تجارت کے لئے نکلنا ہوتا ہے اور وہ وقت آنے والا ہے جب بعض مسلمانوں کو راہِ خدا میں جہاد کے لئے نکلنا پڑے گا، اس لئے نصف شب یا اس سے کم وبیش وقت کے برابر طویل قیام اللیل کا حکم منسوخ کر کے تمہیں کہا جا رہا ہے کہ جس قدر تم قرآن پڑھ سکتے یعنی قیام اللیل کر سکتے ہو کر لو۔

سچے تاجر کا عند اللہ بحکم قرآن مثل شہید ہونا

یہاں یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۫ سے معلوم ہوا کہ رزق حلال کے لئے سچی تجارت جہاد فی سبیل اللہ کی طرح ہے کہ دونوں کو اکٹھا ذکر کیا گیا اور دونوں کو قیام اللیل کی فرضیت کے ختم کرنے کا سبب قرار دیا گیا اسی لئے ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسلمانوں کے شہر میں مال لایا اور اسے صحیح نرخ پر بیچا اس کا اجر اللہ کے ہاں شہید کے برابر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیت پڑھی: وَ اٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۫ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۸۰)

[11] یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ مزمل ابتداء اسلام میں نازل ہوئی تھی، جبکہ زکوٰۃ تو ہجرت کے بعد مدنی دور میں ہجری دو یا تین میں فرض ہوئی، پھر سورہ مزمل میں وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ کا کیا معنیٰ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مکی دور میں اگرچہ زکوٰۃ کے مفصل احکام نہ اُترے تھے، مگر اللہ کی راہ میں مطلقاً کچھ نہ کچھ دینا لازم تھا۔ لہٰذا مکی سورتوں میں جہاں زکوٰۃ کا ذکر ہے اس سے مطلقاً صدقہ دینا مراد ہے۔ جیسے فرمایا گیا: وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ (مومنون، ۴) الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ۔ (نمل، ۳) وَ مَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوۃٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ۔ (روم، ۳۹) حالانکہ یہ سب سورتیں مکی ہیں۔

وَ اَقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے کسی حاجت مند کو قرض حسن دو یعنی ایسا قرض جس پہ کوئی سود نہ لگایا جائے، نہ ہی اس کے بدلے کوئی اور مالی یا معاشی فائدہ لیا جائے۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات دو کہ یہ کرنا ایسا ہے جیسے اللہ کو قرض دیدیا کہ اللہ اس کا بدلہ ضرور دے گا جیسا کہ قرض کا لوٹانا ضروری ہوتا ہے۔

الحمد للہ آج 19 ذی قعدہ 1429ھ بمطابق 21 نومبر 2008ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عشاء سورہ مزمل کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ و صحبہ وسلم۔

سورۃ المدثر

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے سورہ مدثر قرآن کریم کی 74ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے چوتھی سورت ہے، جو سورہ مزمل کے بعد اور تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ سے پہلے نازل ہوئی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کے رُک جانے کے بارے میں بتایا کہ وحی کچھ عرصہ رکی رہی پھر میں ایک دن چلا جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان میں آواز سنی، میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا آسمان وزمین کے مابین کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں خوف زدہ ہو کر گھر لوٹا اور میں نے کہا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اُتاریں: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۵﴾ اس کے بعد لگاتار وحی آنے لگی۔ (بخاری کتاب بدأ الوحی حدیث ۴) گویا سورہ مدثر انتہائی ابتداء دورِ اسلام میں نازل ہونے والی سورت ہے۔

چونکہ یہ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ سے شروع ہوئی اور الْمُدَّثِّرُ کا لفظ قرآن میں صرف اسی سورت میں ہے۔ اسی لئے اُسے سورۃ المدثر کہا گیا۔ اس میں 2 رکوعات، 56 آیات، 255 کلمات اور 1010 حروف ہیں۔

مضامین

سورہ مدثر کے پہلے رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا کہ علانیہ تبلیغ دین کے لیے کھڑے ہو جائیں، اپنے کپڑوں کو صاف ستھرا رکھیں یعنی ہر مسلمان کو کپڑوں کی طہارت کا حکم فرمایا گیا۔ اس کے بعد ولید بن مغیرہ کی مذمت میں آیات لائی گئیں، پھر عذابات جہنم کا بیان لایا گیا۔ جبکہ دوسرے رکوع میں اہل جنت کے انعامات کا ذکر ہے، پھر روئے سخن کو کفار کی نافرمانی کی طرف موڑا گیا اور انہیں عذاب آخرت سے ڈرایا گیا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۵۶ ۷۴ سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ ۴ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴ وَالرُّجْزَ

اے چادر اوڑھنے والے محبوب! آپ کھڑے ہو جائیں پھر ڈرائیں اور اپنے رب کی تکبیر کہیں [1] اور اپنے کپڑے

فَاهْجُرْ ۝۵ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷

پاک رکھیں۔اور ہر گناہ سے دور رہیں [2]۔اور کسی پر اس لئے احسان نہ کریں کہ زیادہ لیں گے۔اور اپنے رب کے لیے صبر رکھیں۔[3]

جب حضور ﷺ کو پہلی بار علانیہ تبلیغ دین کا حکم ہوا اور کفار کیلئے جہنم کا بیان

[1] ابھی اس سورت کے تعارف میں بتایا گیا کہ ابتداء اسلام میں وحی کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے رُک گیا تھا۔ اس کے بعد ایک دن حضور ﷺ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کو آسمان میں ایک بڑی کرسی پر بیٹھے دیکھا تو آپ ﷺ پر خوف طاری ہوا، اور گھر آ کر کہا مجھے چادر اوڑھا دو، آپ کو چادر اوڑھا دی گئی تب یہ سورت اُتری۔ (بخاری کتاب بدأالوحی حدیث ۴)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے چادر اوڑھنے والے پیارے! اب آپ چادر اتار کر کھڑے ہو جائیں اور لوگوں کو کفر و شرک کے عذاب سے ڈرائیں اور بت کدہ عالم میں توحید ربانی کی تکبیر بلند کریں۔

چنانچہ اس سورت کے نزول پر حضور سرور کونین ﷺ نے علانیہ تبلیغ دین شروع کی اور آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر قریش مکہ کو آواز دی۔ جب سارے لوگ آ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ کے لئے کھڑا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا ہاں ضرور، آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر مان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ ابولہب نے کہا تمہارا ہاتھ ٹوٹے کیا تم نے ہمیں اس لئے جمع کیا تھا؟ تو اللہ تعالیٰ نے سورہ لہب نازل کی تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں اور وہ واقعتاً تباہ ہو گیا الخ۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ترتیب سور میں سورہ مدثر کے بعد سورہ لہب کا نمبر ہے۔ سورہ مدثر چوتھی سورت ہے اور سورہ لہب پانچویں سورت ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن جلد اول صفحہ ۲۲)

[2] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ اپنے کپڑے پاک رکھیں اور ہر برائی سے دور رہیں۔ کپڑوں کی پاکیزگی کا حکم اس لئے فرمایا گیا کہ ظہورِ اسلام کے وقت عرب معاشرہ میں کپڑوں کی اور جسم کی پاکیزگی کا کوئی تصور نہ تھا۔ وہ لوگ پتھروں پہ یوں پیشاب کرتے تھے کہ اپنے سارے کپڑوں اور جسم کو پیشاب کی چھینٹوں سے گیلا کر لیتے۔ ایسے جاہلانہ معاشرہ میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے ذریعے انسانیت کو پاکیزگی کا درس دیا۔ یہ رب کی تکبیر بلند کرنا کپڑوں کو پاک رکھنا اور ہر برائی سے دور رہنا صرف حضور ﷺ سے خاص نہیں، بلکہ آپ کے ذریعے آپ کی ساری امت کو یہ تعلیم دی جا رہی ہے۔ ورنہ سید المرسلین ﷺ تو ہر بُرائی سے پاک ہیں۔

اسلام میں پاکیزگی کی اہمیت

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اپنے کپڑوں کو پاک رکھو، یہ اسلام کے دور آغاز میں فرمایا گیا، کیونکہ اس سے قبل سورہ مزمل میں نماز تہجد کا حکم فرمایا گیا اور نماز کے لئے کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے۔ اس لئے ساتھ ہی کپڑوں کے پاک رکھنے کی تعلیم بھی فرمائی گئی۔ آج اہل یورپ و امریکہ مہذب اور تعلیم یافتہ قومیں گنی جاتی ہیں، مگر وہ اسلام کے نظام طہارت سے نابلد ہیں، وہ پبلک مقامات پر کھڑے ہو کر ایک دوسرے کے سامنے برہنہ پیشاب کرتے نظر آتے ہیں، انہیں کچھ حیا کی خبر ہے نہ پاکیزگی کی۔ پھر وہ جسم کو صاف کیے بغیر اپنے کپڑے درست کر لیتے ہیں اور پیشاب انکے کپڑوں اور جسم کو گندا کرتا رہتا ہے۔ وہ پاخانہ کرنے کے بعد بھی پانی استعمال نہیں کرتے بلکہ ٹشو پیپر استعمال کرتے ہیں، حالانکہ اس سے جسم صاف نہیں ہوتا بلکہ بدبو اور گندگی باقی رہتی ہے۔ اس معاملہ میں ان کی حالت دورِ جاہلیت کے انسانوں سے بھی بدتر ہے، تہذیب تو اسلام کے دامن میں ہے۔

نماز میں تکبیر تحریمہ کی فرضیت

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ میں تکبیر کہنے کا امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہے اب نماز کے سوا کسی جگہ تکبیر فرض نہیں ہے، تو ضروری ہوا کہ اس سے نماز والی تکبیر تحریمہ مراد ہو، یعنی وہ تکبیر جس کے ذریعہ نمازی نماز میں داخل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارکعوا اور اسجدوا جیسے اوامر کا معاملہ ہے کہ نماز سے باہر کوئی رکوع یا سجدہ فرض نہیں ہے تو ضروری ہوا کہ اس سے نماز میں رکوع اور سجدے کی فرضیت مراد ہو اور تکبیر تحریمہ کے فرض ہونے کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مفتاح الصلاۃ الطھور و تحریمھا التکبیر و تحلیلھا السلام۔ یعنی نماز کی چابی وضوء ہے، اسکی تحریم اس کی (پہلی) تکبیر ہے اور اسکی تحلیل اس کا سلام ہے (یعنی اس کی پہلی تکبیر سے نمازی پر کھانا پینا اور قبلہ سے رخ پھیرنا وغیرہ امور حرام ہو جاتے ہیں اور سلام سے دوبارہ حلال ہو جاتے ہیں)۔ (ابوداؤد)

[3] اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اخلاقی ضابطہ ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں پر اس لئے احسان نہ کریں کہ اس

سے بدلے میں ان سے اسباب دنیا کی کثرت لیں گے، بلکہ آپ اپنے رب کے لئے صبر رکھیں یعنی زینت دنیا سے دور رہیں۔ چنانچہ اس آیت اور ایسی دیگر آیات جو دنیا سے بے رغبتی کی تعلیم دیتی ہیں، کی تاثیر سے حضور ﷺ کا قلب مبارک دنیا سے مکمل بے رغبت ہوگیا تھا۔ بسا اوقات آپ ﷺ کے گھروں میں ایک ایک ماہ تک چولہا نہیں جلتا تھا۔

آقائے دو جہاں ﷺ مانگنے والوں کو اپنی قمیص بھی اتار دیتے تھے، آپ کی ازواج مطہرات نے کچھ کپڑوں اور زیور کا مطالبہ کیا تو آپ کے دل پر بوجھ بن گیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت اتاری کہ اگر انہیں دنیا چاہیے تو آپ دنیا دے کر انہیں طلاق دے دیں۔ چنانچہ آپ کی ازواج بھی دنیا سے مکمل کنارہ کش ہوگئیں۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ یَوْمَىٕذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ ﴿۱۰﴾
پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو تب وہ دن کافروں پر سخت تر ہوگا آسان نہ ہوگا [4] آپ اس شخص کو مجھ پر چھوڑیں
ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾
جسے میں نے تنہا پیدا کیا۔ اور اسے لمبا مال دیا اور حاضر خدمت بیٹے دیے اور میں نے اس کے لئے ہر طرح کے اسباب مہیا کئے
وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾
پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے مزید دوں؟ ہرگز نہیں۔ وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے [5]

[4] کفار کو روز قیامت کی پکڑ سے ڈرایا گیا تا کہ وہ ایمان لائیں تو فرمایا گیا کہ جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن یعنی روز قیامت کفار پر بہت سخت ہوگا۔ معلوم ہوا قیامت کا دن مومنوں (صالحین مراد ہیں) کے لئے کچھ مشکل نہ ہوگا۔ چنانچہ کفار کے لئے قیامت کا دن پچاس ہزار برس تک لمبا ہوگا۔ (معارج، ۴) اور مومن کے لئے ایک نماز کے وقت کے برابر رہ جائے گا، تاہم مومنین کو بھی قیامت سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے تھے میں کیسے آرام کروں جبکہ صور والے فرشتے نے صور اٹھا رکھا ہے اور کان لگائے حکم الٰہی کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ پھر ہم کیا کریں؟ آپ نے فرمایا تم یہ پڑھا کرو: نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ زمر)

[5] یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں اُتریں، وہ قریش میں سب سے مالدار تھا۔ اس کے اثاثے سونے کے چار لاکھ دینار سے زائد تھے اور ان کی مالیت اندازۃً ساڑھے تین ارب روپے بنتی ہے، اس کے تیرہ شاہزور و شمشیر زن بیٹے تھے ان میں سے ایک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں توفیق ایمان دے دی اور وہ

اللہ کی تلوار کہلائے۔ عجیب شان قدرت ہے کہ بیٹا اللہ کی تلوار اور باپ کفار کا سردار ہے۔

ولید بن مغیرہ کی مذمت میں قرآن کا نزول

چنانچہ آیت 11 سے آیت 30 تک اس سورت کا حصہ ولید بن مغیرہ کی مذمت میں نازل ہوا۔ مروی ہے کہ جب ولید بن مغیرہ نے اسلام دشمنی شروع کی تو اس کا کاروبار گھٹنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا مال ہاتھ سے نکل گیا۔ ان آیات کا نزول اگرچہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں ہے، مگر ان میں ہر ایسے کافر کی مذمت ہے جو مال و اسباب دنیا کی فراوانی سے متکبر ہو کر اسلام دشمنی کرنے لگے یہاں وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ولید بن مغیرہ جیسے کافر کو میں نے تنہا پیدا کیا اس میں کوئی جھوٹا خدا شریک نہیں تھا اور یہ معنی بھی ہے کہ وہ تنہا پیدا ہوا اس کے پاس کچھ مال تھا نہ اختیار۔

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ
میں اسے صعود پہاڑ پر چڑھاؤں گا [6] اس نے فکر کیا اور اندازہ لگایا۔ تو وہ مارا جائے اس نے کیسا بُرا اندازہ
كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ
لگایا، پھر وہ مارا جائے اس نے کیسا بُرا اندازہ لگایا۔ پھر اس نے دیکھا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا، پھر پیٹھ پھیر کر چل دیا
اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾
اور تکبر کیا۔ تو کہنے لگا یہ (قرآن) تو بس روایتی جادو ہے یہ تو انسانی کلام کے سوا کچھ نہیں [7]

[6] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
صعود جہنم میں آگ کا پہاڑ ہے، کافر اس پر ستر برس میں چڑھے گا اور پھر واپس گر جائے گا اور یہ اس کے ساتھ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ مدثر حدیث ۳۳۲۶)

[7] ان آیات کا نزول ولید بن مغیرہ کے بارہ میں ہوا، جس کا واقعہ مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یوں بیان کیا ہے

قرآن کو حق جان کر ولید بن مغیرہ کی ہٹ دھرمی

امام بغوی نے روایت کیا کہ جب حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ (سورہ غافر، ۱) کا نزول ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کو حرم شریف میں کھڑے ہو کر پڑھنے لگے۔ ولید بن مغیرہ پاس کھڑا سن رہا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

محسوس کیا کہ وہ غور سے سن رہا ہے تو آپ ان آیات کو دہرانے لگے۔ ولید بن مغیرہ اپنی قوم بنی مخزون میں گیا اور قرآن کی بہت تعریف کی، قریش کہنے لگے ولید بن مغیرہ بھی بے دین ہو گیا ہے اور لگتا ہے کہ عنقریب سب قریش بے دین ہو جائیں گے، کیونکہ لوگ ولید بن مغیرہ کو قریش کا پھول کہتے ہیں۔ ابوجہل فوراً ولید کے پاس پہنچا اور کہنے لگا قریش تمہیں چندہ کر کے کچھ دینا چاہتے ہیں کیونکہ تم محمد (ﷺ) اور ابوبکر کے پاس جا کر اس لئے بیٹھتے ہو کہ تمہیں ان کا بچا ہوا کھانا مل جائے۔

یہ سن کر ولید کو سخت طیش آیا اور وہ قریش میں آ کر کہنے لگا کہ تم کیا خیال کرتے ہو کہ محمد مجنون ہے؟ سب نے کہا نہیں۔ اس نے کہا کیا وہ کاہن ہے؟ سب نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا کیا تم اسے شاعر سمجھتے ہو؟ کہنے لگے واللہ نہیں۔ اس نے پوچھا کیا تم نے اسے کبھی جھوٹ بولتے دیکھا ہے؟ کہنے لگے ہرگز نہیں۔ تب قریش ولید سے کہنے لگے کہ تم ہی بتاؤ محمد (ﷺ) کو کیا کہا جائے؟ وہ غور و فکر کرنے لگا (وہ چاہتا تھا کہ آپ کے بارے میں ایسی بات کہی جائے جو صریح جھوٹ نہ نظر آئے اور اس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کیا جائے۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ) اور کافی غور و فکر اور اندازہ کرنے کے بعد اس نے کہا محمد (ﷺ) ایک جادوگر ہے وہ جو کلام پڑھتا ہے اس میں جادو کا سا اثر ہے جس کے ذریعے وہ ایک شخص کو اس کے اہل خانہ، والدین اور قبیلہ سے جدا کر دیتا ہے، بس یہ جادو ہے جو پہلے لوگوں سے روایت کیا گیا ہے اور یہ انسانی کلام ہے، خدائی کلام نہیں ہے۔ تو اس بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۱۷۶)

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ

جلد ہی میں اسے نار جہنم میں داخل کروں گا اور تم کیا جانو نار جہنم کیا ہے؟ وہ نہ گوشت چھوڑے گی ، نہ ہڈی رہنے

لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً

دیگی ، کھال اتار کر رکھ دیگی [8] اس پر اُنیس نگران (فرشتے) مقرر ہیں [9] اور ہم نے نار جہنم کے نگران صرف فرشتے

وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

ہی رکھے ہیں اور ہم نے ان کی تعداد کو کافروں کے لئے آزمائش ہی بنایا ہے تاکہ

الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اہل کتاب یقین لائیں اور ایمان والوں کا ایمان بڑھے اور اہل کتاب اور مومنین

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ

شک نہ رکھیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو کھلے کافر ہیں وہ کہیں کہ اللہ نے اس سے

اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ

کیا مقصد مراد لیا ہے [10] اسی طرح اللہ جسے چاہے گمراہ رکھتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے

يَّشَآءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

اور تمہارے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے اور یہ جہنم انسان کے لئے ایک نصیحت ہی ہے [11]

[8] یعنی ولید بن مغیرہ جیسے کافر (جو قرآن کی صداقت پر مطلع اور اس کا معترف ہو کر اس کی مخالفت کرے) کے لیے نار جہنم تیار ہے جو اس کی کھال اُتار کر رکھ دے گی۔ دوسری جگہ فرمایا گیا جب بھی کفار کی چمڑیاں (جہنم میں) پک جائیں گی تو ہم ان کی جگہ نئی چمڑیاں چڑھا دیں گے۔ (نساء،۵۶) اور آج لاکھوں کفار ایسے ہیں جو قرآن کی صداقت کا دل سے اعتراف کرتے ہیں مگر اس پر ایمان نہیں لاتے جیسے مستشرقین تھے اور ہیں۔ ایسے کفار کا انجام ولید بن مغیرہ سے مختلف نہیں ہے۔

[9] حضرت براء بن عازب ؓ سے مروی ہے کہ یہود نے مسلمانوں سے پوچھا جہنم کے پہریدار فرشتے کتنے ہیں؟ تب یہ آیت اتری: عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ۔ کہ جہنم پر انیس پہریدار مقرر ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ حدیث ۱۹۰۳۹)

ابن وہب نے حضرت زبر بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ان انیس فرشتوں میں سے ہر ایک کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک سال کا سفر ہے۔ اللہ نے ان کے دلوں سے رحمت نکال لی ہے۔ ان میں سے ہر ایک اس قدر طاقت ور ہے کہ ستر ہزار کفار کو اکیلا اٹھا کر جہنم میں پھینک دیتا ہے۔'' (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۹)

[10] حضرت سدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (جہنم پر انیس پہریدار فرشتے ہیں) کے نزول پر قریش نے اس کا مذاق اُڑایا۔ ان میں سے ابوالاشدین کہنے لگا اے قریش! گھبراؤ نہیں۔ میں ان میں سے دس کو دائیں کندھے پر اٹھالوں گا اور نو کو بائیں کندھے پر (معاذ اللہ) تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ حدیث ۱۹۰۴۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جہنم کے پہریدار فرشتوں کی تعداد کو کفار کے لئے آزمائش بنایا ہے کہ وہ اس عدد کو سن کر اس کا مذاق اُڑاتے ہیں، مگر اہل کتاب کو اس کا یقین ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی جہنم کے پہریدار فرشتوں کی یہی تعداد لکھی ہے اور قرآن کی زبانی یہی تعداد سن کر انہیں یقین آتا ہے کہ قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے اور مومنین کا ایمان تو ہر قرآنی آیت کے سننے سے بڑھتا جاتا ہے۔ لہٰذا اہل کتاب اور مومنین کو تو اس تعداد میں کوئی شک نہیں، مگر جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی کمزور ایمان والے لوگ اور کھلے کفار کہتے ہیں کہ اس سے اللہ کی کیا مراد ہے، یہ انیس ہی کیوں ہیں؟

[11] یعنی قرآن سن کر کئی لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور کئی کو ہدایت مل جاتی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ کا یہ معنی نہیں کہ فرشتے صرف انیس ہی ہیں جیسا کہ کفار نے سمجھا اور وہ قرآن کا مذاق اُڑانے لگے بلکہ اللہ کے لشکروں یعنی فرشتوں کی تعداد کو اللہ ہی جانتا ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جہنم کے انیس بڑے نگران ہیں، آگے ان میں سے ہر ایک کے زیر کمان لاکھوں فرشتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو میں سنتا ہوں وہ تم نہیں سنتے اور جو میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے، آسمان چڑ چڑاتا ہے اور اسے چڑ چڑانا چاہیے، اس میں کوئی انگلی بھر جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ محو سجدہ نہ ہو۔'' (ترمذی کتاب الزہد باب ۹)

الغرض فرشتوں کی تعداد کو اللہ ہی جانتا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جہنم ہر انسان کے لئے وجہ عبرت ونصیحت ہے یعنی اس کا ذکر قرآن میں بار بار اس لئے ہے تاکہ ہر انسان جہنم سے ڈر کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت قبول کرے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى

کیوں نہیں، قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ واپس لوٹے، اور صبح کی جب وہ سفید ہو جائے بے شک جہنم بڑی نصیحتوں میں سے

الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ

ایک نصیحت ہے جو انسانوں کو ڈرانے والی ہے، تم میں سے جو آگے بڑھنا یا پیچھے رہنا چاہتا ہے اسے اختیار ہے [12] ہر جان

مع ۱۶

نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ

اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے، سوا دائیں طرف والوں کے، وہ جنتی باغات میں (کھڑے ہو کر)

يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ

مجرموں سے پوچھیں گے تمہیں کس چیز نے جہنم میں پہنچایا؟ وہ کہیں گے ہم نماز

مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ

نہیں پڑھتے تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور ہم (کافرانہ) غور کرنے والوں کے ساتھ

الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾

غور کرتے تھے۔ اور ہم روز انصاف کو جھٹلاتے تھے حتیٰ کہ ہمیں یقینی بات (موت) آ گئی۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾

تو انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی، تو انہیں کیا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں۔ [13]

جہنم میں جانے کے اسباب اور جہنم کی ہولناکی

[12] اللہ تعالیٰ نے چاند اور رات اور صبح کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ جہنم بہت بڑی نصیحت ہے جو انسان کو اللہ کی نافرمانی سے بچاتی ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ و رسول کی اطاعت میں آگے بڑھنا یا پیچھے رہنا چاہتا ہے اسے اختیار ہے۔ چاند اور رات اور صبح کی قسم اس لئے اٹھائی گئی کہ جس طرح رات کو چاند چمکتا ہے، پھر رات لوٹ جاتی اور صبح کی سفیدی نمودار ہوتی ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل کعبۃ اللہ کفر و شرک کی تاریک رات میں چاند کی طرح چمک رہا تھا، مگر رات

کے اندھیرے کے سبب لوگوں کو راہِ حق نظر نہیں آ رہی تھی۔ تب فاران کی چوٹیوں سے آفتاب محمدی طلوع ہوا اور صبح اسلام کی سفیدی نمودار ہوئی۔ تب سعادت مند روحوں نے راہ ہدایت دیکھ کر اس پہ چلنا شروع کیا اور بدبختوں نے چمگادڑ کی طرح آنکھیں بند کر لیں۔

[13] یعنی جس طرح گروی چیز قرض خواہ کے پاس گرفتار ہوتی ہے یونہی روز قیامت کفار اپنے کفر کے سبب جہنم میں ہمیشہ کے لئے گرفتار ہوں گے۔ مگر دائیں طرف والے یعنی مومنین جہنم سے آزاد ہوں گے، خواہ اس طرح کہ انہیں کسی کی شفاعت مل جائے اور وہ بخشے جائیں یا اللہ انہیں اپنے فضل سے جہنم سے دور رکھے، یا وہ کچھ عرصہ جہنم میں رہ کر وہاں سے آزاد ہو جائیں اور ہمیشہ کے لئے جنت میں چلے جائیں۔ بہر حال وہ دائیں طرف والے ہیں، وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ انہیں دائیں طرف والے اس لئے کہا جاتا ہے کہ روز میثاق جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تو وہ اپنے ایمان کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں طرف کھڑے تھے اور انہیں ان کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یہ لوگ جنتی باغات میں کھڑے ہو کر جب نیچے جھانکیں گے تو انہیں جہنم میں کفار ہمیشہ کے لئے جلتے نظر آئیں گے، وہ ان سے پوچھیں گے تمہیں کون سی چیز ہمیشہ کے لئے جہنم میں لے آئی؟ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ اور جب کفار دین کی تکذیب میں غور کرتے تھے تو ہم بھی ان کے ساتھ غور کرتے تھے اس لئے ہم روز قیامت کو جھٹلاتے تھے اور ہم اسی تکذیب میں پڑے رہے حتیٰ کہ ہمیں یقینی بات یعنی موت آ گئی قرآن میں ایک اور جگہ بھی موت کو یقینی بات کہا گیا۔ چنانچہ فرمایا گیا: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾ ''اور تم اپنے رب کی عبادت کرتے رہو تا آنکہ تمہیں یقین (موت) آ جائے۔'' (حجر، ۹۹) آگے اللہ فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کچھ کام نہ آئے گی۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) اہمیت نماز:

اہل جہنم اپنے جہنم میں آنے کی وجہ یہ بتائیں گے کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اسی لئے قرآنِ مجید میں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد نا اہل لوگ آئے، جنہوں نے نماز ترک کی اور خواہشات کی پیروی کی تو وہ غَی میں ڈالے جائیں گے (مریم، ۵۹) اور روایات کے مطابق غَی جہنم کا کنواں ہے جہاں اہل جہنم کی غلاظت جمع ہوتی ہے۔

(2) کفار احکام شرع کے بھی مکلف ہیں:

کفار جہنم میں جانے کا سبب جہاں قیامت کے جھٹلانے کو قرار دیں گے وہاں ترک نماز اور مسکین کے کھانا نہ کھلانے کو بھی قرار دیں گے۔ اور کسی چیز کے ترک پر سزا تب ہی ہو سکتی ہے جب وہ چیز فرض ہو۔ لہٰذا کفار کو جہنم میں ان کے کفر کے علاوہ احکام شرع کے ترک کا عذاب بھی ہوگا۔

(3) مومنوں کو شفاعت کام آئے گی:

کفار کے بارے میں کہا گیا: فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ ﴿۴۸﴾ لہٰذا مومنوں کو شفاعت نفع دے گی، اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہوں والے لوگوں کے لئے ہے۔'' (ترمذی، ابن حبان، حاکم، احمد، ابوداؤد)

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ
گویا وہ بھاگنے والے گدھے ہیں جو شیر کو دیکھ کر بھاگ پڑیں، بلکہ ان میں سے
مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ
ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے کھلے صحیفے دیئے جائیں۔ ہرگز نہیں، بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔ کیوں نہیں،
اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ
قرآن ایک نصیحت ہے۔ تو جو چاہے اس سے نصیحت لے اور وہ کچھ نصیحت نہیں پکڑ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ وہ
اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾
حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہ بخشنے کا اہل ہے۔ [14]

ع ۲ ۱۶ الثلٰثۃ

[14] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عربی میں شیر کو اسد کہتے ہیں، حبشی میں قسورہ، فارسی میں شیر اور نبطی میں اویا کہتے ہیں (اور انگریزی میں لائن Lion کہتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار اللہ کی نازل کردہ نصیحت (قرآن) سے یوں بھاگتے ہیں جیسے شیر کو دیکھ کر گدھے۔ اس کے باوجود ان میں سے ہر کوئی چاہتا ہے کہ اسے کھلا صحیفہ دیا جائے۔ دراصل کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بار کہا ہم تب آپ پر ایمان لائیں گے کہ ہم سوئیں اور صبح اٹھیں تو ہم میں سے ہر کسی کے سر کے قریب ایک کھلا خط پڑا ہو، جس میں لکھا ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہاں فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا، بلکہ اصل ماجریٰ یہ ہے کہ کفار کو آخرت کا کچھ خوف نہیں۔ اگر انہیں خوف ہوتا تو قرآن ان کی نصیحت کے لئے کافی تھا کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ عظیم نصیحت ہے۔ اب جس کا جی چاہے وہ اس سے نصیحت پکڑ لے، اس کی موجودگی میں کسی اور خط یا صحیفہ کے نزول کی ضرورت نہیں۔

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ سے معلوم ہوا کہ قرآن تا قیامت پوری نسل انسانی کے لیے نصیحت ہے۔ اس کی موجودگی میں کسی اور کتاب کی اور قرآن والے نبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کسی اور نبی کی ضرورت نہیں ہے۔

اس لیے دوسری جگہ فرمایا گیا: تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ ''برکت والا ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندۂ خاص محمد مصطفیٰ (ﷺ) پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا (نبی) بن جائے۔'' (فرقان، ۱)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا یَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ یعنی کوئی نصیحت تب ہی پکڑتا ہے جب اللہ چاہے۔ اور اگر کسی کی ضد کی وجہ سے اللہ اس کے دل پر بطورِ سزا مہر لگا دے تو اسے کوئی چیز ہدایت نہیں دے سکتی۔ لہٰذا اللہ ہی اس بات کا حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے کیونکہ وہی بخشنے والا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰی وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۟ پڑھی پھر فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں ہی حقدار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرے ساتھ دوسرا خدا نہ مانا جائے اور جو میرے ساتھ دوسرا خدا ماننے سے ڈر جائے میرا حق ہے کہ میں اسے بخشوں۔ (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی، احمد)

الحمد اللہ آج 23 ذی القعدہ 1429ھ مطابق 25 نومبر 2008ء بروز منگل سورہ مدثر کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

سورۃ القیامہ

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے سورۃ القیامہ قرآن کریم کی 75ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 30ویں سورت ہے، جو سورہ ہمزہ سے قبل اور سورہ القارعہ کے بعد نازل ہوئی۔ چونکہ یہ لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ سے شروع ہوئی۔ اس لئے اسے سورۃ القیامہ کہا گیا۔ یہ مکی سورت ہے، اس سورت میں 2 رکوعات، 40 آیات، 199 کلمات اور 652 حروف ہیں۔

فضیلت

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کہتے ہیں میں نے حجۃ الوداع کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں آپ بکثرت سورۃ القیامہ پڑھتے تھے اور جب آپ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ پڑھتے تو فرماتے: ہاں کیوں نہیں۔ اور میں اس پر گواہ ہوں۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۹۶)

مضامین

سورۃ القیامہ کے پہلے رکوع میں بتایا گیا کہ کفار روز قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ تو فرمایا گیا کہ جب وہ آئے گی تو کفار کے لیے کوئی جائے فرار نہ ہوگی۔ پھر فرمایا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب آپ پہ وحی اترے تو اسے ساتھ پڑھنے کی جلدی نہ فرمائیں بلکہ پہلے توجہ سے سنیں، جب وحی مکمل ہو جائے تو پڑھیں، ہم آپ کو یاد بھی کرائیں گے اور سمجھائیں گے بھی۔ پھر مزید احوال قیامت کا ذکر ہوا۔ اور دوسرے رکوع میں انسان کو بتایا گیا کہ وہ پانی کے چند قطروں سے پیدا کیا گیا ہے، تو جو رب پانی کے قطروں کو انسانی شکل میں اٹھا سکتا ہے وہ ہڈیوں میں روح ڈال کر انہیں دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیَاتُھَا ۴۰ ۷۵ سُوْرَۃُ الْقِیٰمَةِ مَکِّیَّةٌ ۳۱ رَکُوْعَاتُھَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ اَیَحْسَبُ
مجھے قسم ہے روز قیامت کی [1] اور مجھے قسم ہے خود کو ملامت کرنے والے نفس کی [2] کیا انسان
الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰۤی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾
سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں اکٹھی نہیں کر سکتے؟ کیوں نہیں، ہم قادر ہیں کہ اس کے پورے برابر کر دیں [3]

قیامت اور موت کی ہولناکیاں

[1] یہاں جواب قسم محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے: لا اقسم بیوم القیامۃ انکم تجزون باعمالکم یعنی مجھے روز قیامت کی قسم تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دی جائے گی۔ اور لا زائدہ ہے جو قسم پر زائد کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں لا ورب الکعبۃ لا ورب العرش یعنی رب کعبہ کی قسم رب عرش کی قسم۔

[2] ایک قول کے مطابق اس سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں جن سے دانہ گندم کے کھانے کی خطاء ہوئی اور وہ طویل عرصہ اس پر خود کو ملامت اور استغفار کرتے رہے۔ دوسرے قول پر اس سے مطلقاً ہر نفس مراد ہے کیونکہ روز قیامت ہر نفس خود کو ملامت کرے گا۔ برائی کرنے والا کہے گا کاش میں برائی نہ کرتا اور نیکی کرنے والا کہے گا کاش میں زیادہ نیکی کر لیتا۔ اور حضرت حسن کے نزدیک اس سے نفس مومنہ مراد ہے کیونکہ مومن اپنی خطاؤں پہ خود کو ملامت کرتا رہتا ہے اور کافر اپنے کفر پر اڑا رہتا ہے اور اسی حالت میں اسے موت آ جاتی ہے۔

نفس کی اقسام

یاد رہے صوفیاء کے نزدیک جو نفس انسان کو برائی کا حکم دے اور اللہ سے دور کرے، وہ نفس امارہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ۔ (یوسف، ۵۳) اور جب نفس اپنی برائیاں محسوس کرنے لگے اور ان پر خود کو ملامت کرے، وہ نفس لوامہ ہے۔ اور جب نفس برائیوں سے مکمل دور ہو کر اللہ و رسول کی اطاعت میں گم ہو جائے تو وہ نفس مطمئنہ ہے جس کو موت کے وقت اللہ کی رحمت پکار کر جنت کی طرف بلاتی ہے اور فرمایا جاتا ہے: یٰۤاَیَّتُھَا

النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾

''اے مطمئن جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آ، تو میرے بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔'' (فجر،۲۷)

[3] یعنی کیا قیامت سے منکر انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کے مرنے کے بعد اس کی ہڈیاں جمع کر کے اسے دوبارہ نہیں اٹھا سکتے؟ کیوں نہیں۔ ہڈیاں اکٹھی کرنا تو ایک طرف رہا، ہم اس کی انگلیوں کے پورے بھی پہلے کی طرح برابر کر دیں گے۔ انگلیوں کے پورں کی بات اس لئے کی گئی کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم نشان ہے ہر انسان کے پوروں میں لکیروں کا نقشہ (Finger Prints) دوسرے تمام انسانوں سے مختلف ہے۔ گویا اللہ رب العزت نے اربوں کھربوں انسانوں کے پوروں میں اربوں کھربوں نقشے کھینچ دیئے ہیں اور ہر نقشہ دوسرے نقشہ سے مختلف ہے، پھر اللہ سے بڑا عالم، دانا اور مصور کون ہو سکتا ہے؟

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ کا یہ معنی بھی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم انسان کے پوروں کو جانوروں کے کھروں کی طرح برابر اکٹھا بھی بنا سکتے ہیں یعنی یہ ہماری رحمت ہے کہ ہم نے انسان کو خوبصورت انگلیاں دی ہیں، جن سے وہ ہر چیز کو پکڑتا ہے اور ان انگلیوں سے اپنا لقمہ اپنے منہ میں ڈال لیتا ہے۔ اگر ہم اس کی انگلیاں برابر کر کے کھر بنا دیتے تو وہ کھانا کیسے کھاتا۔

بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ یَسْـَٔلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ﴿۶﴾ فَاِذَا

بلکہ انسان چاہتا ہے کہ آگے گناہ کرتا جائے، وہ پوچھتا ہے کہ روز قیامت کب ہے؟ تو جب

بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ یَقُوْلُ

نظر چندھیا جائے اور چاند بے نور ہو جائے اور شمس و قمر جمع ہو جائیں اس دن انسان کہے گا کہ

الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ اِلْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾

راہِ فرار کدھر ہے؟ ہرگز نہیں۔ کوئی راہ فرار نہیں۔ اس دن تمہارے رب کی طرف ہی جا کر ٹھہرنا ہے۔ [4]

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾

اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا [5]

[4] اس کے باوجود قیامت کا منکر انسان چاہتا ہے کہ آگے آگے گناہ ہی کرتا جائے۔ اس لئے وہ از راہِ مذاق پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ وہ یاد رکھے کہ قیامت کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں چندھیا جائیں گی، چاند بے نور ہو

جائے گا، کیونکہ چاند کو روشنی دینے والا سورج ہی نہ رہے گا اور چاند اور سورج اکٹھے ہو جائیں گے اس طرح کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور چاند پہلے ہی وہاں ہوگا۔ یوں وہ جمع ہو جائیں گے۔ تب قیامت کو نہ ماننے والا انسان کہے گا کہ کیا قیامت سے بھاگنے کے لئے کوئی راہ فرار ہے؟ تو اسے کہا جائے گا کہ اب کوئی راہِ فرار نہیں ہے، اب تمہیں اپنے رب کے سامنے جا کر ہی ٹھہرنا ہوگا۔

[5] یعنی انسان نے جو فرائض آگے بھیج دیئے اور جو پیچھے چھوڑ دیئے یعنی ترک کر دیئے۔ اسی طرح جو مال اس نے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آگے بھیج دیا اور جو رشتہ داروں وارثوں کے لئے پیچھے چھوڑ دیا، روز قیامت انسان کو اس سب کی خبر دی جائے گی۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ
بلکہ انسان خود اپنے اوپر نگران ہے خواہ وہ اپنے کئی عذر پیش کرے [6]، آپ نزول قرآن کے دوران
لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ
اپنی زبان کو حرکت نہ دیں کہ اسے جلدی یاد کرلیں۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے، پھر جب ہم اسے
قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴿۱۹﴾
پڑھ دیں تو آپ اس کی پڑھائی کے پیچھے چلیں۔ پھر اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے[7]

[6] بصیرۃٌ میں تاء برائے مبالغہ ہے جیسے عَلّامَۃٌ کی تاء ہے۔ معنی یہ ہے کہ انسان خود اپنے اعمال کا بہترین نگران ہے یعنی خود اس کا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ اس نے کون سا کام اچھا کیا اور کون سا بُرا، خواہ وہ لوگوں کے سامنے کتنے ہی عذر بہانے (Excuses) پیش کرے کہ میرا مقصد یہ تھا اور وہ تھا، مگر اس کا ضمیر اس کو بتاتا ہی رہتا ہے کہ اس نے فلاں کام غلط اور ناجائز کیا تھا جو اسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔

خیر و شر کا فرق ہر انسان کے ضمیر میں ڈالا گیا ہے

اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ ''اور قسم ہے نفس کی اور اس بات کی جو اللہ نے اسے برابر بنایا پھر اسے اس کی برائی اور نیکی بتادی۔'' (شمس، ۷) یعنی انسان کے ضمیر میں اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی کا امتیاز ڈال دیا ہے، لہٰذا سب سے بڑا قاضی اور جج خود انسان کا اپنا دل ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: والاثم مَا حَاكَ فِی صَدْرِكَ وَ كَرِهْتَ اَنْ یَّطَّلِعَ عَلَیْهِ النَّاسُ. ''گناہ وہ ہے جو تمہارے سینے میں کھٹکے اور تم لوگوں کا اس پر مطلع ہونا ناپسند جانو۔'' (مسلم کتاب البر حدیث ۱۴، ترمذی کتاب الزھد باب ۵۲)

یعنی انسان اپنے جس عمل کو لوگوں سے چھپائے اور اس پر ان کے مطلع ہونے سے گھبرائے تو سمجھ لے کہ وہ گناہ ہے لہٰذا اسے چھوڑ دے۔

[7] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب جبرائیل امین علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس وحی لاتے تو آپ (دوران وحی) اپنی زبان اور ہونٹوں کو ہلانے لگتے (تا کہ اسے یاد کرلیں) اور یہ چیز آپ کو مشقت میں ڈال دیتی جو (آپ کے چہرہ مبارک میں) پہچانی جاتی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم قرآن کو آپ کے سینے میں جمع کریں گے اور آپ کو پڑھائیں گے۔ لہٰذا جب ہم اسے اتاریں تو آپ غور سے سنیں اور اس کے بعد اسے پڑھیں۔ پھر ہم اسے آپ پر بیان بھی کریں گے (یعنی آپ کو اس کا بیان سکھائیں گے اور آپ اسے اپنی زبان سے لوگوں کو بتائیں گے) اس کے بعد جب جبرائیل علیہ السلام وحی لاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گردن جھکا کر غور سے سنتے، جب وہ چلے جاتے تو آپ اسے پڑھتے، جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ قیامہ حدیث ۴۹۲۹)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) استاذ کے قرآن پڑھنے کے بعد شاگرد کو پڑھنا چاہیے:

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا کہ جب ہم پڑھ دیں تو پھر آپ پڑھیں۔ گویا شاگرد کو چاہیے کہ پہلے استاذ سے غور سے سنے پھر پڑھے ساتھ ساتھ نہ پڑھے۔

(2) قرآن کا خاموشی سے سننا لازم ہے:

اس لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (اعراف، ۲۰۴) اس لئے مقتدی حضرات پہ لازم ہے کہ امام کے پیچھے قرآن نہ پڑھیں خواہ سورہ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت۔ اس کی مکمل تحقیق ہم اسی آیت کے تحت لکھ آئے ہیں وہاں دیکھیں۔

(3) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم متشابہات اور مقطعات کا علم رکھتے ہیں:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ سے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو قرآن اُتارا، اسے آپ پر بیان کرنے کا وعدہ بھی لیا اور اس میں متشابہات و مقطعات بھی داخل ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ چیز دلائل سے ثابت کی ہے۔ (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۰)

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾

ہرگز نہیں۔ بلکہ تم جلد ملنے والی (دنیا) چاہتے ہو اور آخرت کو چھوڑ تے ہو۔ اس دن کئی تروتازہ چہرے اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾

اور کئی چہرے اس دن بگڑے ہوں گے انہیں یقین ہوگا کہ ان کے ساتھ ہولناک سلوک کیا جائے گا [8] کیوں نہیں، جب جان

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ٜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾

گلے تک آجائے اور کہا جائے کہ کون طبیب (شفا دے سکتا ہے) اور (مرنے والا) سمجھے کہ یہ فراق کی گھڑی ہے اور پنڈلی پنڈلی سے

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾

جڑ جائے تو اس دن تمہارے رب کی طرف ہی چلنا ہے [9]۔

[8] یعنی اے قیامت سے انکار کرنے والو! بات دراصل یہ ہے کہ تم جلد ملنے والی دنیا سے محبت رکھتے اور آخرت سے روگردانی کرتے ہو، مگر یاد رکھو کہ قیامت آ کر رہے گی اور اس دن اللہ کی باتوں پر ایمان لانے والے لوگوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کا دیدار کرتے ہوں گے اور انکار کرنے والوں کے چہرے بگڑے ہوں گے کیونکہ جہنم کے عذابات کے خوف نے ان پر دہشت طاری کر دی ہوگی۔

قیامت میں رؤیت باری تعالیٰ کی تحقیق، اور اہل تشیع کا رد

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ سے معلوم ہوا کہ قیامت میں اہل ایمان کو رویت باری تعالیٰ حاصل ہوگی اور یہ کہ رؤیت باری تعالیٰ محال نہیں، اسی لئے حضور سیاح افلاک ﷺ نے شب معراج اللہ رب العزت کا دیدار حاصل کیا (اگر یہ محال ہوتا تو آپ ﷺ کو یہ دیدار کیسے حاصل ہوتا) اور روز قیامت سب کو دیدار الٰہی حاصل ہوگا، مگر اس کی کیفیت کیا ہوگی وہ اللہ جل و علا ہی کو معلوم ہے، اسے جسمانی رؤیت پہ محمول نہیں کیا جاسکتا۔ معتزلہ اس رؤیت سے انکار کرتے ہیں، مگر یہ ان کی محض سینہ زوری ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم روز قیامت اللہ کو دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب سورج چمک رہا ہو اور بادل حائل نہ ہو تو کیا تم سورج کے دیکھنے میں کوئی شک رکھتے ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

عرض کی: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تو تم روز قیامت اللہ کو (ایسے ہی) دیکھو گے۔''

(بخاری کتاب الاذان باب ۱۲۹، مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۹۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اہل جنت میں سب سے معزز تر شخص صبح وشام اپنے رب کا دیدار حاصل کرے گا۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھی: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾'' (ترمذی کتاب الجنہ باب ۱۷، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۶۴)

شیعہ لوگ اہل سنت کو یہ الزام دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے لیے جسم مانتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کا دیدار یعنی رؤیت جائز مانتے ہیں اور رؤیت کسی جسم کی ہوسکتی ہے۔ مگر یہ الزام سراسر گمراہی ہے، اہل سنت اللہ تعالیٰ کی رؤیت مانتے ہیں مگر اس کی کیفیت کیا ہوگی؟ وہ اللہ جل وعلا ہی جانتا ہے اور اللہ کی رؤیت چونکہ قرآن وسنت کی نصوص صریحہ میں مذکور ہے لہذا اس سے انکار صریح گمراہی ہے۔ اور حیرت ہے کہ اہل تشیع اہل سنت کو الزام دیتے ہیں حالانکہ اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہونا خود کتب شیعہ میں بہت صراحت سے مذکور ہے۔

کتب شیعہ سے روز قیامت رؤیت باری تعالیٰ کا ثبوت

چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذا کان یوم الجمعة .... تجلّی لهم الرب تبارك وتعالی فاذا نظروا الیه خروا سجدا۔ جنت میں جب بھی جمعہ کا دن ہوگا اللہ تعالی اہل جنت پہ تجلی فرمائے گا، جب وہ اسے دیکھیں گے تو سجدے میں گر جائیں گے۔

(بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی طرح امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں

ثم تجلی لهم تبارك وتعالی سبحانه حتی ینظروا الی نور وجهه المکنون من عین کل ناظر، ثم یقول الرب سبحانه: لکم کل جمعة زورة، مابین الجمعة الی الجمعة سبعة آلاف سنة۔ پھر اللہ تبارک وتعالی اہل جنت پہ تجلی فرمائے گا، تو وہ اس کے چہرے کا وہ نور دیکھیں گے، جو ہر نظر سے مخفی ہے۔ تب اللہ تعالی ان سے فرمائے گا کہ تمہیں ہر جمعہ کو زیارت ملے گی اور ہر جمعہ سے اگلے جمعہ تک سات ہزار برس کا فاصلہ ہوگا۔

(بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۲۱۷)

[9] یعنی جب موت کے وقت انسان کی روح اس کے گلے تک آ جاتی ہے۔ اور اس کے اہل خانہ کہتے ہیں کہ اب کون طبیب اسے موت سے بچا سکتا ہے اور مرنے والا یقین کر لیتا ہے کہ اب فراق کی گھڑیاں آ پہنچی ہیں اور اس کی دونوں پنڈلیاں بے جان و بے حس ایک دوسری کے ساتھ لگی رہ جاتی ہیں۔ اس وقت مرنے والے کو اپنے رب ہی کی طرف جانا پڑے گا۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ﴿۳۱﴾ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓی اَهْلِهٖ
تو اس نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ موڑا، پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف
یَتَمَطّٰی ﴿۳۳﴾ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ﴿۳۵﴾ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ
اکڑتے ہوئے گیا، [10] بڑی بربادی ہے تیرے لئے، پھر بڑی بربادی، پھر تیرے لئے بڑی بربادی ہے پھر بڑی بربادی، [11] کیا انسان
اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ﴿۳۶﴾ اَلَمْ یَکُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ﴿۳۷﴾ ثُمَّ کَانَ عَلَقَةً
سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ اچھلتے پانی کا ایک قطرہ نہ تھا جسے (رحم مادر میں) گرایا جاتا ہے پھر وہ خون کا لوتھڑا تھا۔
فَخَلَقَ فَسَوّٰی ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ﴿۳۹﴾ اَلَیْسَ ذٰلِکَ
تو اللہ نے اسے پیدا کر کے برابر کیا، پھر اس سے دو جنسیں بنائیں مرد اور عورت، کیا اللہ اس پر قادر نہیں
بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِ َ الْمَوْتٰی ﴿۴۰﴾
کہ مردوں کو زندہ کردے؟ [12]

ع ٢ ١٨

قیام قیامت پر عقلی استدلال

[10] اس کا اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ سے تعلق ہے یعنی جو انسان سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع کر کے اسے دوبارہ نہ اٹھا سکیں گے وہ قرآن اور صاحب قرآن رسول ﷺ کی تصدیق بھی نہیں کرتا اور نماز بھی نہیں پڑھتا، کیونکہ اگر وہ تصدیق کرے تو نماز بھی پڑھے۔ اس لئے کہ قرآن اور رسالت محمدیہ کی تصدیق کا سب سے پہلا عملی تقاضا نماز قائم کرنا ہی ہے۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّیْنِ فَمَنْ تَرَکَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّیْنَ نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز ترک کر دی اس نے دین کی عمارت گرادی۔“

(ترمذی کتاب الایمان باب ٨، مسند احمد جلد ٥ صفحہ ٢٣١)

[11] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ کہ جہنم پر انیس پہریدار مقرر ہیں۔ (مدثر، ٣٠) نازل ہوئی تو ابوجہل نے قریش سے کہا تمہاری بربادی ہو محمد (ﷺ) تمہیں جہنم کے انیس پہریداروں سے ڈراتا ہے کیا تم میں سے دس دس آدمی مل کر ایک ایک پہریدار کو دبوچ نہیں سکتے؟ کیا تم میں اتنی بھی طاقت نہیں؟ تب یہ آیات نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ آپ جا کر ابوجہل سے کہہ دیں: اَوْلٰی

فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ نبی کریم ﷺ نے جا کر ابوجہل سے ایسے ہی فرمایا۔ ابوجہل نے تکبر سے کہا تم اور تمہارا خدا میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۲۹ صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ مکہ)

گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابوجہل جیسے شخص کے لئے جو قرآن سن کر ایمان لانے کی بجائے اکڑتے ہوئے چل دے اور تکذیب کرے، چار طرح کی بربادی ہے۔ مفسرین نے اس کی یوں تعبیر کی ہے کہ زندگی کی بے سکونی، موت کی سختی، روز قیامت کی ہولناکی اور جہنم کا عذاب۔ لفظ اَوْلٰى یہاں وَيْلٌ سے اسم تفضیل ہے جیسے ادنٰی دون سے اسم تفضیل ہے۔ ویلٌ کا معنی ہلاکت ہے تو اولٰی کا معنی بڑی بربادی و ہلاکت ہے۔ ذهب الى اهله يتمطّٰى سے معلوم ہوا کہ اکڑ کر چلنا اللہ رب العزت کو ناپسند ہے۔ کیونکہ یہ ابوجہل جیسے متکبر لوگوں کا طریقہ ہے۔

[12] یعنی کیا قیامت سے منکر انسان یہ سمجھتا ہے کہ مرنے کے بعد اسے جانوروں کی طرح بیکار چھوڑ دیا جائے گا اور اس سے کوئی حساب و کتاب نہ ہوگا؟ نہیں، اسے بیکار نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ روز قیامت اسے اپنی دنیوی زندگی کا حساب و کتاب دینا پڑے گا اور انسانوں کو جزاء وسزا کے لئے دوبارہ اٹھانا اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ کیا انسان دیکھتا نہیں کہ وہ ایک نطفۂ بے جان تھا، جو اچھل کر رحم مادر میں چلا جاتا ہے، پھر اللہ نے اس نطفہ کو خون بنایا، پھر اس سے انسان کی مکمل شکل پیدا کی۔ پھر اس میں روح ڈالی، پھر رحم مادر میں اللہ نے کسی کو مرد اور کسی کو عورت بنا دیا، تو کیا ان طاقتوں والا اللہ انسان کو دوبارہ اٹھانے پر قادر نہیں۔ ضرور قادر ہے۔

الحمد للہ آج 25 ذی قعدہ 1429ھ بمطابق 27 نومبر 2008ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء مکہ مکرمہ میں سورہ قیامہ کی تفسیر مکمل ہوئی یہ فقیر حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ میں آج ہی پہنچا ہے اور عمرہ کی ادائیگی سے فراغت پائی ہے۔ ان شاء اللہ باقی حصہ قرآن کی تفسیر حرمین شریفین میں لکھی جائے گی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

سورۃ الدھر

سورۃ الدھر ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 76ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 97ویں سورت ہے، جو سورہ طلاق سے قبل اور سورہ رحمان کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے یا مدنی سورت اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں۔ تاہم اس کی آیت وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ⑧ (دہر،۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدنی سورت ہے کیونکہ مکہ معظمہ میں کوئی اسیر نہ تھا۔ اسیروں کا وجود غزوات کے بعد پیدا ہوا۔

اس سورت میں 2 رکوعات، 31 آیات، 240 کلمات اور 1450 حروف ہیں۔

مضامین

اس کے پہلے رکوع میں انسان کو پہلے اس کی اصلیت بتائی گئی، پھر جنت میں ابرار کے لیے عظیم الشان نعمتیں بیان کی گئیں اور یہ آیات اہل بیت رسول ﷺ کے حق میں نازل ہوئیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں ان کو جنت کے جام پلائے جائیں گے کیونکہ وہ اللہ کی محبت میں یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں تو اللہ نے ان پہ جنتی نعمتوں کی برسات کر دی۔

جبکہ دوسرے رکوع میں قرآن کا منزل من اللہ ہونا واضح کیا گیا اور فکرِ آخرت دلائی گئی اور جنت میں داخلہ کے لیے لوگوں کو توجہ دلائی گئی۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کو نماز تہجد کی طرف متوجہ کیا گیا اور اس کی اہمیت بتائی گئی۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۳۱ ۷٦ سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ ۹۸ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝۱ اِنَّا

یقیناً انسان پر زمانے کا وہ دور گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا [1] ہم نے

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖۗ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝۲

انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ ہم اسے آزمائیں۔ تو ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنایا۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝۳ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

بے شک ہم نے اسے سیدھا راستہ دکھایا تو اب چاہے وہ شکر گزار ہو یا ناشکرا ہو [2] ہم نے کافروں کے لئے

سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝۴

زنجیریں، گلے کے طوق اور بھڑکتی آگ تیار کی ہے [3]

انسان کی آفرینش اور اس کے لئے جنت و نار کی تیاری

[1] اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں هَلْ بمعنی قد ہے یعنی بے شک انسان پر وہ دور گزرا ہے جب وہ کچھ قابل ذکر چیز نہ تھا۔ یعنی جب وہ اپنے باپ کی پشت یا ماں کے رحم میں تھا، تو وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ گویا یہ اللہ کی قدرت ہے کہ اس نے ایک نا قابل ذکر چیز کو عظیم صفات کا حامل انسان بنا دیا۔ تو جس رب کی قدرت و طاقت کا یہ عالم ہے کیا وہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھا سکتا؟

بعض مفسرین کے مطابق اس سے حضور سرورِ کونین ﷺ مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ذکر تو آپ کی پیدائش سے بہت پہلے انبیاء و اولیاء کی زبان پر جاری تھا۔ آپ کے ذکر سے تورات و انجیل بھری پڑی ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ اس نبی امی (ﷺ) کو تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (اعراف، ۱۵۷) اور روایات میں ہے کہ جس رات

سید المرسلین ﷺ رحم مادر میں تشریف لائے تو مشارق و مغارب کے درند پرند نے ایک دوسرے کو مبارکیں دیں حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں ایک دوسری کو مبارک دے رہی تھیں۔ (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار، حجۃ اللہ علی العالمین)

یہاں انسان کے لئے درس عبرت ہے کہ وہ ایک حقیر نا قابل ذکر چیز (نطفے) سے پیدا ہوا ہے، پھر وہ کس بنیاد پر تکبر کرتا اور بڑا بنتا ہے۔ اسے عاجز رہنا اور اپنی حقیقت کو یاد رکھنا چاہیے۔

[2] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو مرد و عورت کے مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے تا کہ ہم انسان کو آزمائیں کہ وہ سمجھدار ہو کر اپنے پیدا کرنے والے رب کو پہچانتا اور اس پر ایمان لاتا ہے یا نہیں۔ اس لئے ہم نے اسے سننے دیکھنے والا بنایا یعنی تا کہ وہ اللہ کا پیغام سنے اور اس کی آیات قدرت کو دیکھے اور اطاعت بجالائے۔ پھر صرف یہی نہیں کہ ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنایا، بلکہ ہم نے انبیاء و کتب کے ذریعے اسے توحید و رسالت کا سیدھا راستہ بھی دکھایا۔ اب اس کی مرضی ہے کہ وہ ان نعمتوں کے حاصل کرنے کے بعد شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا ٹھہرتا ہے۔ اگر ناشکرا بنے گا یعنی کفر و شرک اور گناہوں کا راستہ اپنائے گا تو اس کے لئے جہنم کے عذابات تیار ہیں۔ اور اگر شکر گزاری اختیار کرے گا تو اس کے لئے جنت کی بہاریں منتظر ہیں۔ اب آگے جہنم کے عذابات اور جنت کے انعامات بتائے جا رہے ہیں۔

[3] تو جن لوگوں نے اللہ کی نعمتیں حاصل کر کے اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کی بجائے کفر کا راستہ اپنایا ان کے لئے جہنم میں زنجیریں تیار ہیں، جو ان کے پاؤں میں ڈالی جائیں گی اور طوق تیار ہیں جو ان کے گلے اور ہاتھوں میں ڈالے جائیں گے اور انہیں ان میں باندھ کر بھڑکتی آگ میں ہمیشہ کے لئے پھینک دیا جائے گا۔

جہنم کے ذلت آمیز عذابات صرف کفار کے لیے ہیں

یہاں اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سے معلوم ہوا کہ جہنم کے سخت ترین اور ذلت آمیز عذابات (جیسے پاؤں میں زنجیریں اور گلے میں طوق کا پڑنا) صرف کفار کے لئے ہیں۔ گویا اگر کوئی مومن کچھ دیر کے لئے جہنم میں جائے تو وہ ایسے عذابات سے محفوظ رہے گا اور اس کی تذلیل نہیں کی جائے گی۔ یوں بھی اگر مومن کے گناہ پہاڑوں کے برابر ہوں تو بھی کافر کے کفر کے مقابلہ وہ ایک حقیر ذرہ کی مثل ہیں، اس لیے کسی مومن کو کفار والا عذاب کیسے دیا جائے گا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝٥ عَيْنًا يَّشْرَبُ

بلاشبہ نیکوکار لوگ اس جام سے پئیں گے جس میں کافور ملا ہے۔ یعنی ایک چشمہ جس سے اللہ کے

بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝٦ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا

(خاص) بندے پئیں گے۔ وہ اسے (اپنی مرضی سے) بہاتے پھریں گے [4] وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے

كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝٧ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا

ڈرتے ہیں جس کی شر پھیلی ہوئی ہے [5]۔ اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں

وَّاَسِيْرًا ۝٨ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝٩

صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی جزا چاہتے ہیں نہ شکریہ،

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝١٠ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ

ہم اپنے رب سے اس دن کے بارے میں ڈرتے ہیں جو چہرے بگاڑنے والا اور شدید تر ہے۔ تو اللہ نے انہیں

الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝١١ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝١٢

اس دن کی شر سے بچالیا اور انہیں خندہ روئی اور شادمانی سے ہمکنار کیا [6] اور ان کے صبر کے سبب انہیں جنت اور ریشم کی جزا دی۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝١٣

وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ زن ہوں گے نہ وہاں بہت گرمی دیکھیں گے نہ سخت ٹھنڈک اور

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝١٤

جنتی باغات کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور ان کے خوشے ان پر جھکا دیئے جائیں گے [7]

[4] جن لوگوں نے اللہ و رسول کی اطاعت میں زندگی گزاری ان کے لئے جنت میں کافوری شراب کا جام مہیا ہوگا جو کافور کی طرح سفید ٹھنڈا اور خوشبودار ہوگا۔ اور یہ صرف ایک جام نہیں ہوگا بلکہ ان کے لئے کافوری شراب کا چشمہ ہوگا جس سے اللہ کے نیک بندے جام بھر بھر کر پئیں گے اور اسے اپنی مرضی سے بہائیں گے یعنی وہ جدھر حکم دیں گے چشمہ

ادھر کو بہہ پڑے گا، انہیں جام بھرنے کے لئے چشمہ تک جانے کی زحمت بھی نہ ہوگی۔ الغرض جنتی نعمتیں انسانی عقل سے وراء ہیں۔

[5] اللہ کے ان نیک بندوں کو یہ جنتی نعمتیں اس لئے حاصل ہوئیں کہ وہ اپنی نذر پوری کرتے تھے اور قیامت کے دن سے جس کی شر بہت پھیلی ہوئی ہے ڈرتے تھے کیونکہ قیامت قائم ہونے پر بہت بڑی تباہی نمودار ہوگی۔ آسمان پھٹ جائے گا، ستارے جھڑ جائیں گے، زمین میں ایسا زلزلہ آئے گا کہ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے۔

نذر کیا ہے اور اس کے احکام کیا ہیں؟

یہاں یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ کے تحت یاد رہے کہ نذر یہ ہے کہ آدمی کہے اے اللہ! میں تیری رضا کے لئے فلاں عبادت کروں گا یا اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اتنے روزے رکھوں گا یا اتنے نوافل پڑھوں گا وغیرہ۔ نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ ''مومنوں کو اپنی نذریں پوری کرنی چاہئیں۔'' (حج ۲۹)۔ نذر کے لئے ضروری ہے کہ وہ از قسم عبادت ہو، جیسے نماز روزہ صدقہ وغیرہ، لہذا گناہ یا بیکار کام کی نذر کا پورا کرنا ضروری نہیں۔ حدیث مبارکہ ہے: لا نذر في معصية الله ''اللہ کی نافرمانی میں کوئی نذر نہیں۔'' (مسلم کتاب النذر حدیث ۸)

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دھوپ میں کھڑے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ اس شخص نے دھوپ میں کھڑا رہنے اور کلام نہ کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کہہ دو کہ سائے میں بیٹھے اور کلام کرے۔ (ابوداؤد کتاب الایمان باب ۲۵)

نذر ماننا قسم اٹھانے کے حکم میں ہے، اگر کسی بیکار کام یا گناہ کی قسم اٹھائی جائے تو اس نذر کو توڑ کر قسم کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی نذر کو پورا نہیں کر سکتا تو اسے قسم کا کفارہ ادا کر دینا پڑے گا۔

[6] یعنی جنت کی کافوری شراب کا چشمہ جن لوگوں کے لئے بہایا گیا ہے ان کی یہ صفت بھی ہے کہ وہ رضاء الٰہی کے لئے مسکین یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں (اسیر سے مراد غلام بھی ہے اور کوئی حاجت مند قیدی بھی) اور ساتھ میں زبان سے یا دل سے انہیں کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف رضاء الٰہی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں ہم تم سے تقاضا نہیں کرتے کہ ہمیں بدلہ میں کچھ دو یا شکریہ کا لفظ ہی کہو، کیونکہ اگر ہم تم سے بدلہ یا شکریہ چاہیں یعنی تمہیں دکھاوے کے لئے کھلائیں تو ہمیں روز قیامت کی پکڑ کا ڈر ہے اور یہ وہ دن ہے جو چہروں کو بگاڑ دے گا۔ تو اللہ ان کے اخلاص، انفاق فی سبیل اللہ، ان کی یتیم پروری، دردمندی اور رضا جوئی حق کے بدلے میں ان کو قیامت کی شر سے بچا لے گا اور انہیں جنت کی لازوال مسرت وشادمانی سے ہمکنار فرمائے گا۔

شان اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

روایات کے مطابق سورہ دہر کی آیت 5 سے 22 تک (اٹھارہ آیات) حضرت سیدنا علی المرتضیٰ، خاتون جنت سیدہ

فاطمۃ الزہرا اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ثعلبی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما بیمار ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیادت کو تشریف لائے اور فرمایا اے علی! اگر تم بچوں کی شفاء کے لئے نذر مانو تو اچھا رہے گا۔ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اور ان کی لونڈی فضہ نے نذر مانی کہ اگر اللہ ان بچوں کو شفا دے تو وہ رضاء الٰہی کے لئے تین روزے رکھیں گے، اس وقت ان کے ہاں کھانا نہ تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سمعون خیبری سے جو کے تین صاع قرض لئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاع سے چند روٹیاں تیار کیں اور افطار کے وقت انہیں سامنے رکھا۔ اتنے میں ایک مسکین نے صدا لگائی کہ وہ بھوکا ہے اسے کھانا چاہیے انہوں نے کھانا اس مسکین کو دے دیا اور خود پانی سے روزہ افطار کر لیا۔ اگلے دن پھر روزہ رکھا گیا اور افطاری کے وقت کھانا پکا پڑا تھا کہ ایک یتیم نے آ کر کھانا مانگا انہوں نے کھانا اسے دیدیا۔ تیسرے دن بھی افطاری کے وقت ایسے ہی ہوا کہ ایک اسیر نے کھانے کی صدا دی، انہوں نے کھانا اسے دے دیا۔ تب جبریل علیہ السلام یہ سورت لے کر نازل ہوئے اور عرض کی: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مبارک ہو اللہ رب العزت آپ کے اہل بیت کو سلام فرماتا ہے۔ (تفسیر مظہری سورہ دہر)

اس شان نزول کو اکثر اجلہ مفسرین نے ذکر کیا ہے جیسے امام خازن نے لباب التأویل میں، امام بغوی نے معالم التنزیل میں، علامہ قرطبی نے الجامع لاحکام القرآن میں، علامہ سید محمود آلوسی نے روح المعانی میں، عارف ربانی شیخ اسماعیل حقی برسوی نے روح البیان میں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں، امام سیوطی نے ابن مردویہ کی روایت سے درمنثور میں اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے واحدی کے حوالہ سے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے۔ یاد رہے ابن جوزی اور حکیم ترمذی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، مگر باب فضائل میں ضعیف روایت بھی مقبول ہے۔

شان اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مفسر کے قلم سے خوبصورت منقبت

ہے درخشاں دونوں عالم میں مقام اہل بیت — مثلِ خورشیدِ فلک تاباں ہے نام اہل بیت
اہل قربیٰ کی مودت حکم ہے قرآن کا — اور جزو دیں ہے بیشک احترام اہل بیت
خود رسول اللہ نے ان کی محبت فرض کی — اور صحابہ نے سکھایا ہے مقام اہل بیت
جاں دینا دیں کی خاطر کوئی ان سے سیکھ لے — ہمت وجرأت شجاعت ہے پیام اہل بیت
وقت کے شمروں یزیدوں کے لیے ہر دور میں — صاعقہ باراں ہے تیغِ بے نیام اہل بیت
ہیں اکٹھے حشر تک قرآن اور آل نبی — ہے کتاب اللہ سے یہ انضمام اہل بیت
ان کے ذکر خیر سے معمور ہے قرآن پاک — اور نمازوں میں بھی شامل ہے سلام اہل بیت
ہے کلید خلد طیبؔ حب آل مصطفیٰ — شکر مولا میں بھی ہوں ادنیٰ غلام اہل بیت

بعض قصہ گولوگوں نے اس واقعہ میں ایسی رنگ آمیزی کی ہے جو عقل نقل کے خلاف ہے، ہم اسے نہیں مانتے۔ مثلاً یہ کہ مسلسل تین دن کے فاقہ سے حسن وحسین رضی اللہ عنہما قریب الموت ہو گئے وغیرہ۔ اس رنگ آمیزی کی وجہ سے بعض علماء نے اس واقعہ کا سرے سے انکار کر دیا، جیسے علامہ سعیدی صاحب قبلہ نے تبیان القرآن میں لکھا ہے مگر ہم عرض کرتے ہیں کہ رنگ آمیزی کس واقعہ میں نہیں کی گئی، غزوہ بدر میں رنگ آمیزی کی گئی ہے قصہ گولوگ ہر بات کو طویل کر دیتے ہیں، مگر اس سے پورے واقعہ ہی کی تردید کر دینا درست نہیں ہے۔ واقعہ کربلا میں کس قدر رنگ آمیزی ہے، تو کیا اس واقعہ ہی سے انکار کر دیا جائے۔

اسی طرح شیعہ لوگ ان آیات کو حضرت علی اور سیدہ فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم ہی سے خاص مانتے ہیں، مگر یہ بھی غلط ہے۔ بیشک یہ آیات ان کے حق میں نازل ہوئیں، مگر مسلمہ قاعدہ ہے کہ السبب خاص والحکم عام کہ سبب نزول خاص ہوتا ہے اور حکم عام ہوتا ہے۔ دیکھو قرآن میں ہجرت اور جہاد والی آیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نازل ہوئیں کیونکہ انہی نے اس امت میں سب سے قبل ہجرت کی اور جہاد کیا، تو کیا ان کے بعد کسی مہاجر یا مجاہد کو کوئی ثواب نہیں ملے گا؟ اسی طرح یہ آیات اگرچہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نازل ہوئیں، مگر ان کا حکم تاقیامت عام ہے جو بھی مسلمان ان صفات کو اپنائے جو یہاں بتائی گئی ہیں جیسے نذر کا پورا کرنا، قیامت کا ڈر رکھنا اور یتامیٰ ومساکین واساریٰ کو کھلانا وغیرہ وہ ان آیات کے مصداق میں داخل ہے۔

ان آیات سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(1) اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرآنی فضائل:

ان آیات کے شان نزول سے پنجتن پاک اہل بیت اطہار کی وہ عظمت اجاگر ہوتی ہے جو بیان سے باہر ہے۔ اس سے انکے اخلاق عالیہ معلوم ہوئے اور انکا جنتی مقام واضح ہوا، یعنی پتہ چلا کہ اول: وہ نذر کو پورا کرتے ہیں۔ دوم: وہ روز قیامت کی سختی سے ڈرتے ہیں۔ سوم: وہ رضاء الٰہی کے لیے مسکینوں یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ چہارم: انکے دل اخلاص اور حب الٰہی سے لبریز ہیں۔ پنجم: انکے دل دکھلاوے اور نمود ونمائش سے پاک کر دیے گئے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ اے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر گناہ دور کر دے اور تمہیں خوب پاک بنا دے۔ (احزاب، ۳۳) ششم: اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت میں کافوری شراب کے چشمے بہا دیے ہیں وہ وہاں جنتی باغات، جنتی ریشم اور تکیہ گاہوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

(2) درس اخلاص:

اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡہِ اللّٰہِ لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّلَا شُکُوۡرًا﴿۹﴾ سے معلوم ہوا کہ نیکی کا کام صرف رضاء

الٰہی کے لئے کرنا چاہیے، اور جب کسی انسان سے نیکی کی جائے تو بدلے میں کسی جزاء یا تعریف کی خواہش نہیں ہونی چاہئے مگر افسوس آج ہماری نمازیں بھی سیاسی ہیں اور صدقات بھی سیاسی۔ سیاسی لوگ غرباء کو کچھ دیتے ہوئے اس کی تصویر بناتے اور اخبار میں چھپواتے ہیں اللہ سب کو ہدایت دے۔

(3) غرباء کو کھانا کھلانے کا ثواب:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾ (آیت ۸) سے معلوم ہوا کہ ناداروں کو کھلانے سے اللہ خوش ہوتا ہے اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ روز قیامت اللہ رب العزت ایک انسان سے فرمائے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا اور میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ وہ عرض کرے گا اے اللہ تو بھوک پیاس سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرا فلاں بندہ تیرے پاس بھوکا پیاسا آیا تم نے اسے کچھ کھلایا نہ پلایا، اگر تم اسے کھلاتے پلاتے تو میری رضا پالیتے۔ (مسلم کتاب الصبر حدیث ۴۳)

[7] یعنی جن لوگوں نے حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کی طرح خود بھوکے رہ کر یتامی مساکین اور دیگر حاجت مندوں کو کھانا کھلایا، اللہ رب العزت ان کے صبر کے سبب ان کو جنت کے باغات اور وہاں کا ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔ وہاں وہ مسہریوں پہ تکیہ زن بیٹھیں گے، وہاں انہیں کبھی گرمی کا احساس ہوگا نہ سردی کا اور جنتی درختوں کے سائے اور پھل خود جھک کر ان کے قریب آجائیں گے، انہیں ان کے قریب نہیں جانا پڑے گا۔

وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَاۡ ۝۱۵ قَوَارِيْرَاۡ

اور ان پر چاندی کے برتن اور شیشے کے جام گردش میں لائے جائیں گے ایسے نقرئی شیشے جنہیں

مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝۱۶ وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا

وہ مقرر اندازے پر رکھیں گے [8] اور انہیں وہاں وہ جام پلایا جائے گا جس میں ادرک

زَنْجَبِيْلًا ۝۱۷ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝۱۸ وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

ملا ہوگا، یعنی وہ چشمہ جس کا نام سلسبیل ہے [9] اور ان کی خدمت میں وہ لڑکے پھریں گے جو ہمیشہ ایک حالت پر

مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝۱۹ وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ

رہتے ہیں، جب تم انہیں دیکھو تو انہیں بکھرے موتی خیال کرو گے۔ اور تم جب بھی وہاں نظر اٹھاؤ تو (ہر طرف)

رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ۝۲۰ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۫

نعمت اور بڑی بادشاہی دیکھو گے [10] ان (کے جسموں) پر سبز ریشم اور دیباج کے کپڑے ہوں گے

وَّحُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝۲۱ اِنَّ هٰذَا

اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اور انہیں ان کا رب پاکیزہ شراب پلائے گا (اور فرمائے گا)

كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝۲۲

یہ تمہاری جزا ہے اور تمہاری محنت قابل قدر ٹھہری ہے [11]

قرأ حفص بغیر الالف فی الوصل فیہما ووقف علی الاول بالالف وعلی الثانی بغیر الالف ۱۲

ع ۲۲ ۱

[8] اہل جنت پر ان کے خدام چاندی کے برتنوں میں طرح طرح کے کھانے اور شیشے کے جاموں میں طرح طرح کے مشروبات لے کر پھر رہے ہوں گے۔ ایک کھانا اُٹھایا جائیگا تو دوسرا رکھ دیا جائے گا۔ اور شیشے کے جام چاندی نما ہوں گے یعنی چاندی کی طرح چمکدار ہوں گے۔ اور انہیں وہ اندازے پر رکھیں گے یعنی جتنی حاجت ہوگی اسی قدر کھانا و مشروب لایا جائے گا۔

[9] اس سے قبل اہل جنت کے لئے کافوری شراب کے جام کا ذکر ہوا وہ ٹھنڈے مزاج کی شراب تھی۔ اب گرم تاثیر والی شراب کا ذکر ہو رہا ہے تو فرمایا کہ اہل جنت کو ادرک کی ملونی والا جام بھی پیش کیا جائے گا اور وہ جام اس چشمہ سے بھر بھر کر پلایا جائے گا، جسے سلسبیل کہتے ہیں۔

[10] جب اہل جنت کوطرح طرح کے مشروبات پلائے جائیں گے تو اس کے لئے خدام کی ضرورت ہے۔ چنانچہ خوبصورت لڑکے ان کی خدمت میں پھرتے ہوں گے، وہ لڑکے ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہیں گے یعنی وہ ہمیشہ زندہ، جوان، صحت مند اور حسین رہیں گے اور ان کا حسن سدا بہار ہوگا۔ وہ اس قدر خوبصورت ہوں گے کہ جنت میں گھومتے پھرتے یوں نظر آئیں گے جیسے مرمریں فرش پر چمکتے موتی بکھرے ہوں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنت میں تم ہر طرف نعمت اور بادشاہی دیکھو گے یعنی دنیا کے بادشاہوں کو وہ نعمتیں حاصل نہیں ہیں جو اہل جنت میں سے کسی ادنیٰ ترین جنتی کو حاصل ہوں گی۔

جنتی غلمان کی عظمت وفضیلت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا:

''جنت میں سب سے کم تر درجہ والے شخص کی خدمت میں ہزار خادمین ہوں گے اور ہر خادم کے ذمے علیحدہ خدمت مقرر ہوگی جو کسی دوسرے خادم کے ذمے نہ ہوگی۔'' (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۲۹ صفحہ ۱۳۶)

اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''جنت میں کم تر درجہ والا شخص اپنے خدام، اپنی ازواج اور اپنے باغات ومحلات کو ایک ہزار برس کے فاصلہ سے یوں دیکھے گا جیسے قریب تر سے دیکھ رہا ہے۔'' (مظہری جلد ۲ صفحہ ۱۵۹)

یعنی ان کے لیے فاصلے سمیٹ دیے جائیں گے۔ اور یہ غلامان جنت صرف اہل جنت کے اعزاز واکرام کے لیے بنائے جائیں گے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جنت میں کسی خادم کی ضرورت ہی نہیں۔ وہاں مومن جو تمنا کرے گا وہ چیز اسی وقت حاضر کردی جائے گی، چشمے اس کی مرضی پہ ادھر کو بہیں گے جدھر کو مومن کا جی چاہے گا، درختوں کی ٹہنیاں از خود جھک کر قریب آجائیں گی، تو پھر خادمین جنت کی تخلیق محض اعزاز کے لیے ہے۔

[11] اہل جنت کو سبز ریشم کے موٹے کپڑے اور باریک دیباج کے ملبوسات پہنائے جائیں گے اور ملبوسات کے علاوہ انہیں چاندی کے چمکتے کنگن بھی پہنائے جائیں گے۔ اسی لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''جہاں تک مومن (ہاتھوں پیروں پر) وضوء کا پانی چلاتا ہے وہاں تک اسے جنت میں زیور پہنایا جائے گا۔'' (مسلم کتاب الطہارۃ حدیث ۴۰)

اور اہل جنت کو جتنی بھی اقسام کی شراب پلائی جائے گی وہ بہرحال پاکیزہ شراب ہوگی یعنی بدبو، میل کچیل اور نشے سے پاک ہوگی اور جو شخص اسے پیئے گا اس کا دل کھوٹ، لالچ، حسد اور کبر سے پاک ہوجائے گا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''جنت کے دروازے پر شراب طہور کی نہر ہے۔ اہل جنت اس میں غوطہ لگائیں گے تو ان کے دلوں سے ہر طرح کا حسد وبغض جو دنیا میں تھا نکال دیا جائے گا۔'' (تفسیر خازن جلد ۴ صفحہ ۴۴۸)

یہاں سے دنیا میں مومن مرد کے لئے ریشم، زیورات اور شراب کی حرمت کا فلسفہ معلوم ہوا کہ یہ چیزیں مومن مردوں کو جنت میں دی جائیں گی اس لئے دنیا میں ان پر انہیں حرام رکھا گیا۔ چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم جنت کا زیور اور ریشم چاہتے ہو تو اسے دنیا میں مت پہنو'' (نسائی کتاب الزینت باب ۳۰)
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہ پہنے گا''
(بخاری کتاب اللباس باب ۲۵، مسلم کتاب اللباس حدیث ۱۱)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ

بے شک ہم نے آپ پر قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے [12] تو آپ اپنے رب کے حکم پر صبر رکھیں اور ان میں سے

مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ

کسی بڑے مجرم یا کافر کی بات نہ مانیں [13] اور پہلے پہر اور پچھلے پہر اپنے رب کا نام یاد کریں اور رات کے

فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ

کچھ حصہ میں اس کے لئے سجدہ کریں اور لمبی رات میں اس کے لئے تسبیح کہیں [14] یہ لوگ جلد ملنے والی (دنیا) کو پسند رکھتے ہیں

وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا

اور بھاری دن (قیامت) کو اپنے پس پشت چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کی تخلیق مضبوط کی اور ہم جب چاہیں

بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ

ان کی جگہ ان جیسے لوگ لے آئیں [15] بے شک یہ ایک نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف

سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾

راہ پکڑ لے [16] اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے، بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور اس نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے [17]

مومنوں کو صبر و نماز کا حکم اور کفار کو حکیمانہ دعوت اسلام

[12] گزشتہ رکوع میں جنت و نار کا ذکر ہوا۔ اب قرآن کا ذکر ہو رہا ہے کیونکہ ان چیزوں پہ ایمان تب ہی مضبوط ہو

سکتا ہے جب قرآن پہ ایمان مضبوط ہو۔ تو فرمایا گیا کہ اے پیارے محبوب ﷺ ہم نے آپ پر قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے، یعنی جو لوگ آپ کو شاعر کاہن جادوگر یا جھوٹا کہتے ہیں وہ خود جھوٹے اور مفتری ہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے آپ پر قرآن اُتارا ہے، آپ نے اسے نہیں بنایا ہے۔

قرآنِ مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنے کے اسباب

قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اس لئے اُتارا گیا تا کہ جیسے جیسے یہ نازل ہوتا جائے لوگ اس پر عمل پیرا ہوتے جائیں۔ اگر اسے تورات کی طرح اکٹھا اتارا جاتا تو ممکن تھا یہود کی طرح کوئی شخص کہہ دیتا کہ میں اتنے احکام و فرائض اور پابندیاں نہیں اٹھا سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر رحم فرماتے ہوئے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا اور کسی مومن نے اس کے قبول کرنے سے انکار نہ کیا، پھر جیسے جیسے قرآن اترتا گیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے حفظ کرنے لگے اور اس کی تکمیل سے قبل ہی اس کے ہزاروں حفاظ تیار ہو چکے تھے۔ اگر یہ اکٹھا اترتا تو اس کا اکٹھا یاد کرنا باعث ملال بن سکتا تھا، کیونکہ اس سے قبل اتنی بڑی کتاب کو اکٹھا یاد کرنے کی کوئی مثال نہ تھی۔ جب صحابہ نے ایک بار قرآن کو یاد کر کے دکھادیا تو باقی امت کے لیے مثال بن گئی اور معاملہ آسان ہو گیا۔ تو اس سبب سے بھی قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا۔ پھر جب قرآن پر کفار مکہ و یہود مدینہ جو جو اعتراض کرتے تھے قرآن ساتھ ساتھ ان کے جوابات دیتا گیا، یوں لوگوں کا اسے سمجھنا اور ماننا آسان تر ہو گیا۔

[13] مقاتل کہتے ہیں کہ یہاں اٰثماً سے عتبہ بن ربیعہ مراد ہے اور کفوراً سے ولید بن مغیرہ، یہ دونوں حضور ﷺ کے پاس آئے۔ عتبہ نے کہا میری متعدد بیٹیاں ہیں، میں ان میں سے حسین تر بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیتا ہوں۔ ولید بن مغیرہ نے کہا میرے پاس بے حساب مال و دولت ہے میں آپ کو اس قدر مال دوں گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ بس آپ یہ دعوت اسلام کا کام چھوڑ دیں۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں جھڑک کر اُٹھا دیا تب یہ آیت اتری۔ (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! آپ عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ جیسے کسی مجرم یا منکر کی بات نہ مانیں اور اپنے کام میں لگے رہیں۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) مبلغین اسلام کو ہر دنیوی لالچ سے بالاتر ہو کر دعوت و تبلیغ کا کام کرنا چاہیے اور کسی بڑی سے بڑی فرمائش (Offer) کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے اور اس سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(2) نبی اکرم ﷺ پر تعداد ازواج کے حوالے سے اعتراض کرنے والوں کا رد: اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کو مکی دور میں خوبصورت تر لڑکی سے شادی کی دعوت دی گئی مگر آپ نے انکار فرمایا۔ حالانکہ اس وقت آپ جوان تھے، اگر آپ نے جنسی خواہش کے لئے زیادہ شادیاں کی ہوتیں جیسے منکرین کہتے ہیں تو آپ جوانی میں

زیادہ شادیاں کرتے۔ آپ نے بڑھاپے میں زیادہ شادیاں کیں کیونکہ اس وقت تبلیغ و غلبہ اسلام کے لئے اس کی ضرورت تھی اس کے تفصیل ہم سورہ احزاب رکوع 4 کے تحت لکھ آئے ہیں۔

[14] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کفار کی ایذاء پر صبر کے علاوہ نماز سے مدد لیں۔ اسی لئے فرمایا گیا: اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (بقرہ، ۱۵۳) لہٰذا آپ دن کے پہلے اور پچھلے پہرا اپنے رب کا نام یاد کریں۔ پہلے پہر سے نماز فجر مراد ہے اور پچھلے پہر سے ظہر و عصر اور رات کے کچھ حصہ میں اللہ کے حضور سجدہ کریں اس سے مغرب و عشاء کی طرف اشارہ ہے۔ اور لمبی رات کے دوران اللہ کی تسبیح کہیں یعنی نماز پنجگانہ کے علاوہ نماز تہجد کی صورت میں قیام اللیل کریں۔

[15] یعنی اللہ و رسول کی اطاعت سے منہ موڑنے والے لوگ دنیا کو پسند رکھتے ہیں کیونکہ یہ جلد مل جاتی ہے اور وہ قیامت جیسے بھاری دن کو یوں بھول جاتے ہیں۔ جیسے انہوں نے اسے پس پشت پھینک دیا ہے۔ معلوم ہوا دنیا سے ایسی محبت جس سے آخرت بھول جائے، کافرانہ طریقہ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جھوٹ رشوت ملاوٹ اور دھوکے سے مال حرام کمانا، سرکاری اموال کو باپ کی جاگیر سمجھ کر ہڑپ کر جانا اور دنیا کمانے میں مگن ہو کر نماز چھوڑ دینا وغیرہ۔ جو آدمی ان کاموں میں لگا ہے اس نے گویا آخرت کو پس پشت پھینک دیا ہے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا صفر ہے اور آخرت عدد، صفر کی کچھ قیمت نہیں اس کی قیمت تب بنتی ہے جب وہ عدد سے ملے اور وہ عدد سے مل کر عدد کو بھی زیادہ قیمتی بنا دیتا ہے۔ یونہی دنیا کا صفر اگر فکر آخرت کے عدد کے ساتھ مل جائے تو دنیا خود بھی قیمتی ہے اور آخرت بھی قیمتی بن جاتی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے لوگوں کو پیدا کیا اور ان کی تخلیق مضبوط کی ہے یعنی انہیں شیر خوارگی سے بچپن اور بچپن سے جوانی کی طرف منتقل کیا ہے اور ہم جب چاہیں لوگوں کو ان کی نافرمانی کے سبب دنیا سے اٹھا کر ان کی جگہ دوسرے لوگ لا سکتے ہیں۔

[16] یعنی قرآن کی آیات اور حضور ﷺ کے ارشادات ایک عظیم نصیحت ہیں تو جس کا جی چاہے اس نصیحت سے ہدایت پکڑ کر اللہ کی طرف جانے والا راستہ اپنا لے۔ معلوم ہوا جو حضور سرورِ کونین ﷺ پر ایمان لے آئے اسے کسی نئے رسول یا نبی پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ مکمل دین و شریعت لے کر آئے ہیں جس نے بھی آپ کا دامن پکڑ لیا اس نے خدا تک پہنچنے والا راستہ پا لیا۔ اب اسے مزید کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔

[17] اے لوگو! تم اللہ کے چاہنے کے بغیر محض اپنی چاہت سے کچھ نہیں کر سکتے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس کے دل میں ایمان کی طرف رجوع ہے تو وہ اسے اپنی رحمت میں داخل کر کے توفیق ایمان دے دیتا ہے اور جو ظالم ہیں یعنی حق کو دیکھ کر سمجھ کر اس سے منہ موڑتے اور کفر و شرک جیسے ظلم عظیم پر اڑتے ہیں ان کے لئے اللہ نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

قرآن سے جبریہ کا استدلال اور اس کا رد

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ سے فرقہ جبریہ دلیل پکڑتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے اسے کسی معاملہ میں کچھ اختیار نہیں، کیونکہ اللہ واضح فرما رہا ہے کہ جب تک اللہ نہ چاہے تم کچھ نہیں چاہ سکتے۔ مگر ان کا استدلال غلط ہے، آیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کوئی کام تب ہی کرسکتا جب اللہ اس کام کا ہونا چاہتا ہو، اگر اللہ نہ چاہتا ہو کہ وہ کام ہو تو انسان اسے نہیں کرسکتا (جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا فَعَلُوْہُ، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرسکتے۔ (سورہ انعام، ۱۳۷) مگر انسان کو اللہ نے اختیار دیا ہے کہ وہ کسی کام کو کرے یا نہ کرے، اللہ کسی سے کوئی کام زبردستی نہیں کرواتا انسان اپنی مرضی واختیار سے کرتا ہے، اگر اس آیت کا یہی مفہوم ہے جو جبریہ بیان کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل یہ کیوں فرمایا ہے: فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا ﴿۲۹﴾ یعنی جو شخص اپنے رب کی طرف راہ پکڑنا چاہتا ہے وہ پکڑ لے۔ (آیت ۲۹)

اگر بقولِ جبریہ انسان مجبور محض ہے تو اللہ انسان کو یہ اختیار کیوں دے رہا ہے، کیا قرآن سے دلیل پکڑنے کا یہ طریقہ ہے کہ ایک آیت کو لے لو اور اس سے پہلی آیت چھوڑ دو؟ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ "تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔" (کہف، ۲۹) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کَلَّآ اِنَّھَا تَذْکِرَۃٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ ﴿۱۲﴾ "سن لو یہ ایک نصیحت ہے اب جو چاہے یاد کرلے۔" (عبس، ۱۲) اگر انسان مجبور محض ہے تو اللہ تعالیٰ قرآن میں بار بار اسے یہ اختیار کیوں دے رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان نہ مجبور محض ہے نہ مختار محض، انسان کسی کام کے چاہنے میں مختار نہیں ہے مگر کرنے میں مختار ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اس آیت میں دونوں باتوں کا اکٹھا ذکر کردیا اور فرمایا: فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ پہلے جملہ میں انسان کا اختیار بتایا گیا ہے اور دوسرے جملہ میں اس کا اضطرار۔

الحمد للہ آج 26 قعدہ 1429ھ بمطابق 28 نومبر 2008ء بروز جمعۃ المبارک عشاء کی نماز سے پہلے قبل حرم کعبہ شریف میں بیٹھ کر سورۂ دہر کی تفسیر مکمل کرنے کی اس فقیر نے سعادت حاصل کی۔ چند دن بعد حج کی ادائیگی تیار ہے ہم اللہ کے گھر میں حاضر ہیں اور تفسیر قرآن کا سفر تیزی سے اپنے تکمیلی مراحل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اللہ جل مجدہٗ الکریم اپنے محبوب کریم ﷺ کے صدقے قبول فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورۃ المرسلات

سورۃ المرسلات ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 77ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 32ویں سورت ہے، جو سورہ قٓ سے قبل اور سورہ ہمزہ کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے اسے المرسلات اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا آغاز وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا سے ہوا۔ یہ سورت منیٰ کی ایک غار میں نازل ہوئی، اس لیے اسے سورۃ الغار غار والی سورت بھی کہا جاتا ہے۔

فضلیت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ منیٰ کی ایک غار میں بیٹھے تھے کہ آپ پر سورۃ المرسلات کا نزول ہوا۔ آپ پڑھتے گئے اور میں یاد کرتا گیا۔ اچانک ایک سانپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کر دیا (ممکن ہے وہ سانپ کی صورت میں شیطان جن ہو) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے مار دو مگر وہ بھاگ گیا۔ آپ نے فرمایا تم اس کی شر سے بچ گئے وہ تمہاری شر سے بچ گیا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ المرسلات باب ۱)

اس سورت میں 2 رکوعات، 50 آیات، 180 کلمات اور 816 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں ابتداء قیامت کا حال بتایا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انسان پہ اپنی خصوصی انعامات کا ذکر خیر فرمایا، پھر جہنم کے عذابات ذکر کیے گئے جو کفار کے منتظر ہیں۔ اور دوسرے رکوع میں اہل ایمان کے لیے جنتی انعامات کا بیان ہے اور عظمت قرآن کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتھا ۵۰ ۷۷ سورۃ المرسلٰت مکیۃ ۳۳ رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾

قسم ہے فرشتوں کی جو بھلائی کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں تو وہ تیز ہوا کی طرح آتے اور پر پھیلا کر اڑتے ہیں

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ

پھر (حق و باطل میں) تفریق کرتے ہیں۔ پھر (قلب رسول پر) ذکر ڈالتے ہیں عذر پورا کرتے ہوئے یا ڈراتے ہوئے۔ تم سے

لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ

جو وعدہ کیا جاتا ہے وہ ہو کر رہے گا [1] تو جب ستارے مٹا دیئے جائیں اور جب آسمان پھاڑ دیا جائے اور جب پہاڑ

نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾

اڑا دیئے جائیں اور جب رسولوں کو جمع کر دیا جائے (تو وہی قیامت ہے) رسولوں کو کس دن کے لئے پیچھے رکھا گیا؟ فیصلے کے دن کے لئے

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور تم کیا جانو کہ فیصلے کا دن کیا ہے۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ [2]

اللہ کی عظیم قدرتیں اور قیامت کی ہولناکیاں

[1] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان آیات کا یہ معنی مروی ہے کہ قسم ہے فرشتوں کی جو بھلائی (وحی) کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں تو وہ تعمیل حکم خداوندی کے لئے تیز ہوا کی طرح لپک پڑتے ہیں۔ ایسے میں انہوں نے پر پھیلا رکھے ہوتے ہیں، یہ فرشتے حق و باطل میں تفریق کرنے والی وحی لے کر آتے ہیں اور قلب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ذکر (قرآن) کا القاء کرتے ہیں۔ اور یہ ذکر اس لئے القاء کیا جاتا ہے تا کہ کفار کا عذر پورا کر دیا جائے یا

انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا جائے۔(درمنثور)

ان آیات کے دیگر معانی بھی ہیں، تاہم یہ معنی زیادہ واضح ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ طویل قسم اٹھانے کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! تم سے جو قیام قیامت کا وعدہ کیا جاتا ہے یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

[2] چنانچہ جب ستارے محو کر دیئے جائیں یعنی وہ جھڑ کر گر جائیں (جیسے فرمایا گیا: وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ''اور جب ستارے جھڑ جائیں گے۔'' (سورہ انفطار، ۲) اور آسمان پھٹ جائے اور پہاڑ غبار بن کر اڑ جائیں (جیسے قرآن میں ہے: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا (سورہ طٰہٰ، ۱۰۵) اور جب رسولوں کو جمع کر دیا جائے تو وہی قیامت کا دن ہوگا۔یہ قیامت کی یاد دلانے کا بہترین انداز ہے۔

روز قیامت، نبی اکرم ﷺ کی انبیاء کے حق میں گواہی

آگے اللہ تعالیٰ نے بطورِ سوال فرمایا کہ رسولوں کا یہ جمع کیا جانا کس دن کے لئے مؤخر کیا گیا تھا؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ فیصلے کے دن کے لئے مؤخر کیا گیا تھا یعنی قیامت کے لئے۔کیونکہ قیامت کے دن کفار کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہ آیا تھا کہ ہمیں ہدایت دیتا۔تب امت محمدیہ میں سے صدیقین شہداء اور صالحین گواہی دیں گے کہ کفار جھوٹ کہتے ہیں رسولوں نے کفار تک پیغام حق پہنچایا تھا۔کفار کہیں گے یہ امت تو ہمارے بعد آئی تھی، یہ ہمارے خلاف کیسے گواہی دے رہی ہے۔تب سید المرسلین ﷺ کھڑے ہو کر فرمائیں گے کہ میری امت درست گواہی دے رہی ہے کیونکہ میں نے انہیں بصورتِ قرآن یہ باتیں بتائی تھیں۔تب انبیاء کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اور کفار جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے،تو یہ فیصلے کا دن ہوگا۔

اس بارے میں دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ ''اور اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی (افضل) امت بنایا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ بنیں۔'' (البقرہ، ۱۴۳)

اس کی مزید تفصیل ہم نے اسی آیت کے تحت لکھی ہے، وہاں دیکھیں۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۸﴾
کیا ہم پہلوں کو ہلاک کر کے ان کے پیچھے دوسروں کو نہ لے آئے؟ ہم مجرموں سے ایسا ہی کرتے ہیں [3]
وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ
اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہ کیا پھر ہم نے وہ پانی
قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖۗ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَیْلٌ
ایک محفوظ جگہ میں رکھا ایک مقرر اندازے تک؟ پھر ہم نے (اس کا وقت حیات) مقرر کیا تو ہم کیا خوب مقرر کرنے والے ہیں۔ اس دن
یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾
جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے [4] کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو لپیٹنے والی نہ بنایا؟
وَّجَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ
اور ہم نے اونچے پہاڑ بنائے اور تمہیں (زمین سے) میٹھا پانی پلایا، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے
لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۸﴾
ہلاکت ہے [5]

[3] یہ قیام قیامت کی ایک دلیل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جیسے ہم پہلے لوگوں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ پچھلے لوگ لے آئے اور مجرموں سے ہمارا یہی سلوک ہوتا ہے۔ یونہی ہم سب انسانوں کو ہلاک کر کے انہیں دوبارہ اٹھالیں گے اور اس دن اللہ اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کے جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

[4] یہ قیام قیامت کی دوسری دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے پیدا کیا جو کپڑوں سے لگ جائے، تو وہ ناپاک ہو جائیں۔ پھر ہم نے اس پانی کو ایک مقررہ وقت تک ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں رکھا، پھر ہم نے اس پانی سے پیدا ہونے والے انسان کی زندگی، رزق اور عمل کی حدود مقرر کیں کہ وہ دنیا میں آ کر کتنے سانس لے گا، کتنے لقمے کھائے گا اور کیسا عمل کرے گا؟ تو ہم کیا خوب تقدیر ساز ہیں۔ یعنی جب ہم چند قطرہ آب کو انسان کی شکل دے سکتے ہیں تو کیا ہم مردہ ہڈیوں کو انسان کی شکل میں دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے؟ ضرور کر سکتے ہیں۔ اور جب قیامت بپا ہوگی تو جھٹلانے والوں کے لئے وہ دن ہلاکت کا دن ہوگا یعنی دائمی عذاب میں ڈالے جانے کا دن۔

[5] یہ قیام قیامت کی تیسری دلیل ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا منکرین قیامت نہیں دیکھتے کہ ہم نے زمین کو ایسا بنایا کہ زندوں اور مردوں کو لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ زندوں نے اس پر مکانات بنائے ہیں اور مردے اس میں دفن کئے جاتے ہیں یعنی انسان زمین پر جیتا اور زمین میں سما جاتا ہے اور ہم نے زمین پر اونچے پہاڑ کھڑے کئے ہیں اور ہم نے اے انسانو! تمہیں زمین سے میٹھا پانی مہیا کیا ہے، تو ہم تمہیں زمین سے واپس کیوں نہیں نکال سکتے؟ ضرور نکالیں گے اور اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہوگی۔ یہاں اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝۲۵ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا سے معلوم ہوا کہ مردوں کا زمین میں دفن کیا جانا ہی اللہ رب العزت کو پسند ہے نہ کہ ان کا جلایا جانا۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۹ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ

(ان سے کہا جائے گا) اس (جہنم) کی طرف چلو جسے تم جھٹلاتے تھے، تین شاخوں والے سائے

ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝۳۰ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ ۝۳۱ اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ

(دھوئیں) کی طرف چلو، جو نہ سایہ دے اور نہ شعلوں سے بچائے، وہ شعلے اونچے محلات جیسی

كَالْقَصْرِ ۝۳۲ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝۳۳ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۴ هٰذَا يَوْمُ

بڑی چنگاریاں مارتے ہیں، گویا وہ زرد اونٹ ہیں اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے [6] یہ وہ دن ہے

لَا يَنْطِقُوْنَ ۝۳۵ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝۳۶ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

جب وہ بول نہ سکیں گے اور نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ معذرت کرلیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۷ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۝۳۸ فَاِنْ كَانَ

ہلاکت ہے یہ انصاف کا دن ہے [7] ہم نے تمہیں اور پہلوں کو جمع کیا ہے اب اگر تمہارا

لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ۝۳۹ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۴۰ ع

کوئی داؤ ہے تو اسے مجھ پر چلا لو اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ [8]

ع ۱ / ۲۱

[6] جب منکرین خدا اور رسول اٹھیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس جہنم کی طرف چل پڑو جسے تم جھٹلاتے تھے۔ وہاں وہ دھواں ہے جس کے تین حصے ہیں۔ مفسرین کے نزدیک ایک حصہ کھلے طور پر دین کی تکذیب کرنے والے مکذبین کے لئے، دوسرا حصہ غلط تاویلات سے دین کا حلیہ بگاڑنے والے ملحدین کے لئے اور تیسرا حصہ فاسقین و فاجرین کے

لئے ہے۔یعنی ان تینوں طبقات کے لیے جہنم کے مختلف عذابات ہوں گے۔

جہنم کے خوفناک دھوئیں کا بیان

یہ دھواں جہنم میں نہ تو سایہ دے گا کہ اس سے ٹھنڈک حاصل ہو، نہ آگ کے شعلوں سے بچائے گا اور وہ شعلے ایسے خوفناک ہوں گے کہ ان سے بڑی بڑی چنگاریاں نکلیں گی، اتنی بڑی جیسے وہ بلند محلات ہوں۔ اور وہ چنگاریاں شعلوں سے یوں نکلیں گی جیسے زرد اونٹ بھاگ کر اپنے مسکن سے نکل رہے ہوں۔ تو اللہ و رسول کے جھٹلانے والوں کے لئے اس دن واقعی بہت بڑی ہلاکت ہے۔

[7] کیا کفار کو قیامت میں بولنے کا موقع دیا جائے گا یا نہیں۔ اس بارہ میں ایک تحقیق ہے، جو قرآن میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمائی ہے۔

کفار کو قیامت میں کب بولنے دیا جائے گا، کب نہیں

دراصل ابتداء میں روز قیامت کفار کو بات کرنے کا موقع دیا جائے گا تو وہ صریح جھوٹ بولنے لگیں گے اور کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۝۲۳ ''ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم ہم شرک نہیں کرتے تھے۔'' (انعام، ۲۳) اور کبھی وہ شیطان کو اپنے کفر کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ (ابراہیم، ۲۲) اور کبھی اپنے گمراہ لیڈروں کے سر الزام رکھیں گے۔ (سبا، ۳۱) تب اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا اور وہ بول نہ سکیں گے بلکہ ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ (یٰس، ۶۵) تو اس دن ان کے لئے بڑی ہلاکت ہوگی۔

[8] اللہ تعالیٰ روز قیامت کفار سے فرمائے گا کہ ہم نے تمہیں اور تم سے پہلے کفار کو جمع کر لیا ہے یعنی پہلی امتوں کے کفار بھی موجود ہیں۔ اب اگر تم سب مل کر میرے خلاف کوئی داؤ کر سکتے ہو، تو کر دکھاؤ۔ مگر وہاں کس کو دم مارنے کا حوصلہ ہوگا تو اس دن اللہ و رسول کی باتوں کے جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا

بے شک پرہیزگار لوگ سایوں، چشموں اور پھلوں میں ہوں گے[9] جو وہ چاہیں گے (ان سے کہا جائے گا)

وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

کہ خوشگوار کھاؤ پیو یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔ ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں [10] اس دن

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ (اے منکرو) کھالو اور کچھ نفع اٹھا لو تم مجرم ہو۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ

ہلاکت ہے [11] اور جب ان سے کہا جائے کہ رکوع کرو، تو رکوع نہیں کرتے۔ اس دن جھٹلانے والوں

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

کے لئے ہلاکت ہے[12] تو وہ قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے[13]

ع ۲ ۲۲

جنت کی بہاریں اور کفار کی بدبختی

[9] کفار کے لئے جہنم کے عذابات بتائے جانے کے بعد مومنین کے لئے جنت کے انعامات بتائے جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ متقین جنت کے سایوں، چشموں اور پھلوں میں ہوں گے جو نعمت وہ چاہیں گے انہیں ملے گی۔ یاد رہے تقویٰ کا پہلا درجہ کفر سے بچ کر ایمان پہ قائم رہنا، دوسرا درجہ گناہوں سے بچ کر اعمال صالحہ کا بجالانا اور تیسرا درجہ ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرنا ہے۔ تو مومن کو اس کے تقویٰ کے مطابق جنت کی بہاریں حاصل ہوں گی۔ اور جنت کے سائے بہت عمدہ اور طویل تر ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو برس تک چلے تو وہ سایہ ختم نہ ہو۔'' (بخاری کتاب التفسیر سورہ واقعہ)

[10] اہل جنت سے کہا جائے گا کہ جنت کی خوشگوار نعمتیں کھاؤ پیو، یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے تھے ہم محسنین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔ محسنین وہ ہیں جو محض اللہ کی رضا کے لئے ہر نیک کام کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت یوں کرو جیسے اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ لقمان) اور جو لوگ ان جنتی نعمتوں کو جھٹلاتے ہیں ان کے لئے محض ہلاکت ہے۔ کیونکہ جس

نعمت کو کوئی شخص جھٹلائے وہ اس کا حقدار کیسے ہو سکتا ہے؟

[11] اللہ رب العزت روز جزا کے منکروں سے فرما رہا ہے کہ آج تم دنیا میں جو کھا سکتے ہو کھا لو اور جو مزے اڑا سکتے ہو اڑا لو، کیونکہ آخرت میں تمہارے لئے کوئی نعمت نہیں ہے، کیونکہ تم مجرم ہو اور تمہارے جیسے مکذبین کے لئے وہاں صرف ہلاکت ہے۔ یاد رہے کافر کے لئے دنیا کی نعمتیں ایسے ہیں جیسے پھانسی کی سزا پانے والے مجرم کو پھانسی پر چڑھانے سے قبل چند دن کھانے پینے کو دیا جائے جبکہ مومن کے لئے دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میزبانی ہے اور آخرت میں بھی۔

[12] کفار کو روز قیامت ان کے کفر کے عذاب کے علاوہ اس بات کا بھی عذاب ہوگا کہ جب انہیں کہا جاتا تھا کہ ایمان لا کر رکوع کرو یعنی نماز پڑھو تو وہ اس سے بھاگتے تھے۔ اسی لئے ان کے بارے میں فرمایا گیا فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ "نہ اس نے تصدیق کی نہ نماز پڑھی۔" (قیامہ، ۳۱)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) رکوع کی فضیلت و اہمیت:

یہاں نماز کو رکوع سے اس لئے تعبیر کیا گیا کیونکہ رکوع نماز کا وہ رکن ہے جو صرف اہل اسلام کو دیا گیا۔ یہود و نصاریٰ اور بت پرست لوگ اپنے جھوٹے خداؤں کو سجدہ کرتے ہیں، مگر رکوع نہیں کرتے۔ رکوع صرف اہل اسلام کے لئے ہے۔ علاوہ ازیں رکوع میں قیام بھی ہے سجدہ بھی، کیونکہ رکوع میں جسم کا آدھا حصہ قیام میں اور آدھا سجدہ میں ہوتا ہے، اسی لئے رکوع کا پانے والا مقتدی رکعت کا پانے والا ہے۔ اسی لئے وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (بقرہ، ۴۳) میں بھی نماز کو رکوع سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(2) کفار کو فروع دین کے ترک کا عذاب بھی ہوگا:

یہاں کفار کے عذاب کی وجہ ان کا ترک نماز بھی بتائی گئی ہے، اور کسی فعل کے ترک پر عذاب تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ فرض یا واجب ہو۔ یہاں سوچنا چاہیے کہ نماز کے نہ ماننے والے کافر کو ترک نماز کا عذاب ہوگا تو نماز کو فرض مان کر پھر اسے ترک کرنے والے مومن کو ترک نماز کا کتنا عذاب ہوگا۔

[13] یعنی کفار قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے کیونکہ قرآن سب سے احسن بات ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا (زمر، ۲۳) اور قرآن کے بعد کوئی کتاب نازل نہ ہوگی۔ کیونکہ قرآن سب سے آخری کتاب ہے۔ یہ ختم نبوت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کیونکہ قرآن آخری کتاب اس لئے ہے کہ صاحب قرآن رسول ﷺ سب سے آخری رسول ہیں، جب آپ کے بعد کوئی رسول ہی نہیں تو کوئی کتاب قرآن کے بعد کیسے آسکتی ہے؟ افسوس ہے کہ مرزائی لوگ دین کا یہ بنیادی نقطہ بھی نہ سمجھ سکے۔

الحمدللہ آج یکم ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 29 نومبر 2008ء بروز ہفتہ بعد نماز فجر حرم کعبہ شریف میں کعبۃ اللہ کے سامنے بیٹھ کر اس فقیر بے نوا نے سورہ مرسلات کی تفسیر کی تحریر مکمل کی اور اس کے ساتھ انتیس پاروں کی تفسیر بھی مکمل ہوگئی۔ آج ماہ ذی الحجہ طلوع ہو چکا ہے، اکناف عالم سے حجاج بیت اللہ کے قافلے مکہ مکرمہ پہنچ رہے ہیں۔ میں فقیر بھی ان سعادت مندوں میں شامل ہوں جن کو اللہ جل مجدہٗ الکریم نے اپنے گھر کی حاضری کے لیے بلایا ہے اور اہل کرم جب فقیروں کو اپنے گھر بلاتے ہیں تو خالی واپس نہیں بھیجتے ان کی جھولی میں کچھ ڈال کر ہی بھیجتے ہیں، میں بھی اپنے رب کریم سے یہی مانگتا ہوں کہ اے میرے کریم مولا! مجھ گناہ گار کو تو نے میرے کثیر گناہوں کے باوجود اپنی کتاب مقدس کی تفسیر لکھنے کی سعادت بخشی، اے اللہ! تیرا پاک گھر کعبۃ اللہ میرے سامنے ہے، میرے مولا اس مقدس گھر کے صدقے میری اس محنت کو قبول فرما، اسے میری نجات کا ذریعہ بنادے اور اس کے ذریعہ گمراہوں کو ہدایت عطا فرما۔ میں نے اس تفسیر میں ردشیعیت پہ جس قدر کام کیا ہے اور قرآن کریم سے شیعہ کے غلط استدلالات کا جس طرح دلائل کے ساتھ رد کیا ہے اور قرآن کی روشنی میں اہل تشیع کے باطل نظریات کا جس طرح محاسبہ کیا ہے، یہ چیز ہر تفسیر میں نہیں ہے۔ اسی طرح عقیدۂ ختم نبوت کی تشریح وتوضیح جس طرح اس تفسیر میں آئی ہے، ایسا اکثر تفاسیر میں نہیں ہے۔

تو اے میرے اللہ! میری اس محنت کو قبول فرما اور اسے اصلاح عقائد کا سبب بنا۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورۃ النباء

سورۃ النباء ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 78ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 79 سورت ہے، جو نازعات سے قبل اور سورہ معارج کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے۔ اس کے آغاز میں نبأ (بمعنی خبر) کا لفظ ہے عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۞ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۞ اس لئے اسے سورہ نباء کہا گیا ہے۔

اس میں 2 رکوعات، 40 آیات، 73 کلمات اور 970 حروف ہیں۔

مضامین

سورہ نباء میں پہلے قیامت کا ذکر ہے اور اسے نباء عظیم (عظیم خبر) قرار دیا گیا۔ پھر انسان پہ اللہ کی نعمتوں کے بہتے ہوئے دریا کا منظرنامہ ہے کہ اللہ نے انسان پہ کیسی کیسی آسمانی وزمینی نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، ان میں سے ہر نعمت اپنے اندر اللہ کی عظیم قدرتوں پہ مشتمل ہے، رات اور دن کا آگے پیچھے آنا جانا، تاکہ انسان رات کو سو سکے اور دن کو تازہ دم ہو کر دوبارہ طلب معاش میں نکل سکے۔ پھر قیام قیامت کا ذکر کیا گیا ہے کہ کیسے صور پھونکا جائے گا، پھر منکرین کے لیے جہنم کے ہولناک عذابات کا ذکر ہے۔

پھر دوسرے رکوع سے متقین کے لیے جنتی انعامات کا بیان ہے کہ وہاں کیسے کیسے باغات، چشمے، جام طہور اور حور وقصور ہونگے جنہیں دیکھ کر اور اپنے عذاب کا مشاہدہ کر کے کفار کہیں گے کہ کاش میں خاک ہو جاتا۔ گویا گزشتہ سورہ مرسلات اور سورہ نبأ کے مضامین ایک دوسرے سے نہایت مشابہ ہیں، اسی لیے ان کو اکٹھا رکھا گیا، بلکہ سورہ قیامہ سے لیکر قریباً ایک جیسے مضامین آرہے ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتها ٤٠ ٧٨ سُوْرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ ٨٠ رکوعاتها ٢

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ① عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ② الَّذِیۡ هُمۡ فِیۡهِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ③

وہ کتنی بڑی چیز (قیامت) کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ یعنی اس عظیم خبر کے بارے میں جس میں ان کو اختلاف ہے،

کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ④ ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ⑤ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ⑥

اس میں ہرگز شک نہیں، وہ عنقریب جان جائیں گے، پھر ہرگز شک نہیں وہ عنقریب جان لیں گے، [1] کیا ہم نے زمین کو بچھونا

وَّ الۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ⑦ وَّ خَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًا ⑧ وَّ جَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا ⑨

اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ اور ہم نے تمہیں جوڑے بنایا [2] اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث سکون،

وَّ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا ⑩ وَّ جَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ⑪

رات کو تمہارا لباس اور دن کو ذریعہ معاش بنایا [3]۔

اللہ کی عظیم قدرتوں کا بیان اور قیام قیامت کے دلائل

[1] جب کفار مکہ کو قیامت کے بارے میں آگاہ کیا گیا تو وہ بہت حیران و پریشان ہوئے اور بار بار پوچھنے لگے کہ کیا ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور ایسا کب ہوگا؟ پھر وہ قیامت کا مذاق اڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرما رہا ہے کہ وہ کتنی عظیم خبر کے بارے میں سوالات کرتے اور اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ عنقریب انہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا پھر دوبارہ فرمایا کہ ضرور وہ قیامت کے بارے میں جان لیں گے۔

النبأ العظیم سے نبوت محمدیہ اور قرآن کریم کو بھی مراد لیا گیا ہے۔ تاہم اکثر مفسرین اس سے قیامت مراد لیتے ہیں اور اس سورت کا باقی سارا مضمون بھی قیامت ہی کے بارے میں ہے۔

[2] قیامت کی حقانیت پر پہلی دلیل قائم کی جا رہی ہے کہ دیکھو ہم نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنایا اور زمین پر

پہاڑوں کی میخیں گاڑیں تاکہ زمین حرکت نہ کرے۔ اور ہم نے تمہارے جوڑے بنائے جیسے مرد وعورت، بہادر و بزدل، رحیم وسفاک، شریف وشریر، عالم وجاہل، دانا واحمق، نیک بخت وبد بخت وغیرہ۔

تو جو رب زمین، پہاڑ اور انسانوں کے جوڑے بنا سکتا ہے، کیا وہ زمین سے انسانوں کو دوبارہ نہیں نکال سکتا؟

زمین پہ سونے کی فضیلت

یہاں اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا سے معلوم ہوا کہ زمین پر لیٹنے اور سونے سے عار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بچھونا بنایا ہے۔ یعنی زمین نہ پتھر کی طرح بہت سخت ہے نہ دلدل کی طرح پلپلی، بلکہ بچھونے کی طرح نرم ہے تاکہ اس پر آرام سے سویا جاسکے اور حضور سرور کونین ﷺ عموماً زمین پہ چٹائی ڈال کر سوتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خاک پر سونا اور نبی اکرم ﷺ کا ان کو یوں دیکھ کر ابوتراب کا لقب دینا بخاری ومسلم میں مذکور ہے۔

ایک بار امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ زمین پہ سو رہے تھے۔ شام کے ایک عیسائی رئیس ہرمزان کو گرفتار کر کے مدینہ طیبہ لایا گیا اور مسجد نبوی میں بٹھا دیا گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص زمین پہ دھوپ میں سو رہا ہے اور اس کا پسینہ ریت میں جذب ہو رہا ہے۔ اس نے کہا مجھے اپنے امیر سے ملواؤ، لوگوں نے کہا: یہ امیر المؤمنین ہی سو رہے ہیں۔ اس نے ایک تاریخی جملہ کہا، اس نے کہا: اے عمر! تم عدل کرتے ہو اس لئے زمین پہ بے خوف میٹھی نیند سو رہے ہو، ہم ظلم کرتے ہیں اور ہمیں مخمل کے بستروں پہ سخت پہروں میں بھی آرام کی نیند نہیں آتی۔ (ناسخ التواریخ حالات خلفاء جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ مصنفہ مرزا محمد تقی شیعہ)

الغرض زمین پہ سونا چاہیے اور حج کے دوران منیٰ ومزدلفہ میں سب حجاج زمین ہی پہ سوتے ہیں۔ (دم تحریر راقم الحروف فقیر محمد طیب غفرلہ بھی حج کے لئے مکہ مکرمہ میں حاضر ہے اور صرف پانچ دن بعد منیٰ کے لئے روانگی ہوگی اور زمین کے خدائی بچھونے پر سونا نصیب ہوگا ان شاء اللہ، اللہ جل مجدہٗ الکریم قبول فرمائے)۔

حج میں بادشاہ بھی آ کر زمین پہ سوتا ہے۔ گویا حج میں ایک یہ درس بھی شامل ہے کہ اے انسان! ایک دن وہ بھی آنے والا ہے جب تم نے زمین ہی پہ آ کر سونا ہے تو اُس دن کی تیاری کرنی چاہیے، کب تک ہم مخملیں بستروں کی خواب غفلت میں مست رہیں گے۔ ہم اپنی قبر کیوں یاد نہیں کرتے؟ جبکہ قبر ہمیں روزانہ ستر بار یاد کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اے انسان! میری پشت پہ تو نرم وگداز بستروں میں سوتا ہے میرے اندر آ کر تجھے خاک پہ سونا پڑے گا، میری پشت پہ تو کمزوروں مظلوموں کے بازو مروڑتا ہے میرے اندر تیری پسلیاں ایک دوسری میں پیوست ہو جائیں گی، میری پشت پہ تو حرام کھاتا ہے میرے اندر تجھے کیڑے کھا جائیں گے۔

[3] قیام قیامت پر دوسری دلیل لائی جا رہی ہے کہ فرمایا ہم نے تمہارے لئے نیند کو باعث سکون بنایا (آدمی کتنا ہی تھکا ہوا ہو پانچ چھ گھنٹے سو لے، تو ساری تھکاوٹ ختم ہو جاتی ہے اور صوفیاء کہتے ہیں کہ نیند صالحین کے لئے روحانی سکون کا

باعث بھی ہے کہ ان کو اچھی خوابیں آتی ہیں جو ان کی روحانی ترقی کا باعث ہیں، اسی لئے اچھے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے)۔اور ہم نے تمہارے لئے رات کو لباس اور دن کو ذریعۂ معاش بنایا، جیسے لباس جسم کو ڈھانپ لیتا ہے یونہی رات بھی انسان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے تاکہ آدمی تازہ دم ہو کر دن کو تلاش معاش کے لئے نکلے۔

یاد رہے کہ نیند قیام قیامت کی اعلیٰ دلیل ہے۔نیند میں روح سلطانی جسم سے نکل جاتی ہے اور روح حیوانی باقی رہتی ہے جبکہ موت کے وقت روح حیوانی بھی نکل جاتی ہے۔تو جو رب روح سلطانی کو جسم میں روزانہ کئی بار لوٹاتا ہے وہ روح حیوانی کو بھی لوٹا سکتا ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رات دن کے آنے جانے کا ذکر فرمایا۔یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ جس رب نے سلسلہ شب و روز قائم فرمایا وہ اگر چاہے تو اسے معطل کر کے اس کی جگہ نیا نظام جاری فرما دے، جس کو قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہاں وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) نیند قدرتِ خداوندی کی اعلیٰ نشانی ہے:

بڑے سے بڑے طاقتور پہلوان اور بڑے سے بڑے جابر سلطان کو یوں پچھاڑ کر رکھ دیتی ہے جیسے وہ مرا پڑا ہے گویا نیند بتاتی ہے کہ ہر طاقتور سے بڑا طاقتور اللہ ہے جو انسان پر نیند طاری کرتا ہے۔اور وہ جب چاہے گا انسان پہ ابدی نیند بھی طاری کر دے گا۔

(2) نیند موت کی نشاندہی ہے:

کوئی شخص نیند سے دو تین دن سے زیادہ بھاگ نہیں سکتا وہ ضرور اس پر غالب آ جائے گی حالانکہ وہ موت کی چھوٹی بہن ہے۔یعنی چھوٹی موت ہے، جب چھوٹی موت سے فرار ممکن نہیں تو بڑی موت سے فرار کیسے ممکن ہے؟ تو نیند ہمیں موت کو یاد رکھنے کا درس دیتی ہے۔

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝۱۲ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝۱۳ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ
اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے اور ہم نے (سورج کو) روشن چراغ بنایا۔ اور ہم نے
الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝۱۴ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝۱۵ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝۱۶
بادلوں سے موسلادھار پانی اتارا، تاکہ ہم اس سے دانے، پودے اور گھنے باغات اُگائیں [4]
اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝۱۷ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ
بے شک فیصلے کا دن ایک مقرر وقت ہے یعنی وہ دن جب صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج
اَفْوَاجًا ۝۱۸ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝۱۹ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ
آؤ گے [5] اور آسمان کو کھول دیا جائے گا تو اس میں بہت سے دروازے بن جائیں گے اور پہاڑوں کو چلا دیا جائے گا تو
سَرَابًا ۝۲۰ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝۲۱ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۝۲۲ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ
وہ ریت بن جائیں گے [6] بے شک جہنم (تمہاری) تاک میں ہے۔ وہ سرکشوں کا ٹھکانہ ہے۔ وہ اس میں کئی زمانوں تک
اَحْقَابًا ۝۲۳ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝۲۴ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۝۲۵ جَزَآءً
رہیں گے [7] نہ وہاں کوئی ٹھنڈک چکھیں گے نہ کوئی مشروب۔ سوا کھولتے پانی اور پیپ کے، یہ پوری سزا ہے،
وِّفَاقًا ۝۲۶ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝۲۷ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝۲۸ وَكُلَّ
بے شک یہ لوگ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے اور ہماری آیات کو بہت جھٹلاتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو
شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۝۲۹ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝۳۰ ع
کتاب میں گھیر رکھا ہے۔ تو اب چکھو کہ ہم تمہارے لئے عذاب کے سوا کچھ نہ بڑھائیں گے۔ [8]

ع ۱

[4] یہ قیامِ قیامت کی تیسری دلیل ہے کہ جو رب اتنے بڑے سات آسمان بنا سکتا ہے اتنا بڑا سورج بطور چراغ جلا سکتا ہے اور بادلوں سے بارشیں برسا کر زمین سے اناج و باغات اُگا سکتا ہے۔ یعنی مردہ زمین کو زندہ کر سکتا ہے اور خشک بیج کو لہلہاتا باغ بنا سکتا ہے۔ کیا وہ مردہ ہڈیوں کو دوبارہ زندگی نہ دے سکے گا؟

[5] اس سے دوسری بار صور کا پھونکا جانا مراد ہے۔ جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو لوگ اپنی قبروں سے نکل کر فوج در فوج اللہ کے حضور حاضر ہو جائیں گے اس طرح کہ ہر گروہ کی ایک فوج ہو گی یہود کی فوج، نصاریٰ کی فوج، ہنود کی فوج اور مسلمانوں کی فوج، بلکہ ہر امت اپنے نبی کے جھنڈے تلے الگ گروہ کی صورت میں آئے گی جیسے فرمایا گیا: یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ ''اس دن ہم ہر گروہ کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔'' (بنی اسرائیل، ۷۱)

قیامت کے دن مجرموں کے الگ الگ گروہ

یہ بھی مروی ہے کہ سود خوروں کا الگ گروہ ہو گا، رشوت ستانوں کا الگ گروہ ہو گا اور بد عمل جھوٹے واعظین الگ گروہ ہو گا۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس آیت فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ کا ذکر ہوا تو آپ رو پڑے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے دس گروہ اٹھائے جائیں گے جو دوسرے مسلمانوں سے الگ ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کی صورتیں بدل دے گا چنانچہ غیبت کرنے والے لوگ بندروں کی صورت میں اٹھیں گے، رشوت اور دیگر مال حرام کھانے والے خنزیر بن کر اٹھیں گے، سود خور الٹے جسموں کے ساتھ آئیں گے سر نیچے پاؤں اوپر، ناحق فیصلے کرنے والے قاضی اندھے اٹھیں گے، اعمال پہ فخر کرنے والے بہرے گونگے اٹھیں گے، جن واعظین کا عمل ان کے وعظ کے خلاف ہو ان کی زبانیں روز قیامت باہر لٹکی ہوں گی۔ پڑوسیوں کو ستانے والوں کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں گے، جو لوگ بادشاہوں سے دوسروں پر ظلم کرواتے ہیں وہ آگ کی سولیوں پر لٹکائے جائیں گے۔ زنا کاروں کے جسموں سے مردار سے بدتر بدبو آئے گی متکبروں کو تارکول کا لباس پہنایا گیا ہو گا جو ان کے جسموں سے چپک جائے گا۔ اسے خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے۔

(تفسیر مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۰)

اس حدیث کا یہ مفہوم ہے کہ جو شخص جس گناہ میں زیادہ مبتلا ہے وہ اسی گناہ والے گروہ میں اٹھایا جائے گا۔ اسی مفہوم میں وہ حدیث ہے کہ جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کو نظر انداز کر دے تو روز قیامت اس کا آدھا جسم لٹک رہا ہو گا، یعنی مجمع حشر میں ان لوگوں کو رسوا کیا جائے گا۔ مگر یاد رہے کہ دوزخ میں کسی مومن کو کفار والے رسوا کن عذابات نہیں ہونگے، جیسا کہ ہم آگے بتا رہے ہیں۔

[6] جب پہلی بار صور پھونکا جائیگا تو آسمان پھٹ جائے گا اور اس میں رخنے یعنی دروازے بن جائیں گے جن سے فرشتے زمین پہ اتر کر اسے چاروں طرف سے گھیر لیں گے اور اہل زمین کو ایک جگہ جمع کر لیں گے جہاں میدان حشر قائم ہو گا۔ اور پہلی بار صور کے پھونکے جانے پر تمام پہاڑ ریت بن جائیں گے۔ قرآنِ مجید میں ہے: ''لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرمائیں کہ میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر دے گا پھر زمین کو برابر ہموار بنا دے گا، تو نہ اس میں تم کوئی کجی دیکھو گے نہ نشیب و فراز۔'' (طٰہٰ، ۱۰۵)

[7] جہنم کے اوپر پل بنایا جائے گا جسے صراط کہتے ہیں، کفار اس سے گر کر جہنم میں پہنچ جائیں گے اور کئی زمانوں تک جن کی کوئی انتہاء نہیں، وہیں رہیں گے۔ اَحْقَابًا حُقُبٌ بمعنی زمانہ کی جمع ہے۔

جہنم میں کفار کے طویل قیام کا دردناک ذکر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جہنم کا ایک حُقُب اسی برس کا ہے، ہر برس میں تین سو ساٹھ دن ہیں اور ہر دن دنیا کے ہزار برس کے برابر ہے اور یہ احقاب چلتے رہیں گے کبھی ختم نہ ہوں گے (گویا ایک حُقُب دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس کا ہوگا۔ ایسے کئی احقاب ہوں گے جب وہ ختم ہوں گے تو نئے احقاب شروع ہو جائیں گے) (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۵)

سدی نے مرہ بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ اگر اہل نار (کفار) کو علم ہو کہ تمام دنیا کی ریت کے ذروں کے برابر برس جہنم میں رہنے کے بعد وہ آزاد ہو جائیں گے تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو (مگر ایسا کبھی نہ ہوگا) اور اگر اہل جنت کو معلوم ہو کہ دنیا بھر کی ریت کے ذروں کے برابر برس تک وہ جنت میں رہیں گے پھر انہیں جنت سے نکال دیا جائے گا تو ان کے غم کا ٹھکانہ نہ ہوگا (مگر ایسا کبھی نہ ہوگا) (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۵)

[8] کفار کو دائمی جہنم کی سزا اس لئے ہوگی کہ وہ کسی یوم حساب کی امید نہیں رکھتے تھے اور اللہ کی آیات یعنی اللہ کی نازل کردہ کتابوں کو جھٹلاتے تھے، تو وہ جہنم میں کوئی ٹھنڈک (سکون) نہ پائیں گے اور ان کے کھانے کو پیپ اور پینے کو کھولتے پانی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اور ان کے لئے صرف عذاب ہی میں اضافہ ہوگا۔

جہنم کے ذلت آمیز عذابات صرف کفار کے لیے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ جہنم کا دائمی اور رسوا کن عذاب صرف کفار کے لئے ہے جو اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ اگر کوئی مومن شامتِ اعمال سے جہنم میں گیا، تو وہ کھولتے پانی کے پینے اور پیپ کے کھانے جیسے عذابات سے محفوظ رہے گا۔

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمام امتوں کے موحدین جو کبائر کے مرتکب تھے اور بغیر توبہ مر گئے، ان میں سے جو جہنم میں جائے گا اس کی آنکھیں نیلی نہ ہونگی اور چہرہ سیاہ نہ کیا جائے گا، اسے شیاطین کے ساتھ نہیں باندھا جائے گا نہ اسے زنجیر پہنایا جائے گا اور نہ کھولتا پانی پلایا جائے گا۔ اللہ رب العزت نے ان کے اجسام کا دوزخ میں ہمیشہ رہنا حرام کر دیا ہے۔ آگ ان کی صورت نہ بگاڑے گی کیونکہ ان کے چہروں پہ سجدے کے نشانات ہیں۔ ان میں سے کسی کے ٹخنوں تک آگ ہوگی کسی کے پہلوؤں تک اور کسی کی گردن تک۔

(مظہری بروایت ابن ابی حاتم وابن شاہین جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۸)

اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ مَفَازًا ۝۳۱ حَدَآئِقَ وَاَعۡنَابًا ۝۳۲ وَّكَوَاعِبَ اَتۡرَابًا ۝۳۳ وَّكَاۡسًا

بے شک پرہیزگاروں کے لئے کامیابی ہے، یعنی باغات اور انگور اور نوخیز ہم عمر بیویاں اور بھرا پیمانہ [9] وہاں

دِهَاقًا ۝۳۴ لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡهَا لَغۡوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝۳۵ جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّكَ عَطَآءً

وہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹ [10] یہ جزا آپ کے رب کی طرف سے ہے جو مکمل عطاء ہے [11] یعنی وہ

حِسَابًا ۝۳۶ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا یَمۡلِكُوۡنَ

جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے، کا رب ہے، بہت مہربان ہے، لوگ اس سے بات نہ کر سکیں گے،

مِنۡهُ خِطَابًا ۝۳۷ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۝ لَّا یَتَكَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ

جس دن روح الامین اور سب فرشتے صف میں کھڑے ہوں گے، لوگ بات نہ کر سکیں گے، سوا اس کے جسے

اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝۳۸ ذٰلِكَ الۡیَوۡمُ الۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ

رحمان اجازت دے اور وہ سچ بات کہتا ہو [12] یہ ہے سچا دن، تو جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف

اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝۳۹ اِنَّاۤ اَنۡذَرۡنٰكُمۡ عَذَابًا قَرِیۡبًا ۚ یَّوۡمَ یَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا

راہ پکڑ لے۔ بے شک ہم نے تمہیں قریب والے عذاب سے ڈرایا ہے [13] جس دن ہر انسان دیکھ لے گا جو

قَدَّمَتۡ یَدٰهُ وَیَقُوۡلُ الۡكٰفِرُ یٰلَیۡتَنِیۡ كُنۡتُ تُرٰبًا ۝۴۰

اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا اے کاش! میں مٹی ہو جاتا [14]

ع ۲

جنت کی بہاریں اور قیامت کا منظر

[9] گزشتہ رکوع کے آخر میں کفار کے لئے جہنم کے عذابات بتائے گئے۔ اب مومنین کے لئے جنتی انعامات بتائے جا رہے ہیں تو فرمایا گیا کہ پرہیزگاروں کے لئے بڑی کامیابی ہے (مَفَازًا میں تنوین عظمت ہے) وہ یہ کہ ان کے لئے وہاں باغات ہیں، پھل ہیں، جیسے انگور، انگور کا نام خصوصاً اس لئے لیا کہ اس میں دوسرے کئی پھلوں کی نسبت غذائیت زیادہ ہے۔ اور ان کے لئے وہاں نوخیز ہم عمر بیویاں ہیں۔

جنتی بیویوں کا حسن وجمال

ایک روایت کے مطابق جنتی بیویاں سولہ برس کی نوخیز لڑکیاں ہوں گی اور جنتی مردوں کی عمریں 33 برس کی ہوں گی اوران کی یہ عمر دائمی رہے گی کبھی بڑھاپا نہ آئے گا، توجنتی بیویوں کو اَتۡرَابًا (ہم عمر) اس لئے کہا گیا کہ وہاں ایک شخص کی جتنی بھی بیویاں ہوں گی سب کی ایک ہی عمر ہوگی اور یہ بھی نہ ہوگا کہ ایک شخص کی بیوی جوان ہو اور دوسرے کی بوڑھی، نہیں سب کی بیویاں ایک ہی عمر کی ہوں گی، ان بیویوں میں جنتی حوریں بھی شامل ہیں اور دنیا کی بیویاں بھی۔ یعنی اگر کسی شخص کی بیوی دنیا میں بوڑھی مری تھی تو وہاں وہ سولہ سالہ نوخیز لڑکی ہوگی۔

آگے فرمایا کہ اہل جنت کے لئے بھرے پیمانے ہوں گے یعنی کبھی دودھ کا جام پیش کیا جائے گا، تو کبھی شراب طہور کا۔ اس جگہ اِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ کہہ کر بتایا گیا کہ مومن کی اصل کامیابی یہ ہے کہ اس کی آخرت اچھی ہوجائے۔ خواہ اس کے لئے دنیا کی جھوٹی کامیابیوں کو قربان کرنا پڑے۔

[10] جنت میں کوئی بیہودہ بات سننے میں نہ آئے گی۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ ''اہل جنت کوئی لغو بات نہ سنیں گے صرف سلام سنیں گے۔'' (مریم، ۶۲) فِىۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾ لَّا تَسۡمَعُ فِيۡهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾ ''بلند جنت میں، وہاں تم کوئی بیہودہ بات نہ سنو گے۔'' (غاشیہ، ۱۱) یعنی جھوٹ، غیبت، گالی، تضحیک وغیرہ کا وہاں کوئی گزر نہیں۔

[11] یہ جنتی نعمتیں بظاہر بندے کی نیکیوں کی جزاء ہیں، مگر حقیقت میں محض اللہ کی عطا ہیں۔ کیونکہ ہماری نیکیاں اس قدر حقیر ہیں کہ وہ دنیوی نعمتوں کا بدلہ بھی نہیں بن سکتیں چہ جائیکہ جنتی نعمتوں کا بدلہ بنیں، مثلاً آنکھیں اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے اور ہماری تمام نیکیاں اس کا عوض نہیں ہیں۔ تو جنتی نعمتوں کا کیا کہنا، وہ تو اللہ جل مجدہٗ الکریم کی محض عطاء ہی عطا ہیں انہیں اللہ اپنے کرم سے جزاء کہہ کر پکارتا ہے۔ ورنہ وہ جزا نہیں صرف عطاء ہیں۔

[12] یعنی جب روز قیامت رب رحمان اپنا دربار سجائے گا تو ابتداء میں اس کے رعب وجلال کے باعث اس سے کوئی مخلوق بات نہ کرسکے گی۔ جبریل امین علیہ السلام اور سب فرشتے اس کے حضور صف بستہ خاموش کھڑے ہوں گے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس وقت جبریل امین علیہ السلام کے کندھے خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔

(مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۰ بروایت ابوالشیخ)

پھر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بارگاہ ربوبیت میں حاضر ہوکر طویل سجدہ فرمائیں گے، جو اللہ رب العزت کے جلال کو جمال میں اور غضب کو رحمت میں بدل دے گا، تب باب شفاعت کھلے گا اور سب سے اول ہمارے آقا ومولا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شفاعت فرمائیں گے پھر انبیاء، صدیقین، شہداء وصالحین شفاعت کریں گے، حفاظ قرآن شفاعت کریں گے۔ مگر اللہ کے حضور وہی کلام کرے گا جسے خدائے رحمان اجازت دے گا اور اس نے دنیا میں سچی بات کہی ہوگی یعنی وہ لا الٰہ الا اللہ پر مرا ہوگا اور اس نے اللہ اور بندوں کے حقوق میں سچائی کا راستہ اپنایا ہوگا، ایسے مقربین ہی شفاعت کرسکیں گے۔ یہاں

وَقَالَ صَوَابًا سے سچائی کی فضیلت معلوم ہوئی۔ اسی لئے فرمایا گیا: يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ ؕ کہ ''اس دن سچے لوگوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔'' (مائدہ،۱۱۹)

[13] یعنی ہم تمہیں قیامت کے عذاب سے ڈراتے ہیں جو تمہیں دور نظر آتا ہے، مگر وہ حقیقت میں قریب ہے جیسے کہ فرمایا گیا: اِنَّهُمۡ يَرَوۡنَهٗ بَعِيۡدًا ۙ وَّنَرٰىهُ قَرِيۡبًا ؕ ''بے شک وہ اسے دور دیکھتے ہیں اور ہم اسے قریب جانتے ہیں۔'' (معارج،۷)

[14] روز قیامت ہر شخص اپنے نامۂ اعمال میں اپنا ہر چھوٹا بڑا عمل دیکھ لے گا جو اس نے دنیا میں کیا۔ اس وقت کافر کہے گا کہ کاش اسے مٹی بنا دیا جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز قیامت جانوروں کو لایا جائے گا اور ان میں قصاص جاری ہوگا، حتیٰ کہ بے سینگ جانور سینگ والے جانور سے بدلے لے گا (یعنی اگر کسی سینگ دار جانور نے بے سینگ جانور کو اپنے سینگ سے مارا ہوگا تو اللہ مظلوم جانور کو سینگ دے گا تا کہ وہ اس سے اپنا بدلہ لے لے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ جانوروں سے فرمائے گا کہ مٹی ہو جاؤ تو وہ مٹی بن کر ختم ہو جائیں گے، اس وقت ہر کافر کہے گا اے کاش! وہ بھی مٹی ہو جاتا (اور دائمی عذاب سے بچ جاتا) (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۳۰ صفحہ ۱۷)

الحمد للہ آج 2 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 30 نومبر 2008ء بروز اتوار بوقت سحر نماز فجر سے قبل مکہ مکرمہ میں اپنے ہوٹل میں اس گناہگار نے سورہ کی تفسیر کا لکھنا مکمل کیا۔ اور ابھی مسجد حرام میں بیت اللہ شریف کی حاضری ہوگی اور نماز فجر پڑھ کر اگلی سورت النازعات کا کچھ ابتدائی حصہ وہیں زیر تفسیر آئے گا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین

سورۃ النازعات

سورۃ النازعات ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 79ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 80ویں سورت ہے، جو سورہ انفطار سے قبل اور سورۃ نباء کے بعد نازل ہوئی۔ چونکہ یہ وَالنّٰزِعٰتِ سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ النازعات کہا گیا۔ یہ مکی سورت ہے۔

اس میں 2 رکوعات، 46 آیات، 179 کلمات اور 753 حروف ہیں۔

مضامین

سورہ نازعات میں یہ موضوعات زیر بحث آئے، قیامت کے احوال کا نقشہ، منکرین قیامت کے شبہات کا ازالہ، ذکر موسیٰ علیہ السلام یعنی جب ان کو وادی مقدس طویٰ میں فرمایا گیا کہ جاؤ فرعون کو دعوت حق سناؤ، چنانچہ ان کا فرعون کو جا کر پیغام حق سنانا، آگے سے اس کا خود کو رب اعلیٰ کہنا، پھر جادوگروں کو جمع کر کے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنا اور اس کا انجام۔

پھر دوسرے رکوع میں تخلیق ارض وسماء پر روشنی ڈالی گئی اور زمین پہ پھیلی ہوئی بعض خدائی نعمتوں کا بیان ہوا، جیسے زمین پہ پہاڑوں کا کھڑا کیا جانا اور اس سے اناج کا پیدا ہونا۔ پھر روئے سخن ذکر قیامت کی طرف مڑا اور جہنم کے عذابات اور جنتی انعامات مذکور ہوئے۔ اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا کہ آپ کی ذمہ داری صرف منکروں کو ڈرانا ہے بس، ان کو ہر صورت میں ہدایت سے ہمکنار کرنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آگے حساب لینا اللہ رب العزت کا کام ہے۔ گویا یہ بھی گزشتہ سورتوں کے مضامین کا تسلسل ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتہا ۴۶ ۷۹ سُوْرَۃُ النّٰزِعٰت مَکِّیَّۃٌ ۸۱ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ

قسم ہے فرشتوں کی جو گہرائی میں اُتر کر جان نکالتے ہیں اور نرمی سے بند کھولتے ہیں اور ہر طرف اڑتے پھرتے ہیں، پھر سبقت

سَبْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَۃُ ﴿۶﴾ تَتْبَعُہَا الرَّادِفَۃُ ﴿۷﴾

لے جاتے ہیں پھر نظام کائنات کی تدبیر کرتے ہیں [1] وہ دن یاد کرو جب لرزانے والی قیامت لرزائے گی اس کے پیچھے

قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَۃٌ ﴿۸﴾ اَبْصَارُہَا خَاشِعَۃٌ ﴿۹﴾ یَقُوْلُوْنَ ءَ اِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ

پچھلی آ جائے گی [2] اس دن کچھ دل لرز جائیں گے ان کی نظریں جھکی ہوں گی (آج) وہ کہتے ہیں کیا ہمیں الٹے پاؤں

فِی الْحَافِرَۃِ ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَۃً ﴿۱۱﴾ قَالُوْا تِلْکَ اِذًا کَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ ﴿۱۲﴾

لوٹا دیا جائے گا؟ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (تب ایسا ہو گا)؟ کہتے ہیں تب تو یہ ذلت کا لوٹنا ہے [3]

فَاِنَّمَا ہِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا ہُمْ بِالسَّاہِرَۃِ ﴿۱۴﴾

تو قیامت ایک جھٹکا ہی ہے تب وہ سارے باہر آ جائیں گے [4]

وقف لازم

وقف لازم

وقف لازم

قیام قیامت کا منظر اور فرعون کی سرکشی کا حال

[1] یہاں فرشتوں کی پانچ صفات کی قسم اٹھائی گئی ہے اور جواب قسم محذوف ہے یعنی اِنَّ السَّاعَۃَ لَاٰتِیَۃٌ کہ قیامت آنے والی ہے۔

پہلی صفت:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ یعنی فرشتے مشرک و کافر اور فاسق و فاجر لوگوں کی روح کو نکالنے کے لئے ان کے جسموں میں غرق ہوتے ہیں یعنی رگ و ریشہ میں اتر کر جان نکالتے ہیں کیونکہ ان کی روح نکلنا نہیں چاہتی اور چھپتی پھرتی ہے، وہ

جانتی ہے کہ اسے دوزخ کی طرف لے جایا جارہا ہے۔

دوسری صفت:

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ فرشتے مومنین صالحین کی روح کو بہت نرمی و نشاط سے نکالتے ہیں، کہتے ہیں: نشط العقالَ مِنْ یَدِ العبیرِ۔ اس نے اونٹ کے پاؤں سے رسی کھول دی۔ یعنی صالحین کی روح اپنے رب کے پاس جانے کے لئے پہلے سے بے تاب ہوتی ہے، تو وہ یوں نکلتی ہے جیسے جانور کی رسی کھول دی جائے تو وہ خوشی سے دوڑ پڑتا ہے کیونکہ اسے اس کے رب کی یہ پکار آرہی ہوتی ہے: یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝۲۷ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝۲۸ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝۲۹ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝۳۰ ”اے مطمئن نفس! اپنے رب کی طرف لوٹ آ، تو اللہ سے راضی اللہ تجھ سے راضی۔ پس تو میرے بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں آجا۔“ (فجر، ۲۷)

مومن اور کافر کی موت میں فرق

اس سے معلوم ہوا کہ اچھے اور بُرے لوگوں کی موت میں فرق ہے۔ اصل میں تو یہ موت کی سختی کفار ہی کے لئے ہے البتہ بعض فاسق و فاجر مسلمان بھی جب کافروں والے کام کرتے ہیں تو موت کی سختی سے دوچار ہوتے ہیں۔ اور اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مومن بندے کو جب موت آتی ہے تو سورج کی طرح نورانی چہروں والے فرشتے اس کے پاس آکر تا حد نظر بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت علیہ السلام اس کے قریب آکر اسے کہتے ہیں اے مطمئن جان! اللہ کی بخشش وخوشنودی کی طرف نکل آ، تو وہ یوں نکلتی ہے جیسے برتن اوندھا کرنے سے پانی نکلتا ہے۔ پھر فرشتے اس کی روح کو کستوری سے زیادہ معطر کفن میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں۔ اور جب کافر کو موت آتی ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے اس کے پاس آکر تا حد نظر بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت علیہ السلام اس کے قریب آکر کہتے ہیں اے خبیث روح! اللہ کے غضب کی طرف نکل آ، تو وہ اس کے جسم میں چھپنے لگتی ہے۔ تب اسے یوں کھینچ کر نکالا جاتا ہے جیسے تر روئی سے سیخ نکالی جائے۔ پھر فرشتے اس کی روح کو مردار سے زیادہ بدبودار ٹاٹ میں لپیٹ کر لے چلتے ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۸۸)

تیسری صفت: وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝۳ فرشتے کائنات میں ہر طرف بے روک اُڑتے پھرتے ہیں یعنی خواہ کوئی پہاڑ کی چوٹی پہ مرے یا سمندر کی تہہ میں یا بند قلعے میں، بہر حال کوئی دیوار کوئی پہاڑ یا سمندر فرشتوں کے راستہ میں حائل نہیں ہوسکتا وہ ہر جگہ جان لینے پہنچ جاتے ہیں۔

چوتھی صفت: فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴ فرشتے بڑھ چڑھ کر حکم خداوندی کی تکمیل و تعمیل کرتے ہیں اور کسی سے رو رعایت نہیں برتتے۔

پانچویں صفت: فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ وہ نظام کائنات کی تدبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ بارشیں برسانا اناج اُگانا، ماؤں کے رحموں میں انسانوں کی صورتیں بنانا اور مُردوں کی روحیں قبض کرنا وغیرہ سب امور فرشتے سرانجام دیتے ہیں گویا کارخانۂ قدرت انہی کے ذریعے چلایا جارہا ہے۔

وصال کے بعد ارواح مقربین کا ملکی صفات بن جانا

اس جگہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وھی صفاتُ النفوس الفاضلةِ فانها تَنزِعُ من الابدانِ نزعاً شدیداً من اغراق النازعِ مِنَ القَوْسِ فتنشطُ الیٰ عالم الملکوتِ و تَسبَحُ فیه و تَستَبِقُ فی حظائرِ القدسِ حتّٰی تصِیرَ لشرَفِها و قُوتِها من المدبراتِ۔ یعنی فرشتوں کی مذکورہ صفات بعض عظیم ارواح مومنین کے لئے بھی ثابت ہیں جب وہ دنیا کو چھوڑ کر جاتی ہیں تو وہ اپنے آپ کو ابدان سے پوری تیزی سے نکالتی ہیں جیسے تیر کو کمان سے نکالنے والا تیزی سے نکالے (وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝) پھر وہ عالم ملکوت کی طرف کشاں کشاں چلتی ہیں (وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝) پھر وہ عالم ملکوت میں جدھر چاہیں آتی جاتی اور سیر کرتی ہیں (وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝) پھر وہ عالم قدس میں سبقت لے جاتی ہیں (فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝) پھر وہ اپنی قوت و شرافت کے باعث نظام کائنات کی تدبیر کرتی ہیں (فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝) (تفسیر بیضاوی سورہ نازعات صفحہ ۷۱۱ مطبوعہ نولکشور لکھنو انڈیا)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی (تفسیر مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان میں) یہی عبارت ارشاد فرمائی ہے۔ بلکہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۱ سورہ النازعات صفحہ ۳۱ مطبوعہ دار الحدیث ملتان)

اور قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ الخ (بقرہ، ۱۵۴) کے تحت فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالیٰ قداعطی ارواح الشھداء قوۃ الاجساد فیروحون فی الارض والسماء ینصرون اولیاء ھم ویدمرون اعداء ھم. والارض لاتأکل ابدانھم ولا اکفانھم.

اللہ تعالیٰ شہداء کی ارواح کو اجساد کی طاقت دیتا ہے تو وہ ارض و سماء اور جنت میں جہاں چاہیں جاتے ہیں، وہ اپنے دوستوں کی مدد اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اگر اللہ چاہے۔ اسی لئے زمین ان کے جسموں بلکہ کفنوں کو بھی نہیں کھاتی۔ (تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ دہلی)

عارف ربانی علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ کے تحت فرماتے ہیں:

بعض زندہ اولیاء کی یہ کرامات ہیں کہ وہ دیواروں میں سے گزر جاتے ہیں۔ جب اس جہان میں روح کی یہ طاقت ہے تو برزخ میں جا کر اس کی طاقت کا کیا عالم ہوگا۔ (روح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۶)

مفسرین کرام کی ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء وصدیقین اورشہداء وصالحین کی ارواح کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس دنیا سے جانے کے بعد باذن اللہ جہاں چاہیں جائیں اور زمین وآسمان میں جہاں چاہیں سیر کریں اور بندگان خدا کی مدد کریں۔

غالباً یہی وہ عباد اللہ ہیں جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز ایسی جگہ گم ہو جائے جہاں کوئی اسکی مدد کرنے والا نہ ہو تو وہ یوں پکارے: اعینونی یاعباد اللہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، تو اللہ کے کچھ بندے ہیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۱۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2] یعنی جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو اس کی دہشت ہر چیز کو لرزا دے گی اور توڑ پھوڑ کر رکھ دے گی۔ پھر اس کے بعد دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو لوگ اپنی قبروں سے نکل کر باہر آ جائیں گے۔ تو یہاں پہلے صور کو راجفہ اور دوسرے رادفہ کہا گیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ہر رات کو چوتھائی حصہ شب گزرنے پر اُٹھتے پھر فرماتے اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، لرزانے والی گھڑی آ گئی ہے، اس کے پیچھے آنے والی گھڑی پیچھے آ رہی ہے اور موت اپنی سختیوں کے ساتھ قریب آ گئی ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۹ صفحہ ۱۹۶)

[3] منکرین قیامت کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ قیامت میں ان کے دل دہل رہے ہوں گے اور شرم سے آنکھیں جھکی ہوں گی۔ کیونکہ وہ دنیا میں قیامت کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ کیا ہمیں مرنے کے بعد اُلٹے پاؤں لوٹا دیا جائے گا (عربی میں کہتے ہیں رَجَعَ علٰی حَافِرَتِہٖ وہ الٹے پاؤں واپس آ گیا) کیا جب ہم ہڈیاں بن جائیں گے تو واپس دنیا میں آ جائیں گے یہ تو بڑی ذلت کی واپسی ہے۔ مگر جب وہ قیامت کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو اپنی ان باتوں پہ انہیں بہت شرمندگی ہو رہی ہوگی اور دل دہل رہا ہوگا۔

[4] کفار مکہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں دوبارہ آنے کا مطلب شائد دوبارہ پیدا ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ قیامت تو بس ایک جھٹکا ہے جس سے سب لوگ قبروں سے باہر نکل کر کھڑے ہوں گے۔ ساھرۃ کا معنی سطح زمین ہے۔

وقف لازم

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۞ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۞

کیا تمہارے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر آئی ہے، جب ان کے رب نے انہیں وادی مقدس طویٰ میں پکارا

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۞ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۞

کہ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے، تو اسے کہو کیا تجھے پسند ہے کہ تو پاک ہو؟

وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۞ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۞ فَكَذَّبَ

اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں تا کہ تو اس سے ڈرے؟ تب موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے بڑی نشانی دکھائی [5] تو اس نے جھٹلایا

وَعَصٰى ۞ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۞ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۞ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۞

اور نافرمانی کی، پھر منہ پھیرا تا کہ اپنی کوشش کرے، پھر اس نے (لوگ) جمع کئے تو پکار کر کہا میں تمہارا بڑا رب ہوں [6]

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۞ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۞

ع ۱

تب اللہ نے اسے آخرت اور دنیا دونوں کے عذاب میں پکڑ لیا، بے شک اس میں ڈرنے والے کے لئے بڑی عبرت ہے [7]

[5] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دشمنان اسلام کو قصۂ موسیٰ علیہ السلام میں غور کرنا چاہیے۔ جب وہ مدین سے مصر واپسی پر راستے میں طور پہاڑ کے دامن میں وادی مقدس طویٰ میں تھے، تو انہیں اللہ نے ایک درخت میں سے پکارا کہ اے موسیٰ! میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا ہے تو آپ فرعون کے پاس جائیں کیونکہ وہ سرکش ہو کر دعویٰ خدائی کر رہا ہے۔ آپ اسے کہیں کہ اگر تم پاک ہونا چاہتے ہو تو میں تمہیں تمہارے رب کی راہ دکھا سکتا ہوں۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس گئے اور اسے بڑی نشانی دکھائی، یعنی اس کے سامنے اپنا عصا پھینکا تو وہ بڑا اژدھا بن گیا۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں کی اژدھے کو دیکھنے سے چیخیں نکل گئیں، مگر وہ ایمان نہ لایا۔

[6] حضرت سدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری جوانی یوں لوٹ آئے کہ تم کبھی بوڑھے نہ ہو اور تمہاری بادشاہت کبھی ختم نہ ہو اور تمہیں کھانے پینے اور نکاح کی دائمی لذتیں مل جائیں؟ (یعنی مرنے کے بعد یہ نعمتیں تمہیں ملیں) فرعون کو یہ باتیں بھلی لگیں، کہنے لگا: میں ہامان سے مشورہ کرلوں۔ ہامان نے آکر اسے بہکا دیا اس نے کہا: اب تم رب ہو لوگ تمہاری پوجا کرتے ہیں، اگر تم نے موسیٰ کی بات مان لی تو تمہیں کسی دوسرے رب کی پوجا کرنا پڑے گی۔ فرعون بہک گیا اور کہنے لگا میں کسی رب کی عبادت کیسے کروں گا: اَنَا رَبُّکُمُ

الْاَعْلٰی ﴿۲۴﴾ میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۹۸ حدیث ۱۹۱۱۹)

فرعون نے خود کو بڑا رب اس لئے کہا کہ اس نے اپنی شکل کے بت بنا کر اپنی مملکت میں پھیلا رکھے تھے کہ جو شخص اس تک نہ پہنچ سکے وہ اس کے بتوں کو سجدہ کر کے اس کی عبادت بجالائے۔ اس لئے اس نے خود کو بڑا رب کہا۔

[7] جب فرعون کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو اللہ نے اسے ایسے پکڑا کہ دنیا و آخرت میں نشان عبرت بنا دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرعون کے انجام میں خوف والے شخص کے لئے سامان عبرت ہے کہ جو بھی اس کی طرح تکبر، اسلام دشمنی اور ظلم و جبر کا راستہ اپنائے گا وہ ایسے ہی انجام سے دوچار ہوگا۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ
کیا تمہاری تخلیق سخت تر ہے یا آسمان کی جو اللہ نے بنایا؟ اللہ نے اس کی چھت اٹھائی تو اسے برابر کر دیا۔ اور اس کی رات کو
لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا
تاریک رکھا اور اس کے دن کو روشن کر دیا [8] اور اس کے بعد زمین کو پھیلایا۔ اس میں سے اس کا
مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾
پانی اور اس کا چارہ نکالا اور پہاڑ گاڑے، یہ سامان حیات ہے تمہارے لئے اور تمہارے چوپایوں کے لئے [9]۔
فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾
پھر جب بڑا حادثہ آ جائے تو اس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے (دنیا میں) کوشش کی۔
وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾
اور جہنم ہر دیکھنے والے پر ظاہر کر دی جائے گی[10]

قیام قیامت کی دلیل اور اس کے احوال

[8] قیام قیامت کی ایک دلیل پیش کی جا رہی ہے اور منکرین قیامت سے فرمایا جا رہا ہے کہ بتاؤ اللہ پر تمہارا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا پیدا کرنا۔ اللہ کے لئے تو کچھ بھی مشکل نہیں۔ تاہم آسمان کی تخلیق انسانی عقل کو بظاہر زیادہ مشکل نظر آتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس رب نے آسمان کی چھت اُٹھا دی اور اس کی رات کو تاریک اور دن کو روشن کر دیا اس کے لئے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ یہاں رات اور دن کو آسمان کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا

کہ یہ دونوں آسمان کی طرف سے آتے ہیں کیونکہ سورج اوپر سے روشنی ڈالتا ہے تو دن ہو جاتا ہے، جب روشنی لے جاتا ہے تو رات آجاتی ہے۔ اصل میں رات زمین کے اپنے سائے کا نام ہے، زمین گول ہے جب اس پر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو اس کا نصف حصہ روشن ہو جاتا ہے اور دوسرا نصف حصہ خود زمین کے اپنے سائے میں رہتا ہے، اس لیے وہاں رات ہوتی ہے۔

[9] یہ قیامِ قیامت کی دوسری دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بچھایا، پھر اس سے پانی نکالا یعنی چشمے نکالے اور انسان کو یہ عقل دی کہ اس نے کنوئیں کھودے اور ٹیوب ویل لگائے اور یوں اللہ نے زمین سے پانی نکالا، پھر اس پانی سے اللہ نے زمین کو سیراب کر کے اس سے چارا اُگایا۔ یعنی انسانوں کے لئے اناج اور پھل اور جانوروں کے لئے گھاس دانے وغیرہ اُگائے تاکہ انسان وحیوان اللہ کا رزق کھا کر اس کا شکر بجالائیں کہ انہیں سامان حیات دیا گیا ہے۔ تو جو رب زمین میں خشک بیج کو ہرا کر کے اس میں سے درخت نکال سکتا ہے، کیا وہ زمین میں خشک ہڈیوں پر گوشت کا لباس چڑھا کر انہیں بصورتِ انسان نہیں اٹھا سکتا؟ اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ قربِ قیامت میں پہلی بار صور کے پھونکے جانے کے بعد چالیس دن تک گاڑھے پانی کی بارش ہوگی، تو انسانوں کے اجسام زمین سے پودوں کی طرح نکلیں گے۔ پھر جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو اس میں سے ارواح نکلیں گی جو اجسام میں آکر داخل ہوں گی تو وہ زندہ ہو جائیں گے۔ (بخاری ومسلم)

[10] یعنی جب قیامت برپا ہوگی تو ہر انسان کو اس کا نامۂ اعمال دے دیا جائے گا جسے دیکھ کر اسے اپنا ہر عمل یاد آجائے گا کہ اس نے کون سی نیکی یا بدی کب اور کیسے کی؟ اس وقت جہنم ظاہر کر دی جائے گی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَجِایْٓءَ یَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۬ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ ''اس دن جہنم کو لایا جائے گا، اس دن انسان یاد کرے گا مگر اس وقت یاد کرنے کا کیا فائدہ۔'' (فجر، ۲۲)

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝

تو جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی، تو جہنم ہی اس کا ٹھکانہ ہے

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ

اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور نفس کو بری خواہش سے روک لیا تو جنت ہی

هِيَ الْمَاْوٰى ۝ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۝ فِيْمَ اَنْتَ

اس کا ٹھکانہ ہے[11] لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب ٹھہرے گی، آپ کا اس کے بیان سے

مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۝ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۝

کیا تعلق؟ آپ کے رب کی طرف ہی اس کی انتہاء ہے، آپ تو اسی کو ڈرانے والے ہیں جو قیامت سے خوف رکھے[12]

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝

جس دن وہ اسے دیکھیں گے (تو کہیں گے) گویا وہ (دنیا میں) صرف ایک شام یا اس کی صبح رہے تھے[13]

ع ۲

[11] جس نے دنیا میں اللہ و رسول کے احکام سے سرکشی و نافرمانی کی، خواہ بطور کفر یا بطور گناہ اور دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی یعنی وہ دنیا کو سنوارنے کے لئے آخرت کو بگاڑتا رہا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے کفار کے لئے دائمی ٹھکانہ اور گناہگاروں کے لئے عارضی (البتہ توبہ کفر اور گناہ کو مٹا دیتی ہے)۔ اس کے برعکس جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اس نے خود کو کفر یا گناہ کی راہ سے روک لیا، تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی بُرائی

وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ میں یہ درس ہے کہ ہمیں اپنی دنیا کو سنوارنا چاہیے مگر اس طرح نہیں کہ آخرت کو برباد کرلیں۔ جھوٹ، فراڈ، رشوت، سمگلنگ، ذخیرہ اندوزی، سود خوری اور سرکاری مال کی خورد برد سے بہت سا مال جمع کرلینا آخرت کی بربادی ہے۔ نماز کا وقت کاروبار میں لگانا آخرت کی بربادی ہے اور غیبت کر کے زبان کا چسکا لینا آخرت کی بربادی ہے، اللہ ہمیں بُری آخرت سے بچائے۔

خشیتِ الٰہی کی عظمت وفضیلت

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ سے معلوم ہوا کہ

جوشخص کسی گناہ پر قادر ہو، پھر اللہ کے خوف سے اسے چھوڑ دے اس کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین آدمیوں کا قصہ سنایا جو سفر پہ نکلے اور بارش سے بچنے کے لئے غار میں آ چھپے۔ غار کے منہ پر بڑا پتھر آ گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ انہیں موت دکھائی دینے لگی۔ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی میں اسے بہت چاہتا تھا میں نے اس سے بُرائی کا تقاضا کیا، اس نے کہا سو دینار لاؤ۔ میں بڑی کوشش سے سو دینار جمع کر کے لے آیا۔ جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھنے لگا تو اس نے کہا اللہ سے ڈرو اور میری مہر کو ناحق نہ توڑو۔ مجھے خوف آیا اور میں وہاں سے اُٹھ گیا۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیری رضا کے لئے کیا تھا تو ہمیں اس مشکل سے نجات دے دے۔ دوسرے دو آدمیوں نے بھی ایسی ہی دعائیں کیں، اللہ تعالیٰ نے تیز ہوا چلائی جس نے پتھر کو غار کے منہ سے ہٹا دیا اور انہیں نجات دے دی۔

(مسلم کتاب الذکر والدعاء حدیث ۱۰۰)

گویا جو شخص گناہ پر قادر ہو پھر اللہ کے خوف سے اپنا ہاتھ گناہ سے روک لے (خواہ وہ بے حیائی کا گناہ ہو یا حرام کمانے وغیرہ کا گناہ) وہ اللہ کے ہاں ایسا مقبول ہے کہ اللہ اس کی دعا رد نہیں فرماتا۔ حکایت معروف ہے کہ ایک اللہ والے کو ایک نوجوان کے جسم سے ایسی خوشبو محسوس ہوتی تھی جیسے سارا بازار اس سے مہک اٹھا ہو۔ انہوں نے اس سے اس کا سبب پوچھا اس نے بتانے سے انکار کیا، جب ان کا اصرار بڑھا تو اس نے بتایا کہ میں کپڑے کی ایک دکان پر کام کرتا تھا۔ ایک دن وہاں ایک عورت آئی اس نے مجھے دیکھا تو اس کا دل میری طرف کھنچنے لگا۔ اس نے گھر میں جا کر دکان دار کو پیغام بھیجا کہ اپنے ملازم کو چند کپڑے دے کر ہمارے گھر بھیجو کہ جو کپڑا ہمیں اچھا لگے وہ ہم خرید لیں۔ دوکاندار نے مجھے اس کے گھر جانے کا حکم دیا میں اس کے گھر گیا، اس نے مجھ سے بُرائی کا تقاضا کیا اور مجھ پر غالب آنے لگی، میں مشکل میں پھنس گیا۔ میں نے طہارت خانہ میں جانے کی خواہش ظاہر کی۔ وہاں جا کر میں نے اپنے جسم اور کپڑوں پر گندگی مل لی، جب میں باہر نکلا تو اس نے مجھے دیکھ کر پاگل پاگل کا شور مچا دیا مجھ سے دور بھاگی۔ میں نے گھر آ کر غسل کیا اور کپڑے بدلے۔ تب سے میرے جسم سے یہ خوشبو آتی ہے (عیون الحکایات لابن الجوزی)۔ معلوم ہوا کہ اللہ کا خوف جس شخص کو گناہ سے روک دے، وہ اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے۔

ایسے ہی مروی ہے کہ ایک بار خلیفہ ہارون الرشید نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو رات کے وقت اپنے پاس بلایا آپ ڈرے کہ نہ جانے خلیفہ اس وقت رات گئے کیا حکم دے گا۔ آپ گئے، خلیفہ نے کہا میں نے اپنی بیوی زبیدہ سے کہا کہ میں حاکم عادل ہوں لہٰذا جنتی ہوں۔ اس نے کہا تم حاکم ظالم ہو اور دوزخی ہو، اب آپ بتایئے میں جنتی ہوں یا دوزخی؟ آپ نے فرمایا: اے خلیفہ! کیا کبھی ایسا وقت آپ پر آیا ہے کہ آپ بُرائی کرنا چاہتے تھے، مگر اللہ کے خوف سے آپ نے بُرائی سے ہاتھ روک لیا ہو؟ خلیفہ نے کہا ایسا کئی بار ہوا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے خلیفہ! آپ کو بشارت ہو آپ کے لئے دو

جنتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ ''جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر جائے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔'' (رحمان، ۴۶) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خلیفہ نے میرا شکریہ ادا کیا اور اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ (روح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۸)

[12] جب قیامت کے آنے پر کثرت سے زور دیا گیا تو کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بار بار پوچھنے لگے کہ قیامت کب آنے والی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کا اس کے بیان سے کیا تعلق؟ یعنی آپ کی ہرگز یہ ذمہ داری نہیں کہ قیامت کا وقت بتائیں، آپ کا کام تو ڈرانا ہے کہ جو شخص بھی قیامت کا خوف رکھے آپ اسے عذاب قیامت سے ڈرائیں۔ رہا یہ کہ قیامت کب آئے گی تو یہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اگر وہ چاہے تو بتا دے۔

[13] قیامت کا مذاق اُڑانے والے جب پچاس ہزار سال لمبا روز قیامت دیکھیں گے تو انہیں اپنی دنیا کی زندگی، خواہ وہ سو برس ہو یوں لگے گی جیسے وہ ایک شام یا ایک صبح یعنی چند گھنٹے دنیا میں رہے تھے۔

الحمد للہ آج 2 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 30 نومبر 2008ء بروز اتوار بعد نماز عشاء حاضری حج کے دوران مکہ مکرمہ میں سورہ نازعات کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم اجمعین۔

سورۃ عبس

سورہ عبس ترتیب تلاوت میں قرآن کریم کی 80 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول میں 23 ویں سورت ہے، جو سورہ قدر سے قبل اور سورہ نجم کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے۔ چونکہ یہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی کے الفاظ سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۂ عبس کہا گیا۔ اس میں ایک رکوع 42 آیات، 130 کلمات اور 533 حروف ہیں۔

اس سے قبل دو رکوعات والی سورتیں تھیں، جن کا سلسلہ سورۂ ممتحنہ سے شروع ہوا اور نازعات تک آیا۔ اب ایک رکوع والی سورتیں شروع ہو رہی ہیں، جو آخر قرآن تک چلی گئی ہیں۔

مضامین

سورہ عبس کے ابتداء میں وہ واقعہ اشارۃً مذکور ہے جب رسول اللہ ﷺ سرداران قریش کی ایک جماعت کو دعوت دین عطا فرما رہے تھے، اس دوران نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے بار بار کچھ پوچھنے لگے۔ جس سے آپ ﷺ کے قلب اقدس پہ کچھ بوجھ آیا اور آپ کے چہرہ انور پہ ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ چنانچہ سورہ عبس کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ ان مشرکین سے بڑھ کر اس نابینا صحابی کو اہمیت دیں۔

اس کے بعد قرآن کریم کی عظمت بیان کی گئی اور حاملین قرآن کی فضیلت پہ روشنی ڈالی گئی۔ پھر انسان پہ خدائی نعمتوں کا ذکر ہے، پھر قیامت کا منظر نامہ بیان کیا گیا ہے کہ اس دن انسان اپنے بھائی، اپنے والدین اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا اور اسے صرف اپنی ہی پڑی ہوگی۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۴۲ ۸۰ سُورَةُ عَبَس مَكِّيَّةٌ ۲۴ رکوعاتها ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰۤى ۙ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰى ؕ﴿۲﴾ وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۙ﴿۳﴾ اَوۡ

اس نے ماتھے پر بل ڈالا اور رخ پھیرا کہ اس کے پاس نابینا آیا تھا۔ اور آپ کیا جانیں شائد وہ پاکیزگی حاصل کرے یا

يَذَّكَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّكۡرٰى ؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰى ۙ﴿۵﴾ فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰى ؕ﴿۶﴾

نصیحت پکڑے تو اسے نصیحت فائدہ دے مگر جو لاپرواہ ہے آپ اس کی طرف متوجہ ہیں۔ حالانکہ اس کے پاکیزگی

وَمَا عَلَيۡكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنۡ جَآءَكَ يَسۡعٰى ۙ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخۡشٰى ۙ﴿۹﴾ فَاَنۡتَ

نہ پکڑنے سے آپ پر کوئی سوال نہیں اور جو آپ کے پاس دوڑا آتا ہے اور وہ (اللہ سے) ڈرتا ہے آپ اس سے

عَنۡهُ تَلَهّٰى ۚ﴿۱۰﴾

مشغولیت برتتے ہیں۔ [1]

عظمتِ اہل ایمان، فضیلتِ قرآن اور احوال قیامت

[1] اس سورت کی پہلی دس آیات نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفصیل یوں روایت فرمائی ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے آپ اس وقت عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبدالمطلب، ابی بن خلف اور امیہ بن خلف کو دعوت اسلام دے رہے تھے تاکہ وہ اسلام لے آئیں۔ کیونکہ ان کے اسلام لانے سے بہت سے لوگ اسلام لا سکتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ اس دوران بار بار کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کچھ پڑھائیں اور جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے اس میں سے مجھے بھی سکھائیں۔ انہیں علم نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سردارانِ قریش کو دعوتِ اسلام دے رہے ہیں، آپ کے چہرے پر ناگواری پیدا ہوئی، کیونکہ انہوں نے آپ کا سلسلہ کلام منقطع کر دیا تھا حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ خیال

گزرا کہ یہ سرداران قریش کیا کہیں گے کہ ان کے ماننے والے اندھے اور جاہل ہیں۔ آپ ﷺ کے ماتھے پر بل پڑا اور آپ ان لوگوں کی طرف ہی متوجہ رہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ① الخ نازل فرمائی۔

(تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۲۰۹)

ابن جریر نے بھی یہ شان نزول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۳۰ صفحہ ۶۵ حدیث ۱۴۳۲۸)

یعنی اللہ رب العزت نے ابتداء میں ایک مثال فرض کرتے ہوئے غائبانہ انداز میں فرمایا کہ ایک شخص نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا کیونکہ اس کے پاس نابینا آدمی آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کو خطاب کرنے کی بجائے غائبانہ انداز اس لئے اختیار کیا تاکہ حضور ﷺ کے قلب مبارک پر اس پُر تہدید کلام سے بوجھ نہ آئے۔ اس کے بعد اللہ نے آپ ﷺ کی طرف روئے سخن موڑتے ہوئے فرمایا آپ کو کیا خبر شائد یہ نابینا شخص آپ سے پاکیزگی حاصل کرے یا قرآن سے نصیحت پکڑے، جو اس کے کام آئے۔ جبکہ یہ سرداران قریش تو قرآن سے لاپرواہی برتنے والے ہیں اور آپ ان کی طرف متوجہ ہیں۔ حالانکہ اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کریں یعنی اسلام نہ لائیں تو اس سے آپ پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ آپ انہیں پہلے بارہا وعظ کر چکے ہیں، مگر انہوں نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا۔ جبکہ یہ نابینا آدمی آپ کے پاس گرتے پڑتے پوری کوشش سے آتا ہے اور اس کے دل میں خوفِ خدا ہے۔ آپ اس کی طرف توجہ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ناگواری کیوں محسوس فرمائی

یہ واقعہ صاف بتا رہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے حضور سید عالم ﷺ کی گفتگو میں بار بار مخل ہونے کی وجہ سے آپ کے چہرے پر بل پڑا اور ناگواری پیدا ہوئی، جو طبعی اور جائز تھی۔ اور اگر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بینا ہوتے تو وہ اپنے اس عمل پہ قابل عتاب ٹھہرتے، کیونکہ کسی بھی شخص کی گفتگو میں مخل ہوا جائے تو اسے ناگواری ضرور آئے گی، خواہ وہ کسی دنیوی کام میں مشغول ہو۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ تو تبلیغ دین کا کام کر رہے تھے، اس لیے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا آپ کے کام میں مخل ہونا یقیناً باعث ملال واضطراب تھا۔

مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے بہتر امر کی طرف راہنمائی فرمائی، وہ یہ کہ عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ جیسے معذور و نادار آدمی کی دلجوئی سرداران قریش جیسے مالداروں کی رعایت کرنے سے بہتر ہے تاکہ غریب کو اپنی غربت اور معذور کو اپنی لاغری پہ احساس کمتری نہ ہو۔ اور یہ بھی کہ جس کے دل میں جس قدر خلوص ہو وہ اسی قدر رعایت اور توجہ کا مستحق ہے۔ یعنی اللہ نے حضور سید عالم ﷺ کو بہتر سے بہترین کی طرف راہنمائی فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کا ہر عمل جائز اور درست ہوتا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اللہ کے ہاں اس میں مزید بہتری کی گنجائش ہو اور جہاں ایسا ہو وہاں اللہ اپنے نبی کی راہنمائی فرما دیتا ہے۔ اس واقعہ میں کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جس کے سبب

رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ پر کوئی اعتراض یا حرف گیری کی جا سکے۔ اور اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو اسے اپنے ایمان کی خبر لینی چاہیے۔

مروی ہے کہ ایک منافق شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کسی جگہ نماز پڑھاتا تھا اور سورہ عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ① کثرت سے پڑھتا تھا۔ وہ اپنے خیال میں سمجھتا تھا کہ اللہ نے اس جگہ حضور ﷺ کو معاذ اللہ ڈانٹ پلائی ہے۔ وہ یہ آیات پڑھ کر نبی اکرم ﷺ کی شان میں تنقیص کرتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے اسے بلایا، اس کا جرم ثابت ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ اس منافق کا سر اُڑا دیا جائے، تو اس کا سر اُڑا دیا گیا۔

(روح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۳)

عظمتِ انسانیت کا درس

معلوم ہوا اللہ رب العزت کے ہاں مالداروں اور صحت مندوں کی بجائے غریبوں اور معذوروں کا درجہ زیادہ ہے بشرطیکہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرح ان کے دل میں اللہ و رسول کے لئے جذبۂ اطاعت موجزن ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مال و جمال کی بجائے ایمان و اعمال کی اہمیت ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ ''بے شک اللہ کے ہاں تم میں سے وہ معزز تر ہے جو تم میں سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔'' (حجرات، ۱۳) اور اگر کوئی ایمان و عمل کے حاصل ہونے کے ساتھ غریب و معذور بھی ہو جیسے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھے تو اس کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دوسروں سے زیادہ ہے۔

اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''روز قیامت غرباء مالداروں سے پچاس برس قبل جنت میں چلے جائیں گے تو غریبوں کو مبارک ہو۔'' (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۲۳، ترمذی کتاب الایمان باب ۱۳)

فضیلتِ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ نے ان کی حمایت میں دس آیات نازل فرمائیں۔ مروی ہے کہ جب یہ آیات اُتریں تو حضور سرورِ کونین ﷺ دوڑ کر ان کے پیچھے گئے کیونکہ وہ پریشان لوٹے تھے۔ آپ انہیں بلا کر لائے اور اپنی چادر مبارک بچھا کر انہیں اس پر بٹھایا۔ (روح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۳)

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ ان کا بہت لحاظ رکھتے اور فرماتے مرحبا اے وہ شخص! جس کی وجہ سے اللہ نے مجھے متنبہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے والد قیس بن زائدہ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ باہم سگے بہن بھائی ہیں (یعنی وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی تھے) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبداللہ بن عنکثہ ہے مگر انہیں ام مکتوم کہا جاتا تھا ان کی نسبت سے عبداللہ بن ام مکتوم کا نام معروف ہوا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ دور آغاز اسلام میں ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ترغیب سے اسلام لائے۔ پھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوات پر تشریف لے جاتے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ مدینہ طیبہ میں خلیفہ وامام بنا کر جاتے۔ تیرہ غزوات میں انہیں حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ نیابت وامامت کا شرف حاصل ہوا۔ (الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۲۳ مطبوعہ بیروت)

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۟ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۟ۘ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۟ۙ مَّرْفُوْعَةٍ
کیوں نہیں یہ (آیات قرآن) عظیم تذکرہ ہیں۔ تو جو چاہے اس سے نصیحت پکڑے، یہ لائق احترام اونچے رکھے جانے والے
مُّطَهَّرَةٍۭ ۟ۙ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۟ۙ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۟ؕ
پاک صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ اور عزت والے نیکی والے سفیروں کی حفاظت میں ہے [2]

وقف لازم

[2] جب حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا گیا اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۟ؕ کہ شائد وہ نابینا شخص نصیحت پکڑے تو اسے نصیحت نفع دے۔ تو اب فرمایا جا رہا ہے کہ کیوں نہیں، قرآن ایک عظیم نصیحت ہے تو جس کا جی چاہے وہ اس سے نصیحت پکڑ سکتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۟ۙ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۟ۙ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۟ۙ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۟ؕ یعنی یہ قرآن لائق احترام اور اونچے رکھے جانے والے پاک صحیفوں (یعنی ورقوں) میں لکھا جاتا ہے اور عزت والے نیکی والے سفیروں کی حفاظت میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن جن ورقوں پہ لکھا جاتا ہے وہ بھی لائق احترام ہیں انہیں زمین پہ رکھنے کی بجائے کسی اونچی جگہ عزت کے ساتھ رکھنا چاہیے اور انہیں پاک ہاتھوں کے ساتھ باوضو چھونا چاہیے اور جن مومنوں نے اسے اپنے سینوں کی تختیوں پہ لکھا ہے وہ قرآن کے عزت والے نیکی والے سفیر ہیں۔ یہ تفسیر حضرت قتادہ اور وھب بن منبہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (درمنثور)

ایک تفسیر کے مطابق یہاں صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ سے لوح محفوظ مراد ہے اور عزت والے نیکی والے سفیروں سے فرشتے مراد ہیں جو لوح محفوظ میں تقدیریں لکھتے ہیں۔ مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے کیونکہ لوح محفوظ صحیفوں یا ورقوں کی صورت میں نہیں ہے، ہاں قرآن ورقوں کی صورت میں ہے۔

یہاں سے چھ فوائد حاصل ہوئے:

(1) ختم نبوت:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ میں مَنْ برائے عموم ہے یعنی قیامت تک ہر انسان کے لئے قرآن تذکرہ بن کر اترا ہے اور صاحب قرآن رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک ہر انسان کے لئے رسول ہیں لہٰذا آپ کی موجودگی میں کسی نئے

رسول کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے قرآن کے بارے میں فرمایا گیا: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ''وہ تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔'' (تکویر، ۲۷) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں ہی کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (انبیاء، ۱۰۷)

(2) قرآن کریم کو زمین پر رکھنا اس کی عظمت کے خلاف ہے:

مَّرْفُوْعَةٍ سے معلوم ہوا کہ قرآنی تحریر والے ورقوں کے بلند کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اہل عرب عموماً اس ادب سے نا آشنا نظر آتے ہیں اور وہ قرآن کریم کو زمین پر رکھ دیتے ہیں جبکہ یہ ادب برصغیر کے لوگوں میں اولیاء اللہ کی برکت سے بہت زیادہ ہے۔

(3) مَّرْفُوْعَةٍ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی طرف پشت بھی نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں اگر قرآن کریم پشت کی سطح سے بلند ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

(4) قرآن کو بے وضوء ہاتھ نہیں لگانا چاہیے:

مُّطَهَّرَةٍ سے معلوم ہوا کہ قرآنی ورقوں کی پاکیزگی کا خیال رکھتے ہوئے انہیں پاکیزہ ہاتھوں سے چھونا چاہیے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کہ ''قرآن کو صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔'' (واقعہ، ۷۹)

(5) حاملین قرآن کی فضیلت:

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ میں قرآن کے خدام یعنی حفاظ، قراء، مفسرین اور مبلغین کو عزت والے نیکی والے سفیر قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ لوگوں تک اللہ کے سفیر ہیں جو اللہ کا پیغام ان تک پہنچاتے ہیں۔ اس لئے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص عمدہ طریقہ سے قرآن پڑھتا ہے وہ السفرة الكرام البررة کے ساتھ ہوگا (یعنی خدام قرآن کا ساتھی بنا دیا جائے گا) اور جو شخص دقت سے قرآن پڑھے اور اس کے لئے پڑھنا مشکل ہو اس کے لئے دوہرا ثواب ہے (ایک تلاوت کا دوسرا تکلیف اٹھانے کا)۔''

(صحیح بخاری کتاب التوحید باب ۵۲، مسلم کتاب المسافرین حدیث ۲۴۴)

(6) مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ کا مصداق اول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں بلکہ وہ ساری امت کے لئے قرآن کے سفیر ہیں (سفرة سفیر کی جمع ہے) انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سن کر امت کو پہنچایا۔ پھر ان میں سے خلفاء راشدین کا مقام اس حوالے سے بلند تر ہے کیونکہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما نے قرآنی تحریرات کو گواہیوں کے ساتھ جمع کیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان تحریرات کو کتابی شکل میں اتار کر پوری مملکت اسلامیہ میں پھیلایا اور آج تک اس کی نقل در نقل قرآن لکھا جا رہا ہے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قرآن میں اعراب اور نقطے لگوا کر اس کا تمام اہل عجم بلکہ اہل عرب کے لئے پڑھنا

آسان بنادیا تو صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم قرآن کے سب سے بڑے اور سب سے پہلے سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ ہیں ان کی شان میں تنقیص کرنے والا سب سے بڑا بدبخت ہے۔

قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ﴿۱۷﴾ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ
انسان مارا جائے وہ کیا ہی ناشکرا ہے، اللہ نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا؟ ایک نطفہ سے پیدا کیا، پھر اس کی
فَقَدَّرَهُ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ إِذَا شَاءَ
تقدیر لکھی، پھر اس پر راستہ آسان کیا۔ پھر اسے مارا، پھر قبر میں ڈالا۔ پھر جب چاہے گا اسے (قبر سے)
أَنْشَرَهُ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿۲۴﴾ أَنَّا
اٹھالے گا۔ کیوں نہیں۔ اس نے کبھی وہ کام پورا نہیں کیا جو اللہ نے اسے حکم دیا[3] تو انسان کو اپنا کھانا دیکھنا چاہیے۔ کہ ہم نے
صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾
(آسمان سے) خوب پانی انڈیلا۔ پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا
وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿۳۱﴾
پھر اس میں سے دانے ، انگور، لمبے درخت، زیتون، کھجور، گھنے باغات ،پھل اور چارہ اُگایا۔
مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾
یہ تمہارے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے سامان حیات ہے[4]

[3] یہاں قُتِلَ الْإِنْسَانُ میں قرآن ورسول قرآن کا منکر انسان مراد ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ناراضگی کا جملہ بولا کہ وہ مارا جائے یعنی اس پر اللہ کی لعنت ہو وہ کس قدر ناشکرا ہے، اللہ نے اسے نطفہ سے انسان بنا دیا۔ یعنی اگر وہ اپنی اصلیت پر غور کرے تو وہ پانی کے چند قطرے تھا جو پیشاب کی نالیوں سے اچھل کر نکلتے ہیں، پھر وہ اتنا بڑا کیوں بنتا ہے کہ خدا اور رسول کا منکر ہو جاتا ہے؟ آگے اللہ تعالیٰ فرمایا: فَقَدَّرَهُ، یعنی اللہ نے رحم مادر میں اس کی تقدیر لکھ دی، جیسے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ماں کے پیٹ میں فرشتہ تقدیر لکھ کر بچے کے گلے میں ڈال دیتا ہے کہ وہ کتنی روزی حاصل کرے گا، کتنی عمر پائے گا اور بد بخت ہو گا یا نیک بخت۔ (صحیح بخاری کتاب التوحید باب ۸۲)

آگے فرمایا: ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴿۲۰﴾ کہ جب وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر سمجھ دار ہوا تو اللہ نے اس پر رزق

کمانے کا راستہ یا ہدایت کا راستہ آسان کیا۔ پھر اللہ نے اسے مارا اور قبر میں ڈالا، پھر جب چاہے گا اسے قبر سے نکال کر میدان حشر میں کھڑا کر دے گا۔ لہٰذا اسے ہرگز اللہ کی ناشکری نہیں کرنی چاہیے۔ یہاں فَاَقْبَرَهٗ سے معلوم ہوا کہ مردوں کا دفنانا ہی اللہ کو پسند ہے نہ کہ ان کا جلانا۔

[4] انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے کہ وہ کس طرح تیار ہو کر اس کے سامنے آیا ہے۔ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین کو پھاڑ کر اس سے دانے (یعنی گندم چاول وغیرہ) انگور، لمبے درخت، زیتون، نخل خرما، گھنے باغات اور ہر طرح کا پھل اور چارا اُگایا اور یوں انسانوں اور حیوانوں کے لئے سامان حیات فراہم فرمایا۔ تو انسان کا ایسے قدرتوں والے مہربان رب کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی عبادت کرنا کتنا بڑا ظلم، ناشکری اور بدبختی ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾

تو جب وہ خوفناک چنگھاڑ آ جائے، جس دن آدمی اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی

وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ

اور اپنے بچوں سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص کی وہ حالت ہوگی جو اسے (سب سے) بے نیاز کر دے گی [5] تو

يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾

اس دن کچھ چہرے روشن مسکراتے، بشارت سناتے ہوں گے اور کچھ چہروں پہ اس دن غبار ہو گا

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

ان پر سیاہی چڑھی ہوگی وہی بدکار کفار ہیں [6]

ع ۱ / ۴۲ / ۵

[5] جب قیامت بپا ہوگی تو ابتداء میں وہ وقت آئے گا جب ہر انسان اپنے بھائی، والدین، بیوی اور اولاد سے دور بھاگے گا کہ کہیں وہ اس سے کوئی نیکی نہ مانگ لیں کیونکہ اس وقت ہر کسی کو اپنی جان کی فکر پڑی ہوگی اور وہ نفسی نفسی پکار رہا ہو گا حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس وقت شفاعت سے انکار کر دیں گے۔ مگر یہ صورت حال ہمیشہ نہ رہے گی، کیونکہ احادیث صحیحہ کے مطابق پھر ساری مخلوق انسانی سید المرسلین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر آپ سے شفاعت کی فریاد کرے گی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ ربوبیت میں طویل سجدہ کر کے اللہ رب العزت کے غضب کو رحمت میں بدل دیں گے۔ (بخاری) تب نیک اولاد اپنے والدین کی شفاعت کرے گی اور نیک والدین اپنی اولاد کی شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ۔ ”مومنین ہمیشگی

کے باغوں میں داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں سے جو جنت کے لائق ہوں وہ بھی داخل ہوں گے۔'' (رعد، ۲۳)

حدیث مبارکہ کے مطابق لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ (سورہ عبس، آیت ۳۷) یہ اس وقت کی بات ہے جب قیامت کے دن ابتداء میں سب لوگ ننگے اُٹھیں گے۔ ام المؤمنین سیدہ سودا رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت میں سب لوگ ننگے بدن ننگے پاؤں اور بے ختنہ اُٹھیں گے، کہتی ہیں میں نے عرض کیا: وہ کیسا بُرا منظر ہوگا کہ ہر کوئی دوسروں کو ننگے دیکھے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہاں ہر کسی پر وہ حالت ہوگی جو اسے دوسروں سے بے نیاز کر دے گی۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۲۵)

اس کے بعد جب باب شفاعت کھلے گا اور لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے تو انہیں لباس بھی پہنا دیا جائے گا۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''سب سے پہلے جسے لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔'' (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب ۸)

گویا پھر سب کو لباس پہنا دیا جائے گا اور تب وہ ایک دوسرے کی شفاعت بھی کریں گے۔

[6] روز قیامت مومنین میں سے صدیقین، شہداء اور صالحین کے چہرے چمکتے مسکراتے اور اپنی کامیابی کی بشارت سناتے ہوں گے اور کفار کے چہروں پہ کفر کی سیاہی اور بداعمالیوں کا غبار ہوگا۔ اور جب سیاہ چہرہ غبار آلود ہو تو بہت خوفناک ہوتا ہے۔ انہی کے بارے میں کہا گیا: أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ کہ وہ کافر اور بدکار ہوں گے۔ جبکہ گناہ گار مومنین کے چہرے سیاہ تو نہ ہوں گے بلکہ ایمان کی وجہ سے سفید چمکدار ہوں گے البتہ ان پر گناہوں کا غبار ہوگا جو کسی کی شفاعت اور اللہ جل مجدہٗ الکریم کی رحمت کے پانی سے یا جہنم میں کچھ عرصہ گزارنے سے اتر جائے گا اور وہ بے غبار نورانی چہروں کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔

الحمد للہ آج 3 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق یکم دسمبر 2008ء بروز پیر بعد نماز عشاء حاضری حج کے دوران کعبہ شریف کے سامنے بیٹھ کر اس گناہگار و سیاہ کار انسان نے سورہ عبس کی تفسیر مکمل کرنے کا شرف و ثواب حاصل کیا۔ یہ محض اللہ کا کرم اور احسان عظیم ہے کہ اس نے مجھے قرآن کریم کے آخری پارہ کی تفسیر حرم کعبۃ اللہ میں لکھنے کی سعادت عطا فرمائی۔ چونکہ حج کو صرف پانچ دن باقی ہیں اور حج کے بعد مدینہ طیبہ کو روانگی ہے، اس لیے تفسیر کا اختتام ان شاء اللہ مدینہ طیبہ میں ہوگا۔

اللہ رب العزت اس تفسیر کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور اسے میرے لئے باعث نجات بنائے۔

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ وسلم اجمعین۔

سورۃ التکویر

سورۃ التکویر ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم 81 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی چھٹی سورت ہے، جو سورہ الاعلیٰ سے قبل اور سورۃ اللھب کے بعد نازل ہوئی، یہ مکمل مکی سورت ہے۔ چونکہ یہ اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ سے شروع ہوئی اور كُوِّرَتۡ کا مادہ اشتقاق تکویر ہے، اس لئے اسے سورۂ تکویر کہا گیا۔

اس سورت میں ایک رکوع، 29 آیات، 104 کلمات اور 530 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کے آغاز میں قیام قیامت کا منظر کھینچا گیا ہے، کہ جب قیامت قائم ہوگی تو سورج بے نور ہو جائے گا، ستارے جھڑ جائیں گے، پہاڑ چلا دیے جائیں گے، سمندر خشک کر دیے جائیں گے، اور زندہ در گور کی جانے والی بچی سے پوچھا جائے گا کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا تھا، جہنم کو بھڑکایا جائے گا اور جنت کو مومنوں کے قریب کر دیا جائے گا۔ کیونکہ گزشتہ سورتوں میں قیام قیامت کا ذکر چلا آ رہا ہے۔

پھر اللہ رب العزت نے چند قسمیں یاد فرمانے کے بعد قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت پہ روشنی ڈالی ہے کہ یہ عزت والے رسول کا کلام ہے جو مالک عرش کے ہاں بڑا مقام رکھتا ہے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب کی خبریں دینے میں بخیل نہیں ہیں، پھر قرآن کریم کو عالمین کا ذکر قرار دیا گیا ہے۔ اور فرمایا گیا ہے کہ یہ کسی شیطان کا معاذ اللہ کلام نہیں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ کوئی انسان وہی چاہ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے، جو اللہ نہ چاہے وہ کسی اور کے چاہنے سے نہیں ہو سکتا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۲۹ ۸۱ سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ ۷ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳

جب سورج کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے اور جب ستارے جھڑ جائیں اور جب پہاڑ چلا دیئے جائیں [1]

وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَ اِذَا الْبِحَارُ

اور جب دودھ والی اونٹنیاں آزاد چھوڑ دی جائیں [2] اور جب وحشی جانوروں کو جمع کر دیا جائے [3] اور جب سمندر

سُجِّرَتْ ۝۶ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَيِّ

جلا دیئے جائیں اور جب لوگ جوڑے جوڑے کر دیئے جائیں [4] اور جب زندہ دفنائی جانے والی بچی سے پوچھا جائے کہ اسے

ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَ اِذَا

کس گناہ میں قتل کیا گیا تھا [5] اور جب اعمال نامے کھولے جائیں اور جب آسمان کھینچ لیا جائے

الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝۱۴

اور جب جہنم بھڑکا دیا جائے اور جب جنت قریب کر دی جائے تب ہر جان جان جائے گی جو اس نے حاضر کیا [6]۔

قیام قیامت کا حال اور صداقتِ قرآن

[1] یہ اس وقت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے جب قیامت بپا ہو گی اور پہلی بار صور پھونکا جائے گا۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جسے یہ پسند ہے کہ قیامت کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھے، وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ تکویر باب ۱)

قیامت میں سورج کے لپیٹے جانے کا معنیٰ

یاد رہے سورج کے لپیٹے جانے کا یہ معنیٰ ہے کہ اسے کسی چیز میں لپیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ حضرت ابو مریم

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۞ کے متعلق فرمایا کورت فی جھنم یعنی سورج کو لپیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ کا معنی ہے انکدرت فی جھنم کر ستارے جہنم میں جھڑ جائیں گے۔ اور جس چیز کو بھی دنیا میں پوجا جاتا ہے اسے جہنم میں پھینکا جائے گا، سوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۰۲ حدیث ۱۹۱۴۱)

مطلب یہ ہے کہ سورج اور ستارے جہنم میں اپنی تپش سے ان لوگوں کو جلائیں گے جنہوں نے دنیا میں ان کی پوجا کی تھی، اسی طرح جن پتھروں کو پوجا گیا انہیں گرم کر کے ان سے ان کے پجاریوں کے جسموں کو داغا جائے گا۔ اور چونکہ سورج کو جہنم میں لپیٹ کر ڈالا جائے گا اس لئے جہنم میں کوئی روشنی نہ ہوگی البتہ سورج کی حدت وتمازت قائم رہے گی جو سورج کے پجاریوں کو اور دیگر سب کفار کو ایذاء دے گی، کیونکہ کسی گرم ترین چیز کے لپیٹ دیئے جانے سے اس کی روشنی تو ختم ہو سکتی ہے مگر حدت نہیں۔ آگے فرمایا گیا: وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۞ یعنی جب صور پھونکا جائے گا تو پہاڑ روئی کے گولے بن کر اُڑ جائیں گے۔ قرآن نے فرمایا: وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۞ (القارعہ، ۵)

[2] یعنی جب صور پھونکا جائے گا تو لوگ اپنی دودھ دینے والی اونٹنیوں کو آزاد چھوڑ کر بھاگ اُٹھیں گے۔ یہ اس لئے کہا کہ اہل عرب کو دودھ دینے والی اونٹنیاں اپنے سارے مال سے زیادہ محبوب ہوتی تھیں مقصد یہ ہے کہ صور کے پھونکے جانے پر لوگ دیوانہ وار بھاگ اُٹھیں گے۔ ایسے میں کسی کو اپنے اونٹوں کی کیا ہوش ہوگی۔

[3] روز قیامت سب جانوروں کو بھی زندہ کیا جائے گا اور وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا بدلہ لیں گے، جس جانور پر کسی انسان یا دوسرے جانور نے زیادتی کی ہوگی وہ اسے اپنے سینگوں اور کھروں سے مار مار کر اپنا بدلہ لے گا۔ اس کے بعد سب جانوروں کو خاک بنا دیا جائے گا۔ تب ہر کافر کہے گا يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۞ ''اے کاش میں بھی مٹی بن جاتا۔'' (نباء، ۴۰) مگر وہ مٹی نہیں بن سکے گا۔

[4] جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو ساری زمین کے سمندروں میں آگ لگ جائے گی اور ان میں پانی کی بوند بھی نہیں رہے گی اور باقی زمین کے پہاڑ دھول بن کر اُڑ جائیں گے اور ساری زمین ایک چٹیل میدان بن جائے گی (وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۞ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ (سورہ انشقاق، ۳)

آگے فرمایا گیا: وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۞ کہ جب لوگ جوڑا جوڑا بنا دیئے جائیں گے یعنی ہر انسان کو اس گروہ کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا جس کے ساتھ اس کا عمل ملتا ہوگا، خواہ وہ اچھا عمل ہو یا بُرا۔ چنانچہ جن کو نماز سے زیادہ محبت ہے وہ اکٹھے بلائے جائیں گے، اسی طرح روزہ داروں کو اکٹھے بلایا جائے گا۔

اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں نمازیوں کو باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا، روزہ داروں کو باب الریان سے پکار آئے گی اور سخی لوگوں کو باب الصدقہ سے ندا آئے گی۔ (صحیح بخاری)

[5] ظہور اسلام سے قبل اہل عرب اپنی بچیوں کو بھوک کے خوف سے زندہ دفنا دیتے تھے ایسی بچی کو موءودۃ کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ روز قیامت اس بچی سے پوچھا جائے گا کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا تھا؟ حالانکہ اللہ رب العزت سب کچھ جانتا ہے، مگر یہ پوچھنا اس لئے ہوگا تاکہ اس بچی کے قاتل کو سب لوگوں کے سامنے شرمسار و رسوا کیا جائے۔

غربت کے خوف سے خاندانی منصوبہ بندی کی حرمت

اہل جاہلیت نے بھوک کے خوف سے بچیوں کو زندہ دفنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے یہ آیت اتاری اور یہ بھی فرمایا: لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۚ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ ''اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے مت قتل کرو ہم تمہیں اور انہیں رزق دیتے ہیں۔'' (انعام، ۱۵۱) دور جاہلیت کی اس جہالت نے آج کے تعلیم یافتہ لوگوں کے دلوں میں انگڑائی لی اور انہوں نے خاندانی منصوبہ بندی (Birth Control) پر زور دینا شروع کیا کہ بچے کم پیدا کرو اور آبادی پر کنٹرول رکھو، ورنہ اتنے انسانوں کے لئے رزق کہاں سے آئے گا؟ یہ جاہلانہ و کافرانہ سوچ ہے اور اس مقصد سے منصوبہ بندی حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے قرآن کا آغاز کر کے ابتداء قرآن ہی میں بتادیا کہ ساری کائنات کا پالنے والا اللہ ہے وہ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ہے۔ اور یہ لوگ مسلمان ہو کر قرآن کی پہلی آیت کا درس بھول گئے۔ دیکھو اللہ رب العزت نے کھانے والا منہ ایک اور کمانے والے ہاتھ دو دیئے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ کوئی بھوکا رہ جائے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ ''زمین پر چلنے والی ہر مخلوق کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔'' (ہود، ٦) پھر بھوک کے خوف سے خاندانی منصوبہ بندی کا کیا جواز ہے۔

بعض طبی و اخلاقی بنیادوں پہ خاندانی منصوبہ بندی کی اجازت

البتہ بعض طبی و اخلاقی وجوہ سے برتھ کنٹرول کا جواز ہے، مثلاً جو عورت جتنے بچے زیادہ پیدا کرے اس کی صحت عموماً تیزی سے گرتی ہے اور بیمار عورت سے بچے بھی بیمار پیدا ہوتے ہیں۔ تو اس نیت سے برتھ کنٹرول کرنا تاکہ عورت کی صحت جلدی نہ گرے اور وہ بیماریوں کا شکار نہ ہو اور لاغر و کمزور بچے پیدا نہ کرے، جائز ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ عورت کی صحت اور خوبصورتی کے جلد ختم ہو جانے سے اس کی طرف مرد کی رغبت کم ہو جاتی ہے۔ اور اگر وہ دوسری شادی نہ کر سکتا ہو تو اس کے برائیوں میں مبتلا ہونے کے خدشات بڑھ جاتے ہیں اور زوجین کے درمیان الفت کم ہو جاتی ہے اور زوجیت کا رشتہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اور یہ رشتہ ہی پورے اسلامی معاشرے کی مضبوطی کی بنیاد ہے، اگر یہ کمزور ہو تو مغربی معاشرے والی بے حیائی رواج پاتی ہے۔ لہٰذا اس غرض سے برتھ کنٹرول کرنا کہ عورت کی صحت نہ گرے اور مرد کی رغبت اس کی طرف کم نہ پڑے، جائز ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ اگر ایک بچے کی شیر خوارگی میں عورت کو دوسرا حمل ہو جائے تو اس کا دودھ خراب ہو جاتا ہے اور پہلے بچے کو کامل غذا نہیں مل سکتی۔ ان طبی و اخلاقی وجوہ سے منصوبہ بندی کے جواز پر سب علماء کا اتفاق ہے۔

دورِ رسالت و دورِ صحابہ میں بھی اس کا وجود بصورت عزل ثابت ہے۔ عزل یہ ہے کہ مرد اپنا مادہ منویہ باہر گرا دے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا کُنَّا نَعْزِلُ وَالقرآنُ یَنْزِلُ ہم عزل کرتے تھے جب کہ قرآن اُتر رہا تھا۔
(صحیح بخاری کتاب النکاح باب ۹۷)

یعنی اگر عزل حرام ہوتا تو قرآن ہمیں اس سے روک دیتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آزاد عورت کی اجازت کے بغیر اس سے عزل نہ کرو۔" (ابن ماجہ کتاب النکاح باب ۳۰ حدیث ۱۹۲۷)

گویا آزاد عورت کی اجازت سے اور لونڈی کی اجازت کے بغیر مطلقاً عزل جائز ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میری لونڈی ہے جو ہماری خدمت و نگہداشت کرتی ہے میں اس سے مباشرت کرتا ہوں اور مجھے اس کا حاملہ ہو جانا پسند نہیں ہے (تاکہ خدمت کا سلسلہ موقوف نہ ہو) آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو عزل کرلو، کیونکہ تقدیر میں جو لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔
(صحیح مسلم کتاب النکاح حدیث ۱۳۴)

گویا حضور ﷺ نے طبی و اخلاقی وجوہ سے برتھ کنٹرول کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور دور حاضر میں کنڈوم (Condom) کا استعمال اور مانع حمل گولیاں کھانا عزل ہی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں، بشرطیکہ ان کا مقصد عورت کی صحت بحال رکھنا ہو اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ زیادہ بچوں کو کون کھلائے گا، تو پھر یہ حرام ہے۔ اِنَّمَا الاُمُورُ بِمَقَاصِدِھَا۔

یہ بھی یاد رکھا جائے کہ مستقل نس بندی کہ مرد یا عورت کی ولادت کی اہلیت ختم ہو جائے، حرام ہے۔ کیونکہ یہ تخلیق خداوندی میں تغییر ہے اور جب ماں کے پیٹ میں بچے میں روح پڑ جائے تو اس کا اسقاط بھی حرام اور قتل کے زمرے میں ہے۔ ہاں اگر اس کے بغیر عورت کی جان جاتی ہو تو معاملہ مختلف ہے۔ پھر اسقاط جائز ہے۔

اسلام نے عورت کو حرمت و حفاظت دی ہے

جس معاشرہ میں بچی کو قتل کیا جاتا تھا اسی ماحول کے لوگ اسلام کی برکت سے بچیوں سے پیار کرنے لگے۔ اگر اسلام نہ آتا تو نہ جانے مزید کتنے ہزار یا کتنے لاکھ بچیاں قتل ہو جاتیں۔ اور نہ جانے کب تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔

[6] قیامت کے دن اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے، آسمان لپیٹ دیا جائے گا، جہنم بھڑکا دی جائے گی اور جنت کو مومنین کے قریب کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ "جنت متقین کے قریب کر دی جائے گی۔" (شعراء، ۹۰) تب ہر جان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے کیا عمل حاضر کیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ "جس دن ہر جان اپنے ہر اچھے اور

برے عمل کو حاضر پائے گی۔'' (آل عمران، ۳۰)

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ﴿۱۷﴾
تو مجھے قسم ہے چھپے ہوئے ستاروں کی جو چلتے اور چھپتے ہیں اور رات کی جب وہ لوٹ جائے
وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ﴿۱۹﴾ ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى
اور صبح کی جب وہ دم مارے [7] بے شک قرآن عزت والے رسول کا کلام ہے جو قوت والا اور عرش کے رب کے ہاں
الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍ ﴿۲۱﴾
بڑے مقام والا ہے۔ اس کی وہاں اطاعت کی جاتی ہے اور وہ امانت دار ہے۔ [8]

[7] خُنَّس خانسةٌ (بمعنی چھپنے والی چیز) کی جمع ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک الجوار الکنس ان جنگلی ہرنوں کو کہتے ہیں جو بھاگتے نظر آتے ہیں اور جب کسی انسان کو دیکھ لیں تو فوراً چھپ جاتے ہیں: الجوار جارية کی جمع ہے یعنی بھاگنے والے جانور اور کُنّس کناس بمعنی چھپنا سے ہے۔

جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک یہاں فَلَآ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ سے پانچ سیاروں زحل، مشتری، عطارد، مریخ اور زہرہ کی قسم مراد ہے۔ (ابن ابی حاتم)

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان پانچ کے ساتھ شمس وقمر کو ملاتے ہوئے سات سیاروں کا ذکر کیا ہے۔

(درمنثور بروایت ابن مردویہ، وخطیب وغیرہما)

یہ سیارے بھی کبھی نظر آتے، کبھی چھپ جاتے ہیں، رات کو نظر آتے ہیں دن کو چھپ جاتے ہیں۔ چونکہ ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت پر عظیم الشان دلیل ہے۔ اس لئے ان کی قسم اٹھائی گئی اور یہ تفسیر زیادہ قوی نظر آتی ہے کیونکہ اس کے بعد رات اور صبح کی قسم یاد کی گئی ہے اور رات اور صبح کا ان سیاروں سے گہرا تعلق ہے۔

افلاک کے سیارگان کی تفصیل

یاد رہے قدیم اہل فلکیات زمین کے علاوہ مذکورہ پانچ سیارگان قرار دیتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی انہی پانچ کا نام لیا ہے اور زمین سمیت یہ چھ ہیں جو سورج کے گرد اپنے اپنے مدار میں اپنی اپنی رفتار سے چکر لگاتے ہیں۔ اور جدید سائنس نے تین مزید سیارے یورنیس، نیپٹیون اور پلوٹو بھی دریافت کئے ہیں، تو کل نو سیارے ہیں جو سورج کے گرد گھومتے ہیں۔

اول: ان میں سورج سے سب سے قریب تر عطارد (Mercury) ہے۔اس کی سورج سے دوری تین کروڑ انسٹھ لاکھ اسی ہزار میل ہے، یہ 88 دنوں میں سورج کے گرد ایک چکر پورا کرتا ہے۔

دوسرے نمبر پر زہرہ (Venus) ہے اس کا سورج سے فاصلہ چھ کروڑ بہتر لاکھ تیس ہزار میل ہے۔ یہ دوسو پچیس دنوں میں سورج کے گرد ایک گردش پوری کرتا ہے۔ گویا ہر سیارہ سورج سے جس قدر دور ہے، اس کا مدار اتنا ہی بڑا اور ایک گردش کا دورانیہ اتنا ہی طویل ہے۔

تیسرا سیارہ زمین ہے اس کا سورج سے فاصلہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، کیونکہ سورج کے گرد اس کا مدار بیضوی شکل کا ہے۔ اس کے مدار کی لمبائی چھپن کروڑ چھیانویں لاکھ دس ہزار میل ہے۔ گرمیوں میں یہ سورج کے قریب ہوتی ہے تو اس کا سورج سے فاصلہ نو کروڑ چودہ لاکھ میل ہوتا ہے اور سردیوں میں دور ہوتی ہے تب اس کا زیادہ سے زیادہ فاصلہ نو کروڑ پتنالیس لاکھ ہو جاتا ہے۔ یہ اپنے مدار میں تین سو پینسٹھ دنوں میں سورج کے گرد ایک چکر پورا کرتی ہے، اسی کو شمسی سال کہا جاتا ہے۔ زمین اپنے محور پر لٹو کی طرح گول گردش بھی کر رہی ہے، اسی سے دن رات بنتے ہیں جس حصے پر سورج کی شعائیں پڑتی ہیں وہ روشن اور دوسرا حصہ تاریک ہوتا ہے۔ اس کی ایک محوری گردش 24 گھنٹوں میں مکمل ہوتی ہے اسی کو ایک دن اور ایک رات کہتے ہیں۔

چوتھا سیارہ مریخ (Mars) ہے۔ یہ سورج سے فاصلہ میں چوتھے نمبر پر ہے۔ اس کی سورج سے دوری چودہ کروڑ دس لاکھ میل ہے یہ 686 دنوں میں سورج کے گرد ایک گردش پوری کرتا ہے۔

پانچواں سیارہ مشتری (Jupiter) ہے۔ یہ سورج سے اڑتالیس کروڑ چھتیس لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ سورج کے گرد اس کی گردش چار ہزار تین سو بتیس دنوں میں پوری ہوتی ہے۔ سورج سے دوری کے سبب مشتری پر سردی بہت زیادہ ہے یعنی منفی 257 سینٹی گریڈ۔

چھٹا سیارہ زحل (Saturn) یہ سورج سے اٹھاسی کروڑ بیاسی لاکھ میل دور ہے۔ یہ زمین سے آٹھ گناہ بڑا سیارہ ہے۔

ساتواں سیارہ یورینس (Uranus) ہے یہ سورج سے ایک ارب اٹھتر کروڑ چونسٹھ لاکھ میل دور ہے۔ یہ زمین سے پانچ گناہ بڑا سیارہ ہے۔ یہ اپنے مدار میں تیس ہزار چھ سو پچاس دنوں میں ایک گردش پوری کرتا ہے۔

آٹھواں سیارہ نیپچون (Neptune) ہے۔ یہ سورج سے دو ارب اٹھتر کروڑ اٹھانویں لاکھ میل کی دوری پر ہے۔ یہ زمین سے چار گناہ بڑا ہے۔

نواں سیارہ پلوٹو (Pluto) ہے یہ سورج سے دور ترین سیارہ ہے یعنی تین ارب چھیاسٹھ کروڑ باسٹھ لاکھ میل کی دوری پر ہے، یہ حجم میں سب سے چھوٹا سیارہ ہے یہ زمین سے سات گنا چھوٹا ہے۔ سورج سے دور ترین ہونے کے سبب اس کی اپنے مدار میں گردش انتہائی سست ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم اٹھائی جب وہ واپس لوٹنے۔ اور صبح کی قسم اٹھائی جب وہ دم مارے یعنی طلوع ہو یعنی جب رات جائے اور صبح آئے۔ چونکہ یہ وقت بتاتا ہے کہ سلسلہ شب و روز اللہ کے حکم سے چل رہا ہے اور یہ کہ نور اسلام کی صبح طلوع ہونے سے شب کفر کی تاریکی ختم ہونے والی ہے۔ اس لئے اس وقت کی قسم اٹھائی گئی اور اس لئے بھی کہ اسی وقت میں سید المرسلین ﷺ کی ولادت ہوئی۔

[8] اللہ نے سیارگان اور رات و صبح کے آنے جانے کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ قرآن معزز رسول جبریل علیہ السلام کا قول ہے جو بڑی قوت والے اور اللہ کے ہاں بڑے مقام والے ہیں اور تمام آسمانی مخلوق ان کی اطاعت کرتی ہے اور وہ وحی کے لانے میں امین ہیں۔ قول اس لئے کہا کہ قرآن لکھا ہوا نہیں اُترا بلکہ جبریل علیہ السلام نے حضور سرورِ کونین ﷺ پر پڑھ کر اتارا۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ سے رسول اللہ ﷺ کا مراد ہونا زیادہ واضح ہے

امام قرطبی کے نزدیک اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے حضور سید المرسلین ﷺ مراد ہیں۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۹ صفحہ ۲۴۰) اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں اور امام ابو حیان اندلسی نے البحر المحیط میں، نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے فتح البیان میں و دیگر بعض مفسرین نے بھی اس جگہ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ میں رسول اللہ ﷺ کو مراد لیا ہے۔

بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ قرآن کو رسول اللہ ﷺ کا قول قرار دیا ہے اور وہاں آپ کو رسول کریم ہی کہہ کر یاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ”بیشک یہ قرآن رسول کریم ﷺ کا کلام ہے وہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے تم کتنا کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے تم کس قدر کم نصیحت پکڑتے ہو“ (الحاقہ ۴۰)

پھر آگے وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ کہ تمہارے صاحب یعنی رسول اللہ مجنون نہیں ہیں، میں بھی رسول اللہ ﷺ ہی کا ذکر ہے یہ بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ سے بھی نبی کریم ﷺ ہی مراد ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی قوت و عظمت

اس طرح معنی یہ ہوا کہ قرآن حضور ﷺ کی زبان سے نکلا ہوا کلام ہے۔ آپ بڑی قوت والے ہیں کہ اس قرآن کو آپ ﷺ نے اپنے دل پر حاصل کیا کہ اگر وہ پہاڑوں پر اتارا جاتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ (حشر ۲۱) سرکار دو عالم ﷺ کی قوت کا یہ عالم ہے کہ سارا عرب آپ کی مخالفت پر کھڑا ہو گیا، مگر آپ ﷺ کی جرأت و بہادری بڑھتی گئی حتیٰ کہ سب دشمن آپ کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ اور حضور سید عالم ﷺ عرش والے رب کے حضور کس قدر عزت والے ہیں اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے اقرار لیا کہ رسول اللہ ﷺ کے آنے پر وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ

کی مدد کرے۔ (آل عمران، ۸۱) ہر نبی آپ کی آمد کی بشارت دیتا رہا: يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔ (اعراف، ۱۵۷) سارا قرآن آپ کی فضیلت میں اتارا گیا۔ اللہ نے کہیں آپ کو نام لے کر نہ پکارا بلکہ القاب سے یاد فرمایا اور روز قیامت آپ کے ہاتھ میں لواء حمد ہوگا اور سب انبیاء اس کے نیچے کھڑے ہوں گے، اور آپ ایسے مطاع ہیں کہ انسان تو کجا جانور بھی آپ کا حکم مانتے ہیں حتیٰ کہ آپ کے حکم پر سورج لوٹ آیا اور چاند شق ہوگیا اور آپ ایسے امین ہیں کہ اعلان نبوت سے قبل آپ کا لقب ہی الصادق الامین تھا۔

لہٰذا اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝۱۹ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝۲۰ کا مصداق اگر آپ کو مانا جائے تو بہت ہی خوب ہے اور اگلی آیات بھی آپ ہی کے بارے میں ہیں، اس لیے ان آیات میں بھی آپ ہی کا مراد ہونا واضح تر ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲۲ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝۲۳ وَمَا هُوَ عَلَى
اور تمہارے صاحب (محمد ﷺ) مجنون نہیں ہیں [9] انہوں نے اللہ کو روشن کنارے پر دیکھا اور وہ غیب کے
الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝۲۴ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝۲۵ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝۲۶
بتانے میں بخیل نہیں ہیں [10] اور قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں ہے تو تم کدھر جاتے ہو۔
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۲۷ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝۲۸ وَمَا
وہ تمام جہانوں کے لئے ذکر ہی تو ہے یعنی ہر اس کے لئے جو سیدھی راہ پہ چلنا چاہے اور تم
تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۹
کچھ نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ [11]

ع ۱

[9] کفار نے کہا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ "اے وہ شخص جس پر ذکر اتارا گیا تم مجنون ہو۔" (حجر، ۶) اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲۲ ایک اور جگہ فرمایا: مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ (ن، ۲)

[10] وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝۲۳ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو روشن کنارے پر دیکھا یعنی راٰہ میں ضمیر مفعول کا مرجع رسولٍ کریمٍ ہے اور اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں اور یہ اس وقت ہوا جب آغاز اسلام میں کچھ عرصہ وحی کے موقوف ہونے کے بعد جبریل علیہ السلام آپ ﷺ پر یوں نمودار ہوئے کہ وہ آسمان میں ایک بڑی

کرسی پر بیٹھے تھے، یہ ہیبت ناک منظر دیکھ کر آپ ﷺ پر خوف طاری ہوگیا اور گھر آ کر کہا زَمِّلُونِی زَمِّلُونِی مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو۔ تب یٰٓاَیُّہَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہوئی پھر لگا تار وحی اُترنے لگی۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ مدثر حدیث ۴۹۲۵)

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ رب العزت کو شب معراج بلند کنارے پر یعنی عرش سے اوپر جا کر دیکھا اور یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تفسیر ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۹ صفحہ ۲۴۲)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور ﷺ (جو و لقد راٰہ میں راٰ کی ضمیر فاعل کا مرجع ہیں) غیب کے بتانے میں بخیل نہیں ہیں یعنی قرآن نازل ہو کر آپ پر غیب کے خزانے کھولتا ہے جسے آپ امت پر لٹاتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قیامت تک ہونے والے تمام اہم واقعات کی خبر دے دی بلکہ قیامت کے احوال بھی بتا دیئے۔ معلوم ہوا علم غیب نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے اس سے انکار کفر ہے۔

[11] کفار مکہ کہتے تھے کہ معاذ اللہ حضور ﷺ پر کسی جن یا شیطان کا سایہ ہے اور وہ آپ کو کلام سکھاتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کسی مردود شیطان کا کلام نہیں ہے، تو تم کدھر بھٹکتے ہو۔ بلکہ یہ رب العالمین کی طرف سے ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے تو جو شخص بھی سیدھی راہ پر چلنا چاہے اس کے لئے قرآن ذکر بن کر اترا ہے۔ تاہم تمہارا چاہنا تب ہی کامیاب ہے جب اللہ چاہے یعنی اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو قرآن سے ہدایت نہیں مل سکتی۔

اس سے حضور ﷺ کی عالمگیر رسالت کا علم ہوا، کیونکہ قرآن ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ (تمام جہانوں کے لئے نصیحت) ہے اور لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ﴿۲۸﴾ میں من کی عمومیت بتاتی ہے کہ قرآن تا قیامت ہر انسان کے لئے ہادی ہے تو صاحبِ قرآن رسول ﷺ تا قیامت تمام انسانیت کے لئے رسول ہیں۔ لہٰذا آپ کے بعد کسی نئے رسول کی ضرورت نہیں۔

الحمدللہ آج 4 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 2 دسمبر 2008ء بروز منگل نماز فجر کے بعد مکہ مکرمہ میں سورہ تکویر کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم اجمعین۔

سورۃ الانفطار

سورۃ الانفطار ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 82ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 81ویں سورت ہے، جو سورہ انشقاق سے قبل اور سورہ نازعات کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے اور چونکہ یہ سورت اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۂ انفطار کہتے ہیں۔

اس سورت میں ایک رکوع، 19 آیات، 80 کلمات، 327 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت میں بھی گزشتہ سورتوں کی طرح پہلے قیام قیامت کا ذکر ہے، کہ جب قیامت قائم ہوگی تو آسمان پھٹ جائے گا، ستارے جھڑ جائیں گے، سمندر خالی ہوجائیں گے، وغیرہ۔ پھر وہ وقت یاد دلایا گیا ہے جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور فرمایا گیا ہے کہ اے انسان! تو اپنے رب کریم کی طرف سے کیوں غفلت میں مبتلا ہے۔ پھر انسان کے ساتھ مامور فرشتوں کراماً کاتبین کا ذکر ہے کہ لوگ جو کچھ افعال کرتے ہیں انہیں ہر چیز کی خبر ہے اور اس کے ساتھ اہل جنت واہل نار کے اپنے اپنے انجام کا بیان ہے کہ جو نیکوکار لوگ ہیں وہ جنت کی نعمتوں میں ہونگے اور کفار بھڑکتی آگ میں۔ پھر آخر میں روز قیامت انسان کی بے بسی بتائی گئی ہے کہ اس دن کوئی جان کسی جان پہ کوئی اختیار اور قبضہ نہیں رکھے گی، کیونکہ سب عالم حکم الٰہی کا پابند ہے اور خصوصاً روز قیامت کسی کا کوئی ظاہری اختیار بھی نہ ہوگا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتہا ۱۹ ۸۲ سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ ۸۲ رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ وَ اِذَا الْبِحَارُ

جب آسمان پھٹ جائے اور جب ستارے جھڑ جائیں [1] اور جب سمندر پھاڑ دیئے جائیں [2] اور جب قبریں

فُجِّرَتْ ۝۳ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ۝۵

کھول دی جائیں تب ہر جان جان لے گی جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا [3]

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝۶ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ

اے انسان! تیرے مہربان رب کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے؟[4] یعنی وہ رب جس نے تجھے پیدا کیا

فَعَدَلَكَ ۝۷ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ۝۹

پھر اس نے تیرے اعضا مکمل کئے، پھر تجھے معتدل شکل دی اور جس صورت میں اس نے چاہا تجھے ترکیب دی [5]

وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۝۱۱ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲

کیوں نہیں، بلکہ تم انصاف کو جھٹلاتے ہو اور بے شک تم پر محافظ مقرر ہیں یعنی معزز کاتبین جو جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو [6]

قیامت کی منظر کشی اور کارزارِ حیات کا انجام

[1] یعنی جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جو اس کی زینت ہیں جھڑ جائیں گے۔

[2] مراد یہ ہے کہ زمین پر ایسا خوفناک زلزلہ آئے گا کہ سب سمندر پھٹ کر ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں گے، کیونکہ ساتوں براعظم ٹوٹ پھوٹ کر ایک بن جائیں گے۔ ایسے میں زمین کے اندر دبی ہوئی خوفناک گرم گیسیں (Gases) اس طرح اُٹھیں گی کہ سب سمندر جل کر خاک ہو جائیں گے۔

[3] اس کے بعد دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب مُردے قبروں سے باہر آ جائیں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ثُمَّ نُفِخَ فِيۡهِ اُخۡرٰى فَاِذَا هُمۡ قِيَامٌ يَّنۡظُرُوۡنَ۝۶۸ ''پھر صور میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو لوگ (قبروں سے نکل کر) کھڑے دیکھتے ہوں گے۔'' (زمر، ۶۸) اور جو لوگ قبروں میں نہیں دفن کئے گئے تھے تو حدیث مبارکہ کے مطابق ان کی کمر کی ہڈی عجب الذنب (حرام مغز) جہاں ہوگی انہیں وہیں سے اٹھالیا جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تب ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔ یعنی جو مال راہ خدا میں دے کر اس نے اپنے لئے آگے بھیجا اور جو وارثوں کے لئے پیچھے چھوڑ دیا یا جو فرائض واحکام وہ بجالایا اور جو اس نے ترک کر دیئے۔

[4] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے انسان! جب تمہارا رب اس قدر کریم ہے تو تم اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف کیوں متوجہ ہوتے ہو یعنی اپنی حاجات کو دوسروں سے کیوں وابستہ کرتے ہو، یا یہ کہ تم اپنے رب کریم کے حکم کو بھول کر شیطان اور نفس کی بات پہ کیوں لگ جاتے ہو؟

اہل دل کو وجد میں لانے والی آیت

یہ آیت اہل دل کو وجد میں لاتی ہے اور ان کے دل اپنے رب کریم کی محبت میں مچلنے لگتے ہیں۔ حکایت ہے کہ ایک عورت کسی قاضی کے پاس آئی اور کہا کہ اس کے شوہر نے دوسری شادی کر لی ہے۔ قاضی نے کہا: اسے چار شادیوں کی اجازت ہے۔ عورت نے کہا اگر شریعت کا حجاب اور میری حیا مانع نہ ہو تو میں آپ کو اپنا حسن و جمال دکھاؤں، پھر آپ سے پوچھوں کہ جس شخص کے پاس اس قدر حسن و جمال والی بیوی ہو، کیا اسے کسی غیر کی طرف متوجہ ہونا اچھا ہے؟ یہ بات کسی اہل دل نے سنی تو اس نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا، ہوش آنے کے بعد اس نے کہا مجھے غیب سے آواز آئی کیا تم نے اس عورت کی بات نہیں سنی؟ اللہ بھی یہی فرماتا ہے کہ اے انسان! اگر میری کبریائی وعظمت کا حجاب نہ ہو تو میں تمہیں اپنا جمال وکمال دکھاؤں، پھر تم سے پوچھوں جس کا ایسا جمیل وکریم مولا ہو، کیا اسے غیر کی طرف متوجہ ہونا جائز ہے؟ (روح البیان)

اسی لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب آدمی نماز میں اللہ کے حضور کھڑے ہو کر دوسرے خیالات میں مشغول ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اے بندے! تم کس کی طرف متوجہ ہو کیا مجھ سے کوئی بہتر ہے؟ میری طرف توجہ کرو، جب بندہ دوبارہ ایسا ہی کرتا ہے تو اللہ اسے پھر یہی پکارتا ہے جب وہ تیسری بار اللہ سے توجہ ہٹاتا ہے تو اللہ بھی اس سے توجہ ہٹالیتا ہے۔ (مظہری بروایت بزار جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۴) تو انسان کو چاہیے کہ نماز کو کامل خشوع کے ساتھ پڑھے۔

[5] یعنی اے انسان! تو اپنے اس رب کریم سے کیوں غفلت میں ہے جس نے تجھے رحم مادر میں پیدا کیا، پھر تیرے اعضاء مکمل کئے، پھر تیرے مزاج کا اعتدال کیا یعنی صفرا، یبوست، رطوبت اور سودا اور دیگر مزاجات کو ملا کر معتدل کیا، پھر تجھے جس صورت میں چاہا ڈھال دیا یعنی اللہ نے تمہیں جو صورت چاہی دے دی۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب نطفہ رحم

مادر میں قرار پاتا ہے تو اس سے لے کر آدم علیہ السلام تک اس کے سارے نسب کو اللہ اس کے سامنے پیش کرتا ہے (اور دوسری حدیث میں ہے کہ اس کے نسب کا ہر شخص تمنا کرتا ہے کہ بچہ اس کی شکل پر بنے) تب اللہ بچے کو ان میں سے جس سے چاہے ہمشکل بنا دیتا ہے۔ (طبرانی کبیر جلد ۵ صفحہ ۷۴ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

کسی کی صورت کا مذاق نہیں اُڑانا چاہیے

فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ سے معلوم ہوا اللہ جس کی جو شکل چاہے بناتا ہے لہٰذا کسی کو چوہے کے منہ والا، بندر کی شکل والا اور گدھے کی صورت والا وغیرہ کہنا حرام ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا مذاق اڑانا ہے۔

کسی بچے کی صورت کا اس کے والدین سے نہ ملنا اس کے نسب میں مخل نہیں

فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ جو چاہے شکل بنا دیتا ہے اور ابھی حدیث گزری کہ آدم علیہ السلام تک بچے کے جتنے آباء ہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے جس کے ساتھ چاہے اس کی شکل ملا دیتا ہے۔ تو ممکن ہے والدین بہت سفید رنگ ہوں اور بچہ بہت کالا پیدا ہو۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری صحابی کے ہاں سیاہ رنگ بچہ پیدا ہوا وہ اپنی بیوی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے آیا۔ وہ کہنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس رب کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے اپنے شوہر سے کچھ خیانت نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سچ کہتی ہو۔ (درمنثور بروایت حکیم ترمذی جلد ۸ صفحہ ۴۳۹) معلوم ہوا کہ اس بارے میں رنگ کا اختلاف کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

اسی طرح حدیث مبارکہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بہت سفید شکل تھے مگر ان کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا رنگ کالا تھا اور کفار و منافقین ان کے نسب پہ اعتراض کرتے تھے۔ پھر ایک دن دونوں باپ بیٹا کہیں سو رہے تھے اور دونوں کے پاؤں چادر سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ ایک شخص وہاں سے گزرا جو عرب کا مشہور قیافہ شناس تھا وہ دونوں کے قدموں کو دیکھ کر کہنے لگا ان کے قدم باہم کس قدر مشابہ ہیں ضرور یہ باپ بیٹا ہیں۔ حالانکہ وہ ان کو نہیں جانتا تھا، اس کے کہنے پہ کفار و منافقین کی زبانیں بند ہوئیں۔ (ناسخ التواریخ)

[6] یعنی تمہارا اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکہ میں پڑنا ہرگز جائز نہیں۔ اصل ماجرا یہ ہے کہ تم روز انصاف کو جھٹلاتے ہو، اس لئے اللہ کے بارے میں دھوکہ میں پڑتے ہو۔ یاد رکھو کہ تم پر محافظ فرشتے مقرر ہیں جو بہت معزز کاتب ہیں یعنی دائیں کندھے والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں والا برائیاں۔ اور ان کی تحریر اس قدر سچائی پہ مبنی ہے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

کراماً کاتبین فرشتوں سے حیا کرنی چاہیے

اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ سے معلوم ہوا کہ یہ فرشتے ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتے ہیں، لہٰذا بے حیائی کے کاموں میں ملوث ہوتے ہوئے ان سے شرم کرنی چاہیے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تمہیں (ضروری بدنی حاجت کے سوا) برہنہ ہونے سے منع فرماتا ہے۔ تو تم کراماً کاتبین سے حیا کرو جو بول وبراز، جنابت (مباشرت) اور غسل کے علاوہ تم سے کسی حالت میں جدا نہیں ہوتے۔ (درمنثور بروایت بزار جلد ۸ صفحہ ۴۴۰)

انسان کا ہر اچھا بُرا عمل لکھا جا رہا ہے

گویا انسان کی پوری لائف ہسٹری تیار ہو رہی ہے جو روز قیامت اس کے سامنے رکھ دی جائے گی۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ انسان اپنے اعمال نامہ کو دیکھ کر روز قیامت فرمائے گا: مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ ''اس کتاب کو کیا ہو گیا ہے، یہ میرا کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ ایسا نہیں چھوڑ رہی جو اس نے گھیر نہیں لیا۔ اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں اسے وہ حاضر پائیں گے اور تمہارا رب کسی پہ ظلم نہیں فرماتا۔'' (کہف، ۴۹)

البتہ جن گناہوں سے انسان سچی توبہ کر لے انہیں اعمال نامہ سے مٹا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض اچھے اعمال کی برکت سے صغیرہ گناہ بھی نامہ اعمال سے مٹا دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ''اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ مٹا دیں گے۔'' (نساء، ۳۱)

سگریٹ نوشی کی مذمت

سگریٹ کی بدبو سے انسان کے ساتھ لگے ہوئے فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے، یونہی ہر بدبودار چیز انہیں تکلیف دیتی ہے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے تھوم یا پیاز کھایا ہو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتے بھی ان چیزوں سے اذیت پاتے ہیں جن سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے۔'' (مسلم کتاب المساجد حدیث ۷۴) یعنی جب کوئی شخص بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آتا ہے تو کراماً کاتبین کے علاوہ مسجدوں میں موجود فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿١٣﴾ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿١٤﴾ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ
بے شک نیکوکار لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار جہنم میں، وہ انصاف کے دن اس میں
الدِّیْنِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ﴿١٦﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ
داخل ہوں گے، اور وہاں سے غائب نہ ہو سکیں گے اور تم کیا جانو انصاف کا دن کیا ہے، پھر تم
مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿١٨﴾ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا ط وَالْاَمْرُ
کیا جانو کہ انصاف کادن کیا ہے جس دن کوئی جان کسی جان پر کچھ اختیار نہ رکھے گی اور سارا اختیاراس دن
یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾ ع
اللہ کے لئے ہے۔[7]

ركوع ١ — ١٩

[7] یعنی روز قیامت انصاف ہوگا نیک لوگ جنتی نعمتوں میں ہوں گے اور برے (کافر و جابر) لوگ جہنم میں ہوں گے، اور یہ تقسیم روز انصاف میں ہوگی اور تم روز انصاف کو کیا جانو؟ اس دن کوئی جان کسی جان پر کچھ اختیار نہ رکھے گی (کیونکہ بڑے بڑے جابر و ظالم سلاطین وملوک اس دن زنجیروں میں جکڑے کھڑے ہوں گے) اس دن صرف اللہ کا اختیار ہوگا۔ ہاں انبیاء ومرسلین اور عباد مقربین اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کریں گے اور اللہ اپنی رحمت سے ان کی شفاعت قبول کرے گا۔

الحمد للہ 5 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 3 دسمبر 2008ء روز بدھ نماز فجر سے قبل رات کے آخری پہر میں حج کے دوران مکۃ المکرمہ میں سورہ انفطار کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورۃ المطففین

سورۃ المطففین ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 83ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 58ویں سورت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورتوں کی جو ترتیب مروی ہے اس کے مطابق یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی آخری سورت ہے۔ اس کے بعد مکہ میں کوئی سورت نازل نہ ہوئی، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے لئے اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سورت کی پہلی چھ آیات مدنی ہیں باقی مکی ہیں۔
اس کا آغاز وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ سے ہوا، اس لئے اسے سورہ مطففین کہا جاتا ہے جس کا معنی ناپ تول میں کمی کرنے والے لوگ ہیں۔ اس سورت میں ان کا عذاب بتایا گیا ہے۔ اس سورت میں ایک رکوع، 36 آیات، 156 کلمات اور 730 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت میں پہلے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کا عذاب مذکور ہے، پھر کفار کے اعمال نامہ کا ذکر ہے کہ وہ سجین میں ہے، پھر ابرار کے اعمال نامہ کا ذکر ہے کہ وہ علیین میں ہے، پھر منکرین کی قیامت میں ذلت وخواری بیان کی گئی ہے کہ وہ روز قیامت اللہ رب العزت کے دیدار سے محروم رہیں گے۔ گویا مومنین دیدار الٰہی سے محروم نہیں ہونگے، بلکہ اس سے مشرف وشادکام ہونگے اور اسی قسم کے مضامین گزشتہ سورت میں تھے، اسی سبب سے ان سورتوں کو باہم رکھا گیا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج کفار غریب ونادار مسلمانوں پہ ہنستے ہیں اور قیامت میں اہل ایمان ان پہ ہنسیں گے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۳۶ ۸۳ سُورَةُ المُطَفِّفِينَ مَكِّيَّةٌ ۸۶ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ہلاکت ہے، یعنی وہ لوگ کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا وصول کرتے ہیں اور جب

كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝

انہیں ناپ یا تول کر دیں تو کمی کرتے ہیں [1] کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ بڑے دن کے لئے اٹھائے جانے والے ہیں۔

لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

جس دن سب لوگ ربِ کائنات کے حضور کھڑے ہوں گے [2]

نیکوکاروں کا اُخروی انعام اور بدکرداروں کا انجام

[1] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہاں کے لوگ ناپ تول میں گڑبڑ کرتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ اور اس کے بعد والی آیات کو نازل فرمایا، تو اہل مدینہ سب لوگوں سے بہتر ناپ تول کرنے والے بن گئے۔ (ابن ماجہ کتاب التجارات باب ۳۵)

سدی نے روایت کیا ہے کہ جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہاں ایک شخص ابوجہینہ تھا۔ اس کے پاس دو پیمانے تھے ایک سے لوگوں کو ناپ کر دیتا اور دوسرے سے ناپ کر لیتا تھا (اور دونوں میں فرق تھا) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے وَيْلٌ (ہلاکت) ہے اور ویل جہنم کی ایک وادی بھی ہے جس میں اہل جہنم کا خون اور کچھ لہو بہتا ہے۔ (کیونکہ یہ لوگ اس قدر ظالم، خود غرض، بے انصاف، دھوکہ باز، جھوٹے، منافق اور حرام خور ہیں کہ لوگوں سے پورا تول کر لیتے ہیں اور انہیں کم کر کے دیتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا ان لوگوں کو روز قیامت یاد نہیں، جب وہ مر کر رب العالمین کے حضور حاضر ہوں گے؟

ناپ تول میں کمی کی سزا

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ میں ناپ تول میں کمی کو باعث ہلاکت بتایا گیا ہے۔اور جب حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ناپ تول میں کمی شروع کی تو انہوں نے اپنی قوم کو اس سے روکا اور فرمایا: فَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِي الۡاَرۡضِ. ''ناپ تول پورا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔'' (اعراف، ۸۵) وہ باز نہ آئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ زلزلہ ڈالا کہ ساری قوم یکدم ہلاک کر دی گئی۔

آج ہم مسلمانوں میں ناپ تول کی کمی کا گناہ عام ہے، مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کے صدقے ہم پر قوم شعیب والا عذاب تو نہیں آتا کیونکہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ ؕ (انفال، ۳۳)

تاہم ناپ تول میں کمی کرنے کی وجہ سے ہم پر یہ عذاب ضرور آیا ہے کہ ہمارے دشمن ہم پر مسلط ہو گئے ہیں اور ہمارے رزق میں بے برکتی آ گئی ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی قوم میں غلول (لین دین میں دھوکہ) آ جائے تو اللہ ان کے دشمنوں کا رعب ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے، جس قوم میں سود عام ہو جائے وہاں موت عام ہو جاتی ہے، جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے ان کا رزق گھٹا دیا جاتا ہے اور جو قوم ناحق فیصلے کرنے لگے ان میں خونریزی عام ہو جاتی ہے اور جو لوگ بدعہد ہوں اللہ ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے۔'' (موطاء امام مالک کتاب الجہاد باب ۲۶)

اور لین دین میں دھوکہ دہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے: وَمَنۡ يَّغۡلُلۡ يَاۡتِ بِمَا غَلَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ۚ ''جو شخص لین دین میں دھوکہ کرے اس نے جو چیز دھوکے سے حاصل کی اسے وہ روز قیامت لے کر آئے گا۔'' (آل عمران، ۱۶۱) اور جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کسی دکاندار کے پاس سے گزرتے تو فرماتے اللہ سے ڈرو اور ناپ تول میں کمی نہ کرو، کیونکہ مطففین (ناپ تول میں کمی کرنے والوں) کو روز قیامت یوں اٹھایا جائے گا کہ وہ کانوں تک پسینے میں ڈوبے ہوں گے۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۲۱۹)

عدل کی اہمیت

یہاں فرمایا گیا ہے کہ مطففین کیلئے ہلاکت ہے جو لوگوں سے پورا تول کر لیتے ہیں اور انہیں تھوڑا تول کر دیتے ہیں۔ اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو دوسروں سے انصاف نہیں برتتا یعنی ان کو ان کا پورا حق نہیں دیتا اور اپنا حق پورا لیتا ہے، خواہ وہ ملازم ہو مزدور ہو مالک مکان ہو یا کرایہ دار ہو یا دوکاندار ہو۔

[2] یاد رہے اللہ رب العالمین کے سامنے روز قیامت کی حاضری رونگٹے کھڑے کرنے والی بات ہے، اس وقت

زمین تانبے کی طرح تپ جائے گی اور سورج سروں کے قریب آجائے گا اور ہر کوئی اپنے گناہوں کے مطابق پسینے میں ڈوبا ہوگا۔

روز قیامت کی ہولناکی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''روز قیامت کئی لوگ پسینے میں شرابور ہوں گے حتیٰ کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر ہاتھ تک اندر چلا جائے گا۔'' (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب ۴۷)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: روز قیامت سورج لوگوں کے قریب آجائے گا حتیٰ کہ ایک میل کا فاصلہ رہ جائے گا (راوی حدیث سلیم بن عامر نے کہا عربی میں سرمہ سلائی کو بھی میل کہتے ہیں) تب لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ڈوبے ہوں گے بعض ٹخنوں تک، بعض گھٹنوں تک، بعض کمر تک اور بعض کو پسینے کی لگام ڈالی گئی ہوگی (ان کی ناک تک پسینہ ہوگا) (صحیح مسلم کتاب الجنہ حدیث ۶۲)

تاہم اس وقت سات قسم کے لوگ حدیث کے مطابق عرش الٰہی کے سائے میں ہوں گے، اللہ کی رضا کے لئے باہم محبت کرنے والے دو مسلمان بھائی، وہ نوجوان جسے مال و جمال والی عورت گناہ کی طرف بلائے اور وہ کہے اللہ سے ڈر، چھپ کر صدقہ دینے والا کہ دائیں ہاتھ سے دے اور بائیں کو خبر نہ ہو، تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے رونے والا، حاکم عادل، عبادت کی تربیت میں پلنے والا نوجوان اور وہ نوجوان جس کا دل مسجد کے ساتھ لگا ہو۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان باب ۳۶)

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِىْ سِجِّيْنٍ ۝٧ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨ كِتٰبٌ

کیوں نہیں، بے شک بدکاروں کا عمل نامہ سجین میں ہے، اور تم کیا جانو سجین کیا ہے؟ وہ مہر شدہ

مَّرْقُوْمٌ ۝٩ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١

تحریر ہے [3] تو جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے جو روز انصاف کو جھٹلاتے ہیں

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ

اور اسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا، سوا ہر سرکش مجرم کے۔ کہ جب اس پر ہماری آیات پڑھی جائیں تو کہتا ہے

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٤

یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان کے کرتوتوں کا زنگ چڑھ گیا ہے [4]

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝١٥ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا

کیوں نہیں، وہ اس دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے پھر وہ جہنم میں

الْجَحِيْمِ ۝١٦ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝١٧

داخل ہوں گے پھر ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ (جہنم) جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ [5]

[3] قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اصل عبارت یوں ہے: وما ادراك ما فی سجین یعنی بدکاروں کی تحریر سجین میں ہے اور تم کیا جانو سجین میں کیا ہے؟ اس میں مہر شدہ تحریر ہے۔

سجین کیا ہے اور کہاں ہے، حدیث کی روشنی میں

جاننا چاہیے کہ سجین جہنم میں ایک تنگ و تاریک مقام ہے اور مرقوم کا معنی تحریر شدہ بھی ہے اور مہر شدہ بھی۔ شمر بن عطاء سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِىْ سِجِّيْنٍ کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا بدعمل انسان (جس میں کافر بھی شامل ہے) کی روح آسمان کی طرف لے جائی جاتی ہے آسمان اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، اسے زمین کی طرف لایا جاتا ہے، زمین بھی اسے قبول نہیں کرتی تب اسے سات زمینوں کے نیچے داخل کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اسے سجین میں لے جایا جاتا ہے اس کے پیچھے پ

اس کا عمل نامہ لکھ کر اس پر مہر لگا دی جاتی ہے۔(تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۲۱۹)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بدعمل شخص کی روح کو فرشتے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں راستہ میں ملنے والے فرشتے کہتے ہیں یہ خبیث روح کہاں سے آئی ہے، اس کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ تب اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اس کی کتاب کو سب سے نچلی زمین میں سجین میں رکھ دو۔'' (تفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۴۸۸ حدیث ۳۶۶۱۶)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جنت ساتویں آسمان میں ہے اور دوزخ ساتویں زمین میں۔'' (مظہری بروایت سنن بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۰)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''روز قیامت جہنم کو ساتویں زمین سے کھینچ کر لایا جائے گا اس کی ہزار نکیل ہوگی، ہر نکیل کو ستر ہزار فرشتے کھینچیں گے۔'' (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۰)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سجین جہنم میں ایک تنگ و تاریک جگہ ہے جہاں کافر و فاسق کی روح رکھی جاتی ہے اور وہیں اس کا مہر شدہ عمل نامہ بھی رکھا جاتا ہے۔ اور جہنم اور سجین ساتویں زمین میں ہیں، اب ساتویں زمین کونسی ہے؟ تو اس سے اسی زمین کی ساتویں تہہ بھی مراد ہو سکتی ہے اور ممکن ہے اس زمین جیسے مزید چھ سیارے خلاء میں موجود ہوں جن تک ابھی سائنس کی نظر نہیں پہنچ سکی، کیونکہ اہل فلکیات کے مطابق خلاء میں کئی کہکشائیں ہیں اور ان میں ہزاروں لاکھوں سیارے ہیں جن کو ابھی تک دریافت نہیں کیا جا سکا۔

[4] تو روز انصاف (قیامت) کا آنا برحق ہے جب ناپ تول میں کمی یعنی ناانصافی کرنے والوں کو سزا دی جائے گی اور جو شخص روز انصاف کو جھٹلائے اس کے لئے ہلاکت ہے اور اسے ہر سرکش مجرم ہی جھٹلاتا ہے (ورنہ کوئی انصاف پسند شخص قیامت سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر قیامت نے نہیں آنا تو پھر انسان و حیوان ظالم و مظلوم اور مومن و کافر کے انجام میں کوئی فرق نہ رہا)

مگر قیامت کے جھٹلانے والوں کا یہ حال ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ مذاق اُڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں یعنی اس میں بس گزشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کی کہانیاں ہیں اگر ہم بھی چاہیں تو ایسی کہانیاں لکھ سکتے ہیں۔ جیسے کہ کفار مکہ نے کہا: لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ ''اگر ہم بھی چاہیں تو ایسا کلام کہہ سکتے ہیں، یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہی تو ہیں۔'' (انفال، ۳۱) مگر ایسے دعوے کرنے والے قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل نہ لا سکے۔

دلوں کا زنگ آلود ہو جانا

اس لئے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بات یہ ہے کہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا

ہے۔ معلوم ہوا گناہوں سے دل پر زنگ چڑھ جاتا ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ اسے توبہ کے پانی سے دھویا جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر وہ توبہ کرے تو اسے مٹا دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ گناہ میں بڑھتا جائے تو وہ نقطہ بھی پھیلتا جاتا ہے اور سارے دل کو گھیر لیتا ہے۔" (ترمذی کتاب التفسیر سورہ مطففین، نسائی، ابن ماجہ)

[5] کفار روز قیامت رب العالمین کے دیدار سے محروم رہیں گے۔ معلوم ہوا مومنین اللہ کا دیدار پائیں گے اسی لئے فرمایا گیا: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ کچھ تر و تازہ چہرے اس دن اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔ (قیامہ، ۲۳) معلوم ہوا اللہ کا دیدار محال نہیں البتہ دنیا میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوا اور آخرت میں سب مومنین کو حاصل ہوگا۔ جبکہ معتزلہ نے دیدار الٰہی کو محال بتایا اور آج شیعہ بھی دیدار الٰہی سے انکار کرتے ہیں اور خطرہ ہے کہ وہ روز قیامت دیدار الٰہی سے محروم رہیں، کیونکہ جو شخص جس نعمت کے وجود سے انکار کرے وہ اس سے محروم کر دیا جاتا ہے جیسے کفار نے جنت سے انکار کیا تو وہ اس سے محروم ہو گئے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ

ہاں کیوں نہیں۔ بے شک نیکوکاروں کا عمل نامہ علیین میں ہے اور تم کیا جانو علیین کیا ہے؟ یہ مُہر شدہ

مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ

تحریر ہے جس پر اللہ کے مقرب فرشتے حاضری دیتے ہیں [6] بے شک نیکوکار لوگ نعمتوں میں ہوں گے، تختوں پہ بیٹھے

يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ

دیکھتے ہوں گے، تم ان کے چہروں میں نعمتوں کی شادابی دیکھو گے [7] انہیں سربمہر شراب پلائی جائے گی جس پر

مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ

کستوری کی مہر ہے اور اسی میں رغبت رکھنے والوں کو رغبت رکھنی چاہیے [8] اور اس میں تسنیم کا

مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾

امتزاج ہے یعنی وہ چشمہ جس سے مقربین پیتے ہیں۔ [9]

[6] پہلے بتایا گیا کہ بدکاروں کا عمل نامہ سجین میں ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ نیکوکاروں کا عمل نامہ علیین میں ہے

وہاں ان کا مہر شدہ عمل نامہ ہے۔ اور حدیث مبارکہ کے مطابق جہاں جس کا عمل نامہ ہے وہیں اس کی روح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے عمل نامہ پر مقرب فرشتے گواہی دیتے ہیں۔

علّیین کیا ہے اور کہاں ہے؟

چنانچہ حضرت عطیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے اس آیت اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: جب ایمان والی روح کو قبض کر کے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے تو اس کے لئے ہر آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور فرشتے مبارکبادیوں کے ساتھ استقبال کرتے اور ساتھ ساتھ جاتے ہیں، پھر عرش الٰہی کے نیچے سے ایک تختی نکالی جاتی ہے جس پر لکھا جاتا ہے کہ یہ شخص جنتی ہے، پھر اس پر مہر لگائی جاتی ہے تاکہ روز حساب اس کی معرفت ہو جائے اور مقرب فرشتے اس پر گواہی دیتے ہیں۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۲ صفحہ ۴۹۴ حدیث ۳۶۶۵۷)

یاد رہے کہ اگرچہ نیک ارواح جنت کے مقام علیین میں اور بُری ارواح جہنم کے مقام سجین میں ہوتی ہیں، مگر ان کا اپنی قبور سے بھی تعلق ہوتا ہے۔ اسی لئے اہل قبور کو سلام کہا جاتا ہے اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ مُردوں کو اچھے کفن پہناؤ کہ وہ قبور میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ (ترمذی کتاب الجنائز حدیث ۹۹۵، ابن ماجہ کتاب الجنائز حدیث ۱۴۷۴)

امام شعبی فرماتے ہیں ارواح کا اپنے اجساد سے اتصال ہے جب ارواح کو عذاب ہوتا ہے تو اجساد الم محسوس کرتے ہیں۔ (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۵)

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض خواص اولیاء اللہ نے خود کو بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کا ذریعہ بنا رکھا ہے، وہ عالم برزخ میں بھی دنیا کی طرح تصرف فرماتے ہیں اور چونکہ ان کے ادراک کا دائرہ بہت وسیع ہے لہٰذا ان تصرفات کے باوجود ان کی توجہ الی اللہ میں فرق نہیں آتا۔ چنانچہ اہل ایمان ان سے کمالات باطنی حاصل کرتے اور اہل حاجت و مشکلات ان سے اپنی مشکلات کا حل مانگتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی سورہ مطففین بحوالہ جامع الحدیث جلد ۹ صفحہ ۳۰۶)

[7] اب نیکوکاروں اور بدکاروں کے انجام کا فرق بتایا جا رہا ہے تو فرمایا کہ نیکوکار لوگ نعمتوں میں ہوں گے اپنی مسہریوں پہ بیٹھے اللہ کی نعمتیں دیکھتے ہوں گے۔ حدیث میں ہے ''اہل جنت میں سے ادنیٰ شخص اپنے ملک میں دو ہزار برس کی مسافت سے دیکھے گا اور دور و نزدیک سے یکساں سنے گا، جبکہ ان میں سے اعلیٰ مرتبے والا روزانہ دوبار اپنے رب کا دیدار کرے گا۔'' (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۳)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل جنت کے چہروں میں ہر وقت ترو تازگی نظر آئے گی، کیونکہ وہاں کسی پریشانی کا گزر نہیں۔

[8] ہر جنتی شخص کو سر بمہر شراب پلائی جائے گی یعنی ایسی بوتل جو خاص اسی لئے تیار کی گئی اور اس پر ہر جنتی شخص کے نام کی مہر ہوگی اور وہ مہر کستوری کی ہوگی۔ تو ایسی نعمتوں کے لئے ہر مومن کو رغبت رکھنی چاہیے یعنی ایسے کام نہیں کرنے

چاہئیں جن سے وہ ان نعمتوں سے محروم ہو جائے۔ مثلاً جو شخص دنیا کی شراب پیئے وہ جنت کی شراب سے محروم کر دیا جائے گا بشرطیکہ توبہ نہ کرے۔ اگر توبہ کر لے کیونکہ وہ ہر گناہ دھو ڈالتی ہے۔

[9] نیکوکاروں کو جو سربمہر شراب طہور پلائی جائے گی اس میں تسنیم کے چند قطرے ملے ہوں گے جس سے اس کی لذت بے مثال ہو جائے گی۔ اور تسنیم وہ چشمہ ہے جس سے مقربین پیتے ہیں، گویا ابرار اور مقربین کے مقام میں یہ فرق ہے کہ ابرار کو تسنیم کے چند قطرے شراب میں ملا کر دیئے جائیں گے اور مقربین کا مشروب ہی تسنیم ہے۔ مقربین میں انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور ان کے ساتھی یعنی صحابہ کرام جن کو صدیقین کہا جاتا ہے۔ اور ابرار میں شہداء وصالحین اور عام اہل جنت ہیں، یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝۷ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۸ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝۹ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝۱۰ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝۱۱ کہ ''تمہارے تین گروہ ہوں گے، دائیں طرف والے جو کیا ہی اچھے ہیں اور بائیں طرف والے جو کیا ہی بُرے ہیں اور سبقت والے تو سبقت والے ہیں وہی مقربین ہیں۔'' (واقعہ، ۷) اس آیت میں سابقون کو مقربون کہا گیا ہے اور ہم بتا چکے کہ وہ انبیاء کے ساتھی ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ۝۲۹ وَاِذَا مَرُّوْا

بے شک جرم کرنے والے لوگ ایمان والوں پر ہنستے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو آپس میں

بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ۝۳۰ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۝۳۱ وَاِذَا

آنکھوں سے اشارے کرتے تھے اور جب وہ اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے تو بہت خوش وخرم لوٹتے، اور جب وہ مومنوں کو

رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۝۳۲ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۝۳۳

دیکھتے تو کہتے یہ گمراہ لوگ ہیں، حالانکہ وہ مومنوں پر نگران نہیں مقرر کئے گئے تھے

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۝۳۴ عَلَى الْاَرَآئِكِ ۙ

تو آج ایمان والے کفار پر ہنسیں گے، تختوں پر بیٹھے دیکھیں گے

يَنْظُرُوْنَ ۝۳۵ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶

یقیناً کفار کو وہی جزا دی گئی جو وہ عمل کرتے تھے [10]

[10] ابرار و مقربین کا انعام بتانے کے بعد کفار و مجرمین کا انجام بتایا جا رہا ہے کہ کفر و شرک کا جرم کرنے والے لوگ

دنیا میں مومنوں کا مذاق اُڑاتے تھے کہ دیکھو یہ کیسے پاگل ہیں، ایک خیالی جنت کے تصور میں بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آسمانوں میں درخت ہیں یعنی جنت ہے بھلا آسمان میں درخت کہاں سے آئے؟ یہ آیات کفار مکہ کے بارے میں اُتریں، وہ اکثر مالدار تھے اور صحابہ کی اکثریت نادار لوگ تھے۔ تو کفار ان کی غربت کا بھی مذاق اڑاتے تھے وہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قریب سے گزرتے تو آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کی طرف اشارے کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذاق اڑاتے اور ہنستے ہوئے اپنے گھروں کو جاتے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گمراہ اور پاگل قرار دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ کفار کو ان مسلمانوں پر نگران نہیں مقرر کیا گیا تا کہ انہیں زبردستی اپنے خیالات پر لائیں، مگر روز قیامت جب اہل ایمان جنت میں جائیں گے تو وہ نیچے جھانک کر کفار کو جہنم میں جلتا دیکھیں گے۔ تب وہ کفار پر ہنسیں گے اور اپنے جنتی تختوں پہ بیٹھ کر اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو دیکھیں گے۔ لہٰذا کفار کو جو سزا دی گئی وہ ان کے اعمال ہی کا بدلہ ہے یہاں هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ میں هَلْ بمعنی قد ہے جیسے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ۔ (دہر ۱) معلوم ہوا کسی کی غربت کا مذاق اُڑانا کفار کا طریقہ ہے۔

الحمدللہ آج 6 ذی الحجہ 1429ھ مطابق 4 دسمبر 2008ء بروز جمعرات مکۃ المکرمہ میں اللہ جل وعلا کے خاص فضل واحسان کے ساتھ دوران حج سورہ مطففین کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورۃ الانشقاق

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے سورۃ الانشقاق 84ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 82ویں سورت ہے، جو سورہ روم سے قبل اور سورہ انفطار کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے۔اس میں سجدۂ تلاوت بھی ہے۔حضور سید عالم ﷺ جب بھی اسے پڑھتے تو سجدہ کرتے تھے۔

اسے سورہ انشقاق اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ سے شروع ہوئی اَنْشَقَّتْ کا مادۂ اشتقاق انشقاق ہے، اس لیے اسے سورہ انشقاق کہا گیا۔اس سورت میں ایک رکوع، 25 آیات، 107 کلمات اور 430 حروف ہیں۔

فضیلت

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز عشاء پڑھی تو انہوں نے سجدہ کیا۔ میں نے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگے میں نے ابوالقاسم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے بھی اس سورت میں سجدہ کیا تو میں یہ سجدہ کرتا رہوں گا حتیٰ کہ حضور ﷺ کے پاس پہنچ جاؤں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ انشقاق)

مضامین

سورہ انشقاق میں پہلے وہ منظر بیان ہوا جب قیامت قائم ہوگی، پھر ایمان والوں کے لیے جنتی انعامات کا بیان ہے اور کفار کے لیے جہنم کے عذابات کا ذکر ہے، اور بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا اہل ایمان درجہ بدرجہ منازل ترقی چڑھیں گے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۲۵ ۸۴ سُورَةُ الِانْشِقَاقِ مَکِّیَّۃٌ ۸۳ رکوعاتها ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الۡاَرۡضُ

جب آسمان پھٹ جائے اور اپنے رب کا حکم مانے اور اس کا یہ حق ہے [1] اور جب زمین پھیلا دی جائے

مُدَّتۡ ۙ﴿۳﴾ وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡہَا وَ تَخَلَّتۡ ۙ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ؕ﴿۵﴾ یٰۤاَیُّہَا

اور جو کچھ اس میں ہے اسے اُگل دے اور خالی ہو جائے، اور اپنے رب کا حکم مانے اور اس کا یہ حق ہے [2] اے انسان

الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا فَمُلٰقِیۡہِ ۚ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ

تو اپنے رب کی طرف دوڑا جا رہا ہے، پھر تو اس سے جا ملے گا، پھر جس کو اس کا عمل نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں

بِیَمِیۡنِہٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا ۙ﴿۸﴾ وَّ یَنۡقَلِبُ اِلٰۤی اَہۡلِہٖ

دیا جائے اس کا حساب یقیناً آسان ہو گا اور وہ اپنے اہل خانہ کی طرف

مَسۡرُوۡرًا ؕ﴿۹﴾ وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَہۡرِہٖ ۙ﴿۱۰﴾ فَسَوۡفَ یَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا ۙ﴿۱۱﴾

خوش لوٹے گا اور جسے اس کا عمل نامہ اس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے [3] تو وہ ہلاکت کو پکارے گا۔

وَّ یَصۡلٰی سَعِیۡرًا ﴿ؕ۱۲﴾ اِنَّہٗ کَانَ فِیۡۤ اَہۡلِہٖ مَسۡرُوۡرًا ﴿ؕ۱۳﴾ اِنَّہٗ ظَنَّ اَنۡ لَّنۡ یَّحُوۡرَ ﴿ۚۛ۱۴﴾

اور بھڑکتی آگ میں جائے گا۔ وہ اپنے اہل خانہ میں خوش رہتا تھا وہ سمجھتا تھا کہ وہ (اللہ کی طرف) ہرگز نہ لوٹے گا۔

بَلٰۤی ۚۛ اِنَّ رَبَّہٗ کَانَ بِہٖ بَصِیۡرًا ﴿ؕ۱۵﴾

کیوں نہیں، اس کا رب اس کا نگران ہے [4]

معانقة ۱۷

نیکوکاروں اور بدکاروں کے اپنے اپنے انجام کا بیان

[1] یعنی پہلی بار صور کے پھونکے جانے پر آسمان پھٹ جائیگا اور اس کا یہ حق ہے کہ اپنے رب کا حکم مان کر پھٹ جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے تو اسے اپنے خالق کا حکم ماننا ضروری ہے۔

[2] جب قیامت قائم ہوگی تو اس زمین پر قیامت کا میدان لگے گا اور انسان اتنے زیادہ ہیں کہ سب اس پر کھڑے نہیں ہوسکیں گے اس لئے زمین کو پھیلا کر پلیٹ کی شکل میں بنا دیا جائے گا اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "روز قیامت زمین چمڑے کی طرح پھیلا دی جائے گی، پھر ہر انسان کو وہاں صرف اتنی جگہ مل سکے گی جس میں وہ اپنے دو قدم رکھ سکے۔" (مستدرک للحاکم بحوالہ مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۷)

یاد رہے کہ اگر گول زمین کو پھیلا کر پلیٹ کی صورت میں سیدھا کر دیا جائے تو اہل فلکیات (Astronomers) کے نزدیک اس کا مجموعی رقبہ پچاس کروڑ ستانویں لاکھ کلومیٹر ہے، اس کی خشکی کا مجموعی رقبہ چودہ کروڑ چوراسی لاکھ کلومیٹر ہے اور اسکے پانی کا رقبہ چھتیس کروڑ تیرہ لاکھ کلومیٹر ہے۔ (فلکیات جدیدہ صفحہ ۵۴)

اتنے بڑے رقبہ پر پھیلے ہوئے میدان میں بروز قیامت ہر انسان کو صرف دو قدم رکھنے ہی کی جگہ ملے گی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ اسے اُگل کر خالی ہو جائے گی یعنی سب مُردے اپنے اندر سے باہر نکال دے گی۔

[3] قیامت کا نقشہ بتانے کے بعد فکر قیامت دلاتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ اے انسان! تو اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے، ہر سانس تجھے موت کے قریب کر رہا ہے حتیٰ کہ تو اپنے رب سے جا ملے گا۔ آگے نیکوکاروں اور بدکاروں کے انجام کا فرق بتایا جا رہا ہے کہ جس شخص کو اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے اس کا حساب آسان ہوگا اور وہ اپنے اہل خانہ سے میدان حشر میں یا جنت میں خوش ہو کر ملے گا کہے گا هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ (الحاقہ، ۱۹)

اور جس کو اس کا نامۂ عمل اس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے وہ ہلاکت کو پکارے گا یعنی کہے گا کاش اسے موت آ جائے اور وہ عذاب سے بچ جائے۔ پشت کے پیچھے سے نامۂ عمل دینے کا یہ معنی ہے کہ جن کو بائیں ہاتھ میں نامۂ عمل دیا جائے گا وہ اپنا ہاتھ پیچھے کر لیں گے، تو انہیں پیچھے سے نامہ عمل پکڑا دیا جائے گا۔

اور یہ ہم پیچھے سورہ الحاقہ میں واضح کر آئے ہیں کہ روز قیامت بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ کا دیا جانا کفار سے خاص ہے، کسی مومن کو بائیں ہاتھ میں اس کا عمل نامہ نہیں دیا جائے گا۔

مومن کے لیے بروز قیامت حساب کیسے آسان ہوگا؟

مومن کے لئے آسان حساب کا مفہوم اس حدیث سے واضح ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

حضور ﷺ بعض اوقات نماز کے بعد یہ دعا مانگتے تھے: اَللّٰھم حَاسِبنی حساباً یسیراً اے اللہ! میرا حساب آسان فرما، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ آسان حساب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''آسان حساب یہ ہے کہ اللہ رب العزت بندے کے عمل نامہ کو دیکھے گا، پھر درگزر فرمائے گا، کیونکہ جس کی چھان بین کی گئی وہ ہلاک ہو گیا۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ بندۂ مومن کو اپنے قریب کر کے اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کروائے گا حتیٰ کہ اسے گمان ہوگا کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ تب اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں تمہارے گناہ چھپا کر رکھے تھے اور آج معاف کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس کی نیکیوں کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ جبکہ کافر و منافق کے بارے میں گواہ پکار کر کہیں گے کہ ھولاء الذین کذبوا علی ربھم الا لعنۃ اللہ علی الظالمین یعنی ''ان لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا تو سن لو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔'' (سورہ ہود، آیت ۱۸) (صحیح بخاری کتاب المظالم باب ۲)

بعض مفسرین کے مطابق انبیاء، چھوٹے بچوں اور جنون میں زندگی گزارنے والوں کو نامۂ عمل نہیں دیا جائے گا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور بچے اور مجانین غیر مکلف ہیں اور عمل نامہ تکلیف کی بنیاد پر ہے۔

[4] جس کو بائیں ہاتھ میں نامۂ عمل دیا جائے گا وہ ہلاکت کو پکارے گا اور جہنم میں جائے گا جبکہ دنیا میں وہ اپنے گھر میں شیخیاں بکھیرتا تھا اور وہ کہتا تھا کہ اس نے اللہ کی طرف لوٹ کر نہیں جانا یا اس کا طرز عمل بتاتا تھا کہ جیسے اسے قیامت پر یقین نہیں۔ کیونکہ جنہیں قیامت پہ یقین ہو وہ شیخیاں نہیں مارتے، بلکہ عاجز رہتے اور اللہ سے ڈرتے ہیں جیسے کہ وہ جنت میں پہنچ کر کہیں گے: اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝۲۶ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝۲۷
''ہم اس سے قبل اپنے اہل خانہ میں ڈرا کرتے تھے، تب اللہ نے ہم پر احسان فرمادیا اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لیا۔'' (طور، ۲۶)

جبکہ یہاں بائیں ہاتھ والوں کے بارے میں کہا گیا: اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۱۳ معلوم ہوا کہ مومن دنیا میں اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارتا ہے۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ۙ﴿۱۶﴾ وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ ۙ﴿۱۷﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۙ﴿۱۸﴾ لَتَرۡكَبُنَّ

تو مجھے قسم ہے وقت غروب کی اور رات کی اور جو اس نے جمع کیا اور چاند کی جب وہ کامل ہو جائے [5]۔ تم ضرور

طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ؕ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ

درجہ بدرجہ چڑھو گے [6] تو انہیں کیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے

لَا يَسۡجُدُوۡنَ ؕ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُكَذِّبُوۡنَ ۖ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا

تو سجدہ نہیں کرتے، بلکہ کافروں کا کام ہی جھٹلانا ہے اور اللہ جانتا ہے جو وہ (دل میں)

يُوۡعُوۡنَ ۖ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۙ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

سنبھالے ہوئے ہیں۔ تو تم انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو، سوا ان کے جو ایمان لائیں اور

الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۲۵﴾

عمل صالح کریں، ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے [7]

[5] شفق وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد کچھ دیر اُفق پر رہتی ہے، پھر رات کا اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اس وقت مومنین نماز مغرب ادا کرتے ہیں اور یہ وقت انسان کو یاد دلاتا ہے کہ ایک دن اس کی زندگی کا سورج بھی ڈوب جائے گا پھر ہمیشہ کے لئے قبر کا اندھیرا چھا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم اٹھائی اور جس چیز کو رات جمع کرتی ہے اس کی قسم اٹھائی۔ جمع کرنے سے یہ مراد ہے کہ رات کو سب افراد خانہ گھروں کو لوٹ آتے اور جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر رات میں عشاء اور فجر کی نمازیں مومنوں کو مسجد میں جمع کرتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چاند کی قسم اُٹھائی جب وہ کامل ہو جائے یعنی چودھویں کا چاند بن جائے، یہ بھی انسان کے لئے اشارہ ہے کہ جیسے چاند کامل ہو کر پھر زوال پذیر ہو جاتا ہے، یونہی انسان بھی جوانی کو پہنچ کر خوب طاقتور بن جاتا ہے پھر اس کی قوتیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں اور آخر وہ ختم ہو جاتا ہے۔

[6] لَتَرۡكَبَنَّ میں دو قراءات متواترہ ہیں جن میں سے کسی سے بھی انکار کرنا کفر ہے۔ اول لَتَرۡكَبَنَّ باء کی زبر کے ساتھ، یہ قرأت امام ابن کثیر مکی، امام حمزہ کوفی اور امام کسائی کوفی رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے۔ دوسری لَتَرۡكَبُنَّ باء کی پیش کے ساتھ یہ امام نافع مدنی، امام ابو عامر بصری، امام ابن عامر شامی اور امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ علیہم کی قرأت ہے۔ (راقم الحروف محمد طیب غفرلہ نے قرآن کریم کی قرأت سبعہ متواترہ پڑھی اور پڑھائی ہیں اور فن قراءات سبعہ کی دوسری کتاب الشاطبیۃ کی

شرح بھی لکھی ہے)۔

پہلی قراءت پر یہ صیغہ واحد مذکر مخاطب ہے جس میں حضور سرور کونین ﷺ سے خطاب ہے معنی یہ ہے کہ اے پیارے محبوب ﷺ! آپ ہر ایک طبق (آسمان) کے بعد دوسرا طبق طے کریں گے یعنی اللہ آپ کو سیر معراج عطا فرمائے گا اور آپ سب آسمانوں کو طے کر جائیں گے۔ یہ تفسیر امام حسن بصری، امام مسروق، امام ابو العالیہ، امام شعبی اور امام مجاہد رحمہم اللہ سے مروی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۱۲)

اور طبق بمعنی آسمان قرآن میں ہے جیسے خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ''اللہ نے سات آسمان تہہ بہ تہہ بنائے۔'' (ملک، ۲) اسی لئے آگے فرمایا گیا: فَمَا لَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ کہ لوگ اس سیر معراج پر کیوں ایمان نہیں لاتے۔ پیچھے ہم سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ۔ (بنی اسرائیل، ۱) اور سورۂ نجم کی ابتدائی آیات کے تحت نبی اکرم ﷺ کے جسمانی معراج پر متعدد دلائل لکھ آئے ہیں وہاں دیکھیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ میں اللہ تعالیٰ نے سفر معراج کو اپنی قدرت و طاقت پر بطور مثال پیش کیا ہے۔ اگر سفر معراج ایک خواب ہوتا تو اسے قدرت کی مثال کیوں بنایا جاتا؟ خواب تو بڑے سے بڑا دیکھا جا سکتا ہے اور جب حضور ﷺ نے مکہ میں اپنا سیر معراج بیان کیا تو اہل مکہ نے اس پر تعجب اور اس سے انکار کیا۔ گویا آپ ﷺ نے سفر جسمانی بیان کیا تھا، ورنہ خواب پر کسی کو کیا تعجب ہو سکتا ہے۔

دوسری قرأت لَتَرۡکَبُنَّ صیغۂ جمع مذکر مخاطب ہے یعنی اے لوگو! تم درجہ بدرجہ چڑھو گے۔ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ تم اپنی تخلیق میں درجہ بدرجہ آگے بڑھتے ہو یعنی نطفہ سے مضغہ، مضغہ سے علقہ، علقہ سے مکمل نومولود بچہ، پھر لڑکا، پھر جوان، پھر بوڑھا، پھر موت کا شکار، پھر قبر، پھر حشر۔

اور آج لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ کی ایک جدید تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اس میں تین انسانوں کا چاند پر جانا مراد ہے اور طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ سے فضاء میں موجود پانچ کُرّے مراد ہیں یعنی کُرّہ باد جو سطح زمین سے بیس کلومیٹر اوپر تک ہے، کرۂ زمین جو بیس سے پچاس کلومیٹر تک ہے، کرۂ امتزاج جو پچاس کلومیٹر کی دوری سے شروع ہو کر اسی کلومیٹر دوری تک ہے۔ کرۂ حرارت جو اسی سے چار سو پچاس کلومیٹر تک ہے۔ اور کرۂ خروج، جو نو سو کلومیٹر اوپر جانے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا: اے انسانو! ایک وقت آنے والا ہے جب تم ان تمام طبقات کو طے کر کے اوپر جاؤ گے اور چاند پر پہنچو گے۔ اسی لئے اس سے قبل وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ہے۔ یہ تفسیر بھی بعید از قیاس نہیں ہے، اور اس میں قرآن کریم کی اعجازی شان کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

[7] یعنی کفار کو جب قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ سجدے میں نہیں گرتے یعنی اس کی اطاعت کرنے کی بجائے اس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اور کفار کا کام ہی قرآن کا جھٹلانا ہے۔ اور اللہ جانتا ہے وہ اپنے دلوں میں قرآن اور صاحب

قرآن رسول کے بارے میں کس قدر بغض وعداوت رکھتے ہیں۔تو اے پیارے رسول ﷺ! آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں جبکہ ایمان لانے والے عمل صالح کرنے والوں کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے، کیونکہ جنت کی نعمتیں لازوال ہیں کبھی ختم نہ ہوں گی۔

الحمدللہ آج 6 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 4 دسمبر 2008ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء مکہ مکرمہ میں سورہ انشقاق کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ البروج

سورہ البروج ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 85 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 26 ویں سورت ہے۔ یہ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ سے قبل اور سورۃ الشّمس کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے۔ اور چونکہ یہ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ البروج کہتے ہیں۔ اس سورت میں ایک رکوع، 22 آیات، 109 کلمات اور 465 حروف ہیں۔

فضیلت

اس سورت کو حضور سرورِ کونین ﷺ نمازوں میں پڑھتے اور پڑھنے کا حکم فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز عشاء میں وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ اور وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ پڑھتے تھے (یعنی پہلی رکعت میں وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ اور دوسری میں وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ) (مسند احمد)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر و عصر میں وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ، وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ پڑھتے تھے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ البروج)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''جب لوگوں کو نماز پڑھاؤ تو نماز عشاء میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ① الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ② اور وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① پڑھا کرو۔'' (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۴۶۱)

مضامین

سورہ بروج کے آغاز میں آسمانی بروج کی قسم یاد فرمائی گئی ہے اور چند دیگر قسمیں یاد فرمانے کے بعد اصحاب اخدود کا ذکر ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے کچھ عرصہ قبل عرب میں تھے اور انہوں نے ایمان والوں پہ ظلم کے پہاڑ توڑنے شروع کر رکھے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی گرفت میں لیا۔ اس کے بعد بتایا گیا کہ اہل ایمان پہ زیادتیاں کرنے والوں کے لیے عذاب جہنم تیار ہے اور ان پہ اللہ کی سخت پکڑ آنے والی ہے۔ مثال کے طور پر فرعون اور قوم ثمود کا نام لیا گیا ہے۔ اور سورت کے بالکل آخر میں قرآن کریم کا لوح محفوظ میں محفوظ ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۲۲ ۸۵ سُورَةُ البُرُوجِ مَکِّیَّةٌ ۲۷ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾

قسم ہے برجوں والے آسمان کی [1] اور وعدہ شدہ دن کی اور حاضری دینے والے دن کی اور اس دن کی جس پر حاضری دی جائے [2]۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَیْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾

خندق والوں پر اللہ کی مار ہو، وہ خندق ایندھن والی آگ سے (بھری) ہوئی تھی، جب وہ اس کے گرد بیٹھے تھے۔

وَّهُمْ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ

اور وہ مومنوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اس پر وہ گواہ ہیں۔ اور انہوں نے مومنوں سے

یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ﴿۸﴾ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

صرف اس بات کا انتقام لیا کہ وہ خدائے غالب وستودہ پر ایمان لائے تھے، وہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۹﴾

اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے [3]

مومنوں پہ ظلم ڈھانے والی اسلام دشمن قوموں کو خدائی وارننگ

[1] سلسلۂ کلام شروع کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسم یاد فرمائی تا کہ سننے والے اس کلام کی اہمیت کا احساس کریں، تو سب سے پہلے برجوں والے آسمان کی قسم اٹھائی۔ آسمان میں بارہ بروج ہیں۔ جدید سائنس کے مطابق زمین سورج کے گرد سال میں ایک چکر پورا کرتی ہے اور ہر مہینے نئے برج یعنی نئے مقام میں ہوتی ہے اور پرانے فلسفے کے مطابق سورج زمین کے گرد سال میں ایک چکر پورا کرتا ہے اور ہر مہینے نئے برج میں ہوتا ہے۔

آسمانی بروج کی تفصیل

ان برجوں کے نام یہ ہیں: حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ حمل 21 مارچ سے شروع ہوتا ہے، ثور 21 اپریل سے، جوزا 21 مئی سے اور سرطان 21 جون سے شروع ہوتا ہے۔ پھر ہر مہینے کی 22 تاریخ سے اگلے بروج بالترتیب شروع ہوتے جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل ہم وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا (حجر، ۱۶) کے تحت لکھ آئے ہیں۔ وہاں بروج کا نقشہ بھی دیا گیا ہے۔ ان بروج کو یہ نام (حمل، ثور وغیرہ) اس لئے دیئے گئے ہیں کہ ہر مہینے میں جو برج ہوتا ہے اس میں آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ کی شکل اس برج جیسی ہوتی ہے۔ مثلاً ثور بیل کو کہتے ہیں تو برج ثور میں آسمان پر ستاروں کا جھرمٹ بیل کی شکل جیسا نظر آتا ہے۔ اور برج سرطان میں سرطان کی شکل جیسی، یہی حال عقرب (بچھو)، حوت (مچھلی)، میزان (ترازو) اور سنبلہ (خوشہ) وغیرہ کا ہے۔

ان بروج کی قسم اس لئے اُٹھائی گئی کہ یہ آسمان کی زینت ہیں یعنی ہر برج میں آسمان پر ستاروں کا جھرمٹ نئی شکل میں جگمگاتا نظر آتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ ''ہم نے آسمان میں بروج بنائے ہیں اور انہیں دیکھنے والوں کیلئے آراستہ کیا ہے۔'' (حجر، ۱۶)

[2] وعدہ شدہ دن سے روز قیامت مراد ہے اور شاہد سے یوم جمعہ اور مشہود سے یوم عرفات مراد ہے (یعنی 9 ذی الحجہ جب حجاج کرام میدان عرفات میں حاضر ہو کر حج ادا کرتے ہیں۔ میں یہ سطور 7 ذی الحجہ مکہ مکرمہ میں لکھ رہا ہوں اور پرسوں ہم ان شاء اللہ یوم مشہود یوم عرفات میں حاضر ہوں گے)۔

یوم جمعہ اور یوم عرفہ کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم موعود یوم قیامت ہے۔ یوم مشہود یوم عرفہ ہے اور یوم شاہد یوم جمعہ۔ اور جمعہ سے بہتر کسی دن پر سورج طلوع نہیں ہوا، اس میں ایسی گھڑی ہے کہ جس مسلمان کو مل جائے اور وہ اس میں اللہ سے مانگ رہا ہو، تو وہ جو مانگے اللہ اسے دیتا ہے (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ البروج) جمعہ کو شاہد اور یوم عرفات کو مشہود اس لئے کہا گیا کہ شاہد کا معنی حاضر ہونے والا اور مشہود کا معنی جس پر حاضر ہوا جائے۔ جمعہ ہر مسلمان کے پاس وہیں حاضر ہو جاتا ہے جہاں وہ ہے، اس لئے وہ شاہد ہے۔ اور یوم عرفات پر ساری دنیا کے مسلمان میدان عرفات میں حاضری دیتے ہیں اس لئے وہ مشہود ہے۔ و شاھدٍ و مشھود کی دیگر تفاسیر بھی ہیں، مگر جو تفسیر ہم نے یہاں لکھی وہی سب سے قوی تر ہے۔

حج اکبر کی فضیلت

گویا یوم جمعہ اور یوم عرفہ دونوں اس قدر عظیم ہیں کہ اللہ ان دونوں کی قسم یاد فرماتا ہے۔ اور اگر یہ دونوں اتفاق سے
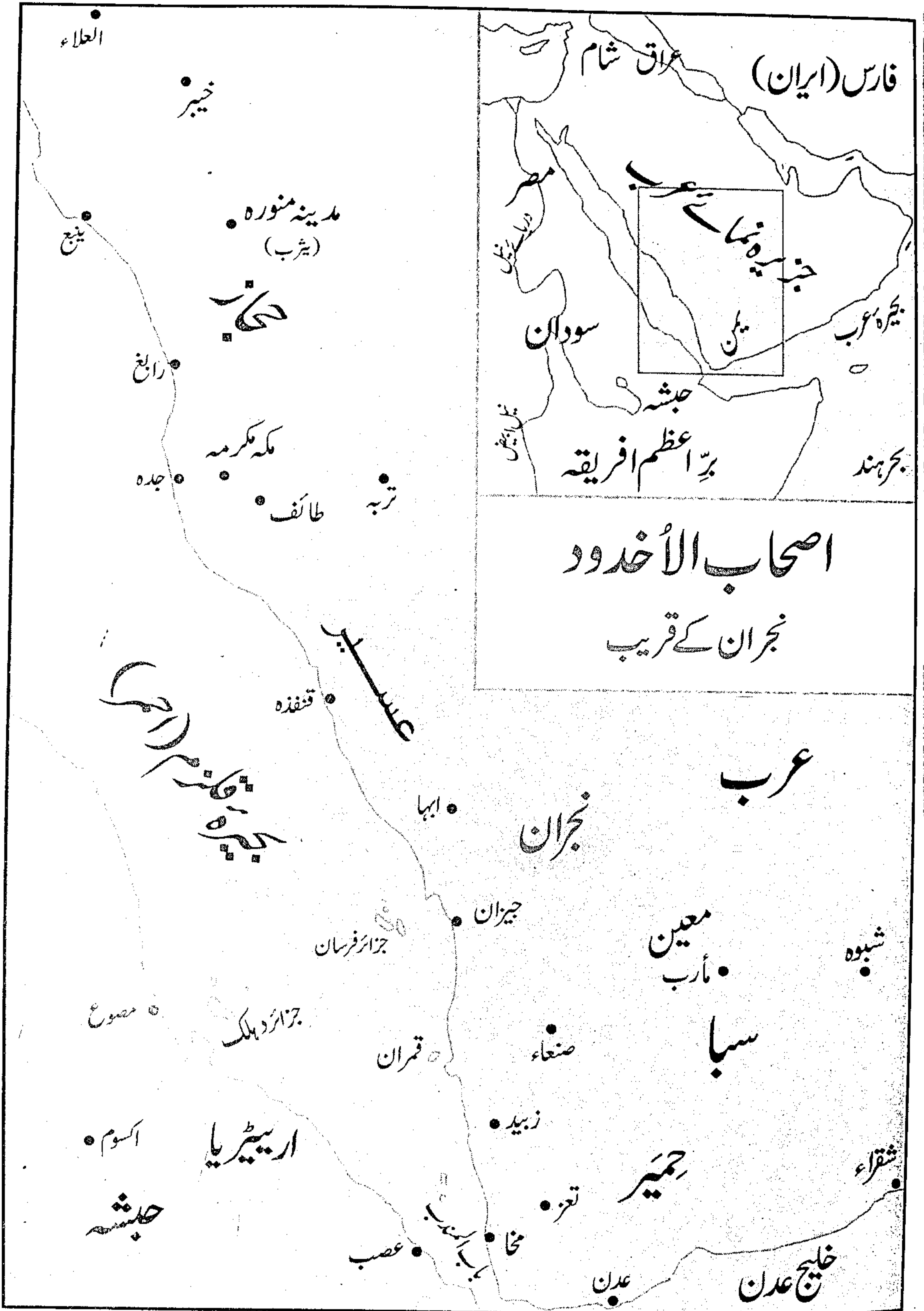
جمع ہو جائیں یعنی جمعہ والے دن میں حج کا دن آجائے تو اسے حج اکبر کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ حج ستر بار حج کرنے کے برابر ہو جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی ہر نیکی حدیث کے مطابق ستر نیکیوں کے برابر ہے، پھر اس میں متابعت رسول اللہ ﷺ کا شرف بھی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب حجۃ الوداع ادا فرمایا تو وہ جمعہ کے دن تھا۔

[3] اُخدود خندق یا گہرے گڑھے کو کہتے ہیں جو زمین میں کھودا جائے، اس کی جمع اخادید ہے۔ یہاں کن خندق والوں کی بات ہو رہی ہے؟ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ علاقہ نجران کا قصہ ہے جو آج سعودی عرب میں یمن کے قریب واقع ہے۔

اصحاب اخدود کا واقعہ

یہ واقعہ حضور سید عالم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے قریباً پچاس برس قبل رونما ہوا۔ بقول مورخ ابن اسحاق ایک صحیح عقیدہ راہب **فَیمیُون** نے نجران میں اصل دین عیسیٰ علیہ السلام (یعنی توحید و رسالت) کی تبلیغ کی، جس کی برکت سے وہاں اسلام پھیلا۔ پھر یمن پر ایک یہودی ذو نواس کی حکومت قائم ہوئی، اس نے اہل نجران کو عقیدہ توحید اور عقیدہ رسالت عیسیٰ علیہ السلام کے ترک پر مجبور کیا۔ جب انہوں نے اپنا دین نہ چھوڑا تو اس نے خندق کھدوائی اس میں آگ جلائی اور جس بھی مومن نے اپنا دین چھوڑنے سے انکار کیا اسکو اس نے آگ میں جلا دیا۔ اور ذو نواس اور اس کے ساتھی خندق کے پاس بیٹھ کر مسلمانوں کو زندہ جلتے ہوئے دیکھتے تھے۔ تا آنکہ انہوں نے بیس ہزار اہل ایمان کو شہید کر ڈالا۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۱ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اُتاریں قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ﴿۴﴾ یعنی خندق والے مارے جائیں یعنی ان پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے خندق میں ایندھن والی آگ جلائی اور وہ اس کے کنارے بیٹھتے تھے اور وہ مسلمانوں سے جو سلوک کرتے اس پر وہ حاضر یا گواہ ہوتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں سے صرف اس چیز کا انتقام لیا کہ وہ اللہ غالب و ستودہ پر ایمان لائے تھے جس کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہی ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے یعنی وہ مسلمانوں پر کفار کے مظالم دیکھتا ہے (جیسے آج امریکی اصحاب الاخدود (یہود و نصاریٰ) عراق و فلسطین میں مسلمانوں سے جو ظلم کر رہے ہیں اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے، تاہم اس کے ہر کام میں حکمت ہے اگر وہ کفار پر عذاب نہیں اُتار رہا تو اس میں گہری حکمت کارفرما ہے وہ مسلمانوں کو ان کے اعمال کی سزا دے رہا اور انہیں جھنجھوڑ رہا ہے)

مورخ ابن اسحاق کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جلد ہی ظالم ذو نواس کو پکڑ لیا۔ اہل یمن کا ایک شخص اس کے خلاف فریاد لے کر شاہ روم کے پاس پہنچا اور اسے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں پر یمن میں ذو نواس نے قیامت قائم کر رکھی ہے۔ شاہ روم نے فوراً شاہ حبشہ کو یمن پر چڑھائی کا حکم دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی قریب تھا کہ ذو نواس گرفتار ہو جائے اس نے سمندر میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی اور اس کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۲ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

یہاں ایک طویل صحیح حدیث ہے جو اس واقعہ کی تفصیلات بتاتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک راہب (ممکن ہے وہ فیمیون ہی ہو جس کا ذکر ابھی گزرا) کی تعلیم سے ایک لڑکا جو بادشاہ کے کہنے پر کاہن بننے جا رہا تھا عابد و زاہد اور ایک خدا کا ماننے والا بن گیا۔ وہ لڑکا اس قدر مقبول الدعاء ہوا کہ اس کی دعا سے ایک نابینا شخص کی بینائی لوٹ آئی۔ بادشاہ کو علم ہوا تو اس نے اس راہب کو اس لڑکے کو اور اس نابینا کو جو بینا ہو گیا تھا گرفتار کر لیا۔ راہب اور نابینا کو اس نے طرح طرح کی ایذاء دے کر ہلاک کر دیا اور لڑکے کو پہاڑ سے گرا کر مارنے کا حکم دیا۔

جب ایسا کیا جانے لگا تو پہاڑ پر زلزلہ آیا اور گرانے والے خود گر کر مر گئے اور لڑکے کو کچھ نہ ہوا، پھر لڑکے کو سمندر میں پھینکنے کی کوشش کی گئی جو ناکام رہی۔ لڑکے نے کہا اگر تم مجھے سولی پہ چڑھا کر مجھے تیر مارو اور مارتے ہوئے یہ کہو: بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ هٰذَا الْغُلَامِ۔ (اللہ کے نام پر جو اس لڑکے کا رب ہے) تو مجھے مارا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایسے کیا گیا تو تیر اس کی کنپٹی پہ لگا اور وہ شہید ہو گیا۔

تب لوگوں نے کہا اس لڑکے کا رب ہی سچا رب ہے تو وہ سب لوگ ایک اللہ پر ایمان لے آئے۔ لوگوں نے بادشاہ سے کہا تم نے تین آدمیوں کو مارنا چاہا تھا اور یہاں کئی آدمی ایمان لے آئے ہیں۔ اس نے کہا خندق کھودو اس میں ایندھن ڈال کر آگ جلاؤ اور ان ایمان والوں کو اس میں پھینک دو، چنانچہ کثیر مومنوں کو زندہ جلایا گیا۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ الخ کہتے ہیں کہ اس لڑکے کی قبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کھلی تو اس کا جسم صحیح سلامت تھا اور اس نے اپنی کنپٹی پر جہاں اسے تیر لگا تھا اپنی انگلی رکھی ہوئی تھی۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ البروج)

اسے مسلم اور نسائی نے بھی کچھ اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ایمان کے تحفظ کے لئے جان بھی قربان کی جا سکتی ہے

جن مومنین نے اپنے ایمان کی بقاء کے لئے آگ میں جلایا جانا منظور کر لیا یعنی جان دے دی، مگر ایمان نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یوں تعریف فرمائی: وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ یاد رہے جان بچانے کے لئے اگرچہ کلمۂ کفر کہنا جائز ہے، جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔ (نحل،۱۰۶) مگر یہ رخصت ہے۔

جبکہ عزیمت یہ ہے کہ سنت ابراہیمی پہ چل کر نجران کے اہل ایمان کی طرح اصحاب الاخدود کی آگ میں کود جاؤ، مگر زبان پہ کلمۂ کفر نہ لاؤ۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دو چیزوں کی وصیت کی، ایک یہ تھی کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو، خواہ تمہیں قتل کیا جائے یا جلا دیا جائے۔ دوسری یہ کہ والدین سے نافرمانی نہ کرو، خواہ وہ تمہیں اہل و مال سے نکل جانے کا حکم دیں۔ (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۳۸)

اہل تشیع کے عقیدہ تقیہ کا رد بلیغ

اللہ تعالیٰ قرآن میں ان لوگوں کی عظمت بیان کرتا ہے جو اپنی جان دیدیتے ہیں، مگر زبان پہ کلمہ کفر نہیں لاتے۔ مگر اہل تشیع کے نزدیک اس کے برعکس تقیہ کرنا یعنی اپنے ایمان کا چھپانا لازم ہے۔ کیونکہ اہل تشیع کا یہ جزو ایمان ہے کہ صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم پہ (معاذ اللہ) لعنت کی جائے، وہ ہر نماز کے بعد حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، امیر معاویہ، ام المؤمنین سیدہ عائشہ اور ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہم پہ بطورِ وظیفہ لعنت کرتے ہیں۔ (فروع کافی کتاب الصلوٰۃ روایت ۱۸ / ۳ مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

اور چونکہ وہ اپنے اس غلیظ عقیدہ کو عام لوگوں پہ ظاہر نہیں کر سکتے، اس لیے ان کے عقیدہ میں ان پہ لازم ہے کہ تقیہ کریں یعنی بظاہر صحابہ کی تعریف کریں اور خفیہ طریقہ سے ان پہ لعنت کریں۔ اس لیے وہ جھوٹی روایات کو ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ جس نے تقیہ چھوڑ دیا اس کا ایمان جاتا رہا، وہ کہتے ہیں:

چنانچہ بقول شیعہ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

التقیۃُ تُرسُ المؤمن ولا ایمانَ لمن لا تقیۃَ لہ۔ تقیہ مومن کی ڈھال ہے اور جو تقیہ نہ کرے اس کا کوئی ایمان نہیں۔ (قرب الاسناد صفحہ ۳۵ مطبوعہ موسسۃ اہل البیت، بیروت)

بقول شیعہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے بطورِ تقیہ ایک منافق (شیعہ لوگ منافق سے مراد سنی لیتے ہیں، معاذ اللہ) کا جنازہ پڑھایا تو جنازہ میں اس کے لیے دعاء مغفرت کی بجائے یہ کہا کہ اے اللہ! اپنے اس بندے پہ ہزار بار لعنت کر اور اسے عذاب نار کا مزہ چکھا۔ (قرب الاسناد صفحہ ۶۰)

اور بقول شیعہ امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

التقیۃ من دینی و دین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ۔ تقیہ میرا اور میرے باپ دادا (ائمہ اہل بیت) کا دین ہے اور جو تقیہ نہ کرے اس کا کوئی ایمان نہیں۔ (اصول کافی کتاب الایمان صفحہ ۴۵، مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

بقول شیعہ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سلیمان سے کہا:

یا سلیمان انکم علی دین من کتمہ اعزّہ اللہ ومن اذاعہ اذلّہ اللہ۔ اے سلیمان! تم شیعہ لوگ ایسے دین پہ ہو کہ جو اسے چھپائے اسے اللہ عزت دے گا اور جو اسے ظاہر کرے اسے اللہ ذلیل کرے گا۔

(اصول کافی کتاب الایمان صفحہ ۴۶۱)

تقیہ کے بارہ میں اہل تشیع سے چبھتا ہوا سوال

ہم اہل تشیع سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کی عظمت میں قرآن اتارتا ہے جو جان دیدیتے ہیں، مگر اپنے

دین حق کو چھپاتے نہیں، جیسے اصحاب الاخدود تھے۔ اگر تمہارا دین حق ہے تو اسکا چھپانا کیوں فرض ہے اور اسے ظاہر کرنے والے کا ایمان کیوں جاتا رہتا ہے؟ اگر سچا دین وہی ہے جسے ظاہر کرنے والا مومن نہیں رہتا تو کیا تم آپ انبیاء کرام علیہم السلام کو مومن نہیں سمجھتے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نار نمرود میں چھلانگ لگادی مگر ایمان نہیں چھپایا، حضرت زکریا علیہ السلام کے سر پہ آرا چلادیا گیا مگر وہ نعرۂ حق بلند کرتے رہے۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے جانثار ساتھیوں نے بھی یہی طریقہ اپنایا تو کیا وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے؟ کیا اصحاب الاخدود معاذ اللہ کافر ہو گئے تھے؟ اگر وہ مومن تھے اور خود قرآن ان کے ایمان کی گواہی دیتا ہے (وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴿۸﴾) تو پھر مان لو کہ تمہارا عقیدۂ تقیہ سراسر قرآن سے ٹکر لینے کے مترادف ہے۔ اگر نجات چاہتے ہو تو اس سے باز آ جاؤ اور حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ گالیاں دے کر اپنی قبر کو آگ سے نہ بھرو۔ پھر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے تقیہ نہیں کیا اور جابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا حق ادا کر دیا، تو کیا وہ بھی مومن نہ رہے؟

کفار کو ہم سے نہیں ہمارے ایمان سے چڑ ہے

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا الخ سے معلوم ہوا کفار کی ہم سے دشمنی صرف ہمارے ایمان کی وجہ سے ہے، لہٰذا ہمیں اپنے ایمان پر استقامت دکھانی چاہیے۔ آج مسلمانوں پہ فلسطین عراق، افغانستان اور کشمیر میں جو مظالم ہو رہے ہیں وہ صرف ان کے ایمان کی وجہ سے ہیں، تو مومن کو اپنے ایمان کے تقاضے پورے کرنے چاہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ

بے شک جنہوں نے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو فتنے میں ڈالا، پھر توبہ نہ کی ان کیلئے

جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿۱۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

عذاب جہنم ہے اور ان کے لئے جلانے والا عذاب ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۵ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿۱۱﴾ إِنَّ بَطْشَ

ان کے لئے جنتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ بلاشبہ تمہارے رب کی پکڑ

رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿۱۲﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ

بہت سخت ہے۔ وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ اٹھائیگا اور وہ بخشنے والا محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک ہے

الْمَجِيدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿۱۶﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ

بزرگی والا ہے، جو چاہے کرسکتا ہے [4] کیا تمہارے پاس لشکروں کی خبر آئی ہے یعنی فرعون

وَثَمُودَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيطٌ ﴿۲۰﴾

اور ثمود کا لشکر، بلکہ کافروں کا کام ہی جھٹلانا ہے اور اللہ انہیں اوپر سے گھیرنے والا ہے [5]

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيدٌ ﴿۲۱﴾ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ﴿۲۲﴾

بلکہ وہ عزت والا قرآن ہے محفوظ تختی میں لکھا ہوا ہے [6]

[4] یعنی جو کفار مسلمانوں کو اصحاب الاخدود کی طرح تکلیفوں اور آزمائشوں میں ڈالتے ہیں پھر توبہ کر کے ایمان نہیں لاتے اور اپنے کفر پر مر جاتے ہیں، ان کے لئے عذاب جہنم تیار ہے اور وہ آگ کا عذاب ہے۔ آگ کا عذاب اس لئے کہا کہ اصحاب الاخدود نے مومنوں کو آگ میں ڈالا تو وہ سیدھے جنت میں پہنچ گئے، مگر خود اصحاب الاخدود ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں پہنچ گئے۔ اس میں دور حاضر کی اسلام دشمن قوتوں کے لیے خدائی وارننگ ہے کہ وہ اسلام دشمنی سے باز آ جائیں ورنہ ان کا انجام بھیانک ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان اور عمل صالح والوں کے لئے جنتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ عظیم الشان کامیابی ہے۔ یعنی اگر کسی مسلمان کو اپنے دین کے لئے

جان دینی پڑے تو واقعہ اخدود کی طرح ضرور دے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں یعنی ایمان لانے کے بعد اس کی ہر قیمت پر حفاظت کرتے ہیں، خواہ وہ جلا دیئے جائیں تو وہ ہمیشہ کے لئے جنتی باغات اور نہروں کے مالک بن جاتے ہیں۔ وہ ناکام نہیں رہتے بلکہ حقیقی کامیابی سے سرفراز ہو جاتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کے دین کے دشمنوں پر آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے کیونکہ وہی جلاتا و مارتا ہے اور وہ بہت بخشنے والا مہربان بھی ہے، لہٰذا اگر کوئی کافر زندگی کے کسی موڑ پر بھی اسلام دشمنی سے باز آجائے اور ایمان قبول کر لے تو وہ اس کی تمام سابقہ غلطیاں معاف فرما دیتا ہے، وہ عرش والا بزرگی والا ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے یعنی وہ امور جو اس کی شان کے لائق ہیں۔

[5] اللہ جل و علا نے بڑے بڑے تخت و تاج والے بادشاہوں اور ان کے لشکروں کو آن واحد میں لشکروں سمیت پکڑ لیا۔ جیسے فرعون کا لشکر اور قوم ثمود کا لشکر پل بھر میں فنا کر دیئے گئے۔ لہٰذا دشمنان اسلام ہوش کے ناخن لیں۔ وہ اللہ کے دین کی تکذیب کرتے اور اسے مٹانے اور دبانے کی فکر میں ہیں اور اللہ نے ان کو گھیر رکھا ہے، وہ انہیں کسی بھی وقت پکڑ سکتا ہے۔ دور حاضر میں روس کی تباہی ہمارے سامنے ہے، دنیا کی سپر پاور دیکھتے ہی دیکھتے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور یہ دوسری اسلام دشمن طاقتوں کے لئے بہت بڑا درس عبرت ہے۔

[6] یعنی دین کی تکذیب کرنے والے جان لیں کہ قرآن بڑی عزت و بزرگی والا کلام ہے یعنی اس کے پیغام کو مٹایا یا دبایا نہیں جا سکتا۔ یہ لوح محفوظ میں تحریر شدہ ہے۔ لوح محفوظ سات آسمانوں سے اوپر ایک نورانی تختی ہے قرآن کو پہلے اس پر لکھا گیا۔ پھر وہاں سے آسمان دنیا پر اُتارا گیا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے قلب رسول ﷺ پر نازل کیا گیا۔ اس کو محفوظ اس لئے کہا گیا کہ وہ شیاطین کی پہنچ سے بہت محفوظ ہے۔ کیونکہ وہ سات آسمانوں سے اوپر ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے سفر معراج میں لوح و قلم کو سات آسمانوں کے بعد ایک مقام پر دیکھا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اول حدیث ۳۴۹) اور شیاطین پہلے آسمان کے قریب بھی نہیں جا سکتے اور اگر جائیں تو انہیں آگے سے شعلے مارے جاتے ہیں۔

الحمدللہ 7 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 5 دسمبر 2008ء بروز جمعۃ المبارک نماز تہجد کے مبارک وقت میں طواف کعبۃ اللہ سے فارغ ہونے کے بعد اس فقیر پر تقصیر نے حرم شریف میں کعبۃ اللہ کے سامنے بیٹھ کر سورہ بروج کی تفسیر مکمل کی۔ میں جب اپنے گناہوں کو دیکھتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ میرے کریم آقا کا مجھ پر کس قدر احسان ہے کہ اس نے میرے گناہوں کے باوصف مجھ سیاہ کار کو خدام قرآن میں شامل کیا میرا وقت اور میری صلاحیت تفسیر قرآن کے لکھنے میں صرف ہوئی۔ پھر جب تفسیر قرآن کا اختتام قریب آیا تو اس رب رحیم و کریم نے مجھے اپنے دربار میں حاضری عطا فرمائی، جو اس

بات کی علامت ہے کہ اللہ اسے شرف قبولیت عطا فرمائے گا۔

اس وقت تہجد کا مبارک وقت ہے جو وقت قبولیت ہے، کیونکہ حدیث مبارکہ کے مطابق رات کے آخری پہر میں رحمت الٰہی آسمان دنیا پہ آ کر آوازیں دیتی ہے کہ ہے کوئی مجھ سے بخشش مانگنے والا کہ میں اسے بخش دوں، ہے کوئی مجھ سے رزق کا طلبگار کہ میں اسے رزق عطا کر دوں اور ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے عافیت سے نواز دوں۔ (ابن ماجہ کتاب الاقامہ)

پھر کعبۃ اللہ میرے سامنے ہے جو قبولیت کا سب سے اہم مقام ہے، تو میری دعا ہے کہ یا اللہ میری اس تفسیر کو میرے لیے اور سب قارئین کے لیے وجہ نجات اور ذریعہ بخشش بنا۔ اور میں نے جس طرح اس میں قادیانیت، رافضیت، خارجیت اور لادینیت کا رد کیا ہے اے اللہ! اسے گمراہوں کے لیے وجہ ہدایت بنا اور اس کا افادہ تا قیامت جاری فرما۔ آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم اجمعین

سورۃ الطارق

سورۃ الطارق ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم 86 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 35 ویں سورت ہے۔ جو سورۃ القمر سے قبل اور سورۃ البلد کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے یہ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ سے شروع ہوئی، اس لئے اسے سورۃ الطارق کہتے ہیں۔ اس میں ایک رکوع، 17 آیات، 60 کلمات اور 239 حروف ہیں۔

فضیلت

نبی اکرم ﷺ اپنے مواعظ حسنہ میں اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت خلاد عدوانی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو منیٰ میں دیکھا کہ آپ بنوثقیف کے پاس گئے اور ان سے تقاضا کیا کہ وہ آپ کی مدد کریں، اس وقت آپ سورہ الطارق کی تلاوت فرما رہے تھے۔ (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۳۳۵)

مضامین

اس سورت کے آغاز میں ستارۂ طارق کی قسم یاد فرمائی گئی۔ پھر اس سورت میں بتایا گیا کہ ہر جان پہ ایک نگران مقرر ہے اور انسان کو اپنے مادۂ تخلیق کی طرف دھیان دینا چاہیے کہ وہ پانی کے چند قطروں سے بنا ہے، یعنی پھر وہ تکبر کیوں کرتا ہے؟ اس کے بعد قرآن کریم کی عظمت وحقانیت بتائی گئی ہے اور یہی مضمون گزشتہ سورت کے آخر میں تھا اور یہی ان دونوں کے مابین وجہ مناسبت ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ١٧ ٨٦ سُوْرَةُ الطَّارِق مَکِّیَّةٌ ٣٦ رکوعاتھا ١

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ② النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ③

قسم ہے آسمان کی اور طارق کی۔ اور تم کیا جانو طارق کیا ہے؟ وہ شعلہ بار ستارہ ہے [1]

اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ ④ فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ⑤

ہر جان پر ضرور محافظ موجود ہے [2] تو انسان دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا؟

خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ⑥ يَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ ⑦ اِنَّهٗ عَلٰى

وہ اُچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا جو پشت اور سینے سے نکلتا ہے۔ بے شک اللہ انسان کے لوٹانے پر قادر ہے۔ [3]

رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ⑧ يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ⑨ فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ⑩

جس دن خفیہ بھید کھول دیئے جائیں گے۔ تو انسان کیلئے نہ کوئی قوت ہو گی نہ مددگار۔ [4]

تخلیق انسانی سے قیام قیامت پر استدلال اور حقانیتِ قرآن

[1] یہاں آسمان اور طارق کی قسم اُٹھائی گئی اور وضاحت کی گئی کہ طارق وہ شعلہ بار ستارہ ہے جو ان شیاطین کو مارا جاتا ہے جو آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی بات سننا چاہتے ہیں۔ اس کو طارق اس لئے کہا گیا کہ اس کا لغوی معنی رات کو اچانک آنے والے مہمان ہے۔ چونکہ یہ شعلہ بار ستارہ (نجم ثاقب) رات کو اچانک نمودار ہوتا ہے، اس لئے اسے طارق کہا گیا۔ وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

اس آیت کا نزول کلبی کی روایت کے مطابق اس وقت ہوا کہ ابو طالب نبی کریم ﷺ کے لئے دودھ لائے۔ آپ نے انہیں روٹی پیش کی، وہ روٹی کھا رہے تھے کہ اچانک آسمان میں ایک ستارہ نمودار ہوا ایسے لگا جیسے ایک پانی بہا جو آگ بن گیا۔ ابو طالب نے حیران ہو کر پوچھا اے محمد (ﷺ) یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ستارہ ہے جو شیاطین کو مارا جاتا ہے اور یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تب یہ آیات اتریں: وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① (تفسیر بغوی جلد ٧ صفحہ ٢٣٢)

[2] یہاں لَمَّا بمعنی اِلَّا ہے یہ عرب کے قبیلہ بنو ہزیل کی لغت ہے۔ (بغوی وخازن)

تو معنی یہ ہے کہ اللہ نے آسمان اور ستارے کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ ہر جان پر ایک محافظ موجود ہے، قوی تفسیر کے مطابق یہاں محافظ سے اللہ مراد ہے کیونکہ وہ ہر جان کا نگران ہے وہ فرماتا ہے:

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ''اللہ ہر چیز کا محافظ ہے۔'' (احزاب ۵۲) اور یہ بات کہ اللہ اس پر ہر وقت نگران ہے، بندے کو گناہ سے دور رکھتی ہے۔

اللہ رب العزت اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے

مروی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک صالح نوجوان تھا اسے ایک عورت نے ورغلایا اور تنہائی میں لے گئی تا کہ اس سے برائی کا تقاضا کرے۔ وہ کہنے لگا کہیں اور چلتے ہیں وہ اسے بازار میں لے آیا اور کہنے لگا اب بتاؤ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ وہ کہنے لگی بازار میں تم میری خواہش پوری نہیں کر سکتے یہاں سب لوگ دیکھ رہے ہیں۔ یہاں اس بازار میں سرعام لوگوں کے سامنے میری خواہش کیسے پوری کی جاسکتی ہے؟

نوجوان نے کہا: اے عورت! پھر تجھے اللہ سے شرم نہیں آتی جو ہر وقت ہر حال میں ہر جگہ دیکھ رہا ہے۔ اس عورت پر نوجوان کی باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے نیکی کی زندگی اختیار کر لی۔ اس میں نوجوانوں کے لیے عظیم درس عبرت ونصیحت ہے کہ جب ان کو شیطان برائی پہ اُکسائے تو ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک بار جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ آپ نے ایک غلام کو دیکھا تو آزمانے کے لئے اسے کہا تم اپنی ایک بکری مجھے فروخت کر دو اور پیسے اپنے پاس رکھ لو۔ اس نے کہا میرا آقا بہت سخت ہے مجھے سزا دے گا۔ آپ نے فرمایا تم اسے کہہ دینا کہ بکری کو بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا تھا، وہ کہنے لگا میں زمین والے آقا کی پکڑ سے تو بچ جاؤں گا مگر عرش والے آقا کی پکڑ سے کون بچائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کی باتیں اس قدر پسند آئیں کہ آپ اس کے مالک کے پاس گئے اور اسے اس کے آقا سے خرید کر آزاد کر دیا۔ (تفسیر روح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۷)

دوسری تفسیر کے مطابق یہاں حافظ سے مراد فرشتے ہیں جو انسان کی نیکی بدی لکھتے ہیں کیونکہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ''بیشک تم پہ محافظ مقرر ہیں، جو معزز لکھنے والے ہیں وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔'' (الانفطار، ۱۱)

[3] یعنی انسان کو دیکھنا چاہیے کہ اسے کس چیز سے بنایا گیا ہے؟ اسے باپ کی پشت اور ماں کی چھاتی سے مخصوص وقت میں اچھل کر نکلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ تو جو رب چند قطروں سے انسان بنا سکتا ہے وہ مردہ ہڈیوں کو دوبارہ انسان کی صورت میں بھی لوٹا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ترائب عورت کے سینے کا وہ حصہ ہے جہاں وہ ہار پہنتی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۱۵)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) مذمت تکبر:

انسان کو بتایا گیا ہے کہ وہ اس پانی کے چند قطروں سے بنا ہے جو کپڑوں سے لگیں تو کپڑے ناپاک ہو جائیں، پھر وہ کس بات پہ تکبر کرتا ہے، ایک بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وعظ میں بار بار فرمایا اے انسان! تو پیشاب کی نالیوں سے پیدا ہوا ہے حتیٰ کہ ہر کوئی شخص اپنے آپ کو ہر چیز سے حقیر جاننے لگا۔

(2) باپ کی نسبت ماں اولاد کی محبت کی زیادہ مستحق ہے:

مِنۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ ؁ میں بیان ہوا کہ باپ کا پانی صلب سے نکلتا ہے اور ماں کا پانی اسکے سینے سے۔ گویا وہ دل کے قریب ہے۔ اسی لئے ماں اپنے بچوں کے ساتھ باپ سے کئی گناہ زیادہ پیار کرتی ہے اور وہ ان کی محبت اور حسن سلوک کی زیادہ مستحق بھی ہے۔

اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا میرے حسن سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پھر عرض کیا، فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پھر عرض کیا: اس کے بعد کون؟ فرمایا تمہارا باپ۔

(صحیح بخاری کتاب الادب باب ۲، مسلم کتاب البر حدیث ۱)

گویا باپ ایک دفعہ حسن سلوک کا مستحق ہے اور ماں تین دفعہ۔

[4] قیامت کے دن دلوں کے بھید ظاہر ہو جائیں گے اور جو نیکی دکھاوے کے لئے کی گئی وہ گناہ بن جائے گی اور جو گناہ کسی اچھی نیت سے کیا گیا وہ نیکی بن جائے گا جیسے صلح کرانے کے لئے جھوٹ بولنا۔ اسی طرح روز قیامت انسان کے چھپے ہوئے گناہ عمل نامہ میں ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت کافر کے لئے کوئی قوت ہوگی نہ کوئی مددگار ہوگا۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ۙ﴿۱۱﴾ وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ۙ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ۙ﴿۱۳﴾
قسم ہے لوٹنے والے آسمان کی، اور پھٹنے والی زمین کی بے شک قرآن فیصلہ کن کلام ہے۔
وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ ؕ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيۡدُ كَيۡدًا ۚ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ
وہ مذاق نہیں ہے [5] بلاشبہ کفار اپنا داؤ کرتے ہیں اور میں اپنی تدبیر کرتا ہوں۔ تو آپ کافروں کو
الۡكٰفِرِيۡنَ اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا ﴿۱۷﴾
مہلت دیں انہیں کچھ مہلت ضرور دیں [6]۔

ع ۱ ۱۱

[5] یعنی لوٹنے والے آسمان اور پھٹنے والی زمین کی قسم! قرآن حق و باطل، صدق و کذب اور نیکی و بدی میں فرق کر

دینے والی کتاب ہے، اس لئے اس کا نام فرقان بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ۔ ”برکت والا ہے اللہ جس نے اپنے بندے پر فرق کرنے والی کتاب اُتاری ہے۔“ (فرقان،۱) آسمان کو لوٹنے والا اس لئے کہا کہ اس میں جو مخلوق نظر آتی ہے وہ لوٹ رہی ہے جیسے چاند سورج ستارے سیارے اپنی اپنی گردش میں لوٹ لوٹ کر آرہے ہیں، پھر ارواح آسمان سے آکر اپنے اجسام میں کچھ عرصہ رہتی ہیں، پھر آسمان کی طرف لوٹ جاتی ہیں تو آسمان میں لوٹنے کا عمل جاری ہے۔ اور زمین کو پھٹنے والی اس لئے کہا کہ ہر پودا اور درخت زمین کو پھاڑ کر باہر آتا ہے، پھر زمین کو پھاڑ کر عمارت بنائی جاتی ہیں اور مُردے دفنائے جاتے ہیں اور روز قیامت مُردے زمین کو پھاڑ کر باہر آجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ”اور جب قبریں پھاڑ دی جائیں گی۔“ (انفطار،۴)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن مذاق کا کلام نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہا کیونکہ کفار قرآن کو شاعرانہ تخیلات اور کسی وہمی جنت و نار اور فرضی روز قیامت کا بیان سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن کوئی مذاق کا کلام نہیں ہے۔ یہاں سے عظمت قرآن معلوم ہوئی کہ قرآن گہری حکمت پر مبنی کلام ہے اور وہ حق و باطل کا فیصلہ کرتا ہے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ کی امت میں اختلاف ہوں گے، میں نے پوچھا پھر ان سے نکلنے کا کیا طریقہ ہے؟ انہوں نے کہا وہ اللہ کی کتاب ہے جس نے قرآن کا دامن پکڑ لیا وہ نجات پا گیا، جس نے اسے چھوڑا وہ ہلاک ہو گیا۔ یہ قول فیصل ہے ہنسی مذاق نہیں۔“

(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۴۷۷ بحوالہ ابن مردویہ)

[6] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار قرآن اور قرآن والے رسول کے خلاف اپنا داؤ کرتے ہیں اور میں اپنی تدبیر فرماتا ہوں۔ لہٰذا اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کفار کو کچھ مہلت دیں یعنی ان کی ہلاکت کے لئے دعا میں جلدی نہ کریں ورنہ وہ ابھی تباہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف دعا نہ فرمائی بالآخر فتح مکہ کے موقع پر ان کی اکثریت اسلام لے آئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا بے حد مقبول ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کفار کو کچھ مہلت دیں۔ اور بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعا کی فوراً قبول ہوئی بلکہ آپ جس کے لیے قبولیت کی دعا فرما دیں وہ بھی مستجاب الدعوات بن جاتا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا کی تو وہ جو دعا کرتے فوراً قبول ہو جاتی تھی حتیٰ کہ لوگ ان کی زبان سے نکلنے والے الفاظ سے ڈرتے تھے۔ اس کی تفصیل میں دلائل النبوۃ لابی نعیم اور ریاض النضرۃ کے تراجم میں لکھ چکا ہوں۔

الحمد للہ آج 8 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 6 دسمبر 2008ء منیٰ شریف کے خیمہ میں بیٹھ کر حالت

احرام میں سورۃ الطارق کی تفسیر مکمل کرنے کا اس گناہ گار وسیاہ کار کو شرف وثواب حاصل ہوا۔ آج رات ہمیں معلم کی طرف سے بھیجی جانے والی کوچز مکہ مکرمہ سے میدان منیٰ میں لے آئیں۔ آج کا دن اور رات ہم یہیں گزاریں گے اور کل ان شاء اللہ میدان عرفات کی طرف روانگی ہوگی جہاں حج کا سب سے اہم رکن وقوف عرفہ ادا ہوگا اور اس دوران میری کوشش رہے گی کہ تحریر کا کام جاری رہے۔ منیٰ کے خیموں میں حجاج کو نماز پڑھنے اور کھانا کھا کر سو جانے کے سوا کوئی کام نہیں ہے، فراغت ہی فراغت ہے، ایسے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت عطا فرمائی ہے کہ ایک کونے میں کتابوں کا ڈھیر لگائے بیٹھا ہوں اور تیزی سے قلم چل رہا ہے ع۔ طبع پر جوش ہے رکتا نہیں خامہ تیرا۔ اللہ رب العزت اس مقدس مقام، حالت احرام اور مطہر ہنگام کی برکت سے اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم اجمعین۔

سورۃ الاعلیٰ

سورۃ الاعلیٰ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 87ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے ساتویں سورت ہے، اس سے قبل چھ سورتیں نازل ہوئیں۔ سورہ اقراء، نون، مزمل، مدثر، لہب اور تکویر۔ سورۃ الاعلیٰ کے بعد سورۃ اللیل نازل ہوئی۔ (تفسیر الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی صفحہ ۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ مکی سورت ہے یہ سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ کے الفاظ سے شروع ہوئی، اس لئے سورۃ الاعلیٰ کہلائی۔ اس میں ایک رکوع، 19 آیات، 72 کلمات اور 291 حروف ہیں۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۙ﴿۱﴾ سے محبت رکھتے تھے۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۴۸۰ بروایت بزار واحمد وابن مردویہ)

حضرت ابوعتبہ خولانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کی نماز میں سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۙ﴿۱﴾ اور هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ؕ﴿۱﴾ پڑھتے تھے۔ (ابن ماجہ کتاب الاقامہ باب ۱۰)

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عید میں سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۙ﴿۱﴾ اور هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ؕ﴿۱﴾ پڑھتے تھے۔ (ابن ماجہ کتاب الاقامہ باب ۲۰)

مضامین

سورۃ الاعلیٰ میں بتایا گیا کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم آپ کو قرآن کریم یوں پڑھائیں گے کہ آپ بھول نہ سکیں گے، مگر جو اللہ چاہے۔ پھر بتایا گیا کہ کافر جہنم میں نہ جیے گا نہ مرے گا۔ پھر فرمایا کہ لوگو تم دنیا کو ترجیح دیتے ہو جبکہ آخرت ہی بہتر اور لازوال ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۱۹ ۸۷ سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی مَکِّیَّۃٌ ۸ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۟ۙ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۪ۙ وَالَّذِیْ قَدَّرَ

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کے نام کی پاکی بولیے جو اعلیٰ ہے۔[1] جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا تو برابر بنایا۔ اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ

فَهَدٰى ۪ۙ وَالَّذِیْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۪ۙ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ؕ سَنُقْرِئُكَ

مقرر کیا پھر اسے راہنمائی دی[2] اور جس نے چارہ اُگایا پھر اسے سیاہ بھوسہ بنا دیا[3] ہم آپ کو پڑھائیں گے تو آپ

فَلَا تَنْسٰۤى ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰى ؕ وَنُیَسِّرُكَ

بھول نہ سکیں گے سوا اس کے جو اللہ چاہے۔ وہ ہر ظاہر اور خفیہ چیز کو جانتا ہے [4] اور ہم آپ کو آسانی

لِلْیُسْرٰى ۚۖ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰى ۙ وَیَتَجَنَّبُهَا

مہیا کریں گے [5] تو آپ نصیحت فرمائیں اگر نصیحت فائدہ دے [6] یقیناً جو ڈرے وہی نصیحت لے گا اور بدبخت

الْاَشْقَى ۙ الَّذِیْ یَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰى ؕ

اس سے دور رہے گا جو بڑی آگ میں جائے گا، پھر وہاں نہ مرے گا نہ جیئے گا [7] یقیناً وہ شخص کامیاب ہوا جس نے

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ

خود کو ستھرا کیا اور اپنے رب کا نام یاد کر کے نماز پڑھی [8] بلکہ تم دنیوی زندگی کو

الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۚۖ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ

ترجیح دیتے ہو جبکہ آخرت بہتر اور لازوال ہے، بے شک یہی نصیحت پہلے صحیفوں میں ہے

الْاُوْلٰی ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی ﴿۱۹﴾

یعنی ابراہیم وموسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں[9]۔

نشانہائے قدرت، حکم عبادت اور تذکیر آخرت

[1] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! آپ اللہ کے نام کی پاکی اس لئے بولیے کہ اس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اسے برابر کیا ہے یعنی اس میں کوئی کمی یا کجی نہیں رہنے دی۔ اور اللہ کے نام کی پاکی بولنا یہ ہے کہ اللہ کے تمام ناموں پر ایمان رکھا جائے اور انہیں اللہ کے لئے یوں مانا جائے جیسے وہ اس کی شان کے لائق ہیں۔ اور اس کا کوئی نام جیسا اس کے لئے ہے کسی اور کے لئے نہ مانا جائے، یہی مفہوم توحید ورد شرک ہے۔

سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی عظمت

رب اللہ تعالیٰ کے نام کی پاکی بولنے کا مفہوم سبحان ربی الاعلی کہنے میں پورے کمال کیساتھ موجود ہے۔ اسی لئے ان الفاظ کو نماز میں رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ (واقعہ، ۷۴) نازل ہوا تو حضور ﷺ نے ہمیں فرمایا: اسے اپنے رکوع میں داخل کرلو (رکوع میں سبحان ربی العظیم کہا کرو) اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى نازل ہوا آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اپنے سجدہ میں شامل کرلو (سجدہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى کہا کرو) (ابوداؤد کتاب الصلوۃ حدیث ۸۸۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے تو تین بار سبحان ربی العظیم کہے، یہ کم از کم ہے (زیادہ جتنی بار چاہے کہہ لے) اور جب سجدہ کرے تو تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور یہ کم از کم ہے۔'' (سنن ابی داود کتاب الصلوۃ حدیث ۸۸۶)

اس جگہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد امام باقر رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے آباء کرام سے روایت کرتے ہیں کہ ایک فرشتہ حزقائیل ہے۔ اس نے عرش الٰہی کو مکمل دیکھنا چاہا اس کے اٹھارہ ہزار پر ہیں، ہر پر سے دوسرے پر تک پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسی قدر پر مزید دے دیئے (اس کے چھتیس ہزار ہو گئے) پھر اللہ نے اسے اُڑنے کا حکم دیا وہ بیس ہزار برس تک اُڑتا رہا، مگر وہ عرش کے ایک پائے کے سر تک نہ پہنچ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسی قدر پر مزید دے دیئے اور اُڑنے کا حکم دیا وہ تیس ہزار برس تک اُڑتا رہا، مگر عرش کے پائے کے سر تک نہ پہنچ سکا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ اگر تم صور کے پھونکے جانے تک اُڑتے رہو تو میرے عرش کا ایک پایہ نہیں دیکھ سکتے، فرشتے نے کہا سبحان ربی الاعلیٰ۔ تب اللہ تعالیٰ نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى کو نازل فرمایا اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ان

الفاظ کو اپنے سجدے میں شامل کروا سے امام ثعلبی نے کتاب العرائس میں بیان کیا ہے۔(تفسیر قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۱۳)
اللہ اکبر یعنی وہ تسبیح جو ایک فرشتے کو پچاس ہزار برس کی پرواز کے بعد عطا فرمائی گئی وہ امت مصطفیٰ ﷺ کو اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کے صدقے میں بلا طلب عطا فرما دی۔

[2] یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے اس کا رزق مقرر کیا پھر اسے اس کے حصول کی طرف راہنمائی دی۔ چنانچہ کسی انسان کا رزق جہاں لکھا ہو وہ وہاں پہنچ جاتا ہے، اسی طرح جانور اپنے رزق تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسی لئے آگے اللہ تعالیٰ نے وَالَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی فرمایا۔ دوسری جگہ قرآن نے یہ مفہوم یوں بیان کیا: رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴿۵۰﴾ ''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی تخلیق دی پھر راہنمائی فرمائی۔'' (طٰہٰ، ۵۰) اس میں یہ درس ہے کہ ہر انسان کا رزق پہلے سے لکھا ہے، لہٰذا وہ اس کے لئے حرام ذرائع اختیار نہ کرے اور حلال پر صبر رکھے جو لکھا ہے وہ مل کر رہے گا اور اللہ اسے وہاں تک ضرور راہنمائی دے گا۔

[3] یعنی جانوروں کا چارہ پرانا ہو کر بھوسہ بن جاتا ہے اور سیاہ رنگ ہو جاتا ہے جبکہ پہلے وہ سبز ہوتا ہے۔ یہی انسان کا حال ہے پہلے اس کے جسم پر حسن و جوانی کی بہار آتی ہے، پھر بڑھاپا اسے کمزور و ناتواں بنا دیتا ہے اور آخر اس کی مٹی مرنے کے بعد خشک بھوسے کی طرح ہوا میں اُڑ جاتی ہے۔

[4] یعنی اے پیارے حبیب ﷺ! ہم آپ کو قرآن یوں پڑھائیں گے کہ آپ بھول نہ سکیں گے، سوا اس کے جو اللہ چاہے کہ آپ کو قرآن کا کوئی حصہ بھلا دیا جائے تو وہ آپ کو بھلا دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ ہر ظاہر و خفیہ چیز کا عالم ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ کس حصہ کو قرآن میں سے ظاہر رکھنا ہے اور کس حصہ کو بھلا کر خفیہ کر دینا ہے۔ چنانچہ کئی سورتیں ابتداء میں نازل ہوئیں پھر وہ حضور ﷺ کو مکمل بھلا دی گئیں۔ تو وہ صحابہ کو بھی بھول گئیں، مگر یہ حضور ﷺ کے زمانہ ظاہری میں ہوا۔ آپ کے بعد قرآن میں سے کسی حصہ کو نکالا نہیں جا سکتا۔ آپ ﷺ جس حالت پر قرآن کو چھوڑ کر گئے وہ مکمل حالت ہے۔ اس میں تبدیلی کا امکان نہیں۔ مجاہد اور کلبی نے روایت کیا کہ جب حضور سرور کونین ﷺ پر قرآن اترتا تو آپ اسے دوران نزول ہی پڑھنے لگتے تاکہ وہ آپ کو بھول نہ جائے تب یہ آیت نازل ہوئی: سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤی﴿۶﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم آپ کو پڑھائیں گے، تو آپ بھول نہ سکیں گے سوا اس کے اللہ خود کوئی حصہ آپ کو بھلوانا چاہے۔
(قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۱۸)

اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا: لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ﴿۱۷﴾ ''اے پیارے رسول ﷺ! آپ قرآن کے ساتھ (دوران نزول) اپنی زبان کو حرکت نہ دیں اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔'' (قیامہ، ۱۶)

نسخ تلاوت کا ثبوت

معلوم ہوا قرآن کی بعض آیات پہلے اُتریں پھر انہیں بھلا دیا گیا، اسی کو نسخ تلاوت کہتے ہیں۔ اسی کے بارے میں یہ آیت ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ ''ہم جس بھی آیت کو منسوخ کریں یا اسے بھلا دیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔'' (بقرہ، ۱۰۶) اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انصاری صحابہ کو ایک سورت پڑھائی تھی وہ اکثر اسے پڑھتے تھے۔ پھر ایک رات وہ اسے بھول گئے وہ ساری رات کوشش کے باوجود اسے پڑھ نہ سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ماجرٰی عرض کیا گیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت بھلا دی گئی ہے اب اس کا خیال چھوڑ دو۔ (طبرانی کبیر جلد ۱۲ صفحہ ۲۲۳ حدیث ۱۳۱۴۱ مطبوعہ داراحیاء بیروت)

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا استاذ صرف اللہ رب العزت ہے

سَنُقْرِئُكَ سے پتہ چلا کہ آپ کو اللہ سکھاتا ہے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استاذ ہے کوئی اور نہیں۔ جو لوگ جبریل علیہ السلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا استاذ کہتے ہیں وہ غلط سمجھتے ہیں، جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استاذ نہیں وہ قاصد (Post man) ہیں اور قاصد ڈاک پہنچاتا ہے ضروری نہیں وہ اس کا مفہوم بھی جانتا ہو۔ اگر جبریل علیہ السلام آپ کے استاذ ہوں تو آپ کو ان کے سامنے ادب سے بیٹھنا چاہیے جبکہ جبریل علیہ السلام آپ کے سامنے نہایت ادب سے بیٹھتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام آئے اور اپنے گھٹنوں کو چاہیے کے سامنے دوزانو کر کے بیٹھ گئے اور رانوں پہ بصورت تشہد ہاتھ رکھ لئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کے بارے میں کچھ بتائیں۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان باب ۳۷ مسلم کتاب الایمان حدیث ۱)

[5] یعنی اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے لئے آسانی فراہم کریں گے کہ آپ اور آپ کے صحابہ پر ہونے والی کفار کی سختیاں جلد ختم ہو جائیں گی، چنانچہ ہجرت کے بعد آپ پر آسانیوں کے دروازے کھل گئے۔ ہر آنے والا دن آسانی و فتح لے کر آیا۔ اس کا یہ مفہوم بھی ہے کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی دعا سے ہم آپ کی امت کو آسان احکام دیں گے۔ چنانچہ باب طہارت میں نجاست زدہ کپڑے کے کاٹنے کی جگہ اسے دھونے اور وضوء کی جگہ عند الضرورت تیمم کی آسانی عطا فرمائی گئی۔ باب صلوٰۃ میں ساری زمین کو جائے سجدہ بنا دیا گیا، باب صوم میں ابتداً روزہ چوبیس گھنٹوں پہ پھیل جاتا تھا پھر اسے صبح صادق سے غروب آفتاب تک محدود کر دیا گیا وغیرہ۔ اس کا یہ مفہوم بھی ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کی شفاعت سے آپ کی امت کے گناہ معاف کریں گے، یوں ان کے لیے جنت کا راستہ آسان ہو جائیگا۔ چنانچہ آج بھی وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ۔ (نساء، ۶۴) کے مطابق ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم امت کی شفاعت فرما رہے ہیں اور روز قیامت تو آپ ہی در شفاعت کھولیں گے۔

[6] اگر سوال کیا جائے کہ نبی کی نصیحت تو بہر حال نفع دیتی ہے، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ اگر

نصیحت نفع دیتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بطور اتمام حجت ہے۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے کسی سے کہا جائے کہ اگر مسجد عبادت کے لئے ہے تو تمہیں مسجد میں عبادت کے لئے آنا چاہیے یعنی یقیناً مسجد عبادت کے لئے ہے تو مسجد میں ضرور آؤ۔ یہاں بھی یہی مفہوم ہے کہ اے پیارے رسول ﷺ! چونکہ نصیحت بہرحال نفع دیتی ہے تو آپ نصیحت فرماتے رہیں۔ قرآن میں اس کی مثال یوں ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ۝۵۲ "آپ فرمائیں ذرا بتاؤ کہ اگر قرآن اللہ کی طرف سے ہے پھر تم اس سے انکار کرتے ہو تو اس سے بڑا گمراہ کون ہے جو دور کے جھگڑے میں مبتلا ہے۔" (حٰم سجدہ، ۵۲) یعنی ضرور قرآن اللہ کی طرف سے ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى میں اِنْ بمعنی اذ ہے جیسے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۱۳۹ (آل عمران، ۱۳۹) میں ان بمعنی اذ ہے۔ معنی یہ ہوا کہ اے پیارے محبوب جب نصیحت نفع دیتی ہے تو آپ نصیحت فرماتے رہیں۔

معلوم ہوا مبلغ کو نصیحت و وعظ کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھنا چاہیے اس کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اگر کسی کو فائدہ نہ بھی ہو تو خود مبلغ کو اجر و ثواب ضرور ملتا رہتا ہے۔

[7] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ نصیحت فرماتے رہیں مگر نصیحت وہی پکڑے گا جس کے دل میں اللہ و آخرت کا ڈر ہے۔ اور جو ازلی بدبخت ہے وہ نصیحت سے دور بھاگے گا۔ پھر وہ جہنم کی بڑی آگ میں (جو کفار کے لیے خصوصاً تیار کی گئی ہے) داخل ہوگا جہاں وہ مرے گا نہ جیئے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ "کافر کو (جہنم میں) ہر طرف سے موت آئے گی مگر وہ مر نہ سکے گا۔" (ابراہیم، ۱۷)

مومن کو جہنم میں ایک موت سی آجائے گی جو احساس کو ختم کردے گی

اس سے معلوم ہوا مومن جہنم میں بڑی آگ میں نہ جائے گا کہ جہاں وہ مر سکے نہ جی سکے، بلکہ مومن پر جہنم میں ایک عارضی موت آجائے گی جو اس کا احساس عذاب ختم کردے گی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل نار وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ وہیں رہنے والے ہیں وہ وہاں مریں گے نہ جئیں گے (یعنی کفار) جبکہ کچھ لوگوں (گناہگار مومنوں) کو ان کے گناہوں کے سبب آگ چھوئے گی اور اللہ انہیں ایک طرح کی موت دے دے گا حتیٰ کہ جب وہ کوئلہ ہو جائیں گے تو اللہ ان کے لئے اذن شفاعت دے گا، پھر انہیں گروہ در گروہ جنتی نہروں میں نہلایا جائے گا (اور ان کی سیاہی دور کرکے انہیں جنت میں بھیجا جائے گا)" (مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۰۶)

اس حدیث کے تحت امام نووی اور قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جہنم میں مؤمنین کو حقیقی موت نہیں آئے گی بلکہ ان کا احساس ختم کردیا جائے گا۔

[8] جب اللہ سے ڈرنے والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں تو وہ شخص یقیناً کامیاب ہوگیا جس نے خود کو پاک کرلیا اور اللہ کا نام یاد کرکے نماز پڑھی۔ اپنے آپ کو پاک کرنا یہ ہے کہ انسان پہلے اپنے دل کو برے عقائد و نظریات سے پاک کر

لے۔اس کے بعد اپنے دل کو برے اخلاق جیسے حب دنیا، کبر، حسد اور بغض وغیرہ سے پاک کر لے۔پھر اس قلبی تزکیہ کا سب سے اہم عملی مظاہرہ یہ ہے کہ انسان نماز پڑھے، کیونکہ اگر وہ نماز نہیں پڑھتا تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا دل حب دنیا میں مستغرق ہے اور حب دنیا کی قباحتوں میں حسد، کبر، کینہ، جھوٹ سب کچھ آجاتا ہے۔اور جو شخص نماز کو اس کی حقیقی روح سے پڑھتا ہے اس کا دل واقعتاً تمام قلبی کثافتوں سے پاک ہوجاتا ہے۔اسی لیے فرمایا گیا: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ ''بیشک نماز بےحیائی اور برے کاموں سے روک دیتی ہے۔'' (عنکبوت، ۴۵)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ﴿۱۴﴾ الخ کا مفہوم حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تزکّٰی سے مراد زکوٰۃ الفطر (صدقہ فطر) دینا ہے اور وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾ سے مراد اس کے بعد اللہ کے نام کی تکبیریں کہتے ہوئے نماز عید ادا کرنا ہے۔جیسے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے قبل صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیتے اور یہ آیت پڑھتے تھے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ﴿۱۴﴾ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۱۸ حدیث ۱۹۲۳۳)

اس حدیث کو بزار، بیہقی اور حاکم وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۴۸۵)

یہ آیت پہلی تفسیر سے متصادم نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ الفطر کی صورت میں راہ خدا میں مال دینا بھی انسان کا اپنے دل کو حب دنیا سے پاک کرنا ہی ہے اور زکوٰۃ کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ اس سے انسان کا دل حب دنیا سے پاک ہوتا ہے۔

[9] یعنی کامیابی تو یہی ہے کہ انسان خود کو پاک کرے اور نماز ادا کرے۔مگر اے لوگو! تم دنیا کو ترجیح دیتے اور آخرت سے روگردانی کرتے ہو حالانکہ آخرت ہی بہتر اور لازوال ہے تو جو شخص دنیا کی حقیر لذتوں کے لئے آخرت کی لازوال نعمتوں کو قربان کرے، وہ نہایت ناکام بدبخت اور احمق ہے۔اور دنیا ہر وہ کام ہے جو انسان کو اللہ سے غافل کرے۔ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں، یہ اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں اور دنیا وہ جمع کرتا ہے جس کا کوئی عقل نہیں۔'' (مسند احمد)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہی دنیا کی بے ثباتی اور فلاح آخرت کی باتیں ہم نے پہلے انبیاء جیسے ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی کہی ہیں۔اسی لیے قرآن نے صحف موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کی تعلیمات کی ایک جھلک دوسری جگہ یوں دکھائی ہے: اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾ ثُمَّ یُجْزٰىہُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ﴿۴۱﴾ ''کیا (تمہیں) خبر نہیں دی گئی کہ جو کچھ صحف موسیٰ میں تھا۔اور ابراہیم (علیہ السلام) وہ ہیں جنہوں نے وفا کر کے دکھادی۔ان کے صحیفوں میں یہ تھا کہ کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو وہ کوشش کرے اور اس کی کوشش کا جائزہ لیا جائے گا پھر اسے پوری پوری جزا دی جائے گی۔'' (نجم، ۳۶-۴۲)

یہاں صحف ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کا نام خصوصاً اس لئے لیا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جد الانبیاء ہیں اور ان کی شریعت

کے بعض احکام آج تک زندہ ہیں جیسے ختنہ، قربانی، حجامت اور ارکان حج وغیرہ۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو شریعت دی گئی وہ نزول قرآن تک انبیاء کے لئے دستور زندگی رہی، ورنہ یہی تعلیمات تمام انبیاء کی کتابوں اور صحیفوں میں تھیں۔

الحمد للہ یہ فقیر آج 9 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 7 دسمبر 2008ء بروز اتوار منیٰ شریف میں رات دو بجے بحالت احرام یہ الفاظ تحریر کر رہا ہے۔ اور اب سے چند گھنٹے بعد یعنی صبح نماز فجر ادا کرنے کے بعد میدان عرفات کی طرف روانگی تیار ہے، ممکن ہے اگلی سورت کی تفسیر وہیں میدان عرفات میں لکھی جائے۔ اللہ رب العزت ان مقامات مبارکہ کی بدولت اس تفسیر کو میرے اور تمام قارئین کے لئے ذریعہ نجات و بخشش بنائے۔ اللہ جل مجدہٗ الکریم اس کے کاتب و ناشر پر بھی اپنی رحمتیں برسائے اور اس کے پڑھنے والوں پہ بھی اپنی عنایات کی برسات فرمائے۔ آمین آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم اجمعین۔

سورۃ الغاشیہ

سورۃ الغاشیہ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 88ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 68ویں سورت ہے، جو سورہ کہف سے قبل اور سورہ ذاریات کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے اس کا آغاز هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ سے ہوا۔ اس لئے اسے سورۃ الغاشیہ کہتے ہیں غاشیہ قیامت کے ناموں میں سے ایک ہے۔

اس سورت میں ایک رکوع، 26 آیات، 92 کلمات اور 380 حروف ہیں۔

فضیلت

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عیدین میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ پڑھتے تھے اور اگر اتفاق سے عید کے ساتھ جمعہ بھی ہوتا تو عید اور جمعہ دونوں میں انہیں پڑھتے تھے۔ (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۲۷۰)

یہ حدیث حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے امام مالک، مسلم، ابوداود نسائی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے بھی روایت کی ہے

(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۴۹۰)

مضامین

اس سورت میں بتایا گیا کہ بعض چہرے روز قیامت شرم سے جھکے ہونگے، وہ جہنم میں جائیں گے جہاں ان کے لیے خوفناک عذابات ہیں، یعنی کفار۔ اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ کام کرنے کے باوجود محروم ہیں، یعنی ان کی نیکیاں برباد ہیں جیسے آج مغربی اقوام کے ہاں بہت سی اچھائیاں بھی ہیں، جیسے قیام عدل وانصاف، حقوق عامہ کا تحفظ، وغیرہ مگر ان باتوں کا انہیں دنیا ہی میں فائدہ ہے آخرت میں نہیں۔

آگے فرمایا کہ کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہونگے جو جنت میں جائیں گے جہاں ان کے لیے عظیم الشان انعامات ہیں، یعنی مومنین۔ اور یہی مضمون پچھلی سورت میں بھی تھا اور یہی ان دونوں میں وجہ مناسبت ہے۔

اس کے بعد جنتی نعمتوں کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے، جیسے وہاں کوئی لغو بات نہیں ہے، چشمے بہہ رہے ہیں، تخت بچھے ہوئے ہیں اور جام سجائے گئے ہیں۔

اس کے بعد اللہ رب العزت کی قدرت کی چار بڑی نشانیاں مذکور ہیں، اونٹ کی تخلیق، آسمان کی بلندی، پہاڑوں کی استادگی اور زمین کی گستردگی۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتها ٢٦ ٨٨ سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ٦٨ رکوعاتها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ① وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ② عَامِلَةٌ

یقیناً آپ کے پاس ڈھانپنے والی (قیامت) کی خبر آئی ہے۔ اس دن کئی چہرے رسوا ہوں گے، وہ عمل کر کے

نَّاصِبَةٌ ③ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ④ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ⑤ لَيْسَ لَهُمْ

ناکام رہنے والے ہیں [1] وہ بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔ انہیں کھولتے چشمے سے پلایا جائے گا ان کے لئے

طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ⑥ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ⑦ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ

زہریلی جھاڑی کے سوا کوئی کھانا نہ ہو گا جو نہ فربہی لائے گا نہ بھوک مٹائے گا [2] کچھ چہرے اس دن

نَّاعِمَةٌ ⑧ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ⑨ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ⑩ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ⑪

تروتازہ ہوں گے۔ اپنی کوشش پہ مطمئن، بلند جنت میں، جہاں وہ کوئی لغو بات نہ سنیں گے [3]۔

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ⑫ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ⑬ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ⑭

وہاں بہتا چشمہ ہے۔ اس جنت میں بلند تخت، پیش خدمت رکھے ہوئے پیالے،

وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ⑮ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ⑯

ترتیب سے لگائے گئے تکیے اور بچھے ہوئے قالین ہیں [4]

وقف لازم

قیامت میں مومنوں کا انعام اور کافروں کا انجام

[1] یہاں لفظ هَلْ بمعنی قد ہے جیسے هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ㊱ (مطففین، ٣٦) معنی یہ ہوا کہ اے پیارے رسول ﷺ! یقیناً آپ کے پاس ڈھانپنے والی قیامت کی خبر آئی ہے۔ قیامت بدکاروں کو عذاب سے اور

نیکو کاروں کو ثواب سے ڈھانپ لے گی۔ قیامت میں کچھ چہرے رسوا ہوں گے جنہوں نے دنیا میں عمل تو کیا، مگر نامراد رہے۔ معنی یہ ہے کہ کافر کو اس کے کسی نیک عمل کا آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا اور وہ وہاں رسوا ہوں گے۔ دوسری جگہ قرآن فرماتا ہے: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ؗ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ ''جو ایمان کے قبول کرنے سے انکار کرے اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہے۔'' (مائدہ، ۵)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک راہب کو اس کے معبد میں دیکھ کر رو پڑے اور یہی آیت پڑھی: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ۝ (ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۷ ۵۳ بروایت حافظ برقانی)

یعنی وہ اس بات پر روئے کہ دیکھو یہ کتنا بدنصیب ہے کہ زندگی عبادت میں گزارنے کے باوجود آخرت میں اپنے کفر کی وجہ سے کسی اجر کا مستحق نہ ہوگا۔

کافر کے لیے ایصال ثواب اور دعاء بخشش جائز نہیں

معلوم ہوا کافر کے مرنے پر اس کے لئے ایصال ثواب اور دعاء بخشش جائز نہیں ہے کیونکہ جب اسے اس کا اپنا کوئی عمل فائدہ نہیں دے سکتا تو کسی کی دعا اسے کیا فائدہ دے گی۔ البتہ کافر کے مرنے پر اس کے گھر والوں سے اظہار ہمدردی کرنے میں حرج نہیں بلکہ ایسا کرنا چاہیے کیونکہ اس سے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کے بارے میں اچھا تاثر قائم ہوتا ہے اور وہ اسلام کے قریب آتے ہیں۔

[2] یعنی کفار کو جہنم میں کھولتا پانی پینے کو اور ضریع جیسے کڑوے درخت کا طعام کھانے کو دیا جائے گا۔ قرآن میں ہے: وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ ''جب کفار پانی مانگیں گے تو انہیں پگھلے تانبے جیسا پانی دیا جائے گا جو (اپنی بھاپ سے) ان کے چہرے بھون دے گا وہ کیا ہی برا مشروب ہے۔'' (کہف، ۲۹) جبکہ ضریع کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ضریع جہنم میں ایک کانٹے دار جھاڑی ہے جو ہر کڑوی چیز سے کڑوی تر، مردار سے بدبودار تر اور آگ سے گرم تر ہے۔''

مروی ہے کہ جب یہ آیت لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ۝ نازل ہوئی تو کفار نے کہا ہمارے اونٹ تو یہی ضریع (خاردار جھاڑی) کھاتے اور موٹے تازے ہو جاتے ہیں تو اس کے کھانے میں کون سا عذاب ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِىْ مِنْ جُوْعٍ۝ کہ جہنم کا ضریع نہ تو موٹا کرتا ہے اور نہ بھوک مٹاتا ہے۔ (مظہری)

بات دراصل یہ ہے کہ کفار دنیا میں شراب جیسا پیشاب پیتے رہے اور خنزیر مردار کتے بلے اور ہر غلیظ چیز کھاتے رہے اور اللہ کے حلال و حرام سے منہ موڑتے رہے، اس لئے انہیں جہنم میں یہ خوفناک کھانا پینا دیا جائے گا۔

[3] اس کے برعکس اہل ایمان کے چہرے روز قیامت تر و تازہ ہوں گے اور یہ تر و تازگی ان کے اعمال کے مطابق ہوگی، دنیا میں ان کے اعمال جس قدر اچھے تھے اسی قدر ان کے چہرے تر و تازہ ہوں گے۔ وہ اپنی کوشش پہ مطمئن ہوں

گے انہیں بلند جنت میں ٹھہرایا جائے گا، جہاں وہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے بلکہ فرشتوں کا سلام اور اللہ کی حمد و تسبیح کے نغمے ہی سنیں گے۔

معلوم ہوا لغویات کہنا بھی گناہ ہے اور سننا بھی اور یہ اہل جنت کی شان ہے کہ وہ کوئی بیہودہ کہیں گے نہ سنیں گے۔ لہٰذا گانا گانا اور سننا دونوں گناہ ہیں غیبت کرنا اور سننا دونوں گناہ ہیں۔ اسی طرح فحش مذاق اور کسی کی تضحیک کرنا اور سننا دونوں گناہ ہیں۔

[4] اہل جنت کے لئے جنت میں اونچے تخت بچھائے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنتی تخت زبرجد و یاقوت سے مزین ہیں اور جب تک ان کے مالک نہ آئیں وہ بلند رہتے ہیں۔ جب مالک آئیں تو نیچے آجاتے ہیں جب وہ ان پر بیٹھ جائیں تو تخت اپنی جگہ کی طرف بلند ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۲۳۸)

اہل جنت کے سامنے طرح طرح کے مشروبات اور کھانوں کے پیالے رکھے اور اُٹھائے جائیں گے، ایک جام اٹھایا جائے گا تو دوسرا رکھ دیا جائے گا۔ اور ان کے لئے نرم و گداز گاؤ تکیے اور قالین بچھے ہوں گے۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾
کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کیا گیا اور آسمان کو کہ کیسے بلند کیا گیا
وَاِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾
اور پہاڑوں کو کہ کیسے کھڑے کئے گئے اور زمین کو کہ کیسے بچھائی گئی ہے [5]
فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى
تو آپ نصیحت فرمائیں کہ آپ کا منصب ہی نصیحت فرمانا ہے۔ آپ کا کام انہیں مجبور کرنا نہیں ہے۔ سوا اس کے جو منہ پھیرے
وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَیُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَیْنَاۤ اِیَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ
اور کفر کرے تو اللہ اسے بڑا عذاب دے گا [6] بے شک انہیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے پھر ہمارے ذمہ
عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾ ع
ان کا حساب ہے [7]

[5] اللہ تعالیٰ کی قدرت اور روز قیامت کے منکروں کو دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے

کہ اسے اس قدر منافع بخش جانور کس نے اور کیسے بنایا؟ اور اتنے بڑے آسمان کو کس نے یوں بغیر ستون کھڑا کر دیا؟ اور اتنے بڑے پہاڑ کہاں سے لائے گئے اور انہیں کس طرح کھڑا کیا گیا اور اتنی بڑی زمین کیسے بچھائی گئی؟ آخر یہ ساری چیزیں ازخود کس طرح وجود میں آسکتی ہیں۔ ضرور کوئی ان کا خالق ہے اور وہ خالق اللہ کے سوا کون ہے؟ جن پتھروں جانوروں اور ستاروں کو مشرکین پوجتے ہیں کیا وہ ان چیزوں کو بنا سکتے ہیں؟ نہیں۔ وہ صرف اللہ ہے جو ان سب چیزوں کا بنانے والا ہے۔

اونٹ کے محیر العقول خصال

اونٹ کا ذکر خصوصاً اس لئے کیا گیا کہ قرآن کے نزول کے وقت اہل عرب کے ہاں یہی جانور سب سے زیادہ زیر استعمال تھا اور اب بھی ہے اور اس کے منافع سب جانوروں سے زیادہ ہیں۔ مثلاً

یہ سوکھے تنکے اور گٹھلیاں کھا کر زندہ رہ لیتا ہے۔

یہ عظیم الجثہ ہونے کے باوجود آسانی سے بوجھ اٹھالیتا ہے، کئی دوسرے جانور بڑا جثہ رکھتے ہیں مگر وہ بوجھ نہیں اُٹھا سکتے۔

اتنا مطیع ہے کہ چھوٹے بچے بھی اسے چلائے پھرتے ہیں۔

یہ دودھ بھی دیتا ہے اور اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔

یہ جنگلوں اور صحراؤں میں کئی دن (زیادہ سے زیادہ پندرہ دن) تک بغیر کھائے پیئے بھوکا پیاسا چلتا رہتا ہے۔ اسی لیے اس کو سفینۂ صحرائی کہا جاتا ہے۔

دوسرے باربردار جانوروں پہ کھڑے کھڑے بوجھ ڈالا جاتا ہے۔ اگر ان کو بٹھا کر ان پر بوجھ لادا جائے تو وہ اٹھ نہیں سکتے، مگر اونٹ کو بٹھا کر اس پہ بوجھ ڈالا جاتا اور اسے اُٹھالیا جاتا ہے۔

جس راستے پہ وہ ایک بار سفر کر لے وہ اسے حفظ ہو جاتا ہے، اگر اسی راستے پر اسے دوبارہ چلایا جائے تو اسے چلانے کی ضرورت نہیں خود چلتا جاتا ہے۔ دوسرے کسی جانور میں یہ صفت نہیں ہے۔

آخر یہ فوائد اونٹ میں اللہ کے سوا کس نے رکھے، تو اللہ کی قدرت و حکمت کو کون جا سکتا ہے۔

پھر اونٹ میں یہ خصوصیت بھی ہے کہ اگر اسے چلانے والا حُدی خوانی کرے یعنی خوبصورت آواز میں اشعار پڑھے تو اونٹ وجد میں آجاتا ہے اور تیز تر چلنے لگتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگوں میں اونٹوں کو چلانے کے لئے قرآن پڑھتے تو اونٹوں کی وجدانی کیفیت بیان سے باہر ہو جاتی تھی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے شکوہ میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

بت صنم خانوں میں خوش ہیں کہ مسلمان گئے ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزل دہر سے اونٹوں کے حُدی خوان گئے اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے

درسِ اخلاق

ان آیات میں عظیم درس اخلاق ہے۔ یادرہے اونٹ میں اطاعت ہے کہ وہ عظیم الجثہ ہوکر چھوٹے بچوں کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ آسمان میں سخاوت ہے کہ بلند ہوکر اہل پستی کو روشنی اور پانی دیتا ہے، پہاڑوں میں استقامت ہے اور زمین میں تواضع و عجز ہے کہ لوگ اس پر گناہ کرتے ہیں اور وہ بحکم الٰہی خاموش ہے۔ تو انسان کو ان چیزوں سے یہ اخلاق حاصل کر لینے چاہیں۔

[6] جب قیامت میں کچھ چہرے رسوا اور کچھ تروتازہ ہوں گے تو اے پیارے حبیب ﷺ آپ لوگوں کو قرآن و ایمان کی نصیحت فرمائیں کہ یہی آپ کا فرض منصبی ہے۔ آپ کے ذمے کسی کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں ہے کہ جو اسلام نہ لائے آپ اسے سزا دیں۔ ہاں جو آپ کی نصیحت سے منہ موڑے اور کفر کی راہ اپنائے اللہ اسے سزا دے گا اور وہ بڑا عذاب ہے۔ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰی وَ کَفَرَ ﴿۲۳﴾ کا یہ مفہوم بھی ہے کہ اے پیارے رسول ﷺ! آپ کا کام کسی پر زبردستی کرنا تو نہیں مگر جو شخص منہ پھیرے یعنی اسلام دشمنی پر اُتر آئے اور اللہ کے دین کا راستہ روکے، اس پر آپ مصیطر ہیں یعنی اس کے خلاف دنیا میں جہاد کرنا آپ کی شان ہے۔ اور اللہ بھی اسے آخرت میں بڑا عذاب دے گا۔

[7] یعنی سب لوگوں نے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اللہ ہی روز قیامت ان سے حساب لے گا۔ حساب کو روز قیامت پر اس لئے چھوڑا گیا کہ مرنے سے قبل دنیا میں حساب مفید نہیں کیونکہ حساب کے بعد پھر عمل کا سلسلہ جاری ہو جائے گا اور مرتے ہوئے یا مرنے کے بعد بھی حساب درست نہیں کیونکہ مومن کو مرنے کے بعد بھی لوگوں کے استغفار، صدقات اور ایصال ثواب سے فائدہ ملتا ہے جس سے اس کے گناہ مٹتے اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ قیامت سے قبل ختم ہوجائے گا، اس لئے قیامت ہی حساب کا بہترین وقت ہے۔

الحمدللہ آج 9 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 7 دسمبر 2008ء بروز اتوار نماز عصر سے قبل میدان عرفات میں یہ فقیر حقیر پر تقصیر یہ تحریر سپرد قرطاس کر رہا ہے۔ بدن پہ احرام ہے، زبان پہ لبیك اللھم لبیك کا ترانہ ہے، میدان عرفات ہے اور نو ذی الحجہ کا عظیم الشان دن ہے۔ میں چشم پرنم کے ساتھ اللہ کا شکر کر رہا ہوں کہ اے اللہ! تو نے کرم فرمایا کہ مجھ گناہ گار کو آج کے دن ان لوگوں میں لا بٹھایا جن پر تو فرشتوں کے سامنے مباہات (فخر) فرماتا ہے کہ دیکھو فرشتو میرے بندے تیز دھوپ میں غبار آلود بالوں اور چہروں کے ساتھ یہاں پہنچے ہیں، انہیں کیا چیز یہاں لائی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ انہیں تیری رحمت کی امید یہاں لائی ہے، یہ تجھ سے بخشش مانگنے آئے ہیں۔

اللہ فرماتا ہے گواہ ہو جاؤ میں نے ان کو بخش دیا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ ان میں فلاں فلاں حرام کام کرنے والے بھی ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے سب کو بخش دیا (الترغیب والترھیب کتاب الحج) یعنی چونکہ وہ سچی توبہ کر رہے ہیں کہ وہ دوبارہ ان گناہوں کے قریب نہیں جائیں گے اس لیے میں نے ان کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیے ہیں۔

میدان عرفات کی دعا

تو میں بھی اے میرے کریم مولا! تجھ سے دست بدعاء ہوں کہ میرے تمام سابقہ گناہ بھی معاف فرما دے اور آئندہ مجھے نفس وشیطان کے شر سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! آج میرا حج بھی قبول فرما، اور جتنے حجاج یہاں آئے ہیں سب کا حج قبول فرما، اور ہم سب کو حج مبرور کی جزاء عطا فرما۔ اور یا اللہ اگر میں اس قابل نہیں ہوں کہ میرا حج قبول ہو تو میرے کریم آج اس میدان میں آنے والے لاکھوں مومنین میں تیرے مقبول ومقرب بندے بھی ہیں، اے میرے کریم اللہ! اپنے ان نیک بندوں کے طفیل میرا حج بھی قبول فرما لے۔ اے اللہ! اسی میدان میں تیرے پیارے محبوب سید المرسلین شفیع المذنبین ﷺ نے اپنی تا قیامت آنے والی امت کے لیے دعائیں فرمائی ہیں، مولا ہم سب کو ان دعاؤں کا مستحق بنا دے۔ اور اے اللہ! میں نے جو یہ تفسیر قرآن کریم لکھی ہے، جس کا اب صرف نصف پارہ باقی رہ گیا ہے، اسے میرے لیے، اس کے تمام قارئین کے لیے اور اس کے کاتب وناشر کے لیے باعث بخشش ونجات بنا دے۔ اور میری اس طویل محنت کو قبول فرما کر اسے رہتی دنیا تک مفید عام بنا۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ الفجر

سورۃ الفجر ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 89 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 9 ویں سورت ہے جو سورۃ الضحیٰ سے قبل اور سورۃ اللیل کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے۔ یہ وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ سے شروع ہوئی، اس لئے اسے سورۃ الفجر کہتے ہیں۔ اس میں ایک رکوع، 30 آیات، 133 کلمات اور 579 حروف ہیں۔

مضامین

سورۃ الفجر میں پہلے بعض مقدس اوقات کی قسم یاد فرمائی گئی، اس کے بعد بعض ان اقوام کا حال بیان کیا گیا جن کے پاس انبیاء کرام علیہم السلام آئے مگر انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام سے شدید عناد کا معاملہ کیا تو ان پہ اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ چنانچہ قوم ثمود، قوم عاد اور قوم فرعون کی نافرمانی اور ہلاکت بیان کی گئی۔

پھر بتایا گیا کہ عموماً جب انسان پہ اللہ مال و دولت کی فراوانی کرے تو وہ متکبر ہو جاتا ہے اور جب اس پہ رزق تنگ کیا جائے تو وہ اللہ کا شکوہ شروع کر دیتا ہے اور یہ دونوں ہلاکت کے راستے ہیں۔ یہی مضمون گزشتہ سورت میں بھی ایک انداز سے تھا، یہی ان کو جمع کرنے والا ہے۔

اس کے بعد قیامت والے دن فرشتوں کا صف در صف اُترنا، جہنم کا لایا جانا اور انسان کا اُس دن کفِ افسوس ملنا وغیرہ مذکور ہوا۔ اور آخر میں اطمینان والی جان کی دنیا سے واپسی کا ایمان افروز بیان ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ركوعاتها ١ ۝ ٨٩ سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ ١٠ ۝ اٰياتها ٣٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْفَجْرِ ۝١ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝٢ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝٣ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝٤ هَلْ فِيْ

قسم ہے فجر کی [1] اور دس راتوں کی [2] اور جوڑے اور اکیلے کی [3] اور رات کی جب وہ چلے [4] یقیناً اس میں

ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝٥ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦ اِرَمَ ذَاتِ

ہر عقل والے کے لئے بڑی قسم ہے [5] کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے عاد سے کیا کیا،

الْعِمَادِ ۝٧ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝٨ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا

یعنی ستونوں والی قوم ارم سے جس کی مثل کوئی قوم شہروں میں پیدا نہیں کی گئی [6] اور قوم ثمود سے کیا کیا جنہوں نے

الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝٩ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝١٠ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝١١

وادی میں چٹانیں کاٹ ڈالیں [7] اور میخوں والے فرعون سے کیا کیا [8] یعنی وہ لوگ جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی

فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝١٢ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝١٣

پھر کثرت سے وہاں فساد پھیلایا۔ تو تمہارے رب نے ان پر مختلف عذابات مسلط کر دیئے [9]۔

اسلام دشمن قوتوں کے لئے خدائی تنبیہ اور حبِ دنیا کی مذمت

[1] حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس فجر سے یوم نحر (دس ذی الحجہ) کی فجر مراد ہے۔ حضرت مجاہد اور محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مراد مروی ہے، کیونکہ یہ دن نماز عید الاضحیٰ اور قربانی جیسی اہم عبادات کا محل ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس سے دس محرم کی فجر مراد ہے کیونکہ اس سے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے نزدیک یہ دن محترم رہا۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے ایک روایت کے مطابق اس سے نماز فجر مراد

ہے یعنی اللہ نے نماز فجر کی قسم اٹھائی کیونکہ اس میں نیند کو قربان کر کے عبادت کے لئے اٹھنا پڑتا ہے، اس لئے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ پھر اس سے بعض مفسرین نے مطلقاً وقت فجر کی قسم بھی مراد لی ہے، کیونکہ یہ ایک مبارک وقت ہے، اس وقت رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے اور نماز پڑھنے والوں کا قرآن سنتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا: اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ ''فجر کے قرآن پر فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے۔'' (بنی اسرائیل، ۷۸)

[2] حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اور متعدد تابعین کے مطابق اس سے ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں (ابن جریر، مظہری، درمنثور و بغوی وغیرہم) (الحمد للہ، یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ میں یہ تحریر دس ذی الحجہ ہی کو منیٰ میں سپرد قلم کر رہا ہوں) کیونکہ اس عشرہ کو بہت فضیلت حاصل ہے۔

ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کی فضیلت

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ذی الحجہ کے (پہلے) دس دنوں سے بڑھ کر کسی دن میں کوئی عمل افضل نہیں۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد فی سبیل اللہ بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں جہاد فی سبیل اللہ بھی، اِلاّ یہ کہ کوئی شخص جان و مال کے ساتھ جہاد کے لئے نکلے اور اس کی کوئی چیز واپس نہ آئے۔'' (جان و مال سب کچھ راہ خدا میں قربان ہو جائے اس کی فضیلت تک کوئی نہیں پہنچ سکتا) (صحیح بخاری کتاب العیدین باب ۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ذی الحجہ کے دس دنوں سے بڑھ کر کوئی ایسا دن نہیں جس میں اللہ کو بندے کی عبادت پسند ہو، ان میں سے ہر دن میں روزہ رکھنا اللہ کے ہاں ایک سال کا روزہ رکھنے کے برابر ہے اور اسکی رات میں قیام کرنا لیلۃ القدر میں قیام کے برابر ہے۔ (ترمذی کتاب الصوم حدیث ۷۵۸، ابن ماجہ ابواب الصوم حدیث ۷۲۸)

رمضان کے عشرہ اخیرہ کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ روایت بھی ہے کہ وَلَيَالٍ عَشْرٍ سے رمضان المبارک کے آخری دس راتیں مراد ہیں۔ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۲۳)

اور کثیر احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان کے پہلے دس دنوں میں اعتکاف فرمایا تو آپ کو لیلۃ القدر نظر نہ آئی، پھر آپ نے درمیانی دس دنوں میں اعتکاف کیا تو آپ کو وہ نظر نہ آئی، پھر آپ نے رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرمایا تو آپ کو لیلۃ القدر نظر آ گئی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تحروا لیلۃ القدر فی العشر الاواخر من رمضان۔ کہ لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔ (صحیح بخاری کتاب فضل لیلۃ القدر حدیث ۲۰۱۷)

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان کے آخری عشرہ کو جہنم سے آزادی کا عشرہ قرار دیا ہے۔ یقیناً رمضان

المبارک کا آخری عشرہ بھی بے پناہ برکت کا حامل ہے اس کی مزید وضاحت آگے سورۃ القدر کے تحت آ رہی ہے۔
اور ابن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وَلَيَالٍ عَشْرٍ سے محرم کی پہلی دس راتیں بھی مراد ہوسکتی ہیں۔
(ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۵۶۰ حدیث ۳۷۰۷۲)

حقیقت یہ ہے کہ خواہ ذی الحجہ اور محرم کا پہلا عشرہ ہو یا رمضان کا آخری عشرہ، یہ سب ایام برکت وفضیلت والے ہیں اور ولیال عشر سے ان سب کو مراد لیا جا سکتا ہے۔ تاہم قوی تفسیر یہی ہے کہ اس سے ذی الحجہ کے پہلے دس دن مراد ہیں اور متعدد صحابہ کے اقوال بھی اسی پر ہیں۔

[3] حضرت ابوسعید خدری، عوفی، مجاہد و دیگر سے مروی ہے کہ ساری مخلوق شَفع (جوڑا) ہے اور اللہ وَتر (اکیلا) ہے۔ (مظہری، درمنثور وابن کثیر وغیرہ)

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ''ہم نے ہر چیز میں جوڑا بنایا ہے۔'' (ذاریات، ۴۹) جیسے ارض وسما، لیل ونہار، بحر وبر، جن وانس، کفر وایمان، موت وحیات، مرد وعورت، مذکر ومونث، نور وظلمت، حسن وقبح، خیر وشر وغیرہ۔ الغرض ہر چیز کا کوئی نہ کوئی جوڑ ہے، مگر اللہ ہر جوڑ سے پاک ہے۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے اَللّٰهُ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ اللہ اکیلا ہے اور اکیلے پن کو پسند رکھتا ہے۔
(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب ۶۹، مسلم کتاب الذکر حدیث ۵)

وَتْرِ کا لفظ واؤ کی زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے گویا وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ کہہ کر مخلوق وخالق دونوں کی قسم اٹھائی گئی ہے۔

وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ شفع یوم نحر (دس ذی الحجہ) ہے اور وتر یوم عرفہ (نوں ذی الحجہ) اور اس بارے میں ایک حدیث صریح بھی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان العشر عشر الضحیٰ والوتر یوم عرفة والشفع یوم النحر۔ یعنی الشفع سے قربانی کے دن (ذی الحجہ کے پہلے دس دن) مراد ہیں، وتر یوم عرفہ ہے اور شفع یوم نحر۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۳۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ میرے لیے عظیم سعادت کی بات ہے کہ جس وقت میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں تو کل یوم عرفہ تھا جسے قرآن میں الوتر کہا گیا اور آج یوم النحر ہے جسے بقول حدیث قرآن نے الشفع قرار دیا ہے اور میں اس وقت منیٰ میں اپنے خیمہ میں موجود ہوں۔

قرآن میں اواخر آیات کی رعایت

اگر سوال کیا جائے کہ یوم عرفہ پہلے ہے اور یوم النحر بعد میں ہے، پھر الشفع کو پہلے اور الوتر کو بعد میں کیوں بیان کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اواخر آیات کی رعایت کے لیے کیا گیا ہے، یعنی قرآن میں آیات کے آخری الفاظ کو ہم وزن رکھا جاتا ہے۔ سورہ فجر کی پہلی چند آیات کا آخری حرف راء ہے یعنی راء پر ختم ہوتی ہیں، جیسے وَالْفَجْرِ ① وَلَيَالٍ

عَشْرٍ ۝ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝ تو راء پر آیت کو ختم کرنے کے لیے الوتر کو بعد میں رکھا گیا، جیسے فرمایا گیا: قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝ ہم ھارون وموسیٰ کے رب پہ ایمان لائے ہیں۔ یہاں بھی رعایت اواخر کے لیے لفظ موسیٰ بعد میں ہے، ورنہ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پہلے کیا تھا اور مقام ومرتبہ کے لحاظ سے بھی انہی کا ذکر پہلے چاہیے تھا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا گیا: قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ (شعراء، ۴۷) یہاں قافیہ نون ہے اس لیے ھارون کا لفظ آخر میں رکھا گیا۔

[4] رات کے چلنے کی قسم اٹھائی گئی کیونکہ رات کا آنا جانا اللہ کی عظیم قدرت ہے اسی کے ساتھ زمانہ کی گردش وابستہ ہے۔ ان چار قسموں کا یہ جواب محذوف ہے ان القرآن کتاب اللہ۔ یعنی اللہ نے فرمایا ان چار چیزوں کی قسم قرآن اللہ کا کلام ہے، یا اس کا جواب قسم آگے اسی سورت میں آرہا ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ (آیت، ۱۴)

[5] یعنی مذکورہ چار چیزوں کی قسم اٹھانا اہل عقل کے نزدیک بہت بڑی قسم ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر قسم کے اندر گہرا درس کارفرما ہے جیسے ہم ابھی بتا چکے۔ حجر کا معنیٰ عقل ہے۔ حجر کا لغوی معنیٰ روکنا ہے اور عقل بھی انسان کو نامناسب باتوں سے روکتی ہے۔ یہاں هَلْ بمعنیٰ قد ہے، جیسے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ میں ھل بمعنیٰ قد ہے، لہٰذا یہاں ھل برائے استفہام نہیں ہے۔

[6] کفار مکہ کو خصوصاً اور قیامت تک آنے والی اسلام دشمن قوتوں کو عموماً متنبہ کیا جارہا ہے کہ وہ اسلام دشمنی سے باز رہیں اس راہ پر چل کر بڑی طاقتور قومیں ہلاک ہو چکی ہیں، تو فرمایا کہ کیا تم نے قوم عاد کا انجام نہیں دیکھا جن کو ارم بھی کہا جاتا ہے۔

قوم اِرَم کا تعارف

ان کو ارم اس لیے کہا گیا کہ ان کے جد اعلیٰ کا نام ارم تھا یہ بڑے ستونوں والی قوم تھی یعنی انہوں نے بڑے بڑے ستونوں پر اونچی عمارتیں قائم کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان جیسی کوئی طاقتور قوم شہروں میں یعنی زمین پر پیدا نہیں کی۔ یہ لوگ قوم نوح علیہ السلام کی غرقابی کے بعد حدود یمن میں آباد ہوئے اور ان میں حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قوم نوح کے بعد ان کا جانشین کیا اور تمہیں زیادہ کشادہ تخلیق دی (یعنی تمہیں لمبے قد اور توانا جسم دیئے) (اعراف، ۶۹)

اسی لئے قرآن میں ہے کہ وہ اپنی قوت پر فخر کرتے ہوئے کہتے تھے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ''ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے۔'' (حم سجدہ، ۱۵) مروی ہے کہ ان کے قد عموماً بارہ ہاتھ لمبے تھے (آج کے انسانوں سے ڈیڑھ گنا لمبے) مگر جب اس طاقتور قوم نے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر نازل شدہ کلام الٰہی سے دشمنی کی تو اللہ نے ان پر آگ برسائی۔

[7] قوم عاد کی ہلاکت کے کچھ عرصہ بعد حدود تبوک (شمالی سعودی عرب) میں قوم ثمود آباد ہوئی ان میں حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ وہ طویل عمروں والے لوگ تھے، وہ گھر بناتے جو پرانے ہو کر گر جاتے تو انہیں دوبارہ گھر

بنانا پڑتے۔ اس لئے انہوں نے پہاڑوں کو کرید کر گھر بنائے اور ان میں رہنے لگے۔ قرآنِ مجید میں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں کہا:

وَ تَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ بُیُوۡتًا۔ ''تم پہاڑوں کو کرید کر گھر تراشتے ہو۔'' (اعراف، ۷۴)

آج بھی شمالی سعودیہ میں مدائن صالح کے نام سے علاقہ معروف ہے جہاں پہاڑوں میں بنے ہوئے قوم ثمود کے گھر آج بھی موجود ہیں۔ سعودی حکومت نے ان کی تزئین کر کے انہیں ایسا بنا دیا ہے جیسے قوم ثمود ابھی وہاں سے اٹھ کر گئی ہو، (لیکن افسوس کہ ان عمارات اور شعائر کو ختم کیا جا رہا ہے جن کا تعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ہے۔) ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر دیا تو اللہ نے ان پر شدید زلزلہ بپا کیا جس کی دہشت سے وہ سب یکدم مر گئے۔

[8] فرعون اس قدر ظالم تھا کہ وہ اپنے مخالفین کو زمین پر لٹا کر ان کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ دیتا اور ان پر سانپ بچھو چھوڑ دیتا تھا جو انہیں اذیتیں دے دے کر مارتے۔

فرعون کے ظلم کا خوفناک واقعہ

یہاں امام بغوی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل واقعہ روایت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فرعون کی بیٹی کی خادمہ جو اسے کنگھی کرتی تھی وہ مومنہ تھی اور اس نے اپنا ایمان چھپا رکھا تھا۔ ایک دن اس نے فرعون کی بیٹی پر اپنا ایمان ظاہر کیا اور اسے بتایا کہ تمہارا باپ رب نہیں، بلکہ رب وہ ہے جس نے تمہارے باپ سمیت تمام جہان کو پیدا کیا ہے۔ فرعون کی بیٹی نے یہ بات جا کر باپ کو بتائی۔ فرعون نے فوراً اسے بلایا، اسے زمین پہ لٹا کر اسکے ہاتھوں پاؤں میں میخیں گاڑ دیں اور اس پر سانپ اور بچھو چھوڑ دیئے۔

اس عورت کی دو بیٹیاں تھیں فرعون نے اس کی بڑی بیٹی کو اس کی چھاتی پہ لٹایا اور اسے کہا کہ مجھے رب مانو ورنہ میں تمہاری چھاتی پہ تمہاری بیٹی کو ذبح کر دوں گا، اس نے کہا اگر تم تمام جہان کو قتل کر دو تو بھی میں ایمان نہ چھوڑوں گی۔ فرعون نے اس کی بیٹی کو اس کی چھاتی پر ذبح کر دیا۔ پھر اس کی چھوٹی بچی کو اس کی چھاتی پر لٹا کر ذبح کیا جانے لگا تو اس عورت نے جھرجھری لی، اس شیر خوار بچی کو اللہ رب العزت نے قوت گویائی دی اس نے کہا اے اماں! گھبراؤ نہیں جنت تمہاری منتظر ہے اور عنقریب تم اپنے رب کی رحمت کی مہمان بنو گی۔ چنانچہ اس بچی کو بھی ذبح کر دیا گیا اور اس عورت نے بھی تڑپ تڑپ کر جان دے دی، مگر اس نے فرعون کو رب نہ کہا۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۲۴۳)

آخر فرعون پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ آئی اور اسے اسکی ساری قوم سمیت اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا گیا۔ کیونکہ ظلم جب حد سے بڑھتا ہے تو اللہ ظالموں کے خاتمہ کا انتظام فرما دیتا ہے۔

[9] سَوۡطَ کا معنی مختلف چیزوں کا خلط ملط ہونا ہے۔ (خازن)

إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ

بے شک تمہارا رب کڑی نظر رکھے ہوئے ہے [10] تو جب انسان کو اس کا رب یوں آزمائے کہ اسے عزت اور نعمت دے

وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ

تو وہ (اترا کر) کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت دی ہے اور جب اسے یوں آزمائے کہ اس پر اس کا رزق تنگ کر دے

فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ

تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے رسوا کر دیا [11] ہرگز نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت افزائی نہیں کرتے ہو اور مسکین کے

طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا

کھانا کھلانے پر رغبت نہیں دلاتے ہو [12] اور تم (دوسروں کی) میراث بے دھڑک کھا جاتے ہو اور مال سے شدید

جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا

محبت رکھتے ہو [13] کیوں نہیں، جب زمین کے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور تمہارا رب آ جائے اور فرشتے صف بہ صف

صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ

اتر آئیں اور جہنم کو اس دن حاضر کر دیا جائے تو اس دن انسان نصیحت پکڑے گا اور تب نصیحت

الذِّكْرَىٰ ﴿۲۳﴾ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ

(کا فائدہ) کہاں؟ وہ کہے گا اے کاش! میں نے اپنی (اخروی) زندگی کے لئے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔ تو اس دن اللہ کا سا عذاب

أَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِي

کوئی نہیں دے سکتا اور اس کی سی پکڑ کوئی نہیں کر سکتا [14] اے مطمئن جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آ، تو اپنے رب سے

إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿۳۰﴾

راضی، رب تجھ سے راضی پھر تو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں آ جا [15]

[10] مِرْصَادِ کا معنی راستہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ تمہارے رب کے فرشتے تمہارے راستہ میں گھات لگا کر بیٹھے ہیں اور تمہاری ہر حرکت دیکھی اور لکھی جا رہی ہے۔

پل صراط پہ ہونے والے سات سوالات

ایفع بن عبدالکلاعی سے مروی ہے کہ یہاں مِرْصَادِ سے پل صراط کا راستہ مراد ہے اور اس پل پر سات مقامات ہیں جہاں مخلوق کو روک کر سوال کیا جائے گا۔ کہا جائے گا وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ "انہیں ٹھہراؤ ان سے پوچھا جائے گا" (صافات ۲۴) تو پہلے مقام پر ان سے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا تب کوئی ہلاک ہو جائے گا، اور کوئی کامیاب ہوگا۔ دوسرے مقام پر امانت کے بارے میں سوال ہوگا کہ کس نے امانتوں کا پاس کیا کس نے خیانت کی؟ تب کوئی ہلاک اور کوئی کامیاب ہوگا۔ تیسرے مقام پر رشتہ داری کے بارے میں سوال ہوگا، تب بھی کچھ لوگ کامیاب ہوں گے اور کچھ ہلاک اور ایسے ہی دیگر سوالات ہوں گے۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۲۸)

[11] یعنی اللہ تو بندے کے اعمال پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہے، مگر بندوں کی عمومی حالت یہ ہے کہ جب اللہ کسی انسان کو عزت و دولت سے نواز کر آزمائے تو وہ متکبر ہو کر کہتا ہے کہ میرے رب تو نے مجھے بڑی عزت دی ہے۔ یعنی یہ بات وہ اپنے سے مالی طور پر کمتر لوگوں کا منہ چڑانے کے لئے کہتا ہے، بظاہر وہ اللہ کا نام لیتا ہے حقیقت میں اپنی بڑائی بتاتا ہے۔ اور جب اللہ کسی انسان کا رزق تنگ کر کے آزمائے تو وہ اللہ کی ناشکری بلکہ شکوے کی زبان میں کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے رسوا کر دیا ہے۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ بسا اوقات فقر (ناداری) کفر بن جاتی ہے۔
(کنز العمال حدیث ۱۶۶۸۲)

امیری بھی ایک امتحان ہے اور غریبی بھی امتحان

اللہ تعالیٰ نے امیروں کو مال دے کر آزمایا ہے کہ کیا وہ مال حاصل کر کے متکبر و سرکش ہو جاتے ہیں یا عاجز و مطیع رہتے ہیں؟ اور غریبوں کو نادار رکھ کر آزمایا ہے کہ کیا وہ اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں یا اس کا شکوہ کرتے ہیں؟ اگر دولت و عزت ملنے پر کوئی شخص عاجز و مطیع رہے تو وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا پیروکار ہے اور اگر متکبر و سرکش ہو جائے تو وہ قارون و ہامان اور امیہ بن خلف کا ساتھی ہے۔

اسی طرح اگر غریب و نادار شخص راضی برضاء رب ہے تو یہی فقر حیدری بلکہ فقر محمدی ہے اور اسی بارے میں حدیث مبارکہ ہے کہ غرباء امراء سے پچاس برس قبل جنت میں چلے جائیں گے۔ (ترمذی کتاب الزہد)

اور اگر وہ اللہ کا شکوہ کرے تو یہ دنیا و آخرت کی بربادی ہے مگر افسوس آج ہم میں سے امراء و غرباء دونوں اپنے اپنے

امتحان میں اکثر ناکام نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے
حیدری فقر ہے نہ دولت عثمانی ہے

دولت وعزت ملنے پر تکبر کرنے کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اللہ انسان کو عزت ونعمت دے کر آزمائے تو وہ تکبر سے کہتا ہے کہ مجھے بڑی عزت دی گئی ہے حالانکہ انسان کو اللہ کی نعمت پا کر اس کے شکر میں گردن جھکا دینی چاہیے، مگر عموماً انسان متکبر ہو جاتا ہے دنیوی مناصب رکھنے والے حکمران وافسران عام لوگوں پر، مالدار لوگ غریبوں پر، اہل علم بے علم لوگوں پر اور پیر فقیر لوگ اپنے مریدوں پر رعب جماتے اور اپنی عظمت کی ڈینگیں مارتے نظر آتے ہیں۔ مگر یہ شیطان کا راستہ ہے وہ جس راستہ پر خود ہلاک ہوا دوسروں کو بھی کرتا ہے۔ اللہ ہمیں ہمیشہ اپنے مسکین بندوں میں رکھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی لیے دعا فرماتے تھے:

اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی یوم القیامۃ فی زمرۃ المساکین۔ اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی میں موت عطا فرما اور روز قیامت میں مجھے مسکینوں کے زمرہ میں اٹھا۔

کبھی عزت ودولت اللہ کی پکڑ ہوتی ہے اور کم مرتبی وناداری اللہ کی رحمت

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نادان انسان اپنی عزت ودولت کو اپنے لئے وجہ کرامت سمجھتا اور اکڑتا ہے اور اپنی غربت وتنگی رزق کو اپنے لئے وجہ اہانت گردانتا ہے۔ یعنی یہ اس کی کج فہمی ہے۔ ضروری نہیں کہ عزت ودولت وجہ رحمت اور ناداری اللہ کی پکڑ ہو۔ اللہ کبھی اپنے دوستوں کو تکالیف میں ڈالتا اور ان کے درجات بڑھاتا ہے اور کبھی اپنے نافرمانوں کو نعمتیں دے کر ان کی رسی دراز کر دیتا ہے تاکہ ان پر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے ڈرنا چاہیے۔

[12] یعنی یہ بات ہرگز درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے دولت وعزت دے اسے اللہ معزز بناتا اور جسے مال نہ دے اسے رسوا کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ تم مال ملنے پر مغرور ہو جاتے اور یتیم کی تکریم کرنے کی بجائے اس کی تذلیل کرتے ہو اور مسکین کے کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو رغبت نہیں دلاتے ہو۔ یعنی تم مسکین کو تب کچھ کھلاتے ہو جب وہ مجبور ہو کر تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اور اپنی عزت نفس کی قربانی دے۔ اس کی بجائے تمہیں یہ چاہیے کہ یتیم کا اکرام کرو اور اس سے قبل کہ مسکین مانگنے پر مجبور ہو تم خود آگے بڑھ کر اس کی مدد کرو یعنی ایسے غریب پرور ادارے، مدارس، سوسائٹیاں اور کمیٹیاں بناؤ جو یتامیٰ ومساکین کی فلاح وبہبود کا کام کریں اور وہ لوگ مانگنے پہ مجبور نہ ہوں۔

اکرام یتیم کی فضیلت

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا وکافل الیتیم فی الجنۃ کھاتین۔ "میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا دونوں جنت میں ایسے ہونگے جیسے

یہ دو انگلیاں۔'' (ترمذی کتاب البر والصلۃ حدیث ۱۹۱۸)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو اپنی کفالت میں لے لیا اور اس کے کھانے پینے کی ذمہ داری اٹھالی اللہ اسے ضرور بضرور جنت میں داخل کرے گا، سوا اس کے کہ ایسا گناہ کرے جس کی بخشش نہ ہو سکے (یعنی کفر و شرک)''

(ترمذی کتاب البر حدیث ۱۹۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خير بيت فى المسلمين بيت فيه يتيم يحسن اليه وشر بيت فى المسلمين بيت فيه يتيم يساء اليه. ''مسلمانوں کے گھروں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے بھلائی کی جائے، اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے برا سلوک کیا جائے۔'' (ابن ماجہ کتاب الادب حدیث ۳۶۷۹)

[13] یعنی اے زر پرست امیرو! یتیموں کا اکرام کرنا تو در کنار، تم تو یتیموں کی میراث بھی کھا جاتے ہو کیونکہ مال کی محبت میں تم نے حلال وحرام کی تمیز کھو دی ہے۔

عزیزوں کا حقِ میراث ہڑپ کرنے کی برائی

یہاں سے دوسروں کا حق میراث ہڑپ کرنے کی برائی معلوم ہوئی۔ دورِ نزول قرآن میں کفار، عرب عورتوں کو ان کا حق میراث نہیں دیتے تھے وہ اپنے مرحوم بھائی کی بیوہ اور اس کی بچیوں کو ان کی میراث سے محروم کر کے سارے مال میراث پر قبضہ کر لیتے تھے۔ افسوس دور جاہلیت کی یہ لعنت مسلمانوں میں آج پھر عود کر آئی ہے، کئی جگہ مرنے والے کے بیٹے اپنے باپ کی میراث سے اپنی بہنوں کو کچھ نہیں دیتے۔ یہ سراسر ظلم ہے اور کئی لوگوں نے اپنے مرحوم بھائی کی جائیداد پر قبضہ کر لیا اور اس کے بچوں کو دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا، ایسے واقعات بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔

[14] یعنی اے مال و دولت کے پجاریو! کیوں نہیں قیامت قریب ہے جب زمین کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور اللہ میدان حشر میں (جیسے اس کی شان کے لائق ہے) جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے اس کے دربار میں صف بصف حاضر ہوں گے اور جہنم کو حاضر کیا جائے گا جسے دیکھ کر کافر و فاجر انسان نصیحت پکڑے گا، مگر اس وقت نصیحت پکڑنے کا کیا فائدہ ہے؟ اس وقت وہ کہے گا اے کاش! میں اپنی ابدی زندگی کے لئے کچھ نیک اعمال آگے بھیجتا تو وہ آج میرے کام آتے۔ یعنی کافر کہے گا کاش میں ایمان لے آتا اور گناہگار مومن کہے گا کاش میں گناہوں سے دور رہتا اور نیکیاں کماتا۔ اس وقت جو عذاب اللہ دے گا اور جو پکڑ فرمائے گا ایسا عذاب اور ایسی پکڑ کسی دوسرے سے ممکن نہیں۔

[15] جبکہ صالح مومن بندے کی شان نرالی ہے اسے جب موت آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے پکار آتی

ہے۔اے وہ جان! جو میرے ہر حکم پر راضی و مطمئن تھی تو اپنے رب کے پاس اس حالت میں واپس آ جا کہ تو رب سے راضی ہے رب تجھ سے راضی ہے۔لہٰذا تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں آ جا۔

مومن کی موت کیسی راحت بخش ہوتی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب مومن (جو ایمان کے تقاضے پورے کرتا ہے کم از کم فرائض میں کوتاہی نہیں برتتا) کو موت آتی ہے تو اس کے پاس رحمت کے فرشتے سفید ریشم لے کر آتے اور کہتے ہیں اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف نکل آ، تو رب سے راضی رب تجھ سے راضی۔تو وہ روح خوشی خوشی جسم سے نکلتی ہے، پھر جب فرشتے اسے خوشبودار سفید ریشم میں لپیٹ کر آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں تو اس کے لئے ہر آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔'' (نسائی کتاب الجنائز باب ۹)

نفس کیا ہے اور اس کی اقسام کیا ہیں

یاد رہے کہ نفس فی ذاتہ امارہ ہے یعنی برائی کا حکم کرتا ہے، جیسے فرمایا گیا: اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ۔ کہ ''نفس برائی ہی کا حکم دیتا ہے۔'' (یوسف، ۵۳) پھر جب بندۂ مومن اپنے نفس کو نیکی کی طرف مائل کرتا ہے تو وہ نفس لوامہ بن جاتا ہے، یعنی پھر جب اس سے برائی ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے، نفس لوامہ اللہ رب العزت کا پسندیدہ نفس ہے۔اسی لیے وہ اس کی قسم اٹھاتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲ ''اور میں نفس لوامہ کی قسم اٹھاتا ہوں۔'' (قیامہ، ۲) اور جو نفس نیکی میں ترقی کرتے ہوئے مرضی مولا میں گم ہو جاتا ہے تو وہ نفس مطمئنہ ہے۔گویا نفس قلبی کیفیت کا نام ہے، جیسی کیفیت ہو ویسا ہی وہ نفس ہے۔

شان سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

اس جگہ شان حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عظیم جلوہ ظاہر ہوتا ہے۔امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری: يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝۲۷ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝۲۸ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے تھے انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ خطاب کتنا پیارا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَمَا اِنَّهٗ سَيُقَالُ لَكَ۔ اے ابو بکر! یاد رکھو یقیناً یہ خطاب تم سے ضرور کیا جائے گا۔(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۳۰ حدیث ۱۹۲۸۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مکہ مکرمہ)

اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نمازیوں کو جنت کے باب الصلوٰۃ سے بلایا جائیگا، مجاہدین کو باب الجہاد سے پکارا جائے گا، روزہ دار باب الریان سے بلائے جائیں گے اور اہل صدقہ کو باب الصدقہ سے پکار آئے گی۔ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ! عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کی کیا شان ہو گی جسے جنت کے

مختلف دروازوں سے پکارا جائے اور کیا کوئی ایسا شخص ہے جسے جنت کے سب دروازوں سے پکارا جائے گا؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نَعَمۡ وَاَرۡجُو اَنۡ تَكُوۡنَ مِنۡهُمۡ ''ہاں، اور مجھے امید ہے کہ تم ایسے ہی لوگوں میں سے ہو۔'' (جنہیں جنت کے سب دروازوں سے پکارا جائے گا)

(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، ترمذی کتاب المناقب باب ۱۶، نسائی کتاب الصیام باب ۴۳، موطاء امام مالک کتاب الجہاد باب ۴۹)

اس کے باوجود سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں برائیاں کرنے والے لوگ اپنے ایمان کو برباد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو گمراہی سے بچائے، شیطانی پھندوں سے آزاد کرے اور اپنی رحمت سے سب کو راہ ہدایت عطا فرمائے۔

الحمد للہ آج 10 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 8 دسمبر 2008ء بروز پیر وار رات دس بجے دورانِ حج یہ فقیر پر تقصیر منیٰ شریف میں بیٹھ کر سورہ فجر کی تفسیر کے اختتامی کلمات لکھ رہا ہے۔ آج ہم صبح مزدلفہ سے منیٰ پہنچے، پھر ہم نے جا کر جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں، پھر معلم نے ہماری طرف سے قربانیاں کیں اور ہم نے احرام کھول دیا۔ اب ہم کل جا کر مکہ مکرمہ میں طواف زیارت کریں گے اور واپس منیٰ آئیں گے۔ آج کے دن والے تمام ارکان کی ادائیگی کے سبب ہمیں شدید تھکاوٹ ہوگئی تھی تو ہم نے ظہر سے عصر تک آرام کیا، پھر نماز عصر کے بعد قلم دوبارہ چلنے لگا اور تفسیر لکھی جانے لگی اور رات دس بجے تک بفضلہٖ تعالیٰ سورہ فجر کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ میں کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر تفسیر کے لکھنے میں لگا تار مصروف ہوں تا کہ سفر حج کے اختتام سے قبل حاضری حرمین شریفین کے دوران قرآن کریم کی تفسیر مکمل ہوجائے اور ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ میری اس محنت شاقہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ وسلم اجمعین۔

سورۃ البلد

سورۃ البلد ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 90ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 34ویں سورت ہے، جو سورہ طارق سے پہلے اور سورہ قٓ کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے۔ یہ ان الفاظ سے شروع ہوئی: لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ اس لئے اسے سورۃ البلد کہتے ہیں۔

اس میں ایک رکوع، 20 آیات، 84 کلمات اور 320 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت میں شہر مکہ کی قسم سے بات شروع کی گئی اور اس کی وجہ وہاں رسول اللہ ﷺ کا جلوہ فرما ہونا واضح کیا گیا، جس سے آپ ﷺ کی عظیم شان ظاہر ہوتی ہے۔ پھر انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم میں موجود اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور فرمایا گیا کہ کیا میں نے انسان کو دیکھنے کے لے آنکھیں اور بولنے کے لیے زبان اور ہونٹ نہیں عطا فرمائے؟ اور کیا ہم نے انسان کو دونوں راستوں کی راہنمائی نہیں کر دی؟

پھر فرمایا کہ وہ غلاموں کو آزاد کرنے اور مسکین کو کھلانے میں مال کیوں خرچ نہیں کرتا، جبکہ ایمان والوں کا تو کام ہی یہ ہے کہ ایک دوسرے پہ رحمت کرتے ہیں، مگر کفار اصحاب نحوست ہیں۔ چونکہ گزشتہ صورت میں مال کی کثرت انسان کے لیے عموماً وجہ ہلاکت بتائی گئی اور یہی مضمون اس سورت میں ہے کہ لوگ مال پا کر یتیموں اور غلاموں کی مدد کرنا بھول جاتے ہیں اور یہی ان دونوں سورتوں میں باہم مناسبت ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۲۰ ۹۰ سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۳۵ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ③

مجھے اس شہر (مکہ) کی قسم جبکہ آپ اس شہر میں جلوہ فرما ہیں [1] اور والد اور اس کی اولاد کی قسم [2]۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ④ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ⑤

ہم نے انسان کو افضل صورت میں پیدا کیا [3] کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی قادر نہیں ہے؟

يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ⑥ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ⑦ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ

وہ کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال خرچ کیا، کیا وہ سمجھتا ہے کہ اسے کوئی نہیں دیکھتا؟[4] کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں ایک زبان

عَيْنَيْنِ ⑧ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ⑨ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ⑩

اور دو ہونٹ نہیں بنائے؟ اور ہم نے اسے دونوں راستوں کی نشاندہی کر دی ہے[5]۔

وقف لازم

اللہ کی نعمتوں کا بیان اور یتیم و مسکین پروری کا حکم

[1] لَآ اُقْسِمُ میں لَا زائدہ ہے جو بسا اوقات قسم پر زائد کیا جاتا ہے جیسے لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ① (قیامہ ۱) معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس شہر مکہ کی قسم اٹھاتا ہوں کیونکہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اس شہر میں جلوہ افروز ہیں۔ یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں اس شہر کی قسم اس لئے اٹھا رہا ہوں کہ اس میں کعبہ ہے۔ صفا و مروہ، مقام ابراہیم اور حجر اسود ہے، بے شک یہ چیزیں اس میں ہیں اور یہ سب عظمت والی برکت والی چیزیں ہیں مگر میرا قسم اٹھانا اس شہر کی سب سے بڑی عظمت کی وجہ سے ہے وہ یہ کہ اس میں میرے حبیب لبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔

امام خازن بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 725ھ فرماتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ کہہ کر بتا دیا کہ مکہ کی حرمت اس لئے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس

میں اقامت پذیر ہیں۔ (تفسیر خازن جلد ۷ صفحہ ۲۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1225ھ فرماتے ہیں:

''اللہ نے شہر مکہ کی قسم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس میں حلول فرما ہونے سے مقید کیا تا کہ بتایا جائے کہ مکان کی قدر مکین کے باعث ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مکہ کی اپنی شرافت بھی ہے۔'' (تفسیر مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ملتان)

عظمت خاک پائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امام احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 923ھ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وَرُوِیَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِیْلَتِكَ اَنَّهٗ اَقْسَمَ بِحَیَاتِكَ دُوْنَ سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ وَلَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِیْلَتِكَ عِنْدَهٗ اَنَّهٗ اَقْسَمَ بِتُرَابِ قَدَمَیْكَ۔

یعنی مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ کی فضیلت یہاں تک پہنچی ہے کہ اللہ نے آپ کی حیات کی قسم اٹھائی دوسرے کسی نبی کے لئے ایسا نہ فرمایا گیا۔ اور آپ کی فضیلت یہاں تک پہنچی ہے کہ اللہ نے آپ کے قدموں سے لگنے والی مٹی کی قسم اٹھائی ہے۔

(المواہب اللدنیہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۶ مقصد ۶ نوع ۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب آپ کے مبارک قدم شہر مکہ کی خاک پر لگے تو اس شہر کی عظمت کو چار چاند لگ گئے اور اللہ نے اس شہر کی قسم یاد فرمائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول کو حضرت امام خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے نسیم الریاض شرح شفا جلد 1 صفحہ 196 باب اول فصل چہارم مطبوعہ دار الفکر بیروت میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ 115 باب سوم میں بھی نقل کیا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بہت خوب فرمایا۔

وہ ہے مرتبہ تجھ کو خدا نے دیا ۔۔۔ نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ۔۔۔ تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم
کھائی قرآں نے خاک گزر کی قسم ۔۔۔ اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

ہر عظمت کا معیار ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

مکہ مکرمہ کے بارے میں فرمایا گیا: فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ اس میں اللہ کی بڑی واضح نشانیاں ہیں جیسے مقام ابراہیم۔ (آل عمران، ۹۷) یعنی مکہ میں یوں تو اللہ جل وعلا کی بہت سی نشانیاں ہیں مگر خاص نسبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے ہی قسم کیوں اٹھائی گئی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ساری نشانیاں مکہ میں حضور سرور کونین ﷺ ہی کی وجہ سے ہیں، چونکہ آپ کا یہاں مبعوث کیا جانا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا ان کے ہاتھوں کعبہ بنایا گیا اور زمزم کا چشمہ چلایا گیا اور سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی سعی کے سبب صفا و مروہ کو مقام عطا فرمایا گیا۔

اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر دعا کی تھی کہ اے اللہ! یہاں اس رسول معظم ﷺ کو بھیج دے جو لوگوں کو تیری آیات سنائے گا انہیں پاک کرے گا اور ان کو کتاب و حکمت سکھائے گا۔ (بقرہ، ۱۲۹) معلوم ہوا ہر چیز کو جو عظمت ملی نسبت رسول ﷺ کی جلوہ گری کے صدقے ملی۔ اسی لئے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے — ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ
روشن انہی کے عکس سے پتلی حجر کی ہے — کعبہ بھی ہے انہی کی تجلی کا ایک ظل

الحمد للہ میں مسرت سے لکھ رہا ہوں کہ شہر مکہ کے بارے میں یہ تحریر میں مکہ مکرمہ میں ہی لکھ رہا ہوں۔ آج طواف زیارت کے لئے حاضری کے بعد یہ مضمون لکھنے کا موقع ملا۔

عظمتِ مدینہ طیبہ

جب مکہ شہر کو اس لئے عظمت دی گئی کہ وہاں رسول اللہ ﷺ نے زندگی کے 53 برس گزارے، تو شہر مدینہ طیبہ کی عظمت کا کیا کہنا ہے جہاں آپ ہمیشہ کے لئے جلوہ فرما ہیں، چودہ صدیوں سے زیادہ زمانہ بیت گیا اور نہ جانے کتنا بیتے گا۔ اور اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ فضیلت حضور ﷺ کی جلوہ گری ہے لہٰذا جب تک آپ مکہ میں تھے مکہ سب جہان سے افضل تھا، جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو مدینہ سارے جہان سے افضل ہو گیا۔ کسی نے خوب کہا۔

اے خنک شہرے کہ دروے دلبر است — خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است

اس جگہ اہل دل کہتے ہیں کہ جس شہر میں آقائے دو جہاں ﷺ جلوہ فرما ہوں وہ سب شہروں سے افضل ہے تو جس دل میں آپ کی یاد اور محبت موجود ہو وہ ہر دل سے افضل ہے۔

سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پر قربان گیا — دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا

[2] ایک تفسیر کے مطابق اس سے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے انبیاء و اولیاء مراد ہیں۔ رہے کفار و فجار تو وہ جانوروں کی طرح ہیں اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ (الاعراف، ۱۷۹)

دوسری تفسیر یہ ہے کہ والد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اولاد سے حضور سید المرسلین ﷺ مراد ہیں۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ والد سے خود حضور ﷺ اور اولاد سے آپ کی ساری امت مسلمہ مراد ہے کیونکہ ہر نبی امت کا روحانی باپ ہے۔ اسی لئے آپ کی ازواج کو مومنوں کی مائیں کہا گیا ہے۔ (احزاب، ۶)

چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اس سے مطلقاً ہر والد اور اس کی اولاد مراد ہے یعنی اللہ نے سلسلہ توالد و تناسل کی قسم اٹھائی کیونکہ یہ بھی اللہ کی عظیم نشانی ہے۔ اس تفسیر سے والد کی والدہ پر فضیلت ظاہر ہوئی کہ والد کی قسم اٹھائی گئی والدہ کی نہیں۔ اور

کیوں نہ ہو باپ کسان ہے، ماں کھیتی ہے اور اولاد کھیتی کا پھل نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (بقرہ، ۲۲۳)

[3] کَبَد کا معنی وسط ہے اور وسط کو فضیلت سے اشارہ بنایا جاتا ہے جیسے اُمَّةً وَّسَطًا۔ (بقرہ، ۱۴۳) کا معنی افضل امت کہا گیا ہے تو معنی یہ ہوا کہ شہر مکہ کی قسم اور والد و مولود کی قسم! ہم نے انسان کو افضل صورت میں پیدا کیا ہے۔ قرآن میں ایک اور جگہ بھی شہر مکہ کی قسم اٹھا کر انسان کی فضیلت بتائی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ (تین ۱)

دوسری تفسیر کے مطابق کَبَد کا معنی مشقت و سختی ہے جیسے کہتے ہیں: كَابَدَ فُلَانٌ فی الامر فلاں شخص نے اپنے کام میں مشقت برداشت کی۔ معنی یہ ہوا کہ ہم نے انسان کو تکلیف و آلام میں پیدا کیا ہے۔ اور بلاشبہ انسان کی زندگی اکثر تکلیفوں میں گزرتی ہے اور خوشی کبھی کبھی نصیب ہوتی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے انسان کا شرعی احکام میں مکلف کیا جانا بھی مراد ہے۔ اور یہ وہ تکلیف ہے جو پہاڑوں اور ارض و سما پر پیش کی گئی تو وہ اس کے اٹھانے سے عاجز آ گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط ''ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر امانت پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔'' (احزاب، ۷۲)

[4] یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تو انسان کو افضل صورت میں یا شرعی احکام کی پابندی کرنے کے لئے پیدا کیا تا کہ وہ اس راہ سے گزر کر اعلیٰ درجہ حاصل کرے مگر وہ اپنی مالی و بدنی قوتوں کے بل بوتے پر اکڑنے لگتا ہے کیا وہ سمجھتا ہے کہ اسے کوئی پکڑ نہیں سکتا؟ اور اگر وہ نیکی کے کام میں کچھ مال دے دے تو دعوے کرتا ہے کہ میں نے بہت سا مال خرچ کر دیا ہے، کیا وہ سمجھتا ہے کہ اسے کوئی دیکھ نہیں رہا؟ وہ یاد رکھے کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے جو اس کی نیت سے واقف ہے۔

[5] یعنی ہم نے انسان کو دو آنکھیں ایک زبان اور دو ہونٹ دیئے ہیں اور اسے دونوں راستوں (حق و باطل) کی نشاندہی کر دی ہے تو اسے چاہیے کہ آنکھوں سے حق دیکھے اور زبان اور ہونٹوں سے حق کی گواہی دے، مگر انسان آنکھوں کو ہماری نافرمانی میں اور زبان ولب کو کفر بکنے اور کذب و غیبت میں استعمال کرتا ہے۔

آنکھوں، زبان اور ہونٹوں میں اللہ کی قدرتیں

یہاں آنکھوں، زبان اور ہونٹوں کا ذکر خصوصاً اس لئے کیا گیا کہ ان میں اللہ رب العزت کی شانِ تخلیق کا عظیم جلوہ نظر آتا ہے۔ بظاہر آنکھوں میں پانی کے چند قطرے ہیں، مگر ان قطروں میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نور بھرا ہے جس سے انسان پر ارض و سما روشن ہیں۔ آنکھوں کو دو برق رفتار پلکوں کے درمیان رکھا گیا ہے جیسے ہی کوئی چیز آنکھ کے قریب آئے یہ حفاظتی پلکیں ازخود بند ہو جاتی ہیں، پھر آنکھوں کو دو چشم خانوں میں یوں رکھا گیا ہے کہ ماتھے اور چہرے کی ہڈی ان پر بڑھی ہوئی

ہیں اگر انسان منہ کے بل گرے تو آنکھیں محفوظ رہتی ہیں۔گویا آنکھوں کے نقشۂ تخلیق میں اللہ کی عجیب قدرت وحکمت نظر آتی ہے، پھر آنکھوں میں عجیب قدرت خداوندی ہے کہ آدمی خوش ہو تو آنکھیں چمکنے لگتی ہیں اور پریشان ہو تو وہ مرجھا جاتی بلکہ رونے لگتی ہیں، دل کی کیفیت کے بدلنے سے آنکھیں ساتھ ساتھ بدلتی ہیں۔یہ قدرت ربانی کی کتنی اعلیٰ دلیل ہے۔

زبان بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا نظارہ ہے۔یہ بظاہر گوشت کا لوتھڑا ہے مگر اس میں قوت گویائی اور قوت ذائقہ رکھی گئی ہے جو کسی اور حصۂ جسم میں نہیں ہے۔آنکھیں دو ہیں اور زبان ایک ہے۔جس میں یہ درس ہے کہ انسان کی بات ایک ہونی چاہیے، دو زبانوں والا آدمی منافق ہوتا ہے۔اس میں یہ درس بھی ہے کہ انسان کو زیادہ سننا اور تھوڑا بولنا چاہیے۔

اسی طرح ہونٹ بھی عظیم نشان قدرت ہیں۔کئی حروف تہجی ہونٹوں سے ادا ہوتے ہیں جیسے باء میم فاء اور واؤ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور جب تک ہونٹ نہ کھلیں زبان بول نہیں سکتی۔اللہ رب العزت نے جیسے آنکھوں کو پلکوں کے حصار میں رکھا ہے زبان کو ہونٹوں کے حصار میں رکھا ہے۔تو انسان کو چاہیے کہ پلکوں کے ذریعے آنکھوں کو برا دیکھنے سے روکے اور ہونٹوں کے ذریعے زبان کو برا کہنے سے روکے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ
تو وہ (نیکی کی) گھاٹی میں داخل نہ ہوا اور تم کیا جانو وہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ کسی (غلام کی) گردن کا چھڑوانا یا
فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ
بھوک والے دن کسی قرابت دار یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہے [6] پھر
كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾
وہ ان لوگوں میں سے ہوا جو ایمان لائیں اور صبر اور رحمت کی وصیت کریں،
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾
وہی دائیں طرف والے ہیں [7] اور جو ہماری آیات سے انکار کریں وہ بائیں طرف والے ہیں۔
عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾
ان پر حصار شدہ آگ مسلط ہے [8]

ع ۱ ۱۵

[6] عَقَبَةُ دو پہاڑوں کے درمیان گزرنے والے دشوار گزار راستہ کو کہتے ہیں اسے اردو میں گھاٹی کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ہم نے انسان کو آنکھوں اور زبان اور ہونٹوں جیسی نعمتیں دی ہیں تو وہ نیک اعمال کی گھاٹی میں کیوں

داخل نہیں ہوتا؟ اور اس گھاٹی میں داخل ہونا یہ ہے کہ غلاموں کو خرید کر ان کی گردن کو غلامی کے طوق سے آزاد کیا جائے، یا بھوک والے دن میں (جب خود انسان کو بھوک لگی ہو) وہ قرابت دار یتیم کو کھانا کھلائے یا کسی خاک نشین مسکین کا پیٹ بھرے۔

فَكُّ رَقَبَةٍ کا معنی غلام آزاد کرنے کے علاوہ کسی مصیبت زدہ شخص کی گردن کو مصیبت سے نکالنا بھی ہے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ مقروض فوت ہونے والے کا قرض ادا کیا جائے تا کہ اس کی گردن جہنم سے آزاد ہو جائے۔

یونہی فوت شدگان کے لئے ایصال ثواب کرنا تا کہ ان کے گناہ جھڑیں نیکیاں بڑھیں اور درجات چڑھیں اور یوں وہ جنت کے حقدار بنیں، بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔

یہاں قرابت دار یتیم (يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾) کا ذکر اس لئے ہوا کہ ایسے یتیم کا حق زیادہ ہے۔ ایک یتیمی کا حق دوسرا قرابت داری کا حق، مگر عموماً لوگ قرابت دار یتیموں ہی کا حق مارتے ہیں۔

اللہ کی نعمتوں کا شکرانہ یہ ہے کہ حاجتمند بندوں کی مدد کی جائے

یہاں آنکھوں، زبان اور ہونٹوں جیسی نعمتوں کے شکرانے میں انسان کو غلاموں، یتیموں اور مسکینوں سے بھلا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ گویا یہ نعمتوں کے شکرانے کا بہترین طریقہ ہے۔

یتیم سے محبت کرنے کے بارے میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا وكافلُ اليتيم كهاتين، ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا ہم دونوں جنت میں یوں اکٹھے ہونگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت والی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا۔'' (صحیح بخاری کتاب البر حدیث ۶۰۰۵)

بھوکے کو کھانا کھلانے بارے میں پیچھے سورہ دھر میں گزر چکا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّأَسِيرًا ﴿۸﴾ ''وہ مسکین یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔'' (دہر، ۸) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم اپنے بھوکے مسلمان بھائی کو بلا کر کھلاؤ اور پلاؤ تو اس کا اجر پچیس دراہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔'' (کنز العمال بروایت دیلمی جلد ۶ صفحہ ۴۲۴ حدیث ۱۶۳۷۱)

ے کرو مہربانی تم اہل زمین پر   خدا مہربان ہو گا عرش بریں پر

اسلام نے غلامی کو مٹایا ہے

فَكُّ رَقَبَةٍ سے معلوم ہوا کہ جو غیر مسلم مفکرین اسلام پر غلامی کی حوصلہ افزائی کرنے کا اعتراض کرتے ہیں وہ تعصب کا شکار ہیں۔ اسلام تو غلامی کے ختم کرنے پر زور دیتا ہے۔ تاہم غلامی کا جواز ایک ضرورت تھی، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو کفار مسلمانوں کو جنگوں میں غلام بنا لیتے اور مسلمان ایسا نہ کر سکتے۔ اس لئے اس کا جواز رکھا گیا تا کہ وہ مسلمانوں کو غلام بنانے سے ڈریں ورنہ ان کے قیدی بھی غلام بنا لئے جائیں گے۔ اور اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کی اس قدر رغبت دلائی کہ مسلمانوں نے غلاموں کو آزاد کرتے کرتے دنیا سے غلاموں کا نام ونشان ہی مٹا دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایما رجل اعتق امرء امسلما استنقذہ اللہ بکل عضو منہ عضوا من النار، ''جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ غلام کے ہر عضو کے بدلے اس کے ایک عضو کو جہنم سے آزاد کردے گا۔''

(بخاری کتاب العتق حدیث ۲۵۱۷)

کس قدر مقام افسوس ہے کہ اسلام تو غلامی کے مٹانے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، مگر معاندین اسی اسلام پہ غلامی کی حوصلہ افزائی کا الزام رکھتے ہیں۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

[7] یعنی غلاموں، یتیموں اور مسکینوں کی مدد کرنے والا شخص اگر مومن ہو اور صرف خود ہی نیک نہ ہو دوسروں کو بھی صبر اور رحمت کی تلقین کرے تاکہ دوسرے بھی غلاموں، یتیموں، مسکینوں اور دیگر حاجتمندوں سے رحمت کا برتاؤ کریں، تو ایسے لوگ روز قیامت دائیں طرف والے ہوں گے جو عرش الٰہی کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے اور ان کے اعمال نامے انہیں دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اَلْمَیْمَنَۃِ کا معنی برکت بھی ہے یعنی ایسے لوگ برکت والے ہیں کہ ان کی دعا سے لوگوں کے مسائل حل ہوتے ہیں اور جہاں وہ مدفون ہوں وہاں برکت ہوتی ہے جیسے الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ (اسراء:۱) کہہ کر انبیاء کی قبور کو برکت سے تعبیر کیا گیا۔

[8] اس کے برعکس کفر کرنے والے لوگ خواہ غلاموں یتیموں وغیرہ کی جس قدر بھی مدد کریں وہ بہر حال بائیں طرف والے ہیں یعنی ان کی سب نیکیاں کفر کی وجہ سے آخرت میں برباد ہیں۔ اور ان کے نصیب میں وہ آگ ہے جس کے گرد حصار ہے۔ یعنی وہ وہاں سے بھاگ نہیں سکتے۔ معلوم ہوا کہ کافر کی کوئی نیکی قابل قبول نہیں ہے۔

الحمد للہ آج 12 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 10 دسمبر 2008ء بروز بدھ یہ گناہگار انسان بارہ ذی الحجہ کی رمی جمرات سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ پہنچا اور اب حرم کعبۃ اللہ میں نماز عشاء ادا کرنے کے بعد اپنے ہوٹل میں جا کر سورہ بلد کی تفسیر کے آخری الفاظ لکھ رہا ہے۔ حج کے جملہ ارکان مکمل ہو گئے ہیں۔ اب چند دن مکہ مکرمہ میں قیام ہے، پھر مدینہ طیبہ کو روانگی ہے، ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ جتنے دن حرمین طیبین میں رکھے ادب واحترام کے ساتھ رکھے، یہاں کی ہر نیکی عظیم ہے اور گناہ بھی بڑا ہے۔ اللہ رب العالمین ادب نصیب فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ الشّمس

سورۃ الشّمس ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 91ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 25ویں سورت ہے۔ یہ سورۃ البروج سے قبل اور سورۃ القدر کے بعد نازل ہوئی، یہ مکی سورت ہے۔ چونکہ یہ وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ۝ سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ الشّمس کہا گیا یعنی وہ سورت جو سورج کی قسم اٹھانے سے شروع ہوئی۔

اس سورت میں ایک رکوع، 15 آیات، 54 کلمات اور 247 حروف ہیں۔

فضیلت

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عشاء میں سورۃ الشّمس اور اس جیسی سورتیں پڑھتے تھے۔ (ترمذی، نسائی، احمد)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نماز فجر میں وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ۝ اور وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا پڑھنے کا حکم فرمایا۔ (طبرانی) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز اشراق کی دو رکعتوں میں وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا اور وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى پڑھنے کا حکم فرماتے تھے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کی نماز میں سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۝ اور وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا پڑھا کرتے تھے (طبرانی، درمنثور جلد ۸ صفحہ ۵۴۷)۔

مضامین

اس سورت کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ اس سے قبل سورۃ البلد میں شہر مکہ کی قسم اٹھائی گئی اور اس سورت میں شمس وقمر اور روز شب اور ارض وسما کی قسم اٹھائی گئی جس میں یہ اشارہ ہے کہ شہر مکہ اپنی عظمت میں ان سب چیزوں سے مقدم اور افضل ہے۔ سورۃ البلد میں غلاموں کے آزاد کرنے اور بھوکوں، مسکینوں اور غلاموں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دی گئی اور سورۃ الشّمس میں نفس کے برائیوں سے پاک کرنے کی رغبت دلائی جا رہی ہے اور یہی ان دونوں سورتوں کی باہمی وجہ مناسبت ہے۔

اور قرآنی سورتوں میں ایک وجہ مناسبت ہے جس پہ ان سورتوں کو مرتب کیا گیا ہے، خواہ ہمیں وہ مناسبت درست طریقہ سے معلوم ہو جائے یا معلوم نہ ہو سکے۔

پھر سورت الشّمس کے آخر میں قوم ثمود کی تباہی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جس میں تا قیامت آنے والی اسلام دشمن قوتوں کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ اپنے دل سے اسلام کو ہمیشہ مغلوب رکھنے کا خبط نکال دیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتھا ۱۵ ۹۱ سُورَۃُ الشَّمْسِ مَکِّیَّۃٌ ۲۶ رکوعاتھا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰہَا ۪ۙ﴿۱﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىہَا ۪ۙ﴿۲﴾ وَالنَّہَارِ اِذَا جَلّٰىہَا ۪ۙ﴿۳﴾ وَالَّیۡلِ

قسم ہے سورج اور اس کی چمک کی [1] اور چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے آئے [2] اور دن کی

اِذَا یَغۡشٰىہَا ۪ۙ﴿۴﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىہَا ۪ۙ﴿۵﴾ وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰىہَا ۪ۙ﴿۶﴾ وَنَفۡسٍ

جب وہ اسے واضح کردے اور رات کی جب اسے ڈھانپ لے [3] اور آسمان کی اور جس نے اسے بنایا اور زمین کی اور جس نے

وَّمَا سَوّٰىہَا ۪ۙ﴿۷﴾ فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَتَقۡوٰىہَا ۪ۙ﴿۸﴾ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا ۪ۙ﴿۹﴾ وَقَدۡ

اسے پھیلایا [4] اور ہر جان کی اور جس نے اسے برابر پیدا کیا پھر اسے اسکی گناہگاری اور پرہیزگاری بتادی [5] یقیناً وہ شخص کامیاب ہوا

خَابَ مَنۡ دَسّٰىہَا ﴿ؕ۱۰﴾ کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰىہَاۤ ۪ۙ﴿۱۱﴾ اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰىہَا ۪ۙ﴿۱۲﴾

جس کو اللہ نے ستھرا کیا۔ اور وہ نامراد ہوا جسے اس نے گمراہ رکھا [6] قوم ثمود نے اپنی سرکشی سے (اللہ کے رسول کو) جھٹلایا۔ جب ان کا بدبخت ترین شخص

فَقَالَ لَہُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ نَاقَۃَ اللّٰہِ وَسُقۡیٰہَا ﴿ؕ۱۳﴾ فَکَذَّبُوۡہُ فَعَقَرُوۡہَا ۪۟ۙ

اٹھا، تو انہیں اللہ کے رسول نے کہا: اللہ کی اونٹنی کو سیراب ہونے دو، پھر انہوں نے رسول کو جھٹلایا پھر اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے۔

فَدَمۡدَمَ عَلَیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِذَنۡۢبِہِمۡ فَسَوّٰىہَا ۪ۙ﴿۱۴﴾ وَلَا یَخَافُ عُقۡبٰہَا ﴿٪۱۵﴾

تو ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب اتارا اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا [7]

نفس کا فجور و تقویٰ اور قوم ثمود کی ہلاکت کی مثال

[1] اس سورت میں انسان کی کامیابی و ناکامی کا معیار بتانے سے قبل چھ چیزوں کی قسم اٹھائی گئی۔ سب سے قبل کہا گیا کہ سورج اور اس کی ضُحا (چمک) کی قسم: ضُحا اصل میں چاشت کے وقت کو کہتے ہیں۔ اس وقت لوگ کام کاج کے

لئے گھر سے نئی امنگوں تمناؤں اور نئے جذبوں کے ساتھ نکلتے ہیں تو اس وقت کی قسم اٹھائی گئی تا کہ لوگ اس وقت میں اپنے رب کو نہ بھولیں اور حلال کی طرف متوجہ ہوں حرام سے بچیں۔ اسی لئے اس وقت میں اشراق کی نماز بطور سنت رکھی گئی ہے تا کہ لوگ اللہ کے حضور سجدہ دے کر کارزارِ حیات میں قدم رکھیں۔

نمازِ اشراق کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضُحا کی دو رکعت پڑھنے، وتر ادا کرنے اور ہر ماہ تین روزے رکھنے کی وصیت فرمائی۔ (نسائی کتاب الصیام باب ۸۳)

یہ دو رکعت طلوع آفتاب کے بیس منٹ بعد سے زوال تک کے درمیان پڑھنا سنت ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے چاشت کی دو رکعات پر ہمیشگی کی اس کے گناہ اگر سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں تو بھی معاف کر دیئے جائیں گے۔''

(ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الضحیٰ حدیث ۱۴۴۰)

[2] جب قمری ماہ شروع ہو تو چاند سورج کے غروب کے بعد اس کے کچھ پیچھے غروب ہوتا ہے۔ اس سے نئے قمری ماہ کا آغاز ہوتا ہے یہ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ہے۔

قمری ماہ کا آغاز و اختتام کیسے ہوتا ہے

اگر چاند سورج کے ساتھ ہی یا اس سے قبل غروب ہو جائے تو نیا قمری مہینہ شروع نہیں ہوسکتا، کیونکہ سورج کے ساتھ اس کے شدت اتصال کی وجہ سے اس کی رؤیت ہی ممکن نہیں۔ ہاں اگر وہ سورج کے غروب کے بعد میں غروب ہو اور قریباً 40 منٹ تک مطلع پر رہے تو اس کی رؤیت ممکن ہے۔ گویا بتایا گیا کہ اللہ وہ ہے جو ہر نئے ماہ کا آغاز و اختتام کرتا اور سلسلۂ شب و روز کو چلاتا ہے۔ پھر قمری مہینے کے پہلے چودہ دن چاند سورج کے بعد ہی میں غروب ہوتا رہتا ہے یہ بھی وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا میں شامل ہے، پھر وہ سورج سے پہلے غروب ہونے لگتا ہے۔ تو یہ اللہ جل وعلا کی عظیم قدرت ہے کہ اس نے چاند کی یہ گردش قائم کی ہے۔

[3] دن سورج کو روشن کرتا ہے اور رات سورج کو ڈھانپ لیتی یعنی اپنی آغوش میں چھپا لیتی ہے (یہ ایک مجاز ہے، حقیقت میں سورج دن کو روشن کرتا ہے) گویا اللہ تعالیٰ نے دن کے آنے جانے کی قسم اٹھائی اور رات اور دن دونوں اللہ کی نعمتیں ہیں دن کام کے لئے اور رات آرام کے لئے۔ اور دونوں کا شکر لازم ہے۔ دن کا شکر یہ ہے کہ انسان حلال کمائے اور دن کی نمازیں پڑھے اور رات کا شکر یہ ہے کہ حرام بستر پر نہ سوئے نہ حرام کھا کر سوئے اور رات کی نمازیں پڑھے۔

[4] یہاں ما کا معنی من ہے، یعنی معنی یہ ہے والسماء ومن بناھا، یعنی قسم آسمان کی اور اس رب کی جس نے

آسمان کو بنایا، جیسے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (نساء، ۳) میں مَا طَابَ کا معنی من طاب ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تخلیق ارض وسما کے حوالے سے اپنی قسم یاد فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی قسم یاد فرماتا ہے جیسے اس کا ارشاد ہے: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ (نساء، ۶۵) اور فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ۔ (حجر، ۹۲) یاد رہے آسمان وزمین بھی اللہ کی عظیم نعمتیں ہیں۔ آسمان سے انسان کی روحانی غذا (وحی الٰہی) آئی اور زمین سے جسمانی غذا الہلہائی۔ آسمان ہمارا چھت ہے اور زمین ہمارا بچھونا۔ آسمان سے ہماری روح آئی اور زمین سے ہمارا جسم اٹھا۔

[5] یعنی اللہ نے ہر جان کو پیدا کیا اور اس کی تخلیق مکمل کی یعنی ہر انسان کو ایک جامع اور کامل شکل میں پیدا کیا، پھر اللہ نے ہر انسان کے دل میں بدی اور نیکی کا شعور ڈال دیا۔ چنانچہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو سب سے پہلے اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں ایک جج بٹھایا ہے جو اسے نیکی و بدی کا فرق بتاتا ہے۔

ہر انسان کے ضمیر میں نیکی و بدی کا شعور ہے

حتیٰ کہ کافر کا دل اپنے کفر پہ اور مشرک کا دل اپنے شرک پر مطمئن نہیں ہوتا۔ اسی لئے ہر مذہب کے لوگ بکثرت اسلام میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ اور آج اگرچہ اسلام کے خلاف مغربی میڈیا بہت زہریلا پراپیگنڈہ کر رہا ہے، پھر بھی اسلام ہی دنیا کا وہ سب سے بڑا مذہب ہے جس میں دوسرے مذاہب کے لوگ سب سے زیادہ داخل ہوتے ہیں۔

امریکہ میں گیارہ ستمبر 2001ء کو نیویارک کے (Twin towers) کو یہودی سازش کے ذریعہ اڑا کر اس کا سارا ملبہ مسلمانوں پہ ڈال دیا گیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کیا جائے گا، مگر اس واقعہ کے بعد امریکہ میں اسلام تیزی سے پھیلا اور تب سے اب تک وہاں ساٹھ ہزار سے زائد غیر مسلم اسلام قبول کر چکے ہیں اور اسکی وجہ وہی شعور ہے جو اللہ رب العزت نے ہر نفس میں الہام کیا ہے جو اسے اچھائی اور برائی میں تمیز دیتا ہے۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ اور ہم نے اسے دونوں راستوں کی راہنمائی کر دی ہے۔ (بلد، ۱۰)

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ ''ہم نے انسان کو ہدایت دیدی ہے اب خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکر گزار۔'' (انسان، ۳)

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا کی یہ تفسیر بھی ہے کہ اللہ نے ہر انسان کے بارے میں لکھ دیا ہے کہ وہ کیا نیکی کریگا اور کیا بدی کرے گا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انسان جو عمل کرتا ہے وہ اس پر پہلے سے لکھ دیا گیا تھا اور اس کی تصدیق قرآن میں ہے: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝''

(صحیح مسلم کتاب القدر حدیث ۱۰)

اور یہ دونوں تفسیریں اپنی اپنی جگہ درست ہیں، یعنی یہ معنیٰ بھی درست ہے کہ نفس کو نیکی بدی کا شعور دیدیا گیا ہے اور یہ معنیٰ بھی درست ہے کہ اس کی نیکی بدی لکھ دی گئی ہے۔

[6] کیونکہ جس شخص کے نفس کو اللہ تعالیٰ پاک کرنا چاہے وہی پاک ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوَاھَا وَ زَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکَّاھَا اے اللہ میرے نفس کو تقویٰ دے دے اور اسے پاک کردے کیونکہ تو ہی اسے بہتر پاک کرنے والا ہے۔ (مسلم کتاب الذکر حدیث ۴۹)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا کا معنی یوں بھی کیا جا سکتا ہے کہ کامیاب ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے گمراہ رکھا۔ جیسے فرمایا گیا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰىهَا ۝ "وہ شخص کامیاب ہوا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔" (اعلیٰ، ۱۴) یاد رہے نفس کا پاک کرنا یہ ہے کہ اسے گندے عقائد، گندے اعمال اور گندے خیالات سے پاک کیا جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پاکیزہ عقائد و اعمال والے لوگوں کے پاس بیٹھا جائے اور برے عقائد و اعمال والے لوگوں کی صحبت سے دور رہا جائے۔

[7] قوم ثمود نے محض سرکشی سے اپنے رسول حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان میں سے بدبخت ترین شخص قیدار بن سالف نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ہلاک کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور اس کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ حالانکہ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود سے کہہ دیا تھا کہ اللہ کی اونٹنی کو چشمے سے سیراب ہونے دو مگر قوم ثمود نے کہا کہ یہ اونٹنی چشمے کا سارا پانی پی جاتی ہے لہٰذا اسے مارو مگر انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ اونٹنی جتنا پانی پیتی ہے اس سے زیادہ دودھ دیتی ہے جو ساری قوم کے لئے کافی ہوتا ہے مگر ان پر بدبختی اور موت سوار تھی پھر یہ ہوا کہ ان میں سے کوئی شخص اونٹنی کے ہلاک کرنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا۔ تب قیدار بن سالف ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہوا اس عورت نے کہا اگر تم مجھے حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی ایک شرط ہے کہ صالح کی اونٹنی کو مار دو۔ وہ بدبخت اس کے لئے تیار ہو گیا اور ساری قوم اس کے ساتھ تھی تو قیدار نے تلوار سے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے تب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا۔ فرشتے نے ان پر ایک خوفناک چیخ ماری جس سے ایسا زلزلہ آیا کہ ساری قوم کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ منہ کے بل گر کر مر گئے۔

عورت سے ناجائز محبت گناہوں کا سرچشمہ ہے

قیدار بن سالف نے اونٹنی کے مارنے پر اس لئے جرأت کر لی کہ اس کے بغیر وہ اپنی محبوبہ کو حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لئے اسلام نے عورت کو پردے کا حکم دیا ہے اور مرد و عورت کے بے قید اختلاط کو حرام قرار دیا ہے تا کہ معاشرہ تباہی سے محفوظ رہے۔

کفر پہ رضا بھی کفر ہے

اونٹنی کا مارنے والا ایک ہی شخص تھا قیدار بن سالف، مگر چونکہ ساری قوم اس کے اس کافرانہ فعل پہ راضی تھی لہٰذا سب

پر عذاب آیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ ۔ یہ اسی طرح ہے کہ دور رسالت مآب ﷺ کے یہود سے کہا گیا: تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ ''تم اللہ کے انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔'' (بقرہ،۹۱) حالانکہ اس دور کے یہود نے کسی نبی کو بظاہر قتل نہیں کیا تھا۔ مگر چونکہ وہ اپنے آباء کے قتل انبیاء کی مذمت نہیں کرتے تھے، بلکہ اسے Defend کرتے تھے، تو وہ بھی اس جرم میں برابر کے شریک ٹھہرائے گئے۔

شان سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

یہاں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بدبخت ترشخص کون ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دو آدمی ہیں ایک وہ جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو مارا، دوسرا تمہارا قاتل جو تمہاری کنپٹی پر مارے گا اور تمہاری داڑھی خون آلود ہو جائے گی۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۳۸ حدیث ۱۹۳۵۲ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

اور سچ تو یہ ہے کہ ناقۂ صالح علیہ السلام کے مارنے والے قیدار بن سالف سے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قاتل عبدالرحمن بن ملجم خارجی کہیں زیادہ بدبخت ہے۔ کہاں ناقۂ صالح علیہ السلام اور کہاں برادرِ مصطفیٰ ﷺ۔ یہ الگ بات ہے کہ خارجیوں پر قوم ثمود والا عذاب نہ آیا کیونکہ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کے صدقے اب پہلی قوموں والے عذابات کا نزول موقوف ہو گیا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کے شوہر، حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے پدر، سید المرسلین ﷺ کے برادر فاتح خیبر مولیٰ علی حیدر رضی عنہ الرب الاکبر کے قتل سے خارجیوں پر قوم ثمود سے بدتر عذاب اترتا۔

الحمدللہ آج 13 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 11 دسمبر 2008ء بروز جمعرات مکۃ المکرمہ میں سورۂ شمس کی تفسیر مکمل کرنے کی اس فقیر بےنوا کو سعادت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ و صحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ اللیل

سورۃ اللیل ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 92ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے آٹھویں سورت ہے، اس سے قبل صرف سات سورتیں نازل ہوئیں۔ اقرأ، ن، مزمل، مدثر، لہب، تکویر اور اعلیٰ، پھر آٹھویں نمبر پر سورۃ اللیل نازل ہوئی اور نویں نمبر پر سورۃ الفجر نازل ہوئی۔ چونکہ یہ وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ اللیل کہا گیا۔

اس سورت میں ایک رکوع، 21 آیات، 71 کلمات اور 310 حروف ہیں۔

فضیلت

بیہقی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر وعصر میں وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى پڑھتے تھے۔
(سنن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۹۱)

مضامین

اس سورت کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ سورۃ الشمس میں بتایا گیا کہ جس نے نفس کو برائیوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہے، جس نے نہ کیا وہ نامراد ہے۔ اب سورۃ اللیل میں بتایا جارہا ہے کہ نفس کو کیسے پاک کیا جاتا ہے؟ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ پر پختہ ایمان رکھا جائے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا جائے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اور کفر اور بخل سے بچا جائے اور امیہ ابن خلف کا طریقہ نہ اپنایا جائے۔ تو اس سورت کا مضمون حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امیہ بن خلف کے کرداروں کے گرد گھومتا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۲۱ ۹۲ سُوْرَۃُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ ۹ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۙ﴿۱﴾ وَالنَّھَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰٓی ۙ﴿۳﴾

قسم ہے رات کی جب وہ (جہان کو) ڈھانپ لے اور دن کی جب اجالا کر دے [1] اور اس رب کی جس نے نر و مادہ پیدا کئے [2]

اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ؕ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۙ﴿۶﴾

بے شک تمہاری کوشش گوناگوں ہے، تو جس نے راہ خدا میں دیا اور اللہ سے ڈرا اور بھلی بات کی تصدیق کی۔

فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۙ﴿۸﴾ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۙ﴿۹﴾

یقیناً ہم اسے آسانی فراہم کریں گے [3] مگر جس نے بخل کیا اور بے نیاز ہوا اور بھلی بات کو جھٹلایا

فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ﴿۱۰﴾ؕ وَمَا یُغْنِیْ عَنْہُ مَالُہٗٓ اِذَا تَرَدّٰی ؕ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَیْنَا

تو ہم اسے دشواری فراہم کریں گے اور اسکا مال اسے نہ بچائے گا جب وہ ہلاکت میں گرے گا [4] بے شک ہمارے ذمے

لَلْھُدٰی ﴿۱۲﴾ۖ وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَۃَ وَالْاُوْلٰی ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُکُمْ نَارًا تَلَظّٰی ﴿۱۴﴾ۚ

راہ دکھانا ہے اور آخرت اور دنیا ہمارے ہی قبضہ میں ہے [5] تو میں تمہیں شعلہ بار آگ سے ڈراتا ہوں

لَا یَصْلٰىھَآ اِلَّا الْاَشْقَی ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ؕ﴿۱۶﴾

جس میں بڑا بدبخت ہی جائے گا (یعنی وہ) کہ جس نے (قرآن کو) جھٹلایا اور منہ پھیرا [6]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا راہِ خدا میں مال خرچ کرنا اور اللہ کا ان سے راضی ہونا

[1] رات جہان کو تاریکی میں ڈھانپ لیتی ہے اور دن اسے روشن کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس نظام کی قسم یاد فرما رہا ہے کیونکہ اس میں انسان کے لئے درس ہے کہ حالات ایک جیسے نہیں رہتے کبھی غم کی رات کبھی خوشی کا اجالا۔ لہٰذا بندے کو

خوشی میں تکبر اور غم میں اللہ تعالیٰ سے مایوسی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

[2] اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے اپنی قسم اٹھائی کہ اس نے نر و مادہ کو پیدا کیا۔ یعنی انسانوں حیوانوں جنوں درختوں اور دیگر کئی مخلوقات میں نر و مادہ کی تفریق ہے۔ یہ اللہ کی عظیم قدرت ہے کسی انسان کا اختیار نہیں کہ وہ اپنی جنس متعین کرے۔ اللہ جس کو چاہے نر بنا دے جس کو چاہے مادہ یہاں خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى سے معلوم ہوا کہ دو ہی جنسیں ہیں نر اور مادہ۔ خُنثیٰ کوئی جنس نہیں، بلکہ وہ بیماری ہے جس کے سبب کسی کی جنس مخفی ہو جاتی ہے اور علاج سے اسے ظاہر بھی کیا جاسکتا ہے۔

[3] تمام مفسرین کے نزدیک یہ ساری سورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اتری جب انہوں نے امیہ بن خلف جیسے ظالم شخص سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کردار کی تعریف اور امیہ بن خلف کے کردار کی مذمت فرمائی۔

پوری سورۃ اللیل کا شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں نازل ہونا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورت وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی الخ نازل فرمائی۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۴۰ حدیث ۱۹۲۵۸)

بلکہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورت کا نام ہی سورۃ ابی بکر ذکر کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے محمد بن عبید اللہ بن عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ میں اسلام لانے والے غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے تھے جن میں بوڑھے لوگ اور عورتیں بھی ہوتیں۔ ان کے باپ ابو قحافہ نے کہا: اے ابوبکر! تم ناتواں لوگوں کو خرید کر آزاد کرتے ہو، اگر قوی لوگوں کو آزاد کرتے تو وہ کسی دن تمہارے ساتھ کھڑے ہو سکتے اور تمہاری مدد اور دفاع کر سکتے تھے۔ انہوں نے جواباً فرمایا: ابا جان! اِنَّمَا اُرِیْدُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ میں صرف وہ صلہ چاہتا ہوں جو صرف میرے رب کے پاس ہے۔ تب یہ آیات اتریں:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى ﴿۷﴾

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۲ صفحہ ۶۱۴ حدیث ۳۷۴۵۷)

معلوم ہوا اس سورت کا سارا مضمون حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف میں اترا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ قسمیں اٹھا کر فرمایا کہ اے لوگو! تمہاری دنیوی جدو جہد دو طرح کی ہے، ایک وہ شخص ہے جو راہ خدا میں مال دے (جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور دیگر متعدد غلاموں کو خرید کر آزاد کیا) اور اللہ سے ڈرے (جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل بھی بت پرستی، شراب نوشی اور جاہلیت کی دوسری باتوں

سے دور رہے) اور بھلی بات کی تصدیق کرے اور سب سے بڑی بھلی بات کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے (جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اس کلمہ کی تصدیق کی) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ایسے شخص کو آسانی مہیا کریں گے یعنی اسے اچھے اعمال کی توفیق دیں گے جس سے اس کی موت آسان ہوگی، اس کی قبر وسیع کر دی جائے گی، مومنین اس کے لئے ایصال ثواب واستغفار کریں گے اور روز قیامت اس کا حساب آسان ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت میں فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی کے جلوے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت میں مذکور تمام ایمانی تقاضے بطریق احسن پورے کیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آسانیاں ہی آسانیاں عطا فرمائیں اور قدم قدم پہ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی۔ (ہم اس کے لیے آسانی مہیا کریں گے) کی صداقت آشکار ہوئی۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ہجرت میں اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمثال خدمت اور صحبت کا موقع عطا فرمایا، پھر انہیں ہر غزوہ اور ہر سفر میں اپنے محبوب کریم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی رکھا، پھر انہیں اللہ نے خلیفۃ الرسول بنایا اور ان کے سر پہ تاج خلافت سجایا۔ اور جب انہوں نے بار خلافت اٹھایا تو بڑی مہیب مشکلات کھڑی تھیں، جیسے مانعین زکوۃ کا فتنہ، مرتدین کا فساد، مدعیان نبوت کی شورش اور شاہ روم کی طرف سے حملے کا خطرہ، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جرأت ایمانی، جذبہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ہمت مردانہ اور قوت فیصلہ نے ان ساری مشکلات کو آسان کر دیا۔

پھر ان کے دور خلافت میں اس قدر تیز رفتار فتوحات ہوئیں کہ صرف دو برس اور چند ماہ میں کئی ہزار مربع میل رقبۂ زمین پہ پرچم اسلام لہرانے لگا، پورا اردن، پورا شام اور نجد، بحرین اور قطر وغیرہ پہ اسلام کا جھنڈا لہرا اُٹھا اور یوں فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی کے خوبصورت جلوے نمودار ہوئے اور قرآن کی صداقت ظاہر ہوئی۔

شیعہ مؤرخ مرزا محمد تقی نے بھی لکھا ہے کہ دور خلافت حضرت ابوبکر میں جب خبریں آنے لگیں کہ شاہ روم مدینہ طیبہ پہ حملے کے لیے پر تول رہا ہے اور ادھر داخلی خطرات بھی درپیش تھے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کو مشورہ کے لیے بلایا اور فرمایا کہ میں شاہ روم کے مقابلہ میں لشکر بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس وقت حضرت سیدنا مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا وہ شیعہ مورخ مرزا محمد تقی کی زبانی کچھ اس طرح ہے:

علی علیہ السلام فرمود: چہ تو خود راہ برگیری و چہ سپاہ بتازی ظفر تراست، ابوبکر گفت بشّرك اللہ یا ابا الحسن از کجا گوئی؟ فرمود: از رسول خدا بمن آمدہ۔

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خواہ آپ خود جنگ پہ جائیں یا لشکر بھیجیں کامیابی آپ ہی کے لیے ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے ابوالحسن! اللہ آپ کو بشارتیں عطا فرمائے آپ یہ بات کس بنیاد پہ کہہ رہے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ (ناسخ التواریخ حالات خلفاء جلد اول صفحہ ۲۵۹ واقعات سال سیزدہم ہجری مطبوعہ

کتاب فروشی اسلامیہ تہران)

تو یہ تھی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی کی وہ تعبیر جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں بشارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔

پھر جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وقت وصال آیا تو انہیں پہلوئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آسودۂ خاک ہونا نصیب ہوا۔ اور روز قیامت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اٹھیں گے اور آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنت میں جائیں گے، یہ بھی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی کے مظاہرے ہیں۔

[4] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی بجائے بخل سے کام لے اور اللہ و رسول سے بے نیازی برتے اور بھلی بات کی تکذیب کرے یعنی کلمہ طیبہ کو نہ مانے ہم اسے دشواری و تنگی فراہم کر دیتے ہیں جیسے فرمایا گیا: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا۔ (طٰہٰ، ۱۲۴) یعنی اس کی زندگی سے روحانی سکون چھین لیتے ہیں جیسے آج یورپ و امریکہ کے لوگ روحانی سکون سے محروم ہو کر شراب و شباب میں سکون ڈھونڈ رہے ہیں اور مزید بے سکون ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی موت تنگی والی ہے اور ان کی قبر اس قدر تنگ ہوتی ہے کہ دائیں بائیں کی پسلیاں باہم پیوست ہو جاتی ہیں اور روز قیامت انہیں جہنم میں تنگ و تاریک جگہ میں رکھا جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا شخص جب مرے گا تو اس کا مال جس کی وجہ سے وہ بخیل تھا اسے نار جہنم میں گرنے سے بچا نہ سکے گا۔

یہاں سے بخل کی مذمت معلوم ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ایک کہتا ہے اے اللہ! جو تیری راہ میں دے تو اسے مزید عطا فرما دوسرا کہتا ہے اے اللہ! جو تیری راہ میں نہ دے اسے تباہ کر۔'' (بخاری)

[5] یعنی راہنمائی کرنا ہماری ذمہ داری ہے جو ہم نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج کر اور ان پر قرآن اتار کر پوری کر دی ہے اور دنیا و آخرت ہمارے قبضہ میں ہے لہٰذا ہر انسان کو اپنے ہر معاملہ میں ہماری ہی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

[6] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے لوگو! میں تمہیں شعلہ بار آگ سے ڈراتا ہوں جس میں اللہ کے رسول اور اس کی کتاب کی تکذیب کرنے والا بدبخت شخص ہی داخل ہوگا۔ تو لَا یَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ سے معلوم ہوا کہ کوئی مومن اس شعلہ بار آگ میں نہ جائے گا۔ اگر کوئی مومن شامت اعمال سے جہنم میں گیا تو وہ کسی ہلکی آگ میں ہوگا۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ

اور اس سے پرہیزگارترین شخص (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) کو دور رکھا جائیگا[7] جو اپنا مال (راہ خدا میں) دیتا ہے تاکہ مال ستھرا ہو جائے اور

نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

اس پر کسی کا احسان نہیں کہ اس کی جزا دی جائے، سوا اس کے کہ وہ اپنے رب برتر کی رضا چاہتا ہے اور عنقریب اس کا رب (اس سے) راضی ہوگا[8]

[7] یہاں سے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کردار کی تعریف کی جارہی ہے کہ اس آگ سے وہ شخص دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے اور وہ اپنا مال راہِ خدا میں اس لئے لٹاتا ہے تاکہ اس کا مال پاک ہو جائے یا وہ خود حب دنیا سے پاک ہو جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت بلال حبشی اور دیگر مومن غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا

امام ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے ہشام بن عروہ نے اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے (جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پڑنواسے ہیں) روایت کرتے ہوئے بتایا کہ امیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سزا دیتا تھا اور وہ احد احد پکارتے۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے تو امیہ بن خلف سے کہا او ظالم! اس مسکین پر اتنا ظلم کیوں کرتے ہو اور کب تک کرو گے؟ اس نے کہا تم ہی نے اسے خراب کیا (مومن بنایا) ہے اب تم ہی اس کی سزا ختم کرو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میرا ایک غلام ہے جو اس سے (بلال سے) کہیں طاقتور ہے اور وہ تمہارے دین پر ہے (کافر ہے) وہ تم لے لو اور یہ مجھے دے دو، اس نے کہا مجھے قبول ہے۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا اور آزاد کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے چھ غلام خرید کر آزاد کئے تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نمبر ساتواں تھا۔ وہ چھ یہ ہیں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جو بدر واحد میں شریک ہوئے اور بیر معونہ کے واقعہ میں شہید کئے گئے، ام عبیس، زنیرہ، نہدیہ، نہدیہ کی بیٹی اور بنی مومل کی لونڈی۔

ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ نے ان سے کہا: تم کمزور غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے ہو (ابو قحافہ اس وقت اسلام نہ لائے تھے وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے) اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو طاقتور غلاموں کو خرید کر آزاد کیا کرو تاکہ وہ تمہارے مددگار بنیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ابا جان میں جو کچھ کرتا ہوں اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہوں تب یہ آیات نازل ہوئیں: وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم کرے اس نے مجھ سے اپنی بیٹی بیاہی، دارِ ہجرت کی طرف مجھے سواری مہیا کی اور اپنے مال سے بلال کو خرید کر آزاد کیا۔''
(تفسیر قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۸۹ مطبوعہ بیروت)

[8] حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب امیہ بن خلف نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تم مجھ سے بلال کو خرید لو تو انہوں نے کہا میں اسے اپنے غلام نطاس کے بدلے خریدتا ہوں حالانکہ نساط عبد ماذون تھا (یعنی تجارت کرتا تھا) اور اس کے پاس دس ہزار درہم اور دیگر کئی اموال بھی تھے (جو قانوناً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے تھے کیونکہ غلام کا مال بھی اس کے مولیٰ ہی کا ہوتا ہے) ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا بھی تھا کہ اگر تم اسلام لے آؤ تو میں یہ سارا مال تمہیں دے دوں گا مگر وہ نہ مانا۔ آپ کو اس کی بات بری لگی۔ آخر آپ نے اسے امیہ کو دے دیا اور اس کے بدلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ مشرکوں نے کہا ضرور کسی وقت بلال نے ابوبکر پر کوئی احسان کیا ہوگا جس کا انہوں نے بدلہ چکایا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾ (کہ ابوبکر پر کسی کا احسان نہ تھا جس کا وہ بدلہ چکاتے بلکہ انہوں نے اپنے رب کی رضا پانے کے لئے یہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے اور اللہ ان سے یقیناً راضی ہوگا)۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۲۵۷)

یہی شان نزول امام خازن، امام قرطبی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، امام فخر الدین رازی، علامہ محمود آلوسی اور امام اسماعیل حقی برسوی اور دیگر کثیر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ بلکہ امام خازن فرماتے ہیں کہ تمام مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر لباب التاویل جلد ۷ صفحہ ۲۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دلائل قرآن کی روشنی میں

پہلی آیت: اللہ تعالیٰ نے وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى کہہ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو الْاَتْقٰى (سب سے زیادہ پرہیزگار) قرار دیا ہے الْاَتْقٰى صیغہ اسم تفضیل ہے۔ اور یقیناً یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کی بات ہے کیونکہ کوئی غیر نبی، انبیاء سے زیادہ پرہیزگار نہیں ہوسکتا۔ معلوم ہوا انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ابوبکر صدیق تمام صحابہ کرام سے، تمام امت سے، تمام انسانوں سے اور تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ کیونکہ سب مخلوقات سے انسان افضل ہے انسانوں میں سے مسلمان اور مسلمانوں میں سے امت محمدیہ اور امت محمدیہ میں سے صحابہ اور صحابہ میں سے ابوبکر صدیق سب سے افضل ہیں۔ قاضی ثناء اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تقویٰ میں سب سے بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۴ مطبوعہ کوئٹہ)

قرآن میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ط ''تم میں اللہ کے ہاں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔'' (حجرات، ۱۳) گویا یہاں قرآن کی زبان میں صغریٰ یہ ہے کہ ابوبکر

صدیق سب سے بڑے پرہیزگار ہیں اور قرآن ہی کی زبان میں کبریٰ یہ ہے کہ جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے وہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ معزز ہے۔تو دلائل منطقیہ میں سے شکل اول کے مطابق حد اوسط کے گرانے سے منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز ہیں (اور یہ انبیاء کے بعد ہے) عربی میں یوں کہہ سکتے ہیں:
ابوبکر اتقی الناس بعد الانبیاء، والاتقی هو الاکرم عند الله فابوبکر اکرم الناس بعد الانبیاء عند الله۔

دوسری آیت: مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ
''تو یہ لوگ اللہ کے انعام یافتہ بندوں کے ساتھ ہوں گے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔'' (نساء،۶۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں میں سب سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام بتائے گئے ہیں، ان کے بعد صدیقین، پھر شہداء وصالحین۔اب صدیقین کون ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو انبیاء کے لائے ہوئے دین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں اور خود کو ان کی اطاعت میں فنا کر دیں۔اور ان لوگوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا درجہ سب سے بلند ہے بلکہ تمام صحابہ صدیقین ہیں۔اسی لیے ان کی ادنیٰ نیکی تمام امت کے اعمال سے افضل ہے، کسی صحابی کا دو سیر جو خرچ کرنا باقی امت کے احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے پر بھی بھاری ہے۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صدیقین کے سردار ہیں، کسی اور کا صدیق ہونا منصوص نہیں، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدیق ہونا زبان رسالت سے منصوص ہے اور جو منصوص ہے وہ غیر منصوص سے افضل ہے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اثبت احد فانما علیك نبی وصدیق وشهیدان، اے احد! ٹھہر جا، تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہی ہیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بقول اس وقت احد پہاڑ پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم ہی تھے۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب ۵ حدیث ۳۶۷۵، ابوداود کتاب السنہ باب ۸، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۳۱)

جب انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صدیقین کا درجہ ہے تو صدیقین میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا درجہ سب سے بلند تر ہے۔

رہی ابن ماجہ کی وہ حدیث کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ہی صدیق اکبر ہوں میرے سوا جو اس کا دعوی کرے وہ کذاب ہے۔تو اس کا راوی عبید اللہ بن موسیٰ شیعہ ہے اور منکر روایات لاتا ہے اور منکر الحدیث ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۳۶ مطبوعہ دار احیاء، بیروت)

اور ایسے دعاوی کرنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تقویٰ کے خلاف ہے، یقیناً یہ روایت کسی گمراہ انسان نے وضع کی ہے۔

تیسری آیت: ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ''دو میں سے دوسرا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے صحابی (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے کہہ رہے تھے ڈرو نہیں

اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (توبہ،۴۰)

اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت پہ نص کی گئی ہے تو آپ کی صحابیت کا منکر کافر ہے، کسی اور صحابی کی صحابیت کا منکر کافر نہیں۔ امام خازن رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: قال الحسن بن الفضل من قال ان ابابکر لم یکن صاحب رسول اللہ ﷺ فھو کافر لانکارہ نص القرآن۔ حسن بن فضل کہتے ہیں: جو شخص کہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی نہیں ہیں وہ کافر ہے کیونکہ وہ نص قرآن کا منکر ہے۔

(تفسیر لباب التاویل جلد ۴ صفحہ ۹۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہی الفاظ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منصوص من اللہ صحابی ہیں دوسرے غیر منصوص ہیں۔ تو جو نص قرآن کو غیر نص پہ فضیلت ہے وہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پہ فضیلت ہے۔

اس آیت کے تحت حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان اللہ ذم الناس کلھم ومدح ابابکر رضی اللہ عنہ فقال الا تنصروہ فقد الخ، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمام لوگوں کی مذمت کی (انہیں تنبیہ کی) اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کی، اور فرمایا کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ نے ہجرت میں تنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ آپ کی مدد کی تھی۔ (درمنثور بروایت ابن عساکر وخیثمہ بن سلیمان جلد ۴ صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تو حضرت علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے بقول یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل قرار دیتی ہے۔

چوتھی آیت: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ؀ ''پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے اپنے برگزیدہ لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا، تو ان میں سے کچھ تو اپنی جان پہ ظلم کرنے والے ہیں (گناہ گار ہیں) اور کچھ میانہ رو ہیں (فرائض ہی پورے کرتے ہیں) اور کچھ ان میں سے باذن اللہ نیکیوں میں سبقت لیجانے والے ہیں، یہی سب سے بڑا فضل ہے۔ (فاطر،۳۲)

اس آیت میں وارثان کتاب یعنی اہل ایمان کے تین درجات بتائے گئے ہیں، اپنی جانوں پہ ظلم کرنے والے (گناہ گار مومنین) میانہ رو لوگ (فرائض پہ اکتفاء کرنے والے) اور نیکیوں میں سبقت لیجانے والے اور بلاشبہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آخری گروہ یعنی سابق بالخیرات میں شامل ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سب سے بڑھ کر سابق بالخیرات تھے، یعنی وہ ہر نیکی میں سب پہ سبقت لیجاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لم ارد خیرا قط الاسبق الیہ ابو بکر۔ میں نے جب بھی کسی نیکی کا ارادہ کیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی طرف مجھ سے سبقت لے گئے۔ (کنز العمال بروایت مسند بزار جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۰ حدیث ۳۵۶۶۳)

اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: والذی نفسی بیدہ ما استبقنا الی خیرالاسبقنا الیہ ابوبکر۔ ''ہم نے جب بھی کسی نیکی میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کی تو ضرور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی طرف ہم سب سے سبقت لے گئے۔'' (طبرانی معجم اوسط جلد ۵ صفحہ ۲۳۱ حدیث ۱۶۸ ۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس کا مظاہرہ اس وقت بھی ہوا جب غزوہ تبوک کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال لانے کے لیے کہا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے آج میں اتنا مال لاؤں گا کہ ابوبکر سے آگے نکل جاؤں گا، تو وہ اپنا آدھا مال لے آئے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا مال لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ما ابقیت لاھلك یا ابابکر۔ ابوبکر تم اپنے گھر کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا: ابقیتُ لھم اللہ و رسولہ۔ میں گھر والوں کے لئے صرف اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۱۶)

نتیجہ یہ ہوا کہ سابقون بالخیرات افضل طبقہ ہے اور اس وصف میں صحابہ سب سے مقدم ہیں، ان کا نام ہی سابقون ہے۔ اور صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے بڑھ کر سابق بالخیرات ہیں تو ان کے سب امت سے افضل ہونے میں کیا شک ہے۔

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں

پہلی حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان امنّ الناس علیّ فی صحبتہ ومالہ ابو بکر ولو کنت متخذا خلیلا لا تخذت ابا بکر خلیلا۔ ''تمام لوگوں سے بڑھ کر اپنی صحبت اور اپنے مال کے ساتھ مجھ پر احسان کرنے والا ابوبکر ہے اور اگر میں (اللہ کے سوا) کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔'' (صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث ۳۶۵۴، ترمذی کتاب المناقب باب ۱۵)

اور اسلام میں افضلیت کا معیار دین کے لیے قربانی ہے، اسی لیے فرمایا گیا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے اموال کے ساتھ جہاد کیا ان کا درجہ اللہ کے ہاں سب سے عظیم ہے اور وہی کامیاب ہیں۔'' (توبہ، ۲۰)

تو اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ایمان کے بعد ہجرت اور جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے والوں کا درجہ سب سے بلند ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ سب سے زیادہ اپنی جان اور مال کے ساتھ مجھ پہ احسان کرنے والا ابوبکر ہے تو پھر اس بات میں کس کو شک رہ جاتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا درجہ اللہ کے ہاں سب سے عظیم تر ہے۔

دوسری حدیث: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، میں آپ کے پاس حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایّ الناس احب الیك۔ لوگوں میں آپ کے

ہاں سب سے محبوب تر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ۔ میں نے عرض کیا: مردوں میں سے محبوب تر کون ہے؟ فرمایا: ابوھا، عائشہ کا باپ۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد کون محبوب تر ہے؟ فرمایا: عمر بن الخطاب۔
(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ حدیث ۳۶۶۲)

تیسری حدیث: سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا ینبغی لقوم فیھم ابوبکر ان یؤمھم غیرہ۔ ''کسی قوم کا حق نہیں کہ جب ان میں ابوبکر صدیق موجود ہوں تو کوئی دوسرا آدمی ان کی امامت کرے۔'' (ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۶۷۳)

یہاں امامت سے نماز کی امامت بھی مراد ہے اور ولایت وخلافت بھی مراد ہے۔ یہ حدیث بھی اس بات پہ نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔

چوتھی حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ما طلعت الشمس علی احد منکم افضل من ابی بکر۔ ''آج تک سورج کسی ایسے شخص پہ طلوع نہیں ہوا جو تم میں ابوبکر سے افضل ہو۔''
(طبرانی معجم اوسط جلد ۵ صفحہ ۲۷۳ حدیث ۷۳۰۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روشنی میں

پہلا قول۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں جب انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک مہاجرین میں سے ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کار خلافت صرف قریش کے لیے ہے، اس وقت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوبکر! آپ ہاتھ بڑھائیں ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں، پھر کہا: انت سیدنا وخیرنا واحبنا الی رسول اللہ۔ آپ ہمارے سردار ہیں، ہم سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے حضور ہم سب سے محبوب تر ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی تو سب نے کرلی۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ حدیث ۳۶۶۸)

یعنی جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ سب نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے بیعت کرلی۔ پھر مسجد نبوی میں آکر بیعت عامہ ہوئی اور مہاجرین، انصار، خاندان بنو ہاشم اور (بشمول حضرت مولا علی المرتضی رضی اللہ عنہ) اہل بیت رسول ﷺ میں سے کوئی نہیں رہا جس نے ان کی بیعت نہیں کی۔ معلوم ہوا افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر تمام صحابہ واہل بیت کا اجماع ہے۔

دوسرا قول: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

کنا نخیّر بین الناس فی زمان رسول اللہ ﷺ فنخیّر ابا بکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللہ عنھم۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موازنہ کرتے تھے تو ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب

سے افضل کہتے تھے، پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۶۵۵)

یہ قول واضح کر رہا ہے کہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔

سنن ابی داود میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ان الفاظ سے ہے: کنا نقول و رسول اللہ حیّ افضل امة النبی بعدہ ابو بکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللہ عنہم۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حیات ظاہرہ) کے ساتھ زندہ تھے تو ہم کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آپ کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان۔

(سنن ابی داود کتاب السنۃ باب فی التفضیل حدیث ۴۶۲۹)

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضلیت صدیق اکبر کا قول کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں منع نہیں کرتے تھے تو یہ آپ کی بھی تائید ہوگئی۔

تیسرا قول: ابن عدی اور ابن عساکر نے بروایت زہری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ھل قلت فی ابی بکر شیئاً؟ کیا تم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی کچھ (اشعار) کہے ہیں؟ عرض کیا: جی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: قل وانا اسمع بولو میں سن رہا ہوں، تو انہوں نے کہا: ؎

وثانی اثنین فی الغار المنیفِ وقد ... طاف العدوُّ به اذصاعد الجبلا

وکان حِبَّ رسولِ اللہ قد علِموا ... من البریۃِ لم یعدِل به رجُلا

ترجمہ: ابوبکر صدیق بلند غار میں دو میں سے دوسرے تھے، جب دشمن غار کے گرد پھرتے تھے۔ جب وہ غار پہ چڑھے ہوئے تھے۔ ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے اور آپ ان کے برابر مخلوق میں سے کسی کو نہ جانتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فضحِكَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی بدتْ نوجِذُہ ثم قال صدقت یا حسانُ ھو کما قُلت، یہ اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حتی کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حسان! تم نے سچ کہا ابوبکر ایسا ہی ہے جیسا تم نے کہا (وہ میرا محبوب ہے اور میں اس کے برابر کسی کو نہیں جانتا)۔

(درمنثور جلد ۴ صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مولا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے اقوال سے

پہلا قول مرتضوی: حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد گرامی (مولا علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: ایّ الناس خیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابو بکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں کون افضل ہے؟ فرمایا: ابو بکر، میں نے پوچھا پھر کون ہے؟ فرمایا: عمر۔ مجھے ڈر ہوا کہ اس کے بعد آپ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے، میں نے پوچھا: ثم انت، کیا اس کے بعد آپ ہیں؟ فرمایا: انا رجل من المسلمین، میں تو ایک مسلمان آدمی ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۶۷۱)

یہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا تواضع و انکساری ہے ورنہ آپ کے فضائل بے شمار ہیں۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد آپ سب صحابہ سے افضل ہیں، بہر حال آپ نے خود نص فرمادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔

دوسرا قول مرتضوی: امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھا، اتنے میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هذانِ سیدا کُهولِ اهل الجنة من الاولین والآخرین الاالنبیین والمرسلین یا علی لا تُخبرهما، یہ دونوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) تمام اگلے اور پچھلے اہل جنت کے بزرگ لوگوں کے سردار ہیں، سوا انبیاء و مرسلین کے۔ اے علی! ان دونوں کو خبر نہ دینا۔ (ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۶۶۵، ابن ماجہ مقدمہ باب ۱۱، مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۸۰)

یہاں کھول سے مراد وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو اپنی قوم میں سردار اور بزرگ مانے جاتے ہوں، یا جن کا وصال عہد بزرگی میں ہوا، ورنہ قیامت میں سب نوجوان ہوں گے۔

تیسرا قول مرتضوی: حضرت اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ (زمر، ۳۳)

میں سچائی لانے والے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اور سچائی کی تصدیق کرنے والے سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مکہ مکرمہ)

یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچائی لے کر آئے تو بقول حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اس کی تصدیق کرنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

چوتھا قول مرتضوی: ابھی گزرا کہ امت کے افضل طبقہ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

والذی نفسی بیده ما استبقنا الی خیر الا سبقنا الیه ابو بکر، اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ہم نے جب بھی کسی بھلائی میں ایک دوسرے پہ سبقت لیجانے کی کوشش کی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ضرور اس میں ہم سب سے آگے نکل گئے۔ (طبرانی اوسط)

پانچواں قول مرتضوی: امام ابن عبد البر اپنی سند کے ساتھ مولا علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

لا اجد احدا یفضلنی علی ابی بکر و عمر الا جلدته حد المفتری، ''میں نے جس بھی شخص کو اس حالت میں پایا کہ وہ مجھے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پہ فضیلت دیتا ہے تو میں اسے بہتان تراشی کرنے والے مجرم کی سزا دوں گا (80 کوڑے ماروں گا)۔''

(الاستیعاب جلد ۲ حرف عین اسم عبداللہ ذکر ابوبکر صدیق صفحہ ۲۴۲ مطبوعہ دار صادر بیروت، کنز العمال جلد ۱۳ صفحہ ۲۷ حدیث ۳۶۱۵۷)

مزے کی بات یہ ہے کہ مولا علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد کتب شیعہ میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ شیعہ محقق علامہ محمد بن عبدالعزیز کشی لکھتا ہے:

سفیان الثوری عن محمد بن المنکدر انه رأی علیا علیہ السلام علی منبر الکوفة وھو یقول: لئن اُتیتُ برجل یفضّلنی علی ابی بکر وعمر لاجلدنّه حدّ المفتری، سفیان ثوری نے محمد بن المنکدر سے روایت کیا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے منبر پہ یہ فرماتے ہوئے سنا: اگر میرے پاس ایسا شخص لایا گیا جو مجھے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پہ فضیلت دیتا ہو تو میں اسے بہتان تراش کی حد ماروں گا۔

(رجال کشی صفحہ ۴۰۱ ذکر سفیان الثوری مطبوعہ مکتبہ علامہ مصطفوی بیروت)

جو لوگ آج حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہ فضیلت دیتے ہیں اگر یہ زمانہ حضرت مولا مشکل کشا رضی اللہ عنہ میں ہوتے آپ ان کو کوڑے لگاتے۔ تو ان نام نہاد محبان علی کو اپنے کردار و گفتار سے مولا علی رضی اللہ عنہ کی روح کو تکلیف دینے سے باز آنا چاہیے۔

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع ہے اور اسکا منکر اہل سنت سے خارج ہے

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و افضل الناس بعد النبیین علیھم الصلوٰۃ والسلام ابوبکر الصدیق۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

(فقہ اکبر صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس کی شرح کرتے ہوئے حضرت ملا علی القاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں:

وقد حکی الاجماع علی ذالك ولا عبرة بمخالفة الروافض ھنالك۔ تحقیق اس افضلیت پہ (اہل سنت کا) اجماع نقل کیا گیا اور شیعوں کا اس سے اختلاف کرنا کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ (شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۰۹)

یعنی افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے انکار شیعہ کا عقیدہ ہے لہذا اس سے اس اجماع میں کچھ فرق نہیں آتا، معلوم ہوا کہ جس نے افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے انحراف کیا وہ اہل سنت میں سے نکل کر اہل تشیع میں چلا گیا۔

سیدنا غوث صمدانی قطب ربانی شیخ سید عبدالقادر الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و من ذالك تفضیلھم علیا علی الصحابة، شیعہ رافضیہ کے عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پہ افضل جانتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین فصل فی الرافضہ جلد اول صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس عبارت سے چند سطور قبل آپ اہل تشیع کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لانھم یشیعون علیا رضی اللہ عنہ ویفضلونه علی جمیع الخلفاء۔ کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی (بزعم خود) حمایت کرتے ہیں اور انہیں تمام خلفاء سے افضل جانتے ہیں۔

یعنی سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت مولا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ اور تمام خلفاء راشدین سے افضل ماننا رافضیوں کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی ہے، اس کا اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آج کئی نام نہاد سنی خود کو اولاد غوث اعظم رضی اللہ عنہ میں سے گردانتے ہیں، مگر عملاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ پہ افضلیت دے کر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو غلطی پہ قرار دیتے ہیں، وہ کس منہ سے خود کو قادری اور اولاد غوث اعظم کہتے ہیں۔

امام نووی رضی اللہ عنہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں: اتفق اهل السنة علی ان افضلهم ابوبکر ثم عمر قال جمهورهم ثم عثمان ثم علی، قال ابومنصور البغدادی اصحابنا مجمعون علی ان افضلهم الخلفاء الاربعُ علی الترتیب المذکور۔ اہل سنت کا اس بات اجماع ہے کہ صحابہ میں سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر، پھر جمہور اہل سنت کے نزدیک عثمان ہیں پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں اور ابومنصور بغدادی فرماتے ہیں ہمارے اصحاب (اہل سنت) کا اجماع ہے کہ خلفاء اربعہ ترتیب مذکور کے مطابق سب سے افضل ہیں۔

(نووی شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس عبارت سے خوب واضح ہوگیا کہ افضلیت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے، لہٰذا اس کا منکر اہل سنت میں سے نہیں ہے، البتہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہونا جمہور اہل سنت کا عقیدہ ہے اور اس کا منکر اہل سنت سے خارج نہیں ہے۔

امام ابن حجر مکی ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 974ھ فرماتے ہیں:

و اجمع اهل السنة علی ان افضلهم العشرة المشهود لهم بالجنة علی لسان نبیه ﷺ فی سیاق واحد وافضل هؤلاء ابو بکر و عمر۔ ''اہل سنت کا اس پہ اجماع ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل عشرہ مبشرہ ہیں جن کو ایک ہی بیان میں زبان رسالت مآب ﷺ پر جنت کی بشارت دی گئی اور ان میں سب سے افضل ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ (الزواجر عن اقتراف الکبائر جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ کبیرہ گناہ ۴۶۴ بغض الصحابۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر)

جب یہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے تو اس سے انحراف کرنے والا اہل سنت میں سے کیسے ہوسکتا ہے؟

شارح بخاری امام احمد بن محمد شافعی قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 923ھ فرماتے ہیں:

فقد اطبق السلف علی خیریتهم عند الله علی هذا الترتیب کخلافتهم وقالت الشیعة و کثیر من المعتزلة ان الافضل بعد النبی ﷺ علی رضی الله عنه۔ سلف (صحابہ وتابعین) نے اس پہ اجماع کیا ہے کہ خلفاء راشدین اپنی ترتیب خلافت کے مطابق عند اللہ سب سے افضل ہیں۔ اور شیعہ کہتے ہیں اور اکثر معتزلہ بھی کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

(ارشاد الساری شرح البخاری جلد ۸ صفحہ ۱۴۸ کتاب فضائل النبی ﷺ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

صاف واضح ہوا کہ افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ شیعہ اور معتزلہ کا ہے، اہل سنت کا وہی عقیدہ ہے جو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی سب صحابہ سے افضل ہیں۔

امام ابوالشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ تمہید میں فرماتے ہیں:

وبعض کلامهم بدعة ولا یکون کفرا وهو قولهم بان علیا رضی اللہ عنہ کان افضل من ابی بکر وعمر وعثمان رضی الله عنهم۔ شیعہ کا بعض کلام بدعت ہے کفر نہیں، یعنی ان کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر و عمر عثمان رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔ (التمہید صفحہ ۳۹۳ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

حضرت مجدد الف ثانی قندیل نورانی امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ واشگاف الفاظ میں فرماتے ہیں:

الغرض شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی افضلیت اس سے کمتر ہے، لیکن احوط یہی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے منکر بلکہ شیخین کی افضلیت کے منکر کو بھی کفر کا فتویٰ نہ دیں بلکہ مبتدع اور ضال جانیں۔ کہ ایسا منکر یزید بدبخت کا ساتھی اور بھائی ہے۔ (مکتوبات امام ربانی حصہ چہارم دفتر اول مکتوب ۲۶۶ مطبوعہ مدینہ پبلیشنگ کمپنی کراچی)

ان تمام محدثین وائمہ دین کے اقوال اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس واشگاف ارشاد کے بعد جو شخص کہتا ہے کہ افضلیت شیخین کا منکر بھی اہل سنت اہل حق میں سے ہے ہم اس کی ہدایت کے لیے دعاء ہی کر سکتے ہیں۔

فقہاء کے نزدیک تفضیلی شخص بدعتی ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

محقق حنفی علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بخلاف ما اذا کان یفضّل علیا او یسبّ الصحابة فهو مبتدع لا کافر۔ بخلاف اس کے کہ جب کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ سے افضل جانتا یا صحابہ کو گالیاں دیتا ہو تو وہ بدعتی ہے، کافر نہیں ہے۔

(ردالمحتار شرح درمختار جلد ۳ صفحہ ۴۹ مطبوعہ مصطفی البابی مصر)

معلوم ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ پہ افضل جاننے والا بدعتی ہے اور بدعتی کے پیچھے فقہاء نے نماز کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اسی ردالمحتار میں ہے کہ فاسق کا حکم بدعتی والا ہے کہ اسے امامت کے لیے آگے کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(ردالمحتار جلد اول صفحہ ۵۸۵)

امام ابن ہمام فرماتے ہیں:

وفی الروافض ان من فضّل علیاً علی الثلاثة فهو مبتدع۔ اور روافض کے بارے میں یہ حکم ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صحابہ ثلاثہ پر فضیلت دے وہ بدعتی ہے۔

(فتح القدیر شرح الهدایہ جلد اول صفحہ ۳۰۴ باب فی الامامہ مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ کوئٹہ)

صاحب البحر الرائق علامہ زین الدین بن نجیم فرماتے ہیں:

الرافضی ان فضّل علیّا علی غیرہ فھو مبتدع، رافضی اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیگر صحابہ پہ فضلیت دے تو وہ بدعتی ہے۔(البحر الرائق جلد اول صفحہ ۶۱۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ان تمام فقہاء کا یہ کہنا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سب صحابہ سے افضل کہنے والا بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے صاف بتا رہا ہے کہ ایسا شخص اہل سنت سے خارج ہے۔ کیونکہ سنت اور بدعت اکٹھے نہیں ہو سکتے، جو اہل بدعت ہے وہ اہل سنت نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود آج بعض لوگوں کو اصرار ہے کہ افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا منکر بھی اہل حق اور اہل سنت میں سے ہے۔ اس لیے ہم نے اپنی روش سے ہٹ کر اس جگہ یہ طویل گفتگو کی ہے اور اس کا مقصد احقاق حق کے سوا کچھ نہیں، اللہ تعالی میری اس سعی کو قبول فرمائے۔

(نوٹ: افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گفتگو میں نے حج سے واپس آ کر تفسیر کے مکمل کرنے کے بعد اس کی دوہرائی کے دوران بڑھائی تھی، کیونکہ حج کے دوران وہ تمام کتب میسر نہ تھیں جن سے یہ دلائل لیے گئے)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مالی وجانی قربانیاں

اس سورت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال خرچ کرنے کی تعریف کی گئی ہے کہ جب انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کیا تو اللہ تعالی نے ان کی اس عظیم نیکی پر ان کی فضیلت میں ساری سورت اتاری۔ تاہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قربانی صرف غلام آزاد کرنا ہی نہیں ہے بلکہ انہوں نے تین مواقع پر اپنا سارا مال راہ خدا میں لٹا دیا۔

اول: جب وہ اسلام لائے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم (قریباً تین من چاندی) کا سرمایہ تھا جو انہوں نے سارا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کر دیا۔
(الریاض النضرہ بروایت ابن ابی حاتم جلد ا صفحہ ۲۲۲)

دوم: ہجرت کے موقع پر ان کے گھر میں جو مال تھا وہ سارا انہوں نے ساتھ لے لیا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں صرف کر دیا۔ سیدہ اسماء بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت پر روانہ ہوئے تو اپنا کل مال پانچ ہزار درہم (قریباً چالیس سیر چاندی) بھی ساتھ لے لیا۔ ہمارے دادا ابوقحافہ کی بینائی ختم ہوگئی تھی۔ وہ کہنے لگے لگتا ہے ابوبکر سارا مال ساتھ لے گیا ہے میں نے کہا بابا ہرگز نہیں وہ ہمارے لئے بہت کچھ (یعنی اللہ کی ذات پر بھروسہ) چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ میں نے گھر کے ایک کونے میں پتھر رکھ کر ان پر کپڑا ڈالا اور ابوقحافہ کا ہاتھ اس پر رکھ کر بتایا کہ وہ اتنا مال چھوڑ گئے ہیں۔ وہ کہنے لگے: تب تو خطرے کی کوئی بات نہیں۔
(سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۲۵ مطبوعہ بیروت)

سوم: غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ لشکر اسلام کے لئے سارا مال لے آئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آدھا مال لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اے عمر! تم گھر میں کیا چھوڑ کر آئے؟ عرض کیا آدھا مال، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مال

کون لایادین میں سعد وزبیر وطلحہ کو
بو عبیدہ اور عثماں کس نے باایماں کیے
اپنے کندھوں پہ اٹھایا مصطفیٰ کو غار تک
تیرے کندھے کام آئے بہر محبوب خدا
اپنی کمسن بیٹی دی ہے خدمت سرکار میں
زندگی بھر وہ مثل سایہ تھے نبی کے ہم قدم
خونِ دل سے کس نے سینچا لالہ زار مصطفیٰ
وہ ہیں بس صدیق اکبر راز دار مصطفیٰ
واہ واہ ہمت تیری اے یار غار مصطفیٰ
مرحبا اے حامل اکرام بار مصطفیٰ
کون ہے اُن سا کوئی احساں شعار مصطفیٰ
اس لیے طیبؔ بنے وہ ہم مزار مصطفیٰ

شان حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یوں تو چھ غلام پہلے بھی خرید کر آزاد کیے تھے جیسا کہ پیچھے سیرت ابن ہشام کے حوالے سے گزرا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نمبر ساتواں تھا مگر جب انہوں نے حضرت بلال کو خرید کر آزاد کیا تو رحمت پروردگار جوش میں آئی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں پوری سورت اتار دی۔ اس سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عظمت کا پتہ چلا یعنی جتنا قیمتی انسان حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خریدا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی قدر ان کی تعریف فرمائی اس سے ظاہر ہے کہ اس سورت میں مذکور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تمام فضائل کی بنیاد فضیلت حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا کیا کہنا ہے وہ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں سے ہیں۔ بلکہ پہلے سات مسلمانوں میں سے ایک ہیں۔ زندگی بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اے بلال! اپنے آگے تمہارے قدموں کی آہٹ سنی۔ میں نے پوچھا میرے آگے کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ بلال ہے۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ جب یہ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرتے تو رو پڑتے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد اول صفحہ ۱۴۲ مطبوعہ بیروت)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دفاع سنت اللہ ہے

کفار سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کیا تو کفار مکہ نے اسے غلط رنگ دینے کی کوشش کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے آیت وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ الخ نازل فرمائی۔ معلوم ہوا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنا اور ان کی کردار کشی کرنا طریقہ کفار ہے اور ان کی طرف سے دفاع کرنا سنت پروردگار ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی رضا ملے گی

اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کہا وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾ اللہ ان سے یقیناً راضی ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں

فرمایا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے گویا جو اعزاز اللہ نے اپنے محبوب کو عطا فرمایا اس کی مثل ان کے یار غار کو بھی عطا فرمایا۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝۲۰ کہہ کر یہ بھی بتایا گیا کہ مومن کو ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرنا چاہیے۔ یہی مقام صدیق اکبر ہے اور اسی میں اللہ رب العزت کی رضا ہے۔

الحمد للہ آج 13 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 11 دسمبر 2008ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء مکہ مکرمہ میں سورۃ اللیل کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ و صحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ الضحیٰ

سورۃ الضحیٰ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 93 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے دسویں سورت ہے، جو سورہ الم نشرح سے قبل اور سورۃ الفجر کے بعد نازل ہوئی۔ گویا یہ مکہ مکرمہ میں آغاز اسلام میں نازل ہونے والی سورت ہے۔ یہ سورۃ وَالضُّحٰی ① وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰی سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ الضحیٰ کہتے ہیں۔

اس سورت میں ایک رکوع، 11 آیات، 40 کلمات اور 272 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ اس سے قبل سورۃ اللیل میں رات اور دن کی قسم سے بات شروع کی گئی اور اس سورت میں ضُحٰی چاشت کے وقت کی قسم اٹھا کر بات شروع کی گئی۔ سورۃ اللیل میں کردارِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کی گئی اور دین اسلام کے لیے ان کی خدمات کا ذکر ہوا اور آخر میں بتایا کہ وہ روز قیامت راضی ہونگے۔

اب اس سورت میں بتایا جا رہا ہے کہ جس رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قربانیاں دی ہیں اسے اللہ تعالیٰ ہر آنے والی گھڑی میں پہلے سے زیادہ عزت و مرتبہ عطا فرمائے گا اور آخرت میں تو اللہ ان کو راضی کر کے چھوڑے گا۔ گویا پچھلی سورت کا اختتام رضائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہ کیا گیا اور اس سورت کا اختتام رضائے رسول اکبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ کیا گیا ہے۔ یہ کیا خوبصورت ترتیب ہے، کبھی خادم کا ذکر پہلے اور مخدوم کا ذکر بعد میں ہوتا ہے، یعنی افضل کو آخر پہ رکھا جاتا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتہا ۱۱ ۹۳ سُوْرَۃُ الضُّحٰی مَکِّیَّۃٌ ۱۱ رکوعاتہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
وَالضُّحٰی ۙ﴿۱﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾ وَلَلۡاٰخِرَۃُ
قسم ہے چاشت کے وقت کی اور رات کی جب وہ چھا جائے[1] آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا[2] نہ ناراض ہوا اور ہر
خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ؕ﴿۴﴾ وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ؕ﴿۵﴾ اَلَمۡ یَجِدۡکَ
پچھلی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے بہتر ہے[3] اور یقینا آپ کو آپ کا رب (اس قدر) دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے[4] کیا اللہ نے
یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۪﴿۶﴾
آپ کو یتیم نہ پایا تو پناہ دی؟[5]

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کی عنایات عظمیٰ کا بیان

[1] یہ سورت عظمت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسین پھولوں کا خوبصورت گلدستہ ہے اس کی گیارہ آیات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گیارہ نعتیں ہیں۔ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے چاشت کے وقت کی قسم اور رات کی قسم جب وہ چھا جائے۔ اب اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔

(1) یہ ہر چاشت اور ہر رات کی قسم ہے جیسے گزشتہ سورت میں دن اور رات کی قسم سے بات شروع کی گئی۔ اور یہ تفسیر سب سے قوی تر ہے۔

(2) اس سے مخصوص چاشت اور مخصوص رات مراد ہے۔ اب وہ کون سی ہے تو بعض نے کہا وہ چاشت مراد ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے پہلی بار اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اور وہ رات مراد ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے۔

(3) چاشت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روز ولادت اور رات سے شب معراج مراد ہے۔

(4) چاشت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال ظاہرہ اور رات سے آپ کے احوال باطنہ مراد ہیں جو آپ کے اور اللہ کے

درمیان راز ہیں۔ جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں میں اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔
(بخاری کتاب الحدود باب ۴۲)

(5) چاشت سے حضور ﷺ کا رخ انور مراد ہے اور رات سے آپ کی سیاہ زلفیں مراد ہیں۔ اور یہ سب سے زیادہ خوبصورت اور ایمان افروز تفسیر ہے۔

چنانچہ امام المفسرین امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس آیت کے تحت پانچواں سوال یہ ہے کہ کیا کسی مفسر نے ضحیٰ کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے اور لیل کی تفسیر آپ کی زلفوں سے بھی کی ہے؟ آپ جواب میں فرماتے ہیں: **نعم ولا استبعاد فيه**، ہاں اور اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۱ مطبوعہ دار الحدیث ملتان)

حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ ضحیٰ سے روئے پیغمبر ﷺ مراد ہے اور رات سے موئے پیغمبر ﷺ مراد ہے جو رات کی طرح سیاہ ہیں۔ (تفسیر عزیزی سورۃ الضحیٰ)

عارف ربانی امام اسماعیل حقی برسوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اس میں روشنی روئے مصطفیٰ اور سیاہی موئے مصطفیٰ ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔ پھر انہوں نے یہ شعر لکھا:

والضحیٰ رمزے زروئے ہمچو ماہِ مصطفیٰ ‏ ‏ معنائے واللیل گیسوئے سیاہ مصطفیٰ

(روح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۴۳۵)

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فارسی شعر کا مفہوم امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس کلام میں کیا ہی خوب ادا کیا ہے۔

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحیٰ ‏ ‏ تیرے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا ‏ ‏ کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

حسنِ مصطفیٰ ﷺ کا بیان

اور کیوں نہ ہو حضور ﷺ کا چہرۂ انور اور آپ کی زلف معنبر اللہ جل وعلا کی عظیم نشانیاں ہیں۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کہتے ہیں:

میں نے ایک بار رسول اللہ ﷺ کو چودھویں رات میں دیکھا آپ پر سرخ حلہ تھا۔ میں ایک نظر آپ کو دیکھتا ایک نظر چاند کو، **فلهو كان احسن في عيني من القمر** میرے دل نے فیصلہ کیا کہ آپ چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔
(مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ مقصد ۳ فصل ۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا:

ما رأيت شيئا احسن من رسول الله ﷺ كأن الشمس تجري في وجهه۔ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو حسین نہیں دیکھا یوں لگتا تھا جیسے آپ کے چہرے میں سورج چل رہا ہو۔''

(ترمذی کتاب المناقب باب ۱۲ حدیث ۳۶۴۸)

اس حدیث کو بیہقی، احمد بن حنبل اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ (مواہب جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: ''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ چمک اٹھتا جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہے اور یہ چیز ہم سب کو محسوس ہوتی۔'' (صحیح بخاری کتاب المناقب باب ۲۳ حدیث ۲۵۵۶)

حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہتے ہیں:

میں نے حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے پوچھا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ بتائیں۔ انہوں نے کہا اگر تم آپ کو دیکھتے تو ضرور کہتے کہ سورج نکل آیا ہے۔ (دارمی جلد اول مقدمہ باب ۱۰)

ہے گل باغ قدس رخسار زیبائے حضور سرو گلزار قد و قامت رسول اللہ کی

اے رضا خود صاحب قرآن ہے مداح حضور تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سیاہ زلفیں بھی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہیں۔

تریسٹھ برس کی عمر میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک اور داڑھی شریف کے بال سخت سیاہ تھے صرف گنتی کے چند سفید بال داڑھی شریف میں تھے اور یہ اللہ کی نشانی ہے کہ تریسٹھ برس میں بالوں میں ایسی سیاہی ہو، اسی لئے تو ان کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لمبی زلفیں کبھی کانوں تک ڈھلکتی تھیں کبھی کندھوں تک آتی تھیں اور ان کے درمیان آپ کا چہرۂ پرنور یوں لگتا تھا جیسے چاند چمک رہا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں میں قدرتی خوشبو تھی آپ جدھر سے گزر جاتے وہ گلیاں بازار مہک اُٹھتے۔

بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو

سلسلہ پا کے شفاعت کا جھکے پڑتے ہیں سجدۂ شکر کے کرتے ہیں اشارے گیسو

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں سے اس قدر محبت تھی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حج کے موقع پر) حلق کروایا (بال منڈوائے) حجام آپ کا حلق کر رہا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے گرد پھر رہے تھے ہر کسی کی تمنا تھی کہ اس کے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی بال آ جائے تو آپ کا کوئی بال ایسا نہ تھا جو کسی شخص کے ہاتھ پر نہ گرا ہو۔ (مسلم کتاب الفضائل حدیث ۷۵)

[2] حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار بیمار پڑے اور آپ مسجد حرام میں نہ

آئے (اور بخاری کتاب التہجد میں یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام چند دن نہ آئے) تو قریش کی ایک عورت نے کہا اے محمد مجھے لگتا ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے (معاذ اللہ) کیونکہ وہ چند راتوں سے تمہارے قریب نہیں آیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں: وَالضُّحٰی ① وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ③

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الضحیٰ حدیث ۴۹۵۰)

حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام چند دن نہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمزدہ ہو کر بیمار پڑ گئے اور مسجد حرام نہ گئے تو کفار کو باتیں بنانے کا موقع مل گیا۔

جبرائیل علیہ السلام کتنے دن نہ آئے اس بارے میں بارہ دن سے لے کر چالیس دن تک کے اقوال ہیں، آخر حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ سورت لائے اور اللہ تعالیٰ نے کفار کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے پیارے چہرے اور پیاری زلفوں کی قسم! آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا نہ آپ سے ناراض ہوا ہے۔ لہٰذا آپ کفار کی باتوں سے پریشان نہ ہوں۔ تفسیر بغوی میں مروی ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام چند دن کی تاخیر کے بعد سورۃ الضحیٰ لے کر نازل ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا اے جبرائیل آپ نے اتنی دیر کر دی کہ میں بے قرار ہو گیا۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا: میں آپ سے ملنے کو آپ سے زیادہ بے قرار تھا مگر میں۔ بندۂ مامور ہوں۔ اس موقع پر یہ آیت اتری: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ ۚ (مریم، ۶۴)

اللہ رب العزت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دفاع کرتا ہے

پہلے انبیاء پر اعتراض کیا جاتا، تو وہ خود اس کا جواب دیتے تھے جیسے فرعون نے کہا: اِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ یٰمُوۡسٰی مَسۡحُوۡرًا ⑩ جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ⑩ (بنی اسرائیل، ۱۰۱، ۱۰۲) مگر جب اللہ جل وعلا کے محبوب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باری آئی تو کفار کے ہر اعتراض کے بدلے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں آپ کی طرف سے جواب اتارا۔ ابوجہل نے آپ سے کہا: تَبًّا لَّكَ، اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ۔ کفار نے کہا آپ ابتر (نسل بریدہ ہیں) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ③ یعنی آپ کا دشمن ابتر ہے۔ (کوثر، ۳)

کفار نے کہا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡ نُزِّلَ عَلَیۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ⑥ "اے وہ شخص جس پہ ذکر اتارا گیا ہے تم مجنون ہو" (معاذ اللہ) (حجر، ۶) اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ ② (قلم، ۲) لہٰذا جب کفار آپ کی سیرت پر اعتراض کریں تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس کا جواب دے۔ یہ سنت اللہ ہے۔

اللہ رب العزت کو آپ ﷺ کی پریشانی گوارا نہیں

ادھر حضور ﷺ پریشان ہوئے ادھر قرآن اتر آیا اور آپ کے قلب انور سے بوجھ دور کرتے ہوئے کہا: مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ اور قرآن کا بڑا حصہ آپ کی تسلی قلب، جمع خاطر اور حوصلہ افزائی کے لئے اترا ہے۔ کہیں فرمایا گیا: فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ ''اے حبیب ﷺ! کفار کی باتیں آپ کو پریشان نہ کریں۔ ہم جانتے ہیں کفار جو چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں۔'' (یٰس، ۷۶) کہیں فرمایا گیا: لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ ''آپ کو ان کی باتیں غمزدہ نہ کریں کیونکہ ساری عزت اللہ کے اختیار میں ہے۔'' (یونس، ۶۵) کہیں ارشاد ہوا: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ۔ (کہف، ۶)

[3] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کا رب آپ کو کیسے چھوڑے گا یا آپ سے ناراض ہوگا؟ ناراض ہونا تو درکنار، وہ تو آپ کی ہر آنے والی گھڑی کو پہلی گھڑی سے بہتر بنا رہا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا، اس آیت کے نزول کے کچھ عرصہ بعد آپ کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے جس سے دین کو قوت مل گئی، پھر نجاشی شاہ حبشہ اسلام لے آیا۔ پھر اہل مدینہ اسلام لے آئے، پھر ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں اسلام کی پہلی مستقل آزاد اسلامی ریاست قائم ہوگئی، پھر غزوات میں آپ پر فتوحات کے دروازے کھلتے گئے، پھر فتح مکہ نے پورے جزیرۃ العرب کو آپ کے لئے مسخر کر دیا، پھر آپ کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء راشدین کے ہاتھوں پہ اللہ نے آپ کے دین کو ایک بڑے رقبۂ زمین پر غالب کر دیا۔ اور تب سے آپ کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ آج مغربی طاقتیں اسلام کو جس قدر بدنام کر رہی ہیں اسلام اتنی ہی تیزی سے پھیل رہا ہے۔

حضور سرور کونین ﷺ کی عظمت وشان کے ہر گھڑی بڑھنے کا یہ پہلو بھی ہے کہ آپ نے امت کو قرآن، نماز اور دیگر عبادات کا طریقہ سکھایا۔ تو آپ کا ہر امتی جو بھی عبادت کرتا ہے اس کا اجر وثواب آپ کو ساتھ ساتھ ملتا ہے، جس سے آپ کا درجہ بڑھتا رہتا ہے۔ پھر آپ کی امت ہر وقت آپ پر درود پڑھ رہی ہے یعنی آپ کے لئے رحمت اور بلندی مراتب کی دعا کر رہی ہے اس سے بھی آپ کی ہر گھڑی پہلے سے عظمت وشان میں اضافہ لا رہی ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کے لئے آخرت دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ یعنی دنیا میں آپ کی جو شان ہے آخرت میں اس سے کہیں اعلیٰ و بالا ہوگی۔ اسی لئے ساتھ فرمایا گیا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾

یہاں سے عصمت نبوت کا عقیدہ معلوم ہوا، کیونکہ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى سے معلوم ہوا کہ آپ نے کبھی کوئی ایسا فعل نہ کیا جو ناراضگی رب کا سبب ہو بلکہ آپ کا ہر فعل رضا مولیٰ کا سبب بنا۔ آگے وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کہہ کر مزید واضح کر دیا گیا کہ آپ سے کسی گناہ اور کسی ایسی خطاء کا صدور نہیں ہوسکتا جو آپ کے مرتبہ میں کمی کا سبب ہو

کیونکہ آپ کی ہر آنے والی گھڑی پہلی سے بہتر ہے اور یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

[4] اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کو مزید تسلی عطا فرمائی کہ آپ کا رب آپ کو کیسے چھوڑے گا بلکہ وہ تو آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ آپ کا رب آپ کو کیا دے گا لہٰذا اس عطاء کو کسی خاص چیز سے مقید نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ دنیا و آخرت کی ہر نعمت کو شامل ہے۔ اور بلاشبہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو دنیا و آخرت کی ہر نعمت سے نوازا، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کوئی ایسی نعمت نہیں جو حضور ﷺ کے دامن میں نہ ہو۔ چند ایک نعمتیں ہم بطور مثال گنواتے ہیں۔

وہ نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کو عطا کیں تا کہ آپ راضی ہوں

(1) حفاظت قرآن و حفاظت دین:

آپ ﷺ کی کتاب کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ۝ (حجر، ۹) اور قرآن آپ کی عظمتوں کا پاسبان ہے جب تک قرآن موجود ہے آپ کا چرچا بلند ہوتا رہے گا۔ پہلے انبیاء کی تعلیمات مسخ ہو گئیں توحید کی جگہ شرک نے لے لی آج بائبل کا اکثر حصہ شرک و کفر اور توہین انبیاء کی تعلیم دیتا نظر آتا ہے مگر قرآن ہر تبدیلی سے محفوظ ہے لہٰذا حضور سید عالم ﷺ کی تعلیمات تا قیامت محفوظ ہیں اور آپ کی عظمت بلند ہوتی رہے گی۔

(2) رسالت عامہ:

حضور سید عالم ﷺ ساری نسل انسانی بلکہ ساری مخلوق کے رسول بنائے گئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا ۔ ''آپ فرما دیں اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' (اعراف، ۱۵۸) وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۔ ''اور ہم نے تو آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔'' (سبا، ۲۸) وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۝ ''اور ہم نے تو آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (انبیاء، ۱۰۷)

(3) کثرت معجزات:

پہلے انبیاء کو خاص خاص معجزے دیئے گئے مگر حضور سید المرسلین ﷺ کے معجزات کسی حساب و شمار سے باہر ہیں آپ سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخنوں تک سراپا معجزہ ہیں۔ آپ ﷺ کے بال معجزہ، پیشانی معجزہ، آنکھیں معجزہ، دندان مبارک معجزہ، لعاب دہن معجزہ، دست مبارک کی انگلیاں معجزہ، قدم مبارک معجزہ، حتیٰ کہ فضلات مبارکہ معجزہ ہیں بلکہ آپ ﷺ کا سونا جاگنا، چلنا پھرنا، سننا دیکھنا سب معجزہ ہے۔ امام ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں، امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں امام یوسف نبہانی نے حجۃ اللہ علی العالمین میں اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں اس موضوع پر علم کے دریا بہائے ہیں۔

(4) اجتماع کمالات نبوت:

آپ ﷺ کو سب انبیاء کی عظمتوں اور کمالات کا جامع بنایا گیا خواہ وہ علمی کمالات ہوں، اخلاقی خوبیاں ہوں، ظاہری حسن و جمال ہو یا کوئی اور چیز، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر کمال کا جامع بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کو کوئی ایسا کمال یا منصب یا معجزہ نہیں دیا جس کی مثال یا اس سے بہتر کمال یا معجزہ آپ ﷺ کو عطا نہیں فرمایا۔ اس پہ محدثین کی طویل تحقیقات موجود ہیں اور کتابیں بھری پڑی ہیں۔

(5) سب سے بڑی امت:

آپ ﷺ کو سب سے بڑی امت عطا کی گئی، روز قیامت اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی صفیں آپ کی امت کی ہوں گی۔ آج عیسائی بظاہر بہت نظر آتے ہیں مگر وہ مشرکین ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار نہیں ہیں۔ ان کے پیروکاروں کی تعداد بہت ہی کم ہے جب کہ قرآن و حدیث کو ماننے اور آپ کو آخری نبی تسلیم کرنے والی ساری امت حضور ﷺ کی پیروکار ہے۔ جن کی تعداد کروڑوں اربوں میں ہے اور وہ بڑھتی جا رہی ہے۔

(6) محبوب خدا ﷺ کی اولاد کی کثرت:

آپ ﷺ کی بیٹی سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے چلنے والی آپ کی اولاد آج دنیا میں لاکھوں کروڑوں میں ہے۔ اور اللہ رب العزت نے ان میں ہزاروں اولیاء، اغواث، اقطاب، محدثین، فقہاء اور اکابر امت پیدا فرمائے اور پیدا فرمائے گا، انہی میں سے امام مہدی رضی اللہ عنہ پیدا ہوں گے جن کے پیچھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز ادا کریں گے۔

(7) سب انبیاء کی امامت:

شب معراج سب انبیاء نے مسجد اقصیٰ میں آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور آپ کی امامت و سیادت کا اقرار کیا۔ اور نماز کے بعد ہر نبی نے اللہ کی حمد کا خطبہ کہا اور اس میں جو نعمتیں اسے دی گئیں ان کا اظہار کیا۔ آخر میں امام الانبیاء ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا اللہ کی حمد جس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنایا، نذیر و بشیر بنایا، مجھ پر قرآن اتارا جو ہر چیز کا بیان ہے، میری امت کو سب امتوں سے افضل کیا، میری امت کے لوگ ہی اولین و آخرین ہیں۔ اللہ نے میرا ذکر بلند کیا اور مجھے سلسلہ نبوت کا آغاز و اختتام کرنے والا بنایا۔ یہ خطبہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھے اور فرمایا:

فَبِهٰذَا فَضَّلَكُمْ مُحَمَّدٌ۔ یعنی انہی فضائل کی وجہ سے اے انبیاء! تم سب پر محمد ﷺ کو افضیلت حاصل ہے۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۸ صفحہ ۹ مطبوعہ بیروت)

(8) دیدارِ الٰہی کا حصول:

آپ ﷺ کو شب معراج دیدار الٰہی حاصل ہوا جیسا کہ ہم پیچھے وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ (نجم، ۱۳) کے تحت تفصیل سے لکھ آئے ہیں یہ وہ عظمت ہے جس کا تصور کوئی نبی و رسول بھی نہیں کر سکتا۔

(9) ساری روئے زمین کا مسجد بنایا جانا:
آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جُعِلَتْ لی الارضُ مسجداً وطھوراً۔ میرے لئے ساری زمین کو مسجد اور پاک کرنے والی بنا دیا گیا۔ (مسلم کتاب المساجد حدیث،۵)

(10) ختم نبوت:
آپ ﷺ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کیا گیا، یہ آپ کو دنیا میں دی جانے والی عظمتوں میں سے افضل ترین عظمت ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ مختلف اعداد لکھ کر آخر میں ان کا عدد جمع لایا جاتا ہے جو اوپر والے تمام اعداد کا جامع ہوتا ہے اسی طرح آپ کو سارے انبیاء کے فضائل کے لئے عدد جمع بنا کر بھیجا گیا۔

(11) تکمیل دین:
حضور خاتم المرسلین ﷺ پر دین کو مکمل کر دیا گیا فرمایا گیا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔'' (مائدہ،۳)
تکمیل دین کا یہ مفہوم ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی کتاب اور کوئی وحی نہ آئے گی جو آپ کے دین میں تبدیلی کر سکے۔
یہ چند فضائل بطور مثال وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں عطا فرمائے تا کہ آپ راضی ہوں، اب آخرت میں اللہ تعالیٰ آپ کو جو عظمتیں دے گا ان میں سے چند ایک ملاحظہ ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی کا حقیقی جلوہ روز قیامت ہی ظاہر ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ (ابراہیم،۳۶) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ (مائدہ،۱۱۸) کو یاد کیا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا: اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ اے اللہ میری امت میری امت۔ پھر آپ ﷺ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! جاؤ محمد مصطفیٰ ﷺ سے کہہ دو: اِنَّا سَنُرْضِیْكَ فِیْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ۔ کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کریں گے اور آپ کو پریشان نہ ہونے دیں گے۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۴۶)

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ اپنے آباء کے ذریعے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت کے بارے میں شفاعت کرتا رہوں گا حتیٰ کہ اللہ فرمائے گا: اَرَضِیْتَ یَا مُحَمَّدُ اے محمد (ﷺ) کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں کہوں گا: نَعَمْ یَا رَبِّ رَضِیْتُ ہاں اے میرے رب! میں راضی ہو گیا۔ اس کے بعد امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اہل عراق! تم سمجھتے ہو کہ قرآن کی یہ آیت لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ

الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اللہ سب گناہ مٹا دیتا ہے۔'' (زمر، ۵۳) سب سے زیادہ امید افزاء ہے، مگر ہم اہل بیت کے نزدیک یہ آیت وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝۵ سب سے زیادہ امید افزا آیت ہے۔

(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۵۴۳ بروایت ابن منذر، ابن مردویہ وابونعیم فی الحلیہ)

اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذاً لَا اَرْضٰی وَ وَاحِدٌ مِنْ اُمَّتِیْ فِی النَّار ''تب تو میں ہرگز راضی نہ ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہو۔'' (تفسیر قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۹۶، مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی پڑھ کر کہتے تھے:

''محمد مصطفی ﷺ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک آپ کی امت کا ایک شخص بھی جہنم میں ہو۔'' (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۴۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ غمگسار و مہربان آقا ﷺ اپنے کسی امتی کو اپنی شفاعت سے محروم نہیں چھوڑیں گے، بعض گناہگاروں کی بخشش تو میدان حشر ہی میں ہوجائے گی اور بعض کچھ دیر کے لیے دوزخ میں جائیں گے، مگر وہ بھی اپنے گناہوں کی مکمل سزا نہیں پائیں گے، انہیں بھی شفاعت مصطفیٰ ﷺ آ پہنچے گی اور انہیں دوزخ سے نکال کر جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

یہاں وہ طویل حدیث شفاعت بھی یاد رکھی جائے کہ روز قیامت سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جائیں گے مگر ہر نبی نفسی نفسی پکارے گا، آخر سب لوگ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوں گے آپ فرمائیں گے: انا لھا یعنی آج شفاعت کے لئے میں ہی ہوں، تب حضور شافع محشر ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر طویل سجدہ کریں گے آخر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وقُلْ تُسْمَعْ، اے محمد (ﷺ) اپنا سر اٹھایئے آپ مانگیں آپ کو دیا جائے گا، شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی۔ چنانچہ حضور ﷺ شفاعت کرتے جائیں گے اور امت کو بخشواتے جائیں گے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ اسراء باب ۱۷)

یہ کہنا کہ حضور ﷺ کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی سخت ترین گمراہی اور توہین ہے

جب قرآن واضح کہہ رہا ہے: وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝۴ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝۵ تو اس کے باوجود مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ؕ ''میں نہیں جانتا جو میرے ساتھ کیا جائے گا اور جو تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔'' (احقاف، ۹) سے استدلال کر کے بعض لوگوں کا کہنا کہ آپ کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی، بدترین گمراہی ہے۔ مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ الخ کا یہ معنی ہے کہ میں از خود اللہ کے بتائے بغیر نہیں جانتا جو میرے ساتھ کیا جائے گا اور جو تمہارے ساتھ کیا جائے گا، اس کی مکمل تشریح ہم اسی آیت کے تحت کر چکے ہیں وہیں دیکھیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی رضا چاہتا ہے

ہر نبی و ولی اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے اور اللہ جل وعلا وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى کہہ کر بتا رہا ہے کہ اللہ اپنے محبوب کی رضا چاہتا ہے۔ گویا حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے طالب بھی ہیں مطلوب بھی، محب بھی ہیں محبوب بھی، یہ آپ کا وہ عظیم مقام ہے جس کے بیان سے انسان کی زبان قاصر ہے۔ ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضاء محمد

جناب محمد برائے الٰہی جناب الٰہی برائے محمد

[5] یعنی کفار کا کہنا کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے، غلط ہے۔ کیا پہلے کبھی آپ کے رب نے آپ کو بے سہارا چھوڑا؟ چنانچہ جب آپ یتیم تھے تو اللہ نے آپ کو سہارے پہ سہارا دیا، چنانچہ دورِ یتیمی میں آپ کے لیے نعمتوں کی برسات کی گئی۔

دورِ یتیمی میں حضور ﷺ پر کیا کیا نعمتیں برسائی گئیں

آپ ﷺ یتیم پیدا ہوئے، آپ کو چھ برس تک آپ کی والدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے پالا، پھر وہ دورانِ سفر مقام ابواء پر وصال کر گئیں تو آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ ان کی مسند کعبہ شریف کی دیوار کے ساتھ بچھائی جاتی تھی جس پر کوئی بڑے سے بڑا سردار بھی نہیں بیٹھ سکتا تھا، مگر دادا جان آپ کو اپنے ساتھ مسند پہ بٹھاتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ کی عمر آٹھ برس ہوئی تو دادا جان وصال کر گئے تب آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کا ذمہ لیا اور آپ کو اپنے بچوں کے ساتھ ملا لیا، وہ آپ کی کسی بات کو نہیں ٹالتے تھے۔ چنانچہ بارہ برس کی عمر میں آپ ﷺ نے اپنے چچا کے ساتھ شام جانے کی خواہش کی جسے وہ نہ ٹال سکے اور آپ کو اپنے ساتھ شام لے گئے وہاں بحیرا نامی راہب نے آپ کو دیکھا تو فوراً کہا یہ وہی نبی آخر الزمان ہے جس کی بشارات تورات و انجیل میں موجود ہیں اور اس نے ابو طالب سے کہا اپنے بھتیجے کو جلد واپس لے جاؤ ایسا نہ ہو کہ شام کے یہود آپ کو نقصان پہنچائیں، جب انہیں معلوم ہوگا کہ آخری نبی بنی اسرائیل میں سے نہیں آیا تو وہ آپ کے قتل کے درپے ہوں گے۔ تو ابو طالب آپ ﷺ کو جلد واپس مکہ لے آئے۔ گویا بچپن ہی میں آپ کے تابناک مستقبل کا شہرہ پڑ گیا تھا۔

الغرض آپ ﷺ نے دورِ یتیمی بڑی عزت و توقیر سے گزارا۔ حتیٰ کہ ابو طالب نے آپ کو کعبہ کے ساتھ کھڑا کر کے آپ کے سفید نورانی چہرے کے وسیلہ سے بارش طلب کی تو اہل مکہ کو بارش عطا کی گئی۔ آپ ﷺ حضرت سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہے تو ان کے گھر رحمتوں کی برسات ہونے لگی سب جانور صحت مند ہو گئے اور دودھ کی نہر بہنے لگی اور رزق میں فراوانی آ گئی۔ گویا حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نہیں پالا حقیقت میں آپ نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو پالا۔ یونہی

جب آپ ابو طالب کے گھر میں آئے تو وہاں برکتیں آگئیں، ان کی تجارت میں برکت ہوگئی، رزق میں فراوانی آگئی۔ مزید برآں آپ ﷺ بکریاں چرا کر اپنے چچا کی مالی مدد کرتے تھے یعنی آپ کی یتیمی دوسروں پر بوجھ بننے کی بجائے دوسروں کا بوجھ بانٹنے کا سبب بنی اور کیوں نہ ہو آپ ساری انسانیت کا بوجھ ہلکا کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط ''آپ لوگوں سے ان کا بوجھ ہٹاتے ہیں اور وہ پابندیاں جو ان پر تھیں اٹھاتے ہیں۔'' (اعراف، ۱۵۷)

رسول اللہ ﷺ کو یتیم پیدا کیے جانے میں حکمتیں

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کو یتیم کیوں بنایا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت کا ہر کام حکمت پہ مبنی ہے، آپ ﷺ کو اس لیے یتیم پیدا کیا گیا تاکہ

(1) آپ خود دیکھ لیں کہ یتیم کے کیا احساسات وجذبات ہوتے ہیں اور یوں یتیم پروری کے بارے میں آپ کی تبلیغ زیادہ مؤثر ہو۔ کیونکہ جس نے یتیمی نہیں دیکھی وہ یتیم کے جذبات کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔

(2) اور تاکہ کوئی یتیم احساس کمتری کا شکار نہ ہو:

جب کوئی یتیم آپ ﷺ کی یتیمی کی طرف نظر کرے تو اسے اپنی یتیمی کا دکھ بھول جائے، گویا آپ نے اپنی امت کے یتیموں کا دکھ بانٹنے کے لیے یتیمی گزاری۔ یہ اسی طرح ہے جیسے آپ ﷺ نے بیٹوں کی موت کے دکھ سہے تاکہ جن کے بیٹے فوت ہوں وہ آپ کو دیکھ کر اپنا دکھ بھول جائیں۔

(3) اور تاکہ آپ کا اُمّی ہونا خوب واضح ہو جائے:

کیونکہ ہر باپ اپنے بیٹے کو تعلیم وتربیت دینا اور لکھنا پڑھنا سکھانا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سر سے باپ کا سایہ اٹھا لیا تاکہ معلوم ہو کہ آپ کو تعلیم دینے والا کوئی نہ تھا، آپ کو آپ کے رب ہی نے سب کچھ سکھایا ہے اور آپ کی شان اُمیّت آپ کی نبوت پہ اعلیٰ دلیل ہے۔

(4) آپ کی یتیمی میں یتیموں کے لیے نمونہ عمل ہے:

کہ یہ دور کیسے گزارا جائے؟ آپ ﷺ کو آپ کے چچا نے پالا، مگر جیسے ہی آپ کام کاج کی عمر کو پہنچے تو آپ نے غلہ بانی کر کے اپنے چچا جان کی خدمت شروع کر دی، پھر جب آپ بڑے ہوئے تو دیکھا کہ چچا کے عیال زیادہ اور مال کم ہے تو آپ ﷺ نے ان کے ایک بیٹے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی تربیت میں لے لیا تاکہ چچا کے احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دیا جائے۔ آج ایسے یتیم بھی ہیں جو بڑے ہو کر پالنے والے کا گریبان پکڑ لیتے ہیں۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا

اور اس نے آپ کو اپنی محبت میں گم پایا تو اپنی طرف راہ دکھائی [6] اور آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا [7] تو آپ یتیم کو

تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

مت جھڑکیں اور مانگنے والے کو مت ڈانٹیں [8] اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کریں [9]

ع ۱ ۱۸

[6] یعنی اللہ آپ کو کیوں بے سہارا چھوڑ یگا۔ اللہ نے تو اس وقت بھی آپ کی راہنمائی فرمائی جب آپ اس کی محبت میں گم تھے۔ یہ اس دور کی طرف اشارہ ہے جب اعلان نبوت کا زمانہ قریب آ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی توجہ دنیا سے ہٹا دی اور آپ غار حرا میں جا کر کئی کئی دن اور کئی کئی ماہ محو عبادت رہنے لگے۔ آپ کی زوجہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس کھانا رکھ جاتیں اور کبھی تین دن بعد واپس آتیں تو کھانا ویسے ہی پڑا ہوتا اور آپ عبادت میں مگن ہوتے اور اپنے محبوب حقیقی کی محبت میں گم رہتے۔ اسی دوران ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ پر پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ لے کر اترے۔ اس کا تذکرہ آگے سورہ علق کے تحت آ رہا ہے، تو وَوَجَدَكَ ضَآلًّا سے آپ ﷺ کا غار حراء میں جا کر یاد خدا میں گم رہنا مراد ہے اور فَهَدٰى سے آپ پر قرآن کے ذریعے علم و حکمت کے دروازے کھول دیئے جانا مراد ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا کا درست ترجمہ

اس جگہ لفظ ضَآلًّا کے ترجمہ میں بعض اردو مترجمین کو ٹھوکر لگی اور انہوں نے یوں ترجمہ کیا: ''اور تیرے رب نے تجھے بھٹکتا پایا تو راہ دکھائی یا بے خبر پایا تو خبر دی۔'' یہ تراجم شان رسالت کے منافی ہیں۔ آپ ﷺ کو بھٹکتا یا بے خبر کہنا سوء ادب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ ''تمہارے ساتھی (نبی ﷺ) کبھی بھٹکے نہ راہ سے ہٹے۔'' (نجم، ۲)

یاد رہے کہ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ میں ضالاً کا معنی اللہ کی محبت میں وارفتہ ہونا اس بنیاد پر ہے کہ عربی زبان میں ضَآلًّا کا معنی کسی کی محبت میں گم اور وارفتہ ہونا بھی آتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ فرماتے ہیں:

بعض صوفیاء نے کہا: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محبت وعشق الٰہی میں وارفتہ پایا۔ جیسے برادرانِ یوسف علیہ السلام نے کہا: اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (یوسف، ۸) اور اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ (یوسف، ۹۵) یعنی ہمارے والد صاحب کھلی وارفتگی میں ہیں۔ یا انہوں نے کہا آپ اپنی پرانی وارفتگی میں ہیں۔ اور خواتین

مصر نے زلیخا کے بارے میں کہا: اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ ہم اسے کھلی وارفتگی میں دیکھتی ہیں۔

(یوسف، ۳۰) (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۶)

یہی تفسیر امام فخر الدین رازی، امام خازن، امام بغوی اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہم جیسے اجلہ مفسرین نے کی ہے اور یہی سب سے بہتر تفسیر ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا کی دیگر تفاسیر

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا کی ایک تفسیر حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ تجارت کے سفر میں شام کو گئے تو آپ اندھیری رات میں اونٹنی پر سوار جا رہے تھے، ابلیس نے آکر آپ کی اونٹنی کو نکیل سے پکڑا اور غلط راہ پر ڈال دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور پھونک مار کر ابلیس کو وہاں سے اڑا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کو قافلہ کے ساتھ ملا دیا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝

(مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۶)

معنی یہ ہوا کہ اللہ نے آپ کو یعنی آپ کی سواری کو راہ سے ہٹا ہوا پایا تو اسے راہ پر ڈال دیا تو اللہ نے کس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے سہارا چھوڑا ہے؟

اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ ضَآلًّا عربی میں اس درخت کو بھی کہتے ہیں جو صحراء میں اکیلا کھڑا ہو اور لوگ اس کو دیکھ کر اپنی راہیں متعین کریں کہ اس کے دائیں طرف جانا ہے یا بائیں طرف، معنی یہ ہوا کہ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس درخت کی طرح پایا تو لوگوں کو آپ کے ذریعے ہدایت دی۔ (مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۰)

اس آیت کی دیگر تفاسیر بھی ہیں، تو قرآن کے مفسر یا مترجم کو چاہیے کہ قرآن کے معانی کے انتخاب میں اللہ و رسول کی عظمت کا خیال رکھے اور اس کے منافی کوئی لفظ نہ لکھے۔

[7] حضرت مقاتل فرماتے ہیں اس کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیوی اسباب کے اعتبار سے حاجت مند پایا تو آپ کا دل غنی کر دیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال دنیا کے اعتبار سے غنی نہ تھے آپ کی غنا غنائے قلبی ہے۔

(مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۶)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

غِناً (مالداری) کثرت اسباب کے ساتھ نہیں بلکہ اصل غناء غناء قلب ہے۔

(بخاری کتاب الرقاق باب ۱۵، مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۱۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا سے بے رغبتی

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان استغناء کا عالم یہ ہے کہ جب آپ کی ازواج مطہرات نے آپ سے زیورات اور اچھے

کپڑوں کا مطالبہ کیا تو اللہ ورسول کو وہ پسند نہ آیا اوران سے کہا گیا کہ اگر وہ زینت دنیا چاہتی ہیں تو انہیں یہ زینت دے کر طلاق دے دی جائے گی اور اگر وہ اللہ ورسول کی رضا چاہتی ہیں تو اللہ نے ان کے لئے اجر عظیم تیار کیا ہے۔(احزاب،۲۸)

ایک بار حضرت عمر فارق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ چٹائی پر سونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم مبارک پر نشانات پڑ گئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم نے قیصر و کسریٰ کی شان وشوکت دیکھی ہے اور آپ کی شان تو سب سے بڑھ کر ہے، آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے کیے نرم بستر بچھائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میرا دنیا سے کیا تعلق ہے؟ میری مثال اس مسافر کی طرح ہے جس نے کسی درخت کے نیچے آرام کیا پھر وہاں سے چل دیا۔(ترمذی کتاب الزہد باب ۴۴)

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۞ کی یہ تفسیر بھی ہے کہ ہم نے آپ کو مالی مشکلات میں دیکھا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے آپ کی شادی کر کے آپ کو مالی مشکلات سے آزاد کر دیا کیونکہ انہوں نے اپنا سارا مال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔

[8] یعنی اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! جب اللہ نے آپ کو دور یتیمی میں نعمتوں سے نوازا اور سہارا دیا تو آپ بھی یتیموں سے محبت کریں اور کسی یتیم کو نہ جھڑکیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یتیموں سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔

یتیم اور سائل کی دلداری کرنے کی اہمیت وفضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا یتیم کے سر پر دست شفقت رکھو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو تمہارا دل نرم ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''جب یتیم روتا ہے تو عرش الٰہی لرز اٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے فرشتو اس یتیم کو کس نے رلایا ہے جس کے باپ کو میں نے مٹی میں گم کیا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اے اللہ! تو بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فرشتو گواہ ہو جاؤ جو اسے چپ کرائے گا اور راضی کرے گا میں روز قیامت اس سے راضی ہوں گا۔'' (تفسیر قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ٦٨)

اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں، ہم دونوں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے۔ (صحیح بخاری)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ سائل کو مت ڈانٹیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مانگنے والوں پر جود وکرم کے دریا بہاتے تھے اور بہاتے ہیں۔ کسی سائل نے آپ کی زبان سے کبھی لا (نہیں) نہیں سنا تھا۔ حتیٰ کہ ایک بار ایک سائل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وہ قمیص مانگی جو آپ نے پہن رکھی تھی اور آپ کے پاس اس کے سوا دوسری قمیص نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قمیص اتار کر اسے دے دی اور خود گھر تشریف لے گئے، نماز کے لئے باہر نہ آئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''آپ اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ نہ لیں اور اسے مکمل کھول بھی نہ دیں ورنہ آپ گھر میں پریشان مجبور بیٹھ جائیں

گے۔'' (بنی اسرائیل،۲۹)

قربان جائیں دنیا والوں سے کہا جاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ راہِ خدا میں دو اور آپ سے کہا جاتا ہے کہ اے محبوب کچھ تو ہاتھ کھینچ لو۔حتیٰ کہ ساقی کوثر ﷺ سے مانگنے والوں کی ہمت جواب دے جاتی مگر آپ کا دریائے کرم تھمنے میں نہ آتا۔حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں جنت میں آپ کی سنگت چاہتا ہوں۔فرمایا کچھ اور بھی مانگو۔ عرض کیا بس یارسول اللہ ﷺ اس سے زیادہ نہیں چاہیے، آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر تم کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کرو۔(مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۲۲۵)

گویا حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کی ہمت مزید مانگنے سے جواب دے گئی کہ جنت بھی مانگ لی اور اس میں صحبت رسول بھی، اب مزید کیا مانگیں مگر ساقی کوثر ﷺ کا کرم کہہ رہا تھا کہ اے ربیعہ کچھ اور بھی مانگو۔

آواز کرم دیتا ہی رہا تھک ہار گئے لینے والے   جو آیا اسے بھر بھر کے دیا محروم کوئی لوٹا یا نہیں

مانگنے والوں نے آپ ﷺ سے جو مانگا آپ نے وہی دیا، جس نے مال مانگا اسے مال ملا، جس نے آخرت مانگی اسے آخرت ملی۔علم مانگنے والوں کو آپ نے علم دیا جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی چادر میں علم کے دو بک ڈال دیئے تو ان کے علم کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔اولاد مانگنے والوں کو اولاد مل گئی۔جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اولاد کے لئے دعا کروائی تو انہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسا بیٹا ملا۔(تاریخ الخلفاء)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے آنکھ مانگی تو انہیں آنکھ مل گئی، بیمار لوگ آئے تو صحت یاب گئے، محتاج آئے تو غنی لوٹے۔جاہل آئے عالم پلٹے بلکہ کافر آئے تو مومن واپس ہوئے۔

یہاں وَاَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ سے معلوم ہوا کہ آج بھی شافع محشر ﷺ کی بارگاہ میں جو سائلین آتے اور شفاعت کا سوال کرتے ہیں یقیناً آپ ان کے لئے شفاعت فرماتے ہیں۔کیونکہ اللہ جل وعلا نے آپ سے فرمایا ہے کہ مانگنے والے کو مت ڈانٹیں تو پیارے آقا ﷺ ہم جیسے گناہگار سائلین کو ڈانٹنے کی بجائے نوازتے ہیں اور کیوں نہ ہو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝۶۴ ''اور اگر وہ اپنی جانوں پہ ظلم کرلیں تو آپ کے پاس آجائیں پھر اللہ سے بخشش مانگیں اور آپ انکے لئے شفاعت کریں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔'' (نساء،۶۴)

الحمد للہ یہ فقیر بے نوا محمد طیب غفرلہ حج سے فراغت کے بعد مکہ مکرمہ میں حاضر ہے اور کل صبح مکہ پاک سے مدینہ طیبہ کے لئے ہماری روانگی ہے ان شاء اللہ پیارے آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جو سوالات کریں گے آقا ہمیں عطا فرمائیں گے۔

[9] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! جب اللہ نے آپ کو اس قدر انعامات سے نوازا ہے تو آپ اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں کا چرچا کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ اللہ نے آپ کو کیا کیا اعزاز واکرام عطا فرمایا ہے۔

حضور سید عالم ﷺ نے بطور تحدیث نعمت اپنے کیا کیا فضائل بیان فرمائے

چنانچہ کثیر احادیث میں آپ ﷺ نے اپنے فضائل بیان فرمائے ہیں اور اللہ کے اس حکم کی تعمیل فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے وہ فضائل ومحامد بیان فرمائے جو آپ کی ولادت سے قبل اور ولادت کے وقت ظاہر ہوئے۔ گویا دوسرے لفظوں میں اپنا میلاد خود بیان فرمایا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اولاد آدم میں جتنی نسلیں یکے بعد دیگرے گزری ہیں مجھے ہمیشہ سب سے بہتر نسل میں بھیجا گیا، حتی کہ میں آخری نسل (اپنے والدین) سے پیدا ہوا۔'' (صحیح بخاری کتاب المناقب باب ۲۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب بھی انسانوں کی دو شاخیں بنیں تو اللہ نے ہمیشہ مجھے بہتر شاخ میں رکھا تا آنکہ میں اپنے والدین سے پیدا ہوا، مجھے دور جاہلیت کی کوئی برائی نہیں پہنچی اور میں دور آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے والدین تک ہمیشہ نکاح ہی کے ذریعہ منتقل ہوا نہ کہ بدکاری سے، تو میں اپنی ذات اور اپنی نسب میں تم سب سے بہتر ہوں۔''

(مسالک الحنفا للسیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ بروایت بیہقی دلائل النبوۃ)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ رب العزت نے اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا، پھر اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو چن لیا، پھر بنی کنانہ میں سے قریش کو بزرگی دی، پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو افضل کیا اور مجھے بنو ہاشم میں سے منتخب کر لیا۔'' (صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱، ترمذی کتاب المناقب باب ۱)

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق بنائی تو مجھے سب سے اچھی مخلوق میں رکھا پھر اللہ تعالیٰ نے قبائل بنائے تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا پھر اللہ نے جانیں بنائیں تو مجھے سب سے اچھی جان بنایا، پھر اللہ نے گھر بنائے تو مجھے سب سے اچھے گھر میں رکھا۔'' (ترمذی کتاب المناقب باب ۱)

بہر حال یہ تمام ارشادات نبی اکرم ﷺ نے بطورِ تحدیثِ نعمت بیان فرمائے ہیں، تا کہ وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾ کا حکم پورا ہو۔

ان تمام احادیث سے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال فرمایا کہ آدم علیہ السلام سے نبی اکرم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک اور سیدہ اماں حوا رضی اللہ عنہا سے آپ کی والدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا تک آپ کے تمام آباء وامہات میں سے کوئی بھی کافر نہیں گزرا، سب اہل ایمان گزرے ہیں۔ کیونکہ جب آپ کو ہمیشہ بہتر شاخوں اور انسانوں میں رکھا گیا تو سب سے بڑی بہتری ایمان کی ہے۔ اللہ فرماتا ہے: وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ ''بندۂ مومن مشرک آدمی

سے بہتر ہے۔'' (بقرہ،۲۲۱)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی عبد اللہ وخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ وسانبأ کم باول ذالك، دعوۃ ابی ابراھیم وبشارۃ عیسی بی ورؤیا امی التی رأت وکذالك امھات النبیین ترین، ''میں اس وقت اللہ کا بندہ اور خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام کی مٹی ابھی گوندھی جارہی تھی۔ اور میں تمہیں اس کی ابتداء بتاتا ہوں، وہ میرے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے، میرے بارے میں عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے اور میری والدہ کا وہ خواب دیکھنا ہے جو انہوں نے (میری پیدائش کے وقت) دیکھا اور ایسے ہی انبیاء کی مائیں دیکھتی ہیں۔''

(مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا میلاد خود بیان فرماتے ہیں اور یہ سب کچھ وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾ پر عمل کا مظاہرہ ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد بیان کرنا خود آپ کی سنت ہے۔ اسی لیے اہل اسلام ماہ ربیع الاول میں خصوصی اہتمام کے ساتھ مجالس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انعقاد کرتے ہیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تحدیث نعمت اپنے وہ فضائل ومحامد بھی کثرت سے بیان فرمائے جو آپ کی ولادت کے بعد اس دنیا میں ظاہر ہوئے اور جو آخرت میں ظاہر ہوں گے۔

جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اَنَا اَتۡقَاکُمۡ لِلّٰہِ۔ ''میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں۔'' (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۴۳۴)

اَنَا اَجۡوَدُ وُلۡدِ آدَمَ۔ ''میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ سخی ہوں۔'' (الترغیب جلد ۲ صفحہ ۳۲۰)

اَنَا اَفۡصَحُ الۡعَرَبِ۔ ''میں عرب میں سب سے فصیح ہوں۔'' (کتاب الشفاء)

اَنَا اَکۡثَرُ الۡاَنۡبِیَاءِ تَبۡعًا یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ۔ ''روز قیامت میرے پیروکار سب انبیاء سے زیادہ ہوں گے۔''

(صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۳۰)

اَنَا اَکۡرَمُ وُلۡدِ آدَمَ عَلٰی رَبِّیۡ وَلَا فَخۡرَ۔ ''میں اولاد آدم میں اپنے رب کے ہاں سب سے معزز ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں۔'' (تفسیر بغوی جلد ۴ صفحہ ۱۷۸)

اَنَا الۡعَاقِبُ الَّذِیۡ لَیۡسَ بَعۡدَہٗ نَبِیٌّ۔ ''میں وہ آخری نبی ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔''

(مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۸۰)

اَنَا سَیِّدُ وُلۡدِ آدَمَ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ وَلَا فَخۡرَ۔ ''میں قیامت میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے فخر نہیں۔''

(ترمذی کتاب التفسیر سورہ اسراء باب ۱۷)

اَنَا دَارُ الۡحِکۡمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا۔ ''میں حکمت کا گھر ہوں علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔'' (ترمذی حدیث ۳۷۲۷)

وغیر ذالك۔ الغرض سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تحدیث نعمت کثیر ارشادات میں اپنے فضائل وکمالات بتائے ہیں۔

محافل میلادالنبی ﷺ کا انعقاد

جب اللہ حکم فرماتا ہے کہ اپنے رب کی نعمتوں کا چرچہ کرو تو ایک مومن کے لئے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اسے حضور ﷺ کے امتی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ بے شک ایمان سب سے بڑی نعمت ہے مگر یہ نعمت پہلی امتوں کے مومنین کو بھی حاصل تھی لہٰذا ایمان سے بھی بڑی نعمت نسبت مصطفیٰ ﷺ کا حصول ہے۔

یہ وہ نعمت ہے جس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی تمنا کی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بعثت مصطفیٰ ﷺ کو مومنوں کے لئے صرف نعمت نہیں بلکہ اتمام نعمت قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ وَلَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ الخ ''اور تاکہ میں تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دوں اور تاکہ تم ہدایت پالو جیسا کہ ہم نے تم میں عظمت والا رسول بھیجا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔'' (بقرہ، ۱۵۰)

اور جب نعمت کا چرچا کرنا چاہیے تو اہل ایمان پوری دنیا میں ماہ ربیع الاول میں خصوصاً اور دوسرے مہینوں میں عموماً محافل میلادالنبی ﷺ کا انعقاد کر کے اللہ جل وعلا کی اس عظیم نعمت کے حصول پر اظہار شکر کرتے ہیں کہ انہیں سید المرسلین ﷺ جیسے رسول عطا کیے گئے ہیں۔

تحدیثِ نعمت میں اچھا پہننا اور برتنا معیوب نہیں ہے

جب اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمتوں کا چرچا کیا جائے تو اگر اللہ انسان کو مال دے تو اسے بطور فخر نہیں بلکہ بطور تحدیث نعمت اس کا اظہار کرنا چاہیے ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس پراگندہ حال آیا آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے عرض کیا: ہاں فلاں مال اور فلاں مال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تجھے کچھ دے تو تجھ پر اس کا اثر بھی دیکھا جانا چاہیے۔ (ترمذی کتاب البر باب ۶۴)

الحمدللہ آج 14 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 12 دسمبر 2008ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عشاء مکۃ المکرمہ میں سورۃ الضحیٰ کی تفسیر مکمل ہوئی اور صبح مدینہ طیبہ کے لئے تیاری ہے اور زبان پہ یہ شعر آ رہا ہے۔ ؎

مدینہ سے بلاوا آ رہا ہے   میرا دل مجھ سے پہلے جا رہا ہے

ان شآء اللہ باقی سورتوں کی تفسیر مدینہ طیبہ میں ہی لکھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم اجمعین۔

سورۃ الانشراح

سورۃ الانشراح ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 94 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے گیارہویں سورت ہے، چونکہ اس کا آغاز اَلَمۡ نَشۡرَحۡ سے ہوا اس لئے اسے سورۃ انشراح کہا گیا یعنی وہ سورت جس میں حضور ﷺ کے لئے انشراح صدر کی بات کی گئی۔

اس سورت میں ایک رکوع، 8 آیات، 27 کلمات اور 173 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل سورۃ الضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو وہ نعمتیں یاد دلائیں جو آپ پر ارزانی فرمائی گئیں۔ مثلاً فرمایا گیا: اَلَمۡ یَجِدۡكَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ﴿۸﴾ اور یہی سلسلہ اس سورت میں بھی جاری ہے، فرمایا گیا: اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ﴿۱﴾ اور فرمایا گیا: وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ﴿۴﴾ گزشتہ سورت میں محبوب کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَلۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ﴿۴﴾ اور اس سورت میں فرمایا گیا: فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ﴿۵﴾ الخ۔

الغرض یہ دونوں سورتیں حضور سید عالم ﷺ کی تسلی خاطر اور رفعت وعظمت کے بیان میں نازل ہوئیں۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآنی سورتوں میں ایک گہری مناسبت ہے، جس کی بنیاد پہ ان کی ترتیب رکھی گئی ہے۔ اسے بہتر طور پر تو ان سورتوں کا نازل کرنے والا رب ہی جانتا ہے، تاہم کئی باتیں غور وفکر سے معلوم ہوتی ہیں جس قدر اللہ چاہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتہا ۸ ﴿۹۴﴾ سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ ﴿۱۲﴾ رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝۲ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ

(اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟ [1] اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ اٹھا دیا ہے جس نے آپ کی

ظَهْرَكَ ۝۳ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۵ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

پشت دوہری کر رکھی تھی [2] اور ہم نے آپ کے لئے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے [3] تو بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے بے شک اسی تنگی

يُسْرًا ۝۶ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸

کے ساتھ ایک اور آسانی ہے [4] لہٰذا جب آپ (ارشاد خلق سے) فارغ ہوں تو اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں [5]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ کی عنایات اور خصوصی ہدایات

[1] سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانشراح یکے بعد دیگرے نازل ہوئیں اور دونوں کا ایک ہی مضمون ہے۔ سورۃ الضحیٰ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی عطا فرمائی کہ ہم نے ہر موقع پر آپ پر عنایات کی ہیں اور کبھی آپ کو بے سہارا نہیں چھوڑا جیسے فرمایا: اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝۶ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝۷ تو اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے سورہ الانشراح میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم نے آپ کی تسلی خاطر، وسعت علمی اور حصول عصمت کے لئے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرح صدر کی تین صورتیں

یاد رہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تین طرح کا شرح صدر ہوا، علمی، روحانی اور جسمانی۔

علمی شرح صدر

یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کے علوم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک میں جمع فرما دیئے۔ آپ کے قلب پر

قرآن اتارا گیا جو ہر خشک وتر اور چھوٹی بڑی چیز کا بیان ہے: كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ (قمر، ۵۳) لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ (انعام، ۵۹) اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ رب العزت نے میری پشت پر اپنا دست قدرت رکھا جس سے مجھ پر زمین وآسمان کی ہر چیز منکشف ہوگئی۔ (ابوداؤد کتاب الطب باب ۱۲)

اسی لئے حضور ﷺ نے ایک جگہ کھڑے ہوکر قیامت تک ہونے والے تمام واقعات بتادیئے۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن)

روحانی شرح صدر

یہ ہے کہ دل نور معرفت سے جگمگا اٹھے اس سے حب دنیا نکل جائے، حب الٰہی ڈیرہ جمال لے، انسان اخلاق حسنہ سے متصف اور اخلاق ذمیمہ سے متنفر ہو جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ۔ ''توجس کا سینہ اللہ اسلام کے لئے کھول دے پھر وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہو، توسخت دل لوگوں کے لئے ہلاکت ہے۔'' (زمر، ۲۲)

معلوم ہوا کہ جس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا جائے وہ سخت دل نہیں رہتا بلکہ رحیم وکریم بن جاتا ہے۔ اور اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا سینہ کھولا جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کھولا جاتا ہے۔ صحابہ نے اس کی علامت پوچھی آپ ﷺ نے فرمایا دھوکے کے گھر (دنیا) سے متنفر اور ہمیشگی کے گھر (آخرت) سے قریب ہوجانا اور موت سے قبل موت کی تیاری میں لگ جانا۔

(تفسیر قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۷۱)

جب ایک عام مومن کے انشراح صدر کی یہ کیفیت ہے کہ وہ دنیا سے متنفر، آخرت کی طرف راغب اور اپنے رب سے ملنے کی تیاری میں لگ جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کے انشراح صدر کا کیا عالم ہوگا جن کے لئے خود قرآن فرمارہا ہے: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾

جسمانی شرح صدر

جبکہ حضور ﷺ کا جسمانی شرح صدر (جسے شق صدر کہتے ہیں) یہ ہے کہ تین بار (بچپن میں، نزول قرآن کے آغاز پر اور شب معراج) آپ کا سینہ باقاعدہ کھولا گیا۔ آپ کا قلب مبارک باہر نکال کر اسے حکمت وایمان سے بھرا گیا پھر دل کو واپس اپنی جگہ رکھ کر سینہ بند کر دیا گیا۔

تین بار رسول اللہ ﷺ کا شق صدر ہونا

پہلی بار

چنانچہ پہلی بار حضور ﷺ کا شق صدر بچپن میں ہوا، جب آپ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں:
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے تب آپ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لٹایا، آپ کا دل نکالا، اس میں سے ایک لوتھڑا نکال کر پھینک دیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ آپ کے دل میں شیطان کا حصہ تھا جو نکال دیا گیا ہے پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو ایک تھال میں رکھ کر آب زمزم سے دھویا پھر اسے واپس سینے میں رکھ کر سینہ بند کر دیا۔ بچوں نے یہ منظر دیکھا تو دوڑے ہوئے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیا گیا ہے۔ گھر والوں نے آپ کو اس حالت میں پایا کہ آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے میں سلائی کے نشانات دیکھتا تھا۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۶۱)

یعنی بچپن میں آپ کے دل سے فرشتوں نے وہ چیز نکال کر پھینک دی جو انسان کو گناہ کی طرف مائل کر سکتی ہے، لہٰذا عرب کے اس جاہلانہ بے اخلاق ماحول میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن اور جوانی کا دور یوں گزرا کہ شیطان آپ کے قریب نہ بھٹک سکا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت ہے۔

دوسری بار

پھر دوسری بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شق صدر اس وقت ہوا جب نزول قرآن کا آغاز ہوا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جبرائیل و میکائیل علیہما السلام نازل ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لٹا کر آپ کا سینہ شق کیا اور دل کو نکال کر اسے سنہری تھال میں دھویا پھر اسے سینہ میں لگا دیا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے کہا: اِقْرَاْ۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۵۶۳)

یہ اس لئے ہوا تا کہ آپ کا قلب انور قرآن جیسے قول ثقیل کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائے۔

تیسری بار

پھر تیسری بار شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شق صدر ہوا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا واقعہ معراج بتاتے ہوئے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام آئے انہوں نے میرا سینہ کھول دیا اور میرا دل نکال کر اسے آب زمزم سے دھویا پھر وہ ایک سنہری تھال لائے جو حکمت و ایمان سے بھرا تھا۔ انہوں نے وہ سارا تھال میرے دل میں انڈیل دیا پھر اسے بند کر دیا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۴۹)

اور یہ واقعہ معراج میں شق صدر اس لئے ہوا تا کہ آپ دیدار الٰہی کا تحمل کر سکیں۔ تو یہ تینوں اقسام کا شرح صدر خواہ علمی ہو، روحانی ہو یا جسمانی اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ میں داخل ہے۔

یہاں کلیم اللہ علیہ السلام اور حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام میں فرق معلوم ہوتا ہے کہ کلیم اللہ کہتے ہیں رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ اے اللہ! میرا سینہ کھول دے اور حبیب اللہ کے لئے اللہ رب العزت خود فرماتا ہے اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟

[2] اس سے حضور ﷺ کا وہ غم واندوہ مراد ہے جو وحی کے رک جانے سے پیدا ہوا۔ یہ آغاز وحی کے دور میں ہوا تھا جب اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ اور چند دیگر سورتوں کے نزول کے بعد وحی ایک طویل عرصہ کے لئے رک گئی جو قریباً تین برس تھا۔ نبی اکرم ﷺ اس سے بے حد مغموم تھے۔ پھر جب لگا تار وحی اترنے لگی تو آپ کا وہ غم دور ہو گیا جو آپ کی کمر کو دوہری کر رہا تھا۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ابتداء میں حضور سید عالم ﷺ کے لئے وحی کا اٹھانا مشکل ہوتا تھا، آپ پر کپکپی طاری ہو جاتی اور جسم لرزنے لگتا جیسے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ کے نزول پر آپ گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے اور فرمایا: زملونی زملونی مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: خشیتُ علی نفسی مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے عرض کیا آپ گھبرائیں نہیں۔ آپ غریبوں کی مدد کرتے، بیواؤں کی دادرسی کرتے اور مسافروں کی امداد کرتے ہیں۔ تو یہ وہ کیفیت تھی جس نے ابتداء میں آپ پر سخت بوجھ ڈالا مگر جیسے جیسے وحی کا تسلسل بڑھا تو یہ کیفیت ختم ہو گئی اور یہ بوجھ دور ہو گیا جو آپ کی کمر کو دوہری کر رہا تھا۔

اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ شافع امم ﷺ امت کے گناہوں کے سبب اس کی بخشش کے بارے میں بہت متفکر تھے اور آپ پر اس فکر کا اس قدر بوجھ تھا کہ آپ کو کمر دوہری ہوتے محسوس ہوتی تھی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵ اور ایسی ہی دیگر امید افزا آیات سے نوازا تو حضور ﷺ کو مژدۂ شفاعت مل گیا جس نے آپ کا بوجھ دور کر دیا۔ یہ تینوں تفاسیر اپنی اپنی جگہ درست اور خوبصورت ہیں۔

[3] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! ہم نے آپ کی خوشنودی کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے اور جس کے ذکر کو اللہ بلند کرے اس کے ذکر کو کوئی بند نہیں کر سکتا۔ بعض اسلامی ممالک میں محافل میلاد النبی ﷺ پہ پابندی لگائی گئی، پولیس نے محفل میلاد النبی ﷺ کے دوران چھاپے مارے اور شرکاء محفل کو گرفتار کر لیا اور جو ان میں سے غیر ملکی تھے انہیں اسی وقت ملک بدر کر دیا گیا۔ مگر آج وہاں کی شاہی فیملی میں محافل میلاد النبی ﷺ کا انعقاد ہو رہا ہے اور یہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا مظاہرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کا ذکر کیسے بلند کیا؟

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت کے نزول پر حضرت جبرائیل علیہ السلام سے حضور ﷺ نے پوچھا کہ اس آیت کا کیا معنی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِيْ۔ اے محبوب ﷺ! جہاں میرا ذکر ہو گا وہاں آپ کا ذکر ہو گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۴۴۵ حدیث ۱۹۳۹۳)

اس کے علاوہ اس حدیث کو ابو یعلیٰ، ابن جریر، ابن منذر، ابن حبان، ابن مردویہ اور ابو نعیم نے بھی روایت کیا ہے۔
(درمنثور ج ۸ ص ۵۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساکنانِ عرش، ملاء اعلیٰ جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں

تو ساتھ میں حضور ﷺ کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۲)

اور ایسی کثیر روایات ہیں کہ آسمان اور جنت کی ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ ﷺ کا نام لکھا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوح محفوظ کی پیشانی پر لکھا ہے: لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ دینہٗ الاسلام و محمد عبدہٗ و رسولہٗ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا دین اسلام ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۲۴۰ زیر آیت فی لوح محفوظ)

اور مشہور روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ساق عرش پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا دیکھا تو پوچھا یہ محمد کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ آپ کی اولاد میں سے آخری نبی ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔ تب انہوں نے حضور ﷺ کے وسیلہ سے اپنی خطاء کی معافی مانگی تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ (طبرانی معجم صغیر جلد ۲ صفحہ ۸۳)

جب آسمان میں ہر جگہ ذکر خدا کے ساتھ ذکر مصطفی ﷺ ہے تو لازم تھا کہ زمین پہ بھی ہر جگہ ذکر خدا و ذکر مصطفی اکٹھے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے کلمہ میں لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ رکھا۔ اذان میں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اشھد ان محمداً رسول اللہ رکھا اور نماز میں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ رکھا۔ اور قرآن میں اکثر جگہ ذکر اللہ کے ساتھ ذکر رسول کیا گیا ہے، جیسے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (سورہ محمد، ۳۳) اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (سورہ تغابن، ۸) اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (التوبہ، ۷۴) وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (الحجرات، ۱۴) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (النساء، ۱۴)

سارا قرآن ذکر رسول ﷺ ہی ہے

بلکہ اگر غور کیا جائے تو سارا قرآن ہی ذکر رسول ﷺ ہے، قرآن میں آپ ﷺ کی ولادت، بچپن اور عہد جوانی کی طرف اشارات موجود ہیں، پھر اعلان نبوت، آغاز وحی، تبلیغ دین کے لیے آپ ﷺ کا تحمل مصائب، کفار کے اعتراضات، آپ کی طرف سے جوابات، پھر آپ کے صحابہ کی ہجرت حبشہ، اہل حبشہ کا قرآن سن کر رونا۔ الغرض مکی دور کے تمام واقعات قرآن میں اشارۃً موجود ہیں، پھر آپ ﷺ کی ہجرت مدینہ طیبہ، مسجد قبا کی تاسیس، عقد مواخات، تحویل قبلہ، یہود کے ساتھ معاہدۂ بقاء باہمی، یہود کی غداری، ان کا مدینہ سے اخراج، غزوۂ بدر، غزوہ احد، غزوہ احزاب، غزوہ حدیبیہ، عمرۃ القضاء، غزوۂ خیبر، غزوۂ فتح مکہ، غزوۂ تبوک، حجۃ الوداع اور آپ کا وصال پر ملال، الغرض حضور سید عالم ﷺ کی ساری حیات مبارکہ قرآن میں مذکور ہے۔ میری خواہش ہے کہ قرآن کی روشنی میں آپ کی پوری سیرت مرتب کی جائے، اگر اللہ جل وعلا نے موقع دیا تو یہ کام کروں گا، ان شاء اللہ۔ پھر قرآن میں آپ کے اوصاف، کمالات، اخلاق اور معجزات سب کچھ کا بیان ہے، گویا قرآن ذکر رسول ﷺ کا دوسرا نام ہے۔ اور قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ رب العزت نے لیا ہے، تو جب تک قرآن ہے حضور ﷺ کا ذکر بلند ہوتا ہی رہے گا۔

پھر آقائے دو جہاں ﷺ کی رفعت ذکر یہ بھی ہے کہ ہر نبی آپ کی آمد کا چرچا و اعلان کرتا رہا، تورات و انجیل کے صفحات آج بھی آپ کے ذکر سے معمور ہیں۔ اسی لئے اہل کتاب آپ ﷺ کی آمد سے قبل آپ کے وسیلہ سے کفار پر فتح طلب کرتے تھے وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ (بقرہ، ٨٩) یہ رفعت ذکر مصطفی وہ ہے جو آپ کی دنیا میں جلوہ گری سے قبل تھی۔ پھر جب آپ ﷺ دنیا میں تشریف لے آئے تو آپ کے ذکر کی بلندی کی شان ہی نرالی تھی۔ سارا قرآن آپ کی تعریف میں اتارا گیا۔ آج دنیا بھر میں مساجد کے منبر و محراب آپ ﷺ کے ذکر سے گونج رہے ہیں۔ پوری دنیا میں چوبیس گھنٹوں میں سے ہر گھنٹے میں پانچوں نمازیں بیک وقت پڑھی جا رہی ہیں کہیں فجر ہے تو کہیں ظہر اور اسی وقت کہیں عصر و مغرب ہے تو کہیں عشاء۔ اور ہر نماز میں آپ ﷺ پر درود پڑھا جا رہا ہے گویا ہر گھڑی کروڑوں اربوں زبانیں آپ کے ذکر سے تر رہتی ہیں، یہ دنیا میں آپ کی رفعت ذکر ہے اور آخرت میں آپ کی رفعت ذکر یہ ہے کہ قبر میں ہر میت سے آپ کے بارے میں پوچھا جاتا ہے آپ کے بارے میں سوال سے قبل یہ سوال ہوتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے اور تمہارا دین کیا ہے اگر وہ ان دونوں باتوں کا صحیح جواب دے دے پھر بھی اس کی نجات نہیں ہو سکتی جب تک آپ ﷺ کے بارے میں نہ پوچھا جائے لہٰذا کہنا پڑتا ہے۔ ؎

منشا یہی ہے سلسلۂ قیل و قال کی ہوتی رہے ثنا تیرے حسن و جمال کی

پھر روز قیامت آپ ﷺ کو مقام محمود پہ فائز کیا جائے گا۔ آپ کے ہاتھ سے باب شفاعت کھولا جائے گا۔ اس وقت ہر زبان آپ ہی کی تعریف کرے گی۔ الغرض آپ ﷺ کے رفعت ذکر کی کوئی انتہاء نہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شہرہ آفاق کلام میں فرماتے ہیں۔ ؎

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر ذکر اونچا ہے ترا بول ہے بالا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے جب بڑھاتا ہے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

[4] سورہ انشراح آغاز وحی میں اترنے والی سورت ہے۔ اور آگے حضور سرورِ کونین ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہزار ہا تنگیاں اور مصائب درپیش تھے تو ضروری تھا کہ آغاز ہی سے انہیں راہ حق میں تحمل مصائب کے لئے تیار کیا جائے اس لئے فرمایا گیا کہ ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے پھر اس کے ساتھ ایک اور آسانی ہے گویا ہر تنگی کے ساتھ دو بار آسانی ہے۔ یاد رہے جب اسم معرفہ کو دہرایا جائے تو دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہوتی ہے جیسے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ میں لفظ صراط دونوں بار معرفہ ہے اور دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے جبکہ نکرہ کو اگر دوبارہ لایا جائے تو دونوں سے الگ الگ چیز مراد ہوتی ہے جیسے: اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا۔ (فجر، ٢١) میں دکًّا دکًّا میں الگ الگ ٹکڑے مراد ہیں۔ اس ضابطہ کے مطابق اس آیت میں الْعُسْرِ (معرفہ) دوبار آیا ہے تو اس

سے ایک ہی تنگی مراد ہے اور یُسْرًا (نکرہ) دوبار آیا ہے تو اس سے دو الگ الگ آسانیاں مراد ہیں گویا فرمایا گیا کہ اے پیارے رسول ﷺ آپ اور آپ کے ساتھی راہ حق میں پیش آمدہ کسی تنگی سے گھبرائیں نہیں، ہر تنگی کے ساتھ دو آسانیاں آنے والی ہیں۔

چنانچہ حضور سید عالم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین کے لئے ہر تنگی و مصیبت برداشت کرتے گئے، آپ کو پتھر مارے گئے، طعنے دیئے گئے، راہوں میں کانٹے بچھائے گئے، صحابہ کرام کو تپتی ریت پر لٹایا گیا اور جسموں کے ٹکڑے کئے گئے مگر ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی آخر اللہ نے دین کو غالب کر دیا اور آسانیاں ہی آسانیاں آگئیں۔

اس میں ہمارے لیے درس صبر ہے کہ اللہ کی طرف سے جو بھی تنگی آئے اسے خندہ پیشانی سے قبول کرنا چاہیے کہ بالآخر ہر تنگی کے ساتھ دوہری آسانی ہے، خواہ دنیا میں یا آخرت میں۔

[5] اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔

اول: جب آپ امور دنیا سے فارغ ہو جائیں تو اپنے رب کی عبادت میں کھڑے ہو جائیں۔ گویا عبادت میں کھڑے ہونے کے لئے پہلے دل کو دنیوی امور سے فارغ کر لینا چاہیے۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ کھانے کی موجودگی میں کوئی نماز نہیں، نہ ہی اس وقت جب نمازی کو بدنی حاجت درپیش ہو۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۵۶۲)

دوم: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ جب تم فرائض سے فارغ ہو تو قیام اللیل کے لئے کھڑے ہو اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ (قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۵۲۶)

سوم: حضرت زید بن مسلم اور ضحاک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا جب تم جہاد سے فارغ ہو تو عبادت کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

چہارم: امام شعبی نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں اپنے رب کی طرف رغبت کرو۔ (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۴)

الحمدللہ آج 15 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 13 دسمبر 2008 بروز ہفتہ نماز فجر کے بعد روانگی مدینہ طیبہ سے قبل مکہ مکرمہ ہی میں سورہ انشراح کی تفسیر مکمل ہوئی۔ آج رات کا اکثر حصہ میں تفسیر لکھنے ہی میں مگن رہا، تھوڑا سا آرام کیا، میں چاہتا تھا کہ روانگی سے قبل سورہ انشراح کی تفسیر سے فارغ ہو جاؤں۔ تو الحمد للہ سورہ انشراح کی تفسیر مکمل ہوئی، اب مدینہ طیبہ میں پہنچ کر اگلی سورت کی تفسیر شروع کی جائے گی، ان شاء اللہ العزیز۔

وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وسلم اجمعین۔

سورۃ التین

سورۃ التین ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 95ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 27ویں سورت ہے، یہ مکی سورت ہے۔ چونکہ یہ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ کے الفاظ سے شروع ہوئی اس لئے اس کا نام سورۃ التین رکھا گیا تین کا معنی انجیر ہے۔

اس سورت میں ایک رکوع، 8 آیات 34 کلمات اور 105 حروف ہیں۔

مضامین اور ماقبل سے مناسبت

اس سورت کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل سورۃ الانشراح اور سورۃ الضحیٰ میں وہ نعمتیں بیان کی گئیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ پر برسائیں، اب یہاں وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ کہہ کر آپ کا شہر مکہ میں مبعوث کیا جانا بیان ہو رہا ہے۔ پھر سورۃ الانشراح میں ایک عسر کے ساتھ دو یسر بیان کیے گئے اور یہی مضمون اس سورت میں اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کی صورت میں لایا گیا ہے، گویا نعمتوں کے بیان ہی کا تسلسل ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۸ ۹۵ سُوْرَةُ التِّیْنِ مَکِّیَّةٌ ۲۸ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ۝۲ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝۳ لَقَدْ

قسم ہے انجیر اور زیتون کی [1] اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر (مکہ) کی [2] بے شک ہم نے

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝۵ اِلَّا

انسان کو سب سے بہتر صورت میں پیدا کیا [3] پھر ہم اسے سب سے بیچ تر بنا دیتے ہیں سوا ان کے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا

جو ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے [4] تو اے انسان

یُکَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ۝۷ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ۝۸

اس کے بعد تجھے کون سی چیز روز انصاف کے جھٹلانے پر اُکساتی ہے؟ کیا اللہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں ہے؟ [5]

انسان کی اخلاقی بلندی و پستی

[1] انسان کی عظمت بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسمیں یاد فرمائیں پھر عظمت انسانی کا بیان شروع کیا، تو پہلے انجیر کی پھر زیتون کی قسم اٹھائی۔ انجیر اخروٹ کے برابر ایک پھل ہے جس میں بیج نہیں ہوتا نہ چھلکا، بلکہ اسے انگور کی طرح مکمل کھایا جاتا ہے اس کا ذائقہ بہت میٹھا ہے، حکماء کے نزدیک انجیر عمدہ میوہ ہے۔ بہترین غذا ہے اور مفید دوا بھی۔ یہ سارا کھایا جاتا ہے اس کی کوئی چیز پھینکی نہیں جاتی۔ اس کے درخت کی لکڑی بے حد مفید ہے جس کا دھواں کیڑے مکوڑوں کو مار دیتا ہے۔

انجیر اور زیتون کی اہمیت وفضیلت

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس انجیر کا گچھا لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے کھاؤ

پھر آپ نے اسے تناول کرنے کے بعد ارشاد فرمایا اگر میں کہتا کہ دنیا میں جنت سے اتارا ہوا کوئی پھل ہے تو میں انجیر کا نام لیتا، توتم انجیر کھایا کرو یہ بواسیر کو ختم کرتا اور نقرس سے نجات دے دیتا ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۷۵)

یہ تو انجیر کی فضیلت ہے۔ جبکہ زیتون کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيۡتُوۡنَةٍ لَّا شَرۡقِيَّةٍ وَّلَا غَرۡبِيَّةٍ ۙ يَّـكَادُ زَيۡتُهَا يُضِىۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ ؕ ''مبارک درخت زیتون سے، جو نہ مشرق کا ہے نہ مغرب کا، قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے خواہ اسے آگ نہ چھوئے۔'' (نور، ۳۵) ایک جگہ یوں فرمایا: وَشَجَرَةً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَيۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ ﴿۲۰﴾ ''وہ درخت (زیتون) جو طور سینا کے علاقہ سے نکلتا ہے (اپنے اندر) تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن لے کر اُگتا ہے۔'' (المؤمنون، ۲۰)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''زیتون کی مسواک کیا خوب ہے یعنی مبارک درخت کی مسواک جو منہ کو خوشبودار کرے اور دانتوں کی زردی دور کرے، یہ میری اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کی مسواک ہے۔''
(تفسیر قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۷۵)

[2] دو پھلوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو مقدس مقامات کی قسم اٹھائی ایک طور سینا جہاں تورات نازل ہوئی دوسرا بلد امین یعنی شہر مکہ جہاں قرآن نازل ہوا۔ طور سینا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی عبادت گاہ ہے جہاں انہوں نے چلہ کشی کی اور شہر مکہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس شہر میں آپ کے جلوہ فرما ہونے کے حوالے سے اس شہر کی قسم ایک اور جگہ بھی یاد فرمائی ہے: لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ ﴿۱﴾ وَاَنۡتَ حِلٌّ ۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ ﴿۲﴾ (بلد، ۱)

یاد رہے سینا مصر کا ایک وسیع و عریض صحرا ہے جو سینکڑوں میلوں میں پھیلا ہے اس کو سِيۡنِيۡنَ کہنا ایسے ہے جیسے الیاس کو قرآن میں اِلۡ یا سِیۡنَ کہا گیا (صافات، ۱۰۳) اس صحراء کے شمال میں ایک پہاڑی سلسلہ ہے جسے طور کہتے ہیں اس سلسلہ میں وہ پہاڑ بھی ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چلہ کیا اور تورات حاصل کی۔ یہ اس سلسلہ کا سب سے اونچا اور بڑا پہاڑ ہے۔

راقم الحروف غفرلہ نے 2005ء میں صحرائے سینا کا سفر کیا اور طور پہاڑ کی چوٹی پہ جانے کا شرف حاصل کیا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چلہ فرمایا اور وہاں تورات نازل ہوئی۔

مکہ مکرمہ کے بلد امین ہونے کا معنیٰ

یہاں مکہ شہر کو بلد امین کہا گیا ہے یعنی امن والا شہر، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس شہر میں لڑائی کرنا اور کسی کا خون بہانا حرام ہے حتیٰ کہ سرزمین حرم کے کسی جانور کا شکار، یا اسے بھگانا اور ڈرانا بھی حرام ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا: اللہ نے اس شہر میں قتال حرام فرمایا ہے (یعنی کسی کو اس شہر پر حملہ آور ہونے کی اجازت نہیں ہے) اور میرے لئے بھی اس دن کی ایک گھڑی کے لئے یہاں قتال جائز کیا گیا۔ اب اس کی حرمت پہلے کی طرح تا قیامت قائم

انجیر اور زیتون کی سرزمین

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ○ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ○ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾ "قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی ○ اور طور سیناء کی ○ اور اس پرامن شہر (مکہ) کی ○" (التین: 1,2,3/95)

ایشیائے کوچک (ترکی)
قبرص
حلب
طرابلس
بیروت
بحیرۂ روم
شام
دریائے فرات
دریائے دجلہ
بغداد
دمشق
صحرائے شام
اسکندریہ
عمان
القدس
ممفس
ایلہ
سیناء
مصر
صحرائے نفود
اسیوط
نجد
حجاز
مدینہ منورہ
اسوان
بحیرۂ احمر
دریائے نیل
مکہ مکرمہ
جدہ
صحرائے نوبیہ
سودان
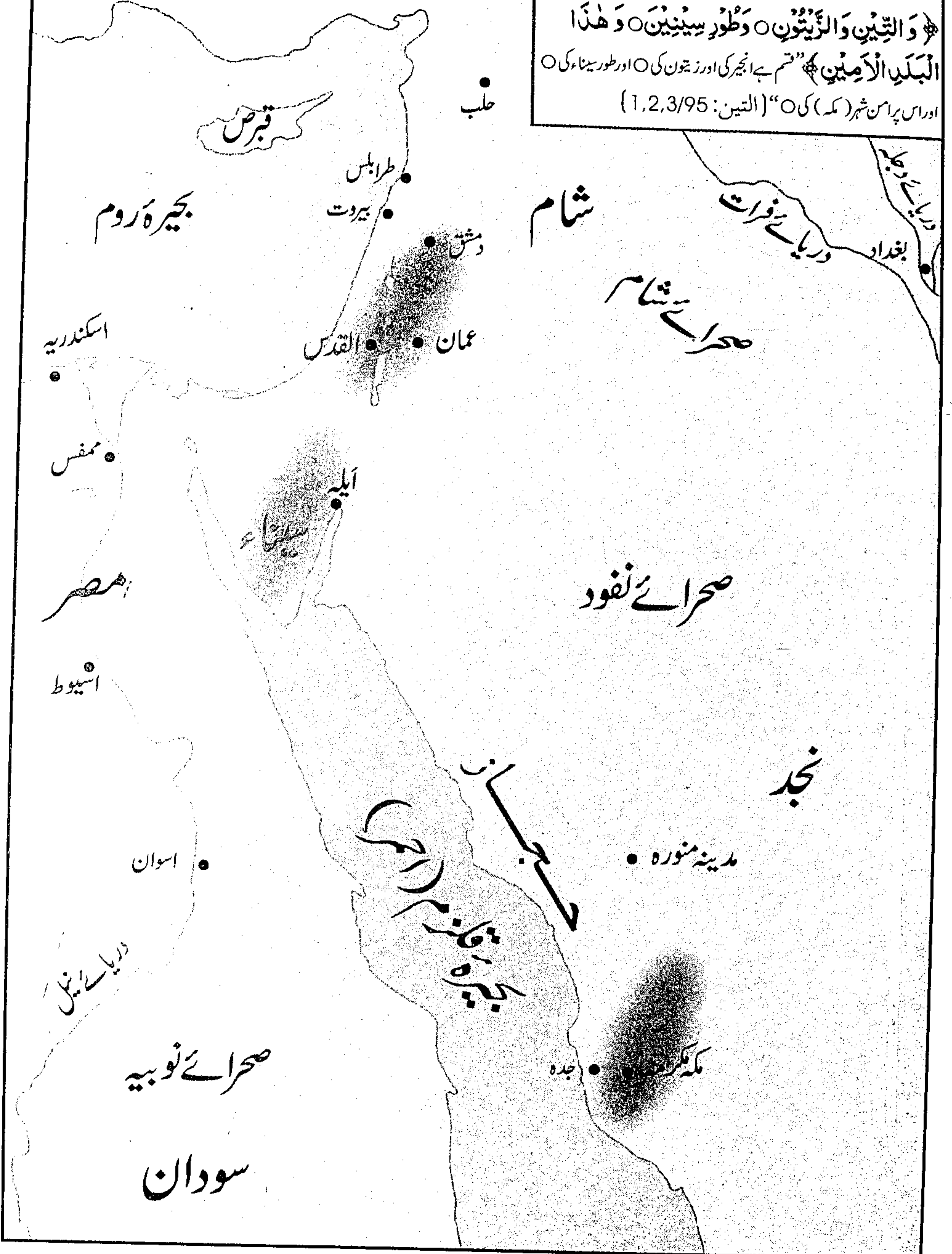
ہے، نہ یہاں کے شکار کو بھگایا جائے نہ یہاں کے (خودرو) درخت کو کاٹا جائے۔ (بخاری کتاب الحج باب ۴۲)

انبیاء کرام علیہم السلام سے تعلق رکھنے والے مقامات کی عظمت

طور سینا اور بلد امین کی قسم اس لئے اٹھائی گئی کہ وہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور محمد حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہیں۔ یہاں انہوں نے زندگی کے چند ایام گزارے ہیں، تو جن مقامات پہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے وارثین اولیاء کاملین وعلماء ربانیین تا قیامت محوِ خواب ہیں، ان مقامات کی برکت وعظمت سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کے بارے میں فرمایا: اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ کہ "ہم نے اس کے گرد برکتیں رکھی ہیں۔" (سرء:۱)

اور ان برکتوں سے مفسرین نے قبور انبیاء مراد لی ہیں، دیکھئے قرطبی مظہری وغیرہ۔

عظمتِ مدینہ طیبہ

جب مکہ اس لئے معظم ہے کہ وہاں حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام جلوہ فرما ہوئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں زندگی کے 53 برس گزارے تو شہر مدینہ طیبہ کی عظمت کا کیا کہنا جہاں قرآن کا بڑا حصہ نازل ہوا اور جہاں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت آرام فرما ہیں۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے اللہ! تو ہمیں مدینہ سے ایسی محبت دے دے جیسی محبت تو نے ہمیں مکہ سے عطا فرمائی بلکہ اس سے زیادہ محبت دے دے۔" (بخاری کتاب فضائل المدینہ باب ۱۳، مسلم کتاب الحج حدیث ۴۸۰)

الحمد للہ آج رات ہی اس فقیر پر تقصیر کو مدینہ طیبہ میں باریابی ملی ہے اور میں مسجد نبوی شریف میں بیٹھ کر یہ الفاظ لکھ رہا ہوں۔

یزید اور حجاج بن یوسف کی بدبختی

اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کو بلد امین فرمایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر میں قتال کو تا قیامت حرام قرار دیا یعنی اس پر حملہ آور ہونے کو گناہ وحرام ٹھہرایا۔ اس کے باوجود 63ھ میں یزید نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا، کعبۃ اللہ کے غلاف کو آگ لگائی جس سے کعبہ کی چھت جل گئی اور اس کے حکم سے اہل مکہ واہل مدینہ کا قتل عام کیا گیا۔ پھر اس کے ایک برس بعد جب صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ میں اپنی حکومت قائم کی اور ان کے نام کا خطبہ مکہ سے مصر تک اور مدینہ سے کوفہ تک جاری ہو گیا تو حجاج بن یوسف نے مکہ پر حملہ کر کے صحابہ اور دیگر مسلمانوں کا قتل عام کیا اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے تھے کعبہ کے اندر شہید کر دیا پھر ان کی لاش کو صفا ومروہ کے درمیان تین ماہ تک سولی پر لٹکتے رہنے دیا۔ جبکہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ قرب قیامت میں دجال ظاہر ہو کر ہر شہر پر حملہ کرے گا مگر مکہ ومدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ گویا جو کام دجال نہ کر سکے گا وہ یزید وحجاج نے کر دکھایا۔

تو مکہ کے بلد امین ہونے کا یہ معنیٰ نہیں کہ کوئی شخص وہاں لڑائی کر نہیں سکتا بلکہ یہ معنی ہے کہ وہاں لڑائی اور خون ریزی جائز نہیں ہے، البتہ دجال کو اللہ تعالیٰ وہاں داخل نہیں ہونے دے گا۔ دجال چونکہ مکہ مکرمہ کو برباد کرنے کے لیے وہاں جائے گا۔

[3] اللہ تعالیٰ نے مذکورہ چار قسمیں اٹھا کر فرمایا کہ ہم نے انسان کو سب سے بہتر صورت میں پیدا کیا ہے۔ لہٰذا انسان کو ہر مخلوق سے بڑھ کر اللہ کی عبادت و اطاعت بجالانی چاہیے مگر افسوس وہ سب سے بڑھ کر اللہ و رسول کی نافرمانی کرتا ہے۔

انسان کا سب سے بہتر صورت میں پیدا کیا جانا

انسان کا سب سے بہتر صورت میں پیدا ہونا کئی معانی میں ہے، یعنی بہترین صورت سے مراد انسان کی شکل بھی ہوسکتی ہے، اس کی قد و قامت بھی اور اس کو دی جانے والی قوتیں بھی۔ لہذا اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اللہ نے اسے زمین پہ چلنے والی مخلوقات میں سے سیدھی قامت والا بنایا ہے۔ ہر مخلوق زمین پہ جھکی ہوئی ہے مگر انسان سیدھا کھڑا ہے اسے اللہ نے خوبصورت ہاتھ اور انگلیاں دی ہیں جن سے وہ اپنا لقمہ اپنے منہ میں ڈال لیتا ہے دوسری کوئی مخلوق ایسا نہیں کرسکتی۔ پھر اسے اللہ نے ہر مخلوق سے خوبصورت تر حسین تر چہرہ عطا فرمایا ہے۔ اور دوسرے معانی بھی ہیں۔

اللہ کا انسان کو اپنی صورت پہ پیدا کرنا کیا معنی رکھتا ہے

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے خلق الله آدم علی صورته کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پہ پیدا کیا (بخاری کتاب الاستیذان باب اول، مسلم کتاب البر حدیث ۱۱۵) اب اس کا کیا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پہ پیدا کیا جبکہ اللہ تو کسی صورت سے پاک ہے۔ اور اہل تشیع اس حدیث کی وجہ سے اہل سنت پہ اللہ کے لیے جسم ماننے کا الزام رکھتے ہیں۔

امام محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق میں سے انسان سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ انسان کو اللہ نے عالم، قادر، مرید (ارادہ کرنے والا) متکلم، سمیع، بصیر، مدبر اور حکیم پیدا کیا ہے اور یہ سب اللہ کی صفات ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا: خلق الله اٰدمَ علی صورته اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پہ پیدا کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ صورت سے پاک ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو اپنی صفات پر پیدا کیا ہے۔ (قرطبی)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس لئے اللہ نے انسان کو اپنا خلیفہ قرار دیا۔

مروی ہے کہ خلیفہ منصور کے وزیر اعظم عیسیٰ بن موسیٰ نے اپنی بیوی سے کہہ دیا اگر تم چاند سے حسین نہ ہو تو تمہیں تین طلاق ہیں۔ بیوی نے فوراً اٹھ کر پردہ کرلیا اور کہا کہ میرا تمہارا نکاح ختم ہوگیا ہے۔ وزیر پریشان ہوکر خلیفہ کے پاس گیا۔

خلیفہ نے فقہاء کو بلایا، سب نے کہا کہ نکاح ختم ہو گیا ہے ان میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاگرد خاموش بیٹھا تھا۔ خلیفہ نے اسے کہا تم کیوں نہیں بولے؟ اس نے کہا: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④ پھر اس نے کہا اے امیر المؤمنین! اس آیت کے مطابق انسان تمام اشیاء سے خوبصورت ہے لہٰذا وزیر اعظم عیسیٰ بن موسیٰ کی بیوی بھی چاند سے خوبصورت ہے تو اسے طلاق نہیں ہوئی۔ خلیفہ نے خوش ہو کر وزیر کی بیوی کو پیغام بھیجا کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے اسے طلاق نہیں ہوئی۔ (تفسیر قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۷۸)

جب انسان سب سے بہتر اور سب سے خوبصورت مخلوق ہے تو اسے پتھروں، جانوروں اور دوسری مخلوقات کے سامنے سجدہ ریزی کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔

[4] یعنی اللہ نے تو انسان کو سب سے بہتر صورت پر پیدا کیا مگر جب وہ کفر و شرک میں مبتلا ہوتا ہے اور اللہ کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو جھٹلاتا ہے تو اللہ اسے بدتر مخلوق بنا دیتا ہے کیونکہ پھر وہ جہنم کا دائمی ایندھن بن جاتا ہے۔ اسی لئے کفار کے بارے میں کہا گیا: اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ⑥ ''وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے بدتر ہیں۔'' (بینہ،۶) اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ''وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے گئے گزرے۔'' (اعراف، ۱۷۹) مگر جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں جیسے کہ فرمایا گیا: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ⑦ ''جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔'' (بینہ،۷)

آگے فرمایا گیا: لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑥ کہ جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں ان کے لئے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ اس کی وضاحت میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بندہ اپنی صحت میں جو روزے رکھتا اور نمازیں پڑھتا ہے جب وہ ضعیف ہو جائے اور صحت والی عبادات نہ کر سکے تو اللہ رب العزت اس کے لئے صحت والے اعمال ہی لکھتا رہتا ہے اور جب وہ مر جائے تو دو فرشتے اس کی قبر پر مقرر ہو جاتے ہیں جو قیامت تک عبادت کرتے ہیں اور ثواب اس کو دیا جاتا ہے یہ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ہے (یعنی ختم نہ ہونے والا اجر) (قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۷۹)

[5] تو اے انسان! جب اللہ نے تجھے سب مخلوق سے بہترین صوت پر پیدا کیا تو تم کس بناء پر روز انصاف سے انکار کرتے ہو؟ جس اللہ نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا، کیا وہ تمہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟ اور اللہ تمہیں دوبارہ کیوں نہ پیدا کرے گا جبکہ وہ احکم الحاکمین ہے یعنی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور اس چیز کا تقاضا یہ ہے کہ قیامت کا دن آئے جس میں اللہ فیصلہ فرمائے اور ظالموں کو سزا اور مظلوموں کو جزا دے۔ مومنین صالحین کو جنت میں اور کافرین و فاسقین کو جہنم میں بھیجے۔ اگر قیامت نے آنا ہی نہیں تو ظالم و مظلوم، کافر و مومن اور صالح و فاسق سب کا انجام ایک ہی

ہوگیا۔ اور یہ اللہ کی شان احکم الحاکمین کے خلاف ہے۔ اسی لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی شخص سورہ تین پڑھتے ہوئے: اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ تک پہنچے تو کہے: بلٰی وانا علٰی ذالك من الشاھدین یعنی کیوں نہیں اللہ ضرور سب سے بہتر حاکم ہے اور میں اس کا گواہ ہوں۔'' (ابوداؤد)

الحمدللہ آج 16 ذی الحجہ 1429ھ مطابق 14 دسمبر 2008ء بروز اتوار نماز فجر کے بعد یہ گناہگار انسان مسجد نبوی شریف میں بیٹھ کر سورہ تین کی تفسیر کے آخری الفاظ لکھ رہا ہے۔ ان شاء اللہ باقی سورتوں کی تفسیر مدینہ طیبہ ہی میں لکھی جائے گی۔ مدینہ طیبہ میں ہمارا قیام صرف ہفتہ عشرہ کے لیے ہے۔ میرا عزم صمیم ہے کہ درِ رسول ﷺ پہ بیٹھ کر تفسیر مکمل ہو، شائد اس کی برکت سے اللہ میری اس محنت کو میرے لیے باعث نجات بنادے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب لبیب ﷺ سے اس قرب کے صدقے اس تفسیر کو مقبول عام بنائے اور اسے مصنف، کاتبین اور قارئین سب کے لئے باعث رحمت فرمائے۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علٰی حبیبہ خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ العلق

سورۃ العلق ترتیب تلاوت میں قرآن کریم کی 96 ویں نمبر پر ہے اور ترتیب نزول میں قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت ہے جس سے نزول قرآن کا آغاز ہوا۔ اس کی پہلی پانچ آیات اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ سے مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ تک قرآن کی سب سے ابتدائی آیات ہیں۔ اس کا آغاز اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ سے ہوا اس لئے اس کا نام سورۃ العلق رکھ دیا گیا۔ علق وہ جما ہوا خون ہے جس سے انسان کی تخلیق کی جاتی ہے۔ اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

اس سورت میں ایک رکوع 19 آیات، 75 کلمات اور 280 حروف ہیں۔

مضامین

اس کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل سورۃ التین میں بتایا گیا کہ انسان کو سب سے بہترین صورت میں پیدا کیا گیا ہے۔ اب اس سورت میں بتایا جا رہا ہے کہ انسان کو خون کے ایک جمے ہوئے لوتھڑے سے بنایا گیا۔ گویا اسے دعوت فکر دی گئی کہ انسان اپنی حقیقت پہ غور کرے کہ وہ اتنی خوبصورت شکل میں آنے سے قبل کیا تھا اور کون اسے یہاں تک لایا؟ پھر آگے سورۃ العلق میں بتایا گیا کہ انسان کو اللہ نے قلم کے ذریعہ دولت علم عطا فرمائی، یعنی اللہ نے انسان کو نہ صرف دیکھنے میں خوبصورت بنایا بلکہ اسے معنوی طور پہ بھی خوبصورت بنایا اور اسے علم کی وہ دولت عطا فرمائی جو کسی دوسری مخلوق کو نہ دی گئی، پھر وہ اللہ سے نافرمانی کیوں کرتا ہے اور روز آخرت کو کیوں بھولتا ہے؟

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتہا ۱۹ ۹۶ سُوْرَۃُ الْعَلَقِ مَکِّیَّۃٌ ۱ رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ

(اے پیارے نبی ﷺ) آپ اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا[1] اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا[2]

وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵

پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے[3] جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا[4]

پہلی وحی کا نزول، نعمت علم کا بیان اور انسان کی سرزنش

[1] ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ کو اچھے خواب دکھائے جانے لگے اور ہر خواب طلوع فجر کی طرح سچا ثابت ہونے لگا، پھر آپ کو خلوت گزینی کی طرف متوجہ کر دیا گیا اور آپ غار حراء میں جا کر تنہائی میں کئی کئی دن عبادت کرنے لگے۔ ایک دن آپ وہاں محو عبادت تھے کہ اسی دوران فرشتہ جبریل علیہ السلام اترے اور آپ سے کہا اِقْرَاْ پڑھیے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں میں نے کہا مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ فرشتے نے مجھے پکڑ کر بازوؤں میں دبایا اور سارا زور لگا دیا پھر کہا اِقْرَاْ پڑھیے۔ میں نے کہا مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں پڑھنے والا نہیں ہوں، فرشتے نے مجھے پکڑ کر پھر دبایا اور سارا زور لگا دیا پھر کہا اِقْرَاْ میں نے وہی جواب دیا فرشتے نے مجھے تیسری مرتبہ بازوؤں میں لے کر دبایا اور کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ یعنی اس رب کے نام سے پڑھیے جس نے سب کچھ پیدا کیا ہے۔ فرشتے نے مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵ تک پڑھا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ یہ آیات لے کر واپس آئے، آپ کا دل گھبرا رہا تھا۔ آپ نے گھر آتے ہی سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو۔ جب آپ ﷺ کا خوف دور ہوا تو آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ساری بات کہی اور فرمایا مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، وہ کہنے لگیں واللہ ایسا نہیں ہوگا۔ اللہ آپ کو پریشان نہیں کرے گا آپ صلہ رحمی، یتیم پروری، مہمان گیری اور اہل حاجت کی دادرسی کرتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں وہ ان کا چچازاد بھائی تھا اس نے عیسائیت

اختیار کرلی تھی اور تورات وانجیل کا عبرانی سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔اس نے آپ ﷺ سے ساری بات سن کر کہا واللہ یہ تو وہی ناموس (وحی) ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری تھی۔اور کاش میں اس وقت موجود ہوں جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ اس نے کہا: ہاں ضرور جو شخص بھی وہ وحی لایا جو آپ لائے ہیں اسے قوم نے ضرور ستایا۔اور اگر ایسا ہوا تو میں ضرور آپ کی مدد کروں گا، مگر تھوڑے عرصہ ہی میں ورقہ فوت ہوگیا اور وحی کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے موقوف ہوگیا۔(بخاری کتاب بدأ الوحی حدی ۳)

پہلی وحی کے نزول پہ حضور ﷺ نے ما انا بقارئ کیوں کہا؟

یہاں سوال یہ ہے کہ جب فرشتے نے حضور سید عالم ﷺ سے کہا: اِقْرَاْ تو آپ نے پڑھنے سے کیوں انکار کیا؟ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ آپ سمجھے شائد آپ کو کسی کتاب سے دیکھ کر پڑھنا پڑے گا۔اور آپ کو اللہ نے کسی کتاب کے پڑھنے یا لکھنے سے دور رکھا تھا تا کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ چونکہ آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں اس لئے آپ نے یہ قرآن اپنی طرف سے لکھ کر تیار کیا ہے۔اس لئے آپ نے فرمایا ما انا بقارئٍ میں پڑھنے والا نہیں ہوں یعنی میں اُمّی ہوں۔تو سید المرسلین ﷺ کا اُمّی ہونا آپ کے لئے دلیل نبوت ہے کہ جس نے کسی سے ایک لفظ نہ پڑھا تھا اس نے ساری انسانیت کو پڑھا دیا۔ ؎

السلام اے امی و استاد کل — السلام اے صاحب ارشاد کل
یتیمے کہ ناکردہ ورقے درست — کتب خانہء چند ملت بشست

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا مقصد تھا کہ میں اپنے رب کے حکم کے بغیر کچھ نہیں پڑھنے والا۔اس لئے جب فرشتے نے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ پڑھا تو آپ پڑھنے لگے اور فرشتے نے جو پڑھا وہ آپ نے بھی پڑھ دیا۔تیسرا جواب یہ ہے کہ ما انا بقارئٍ میں مابرائے استفہام بھی ہوسکتا ہے یعنی ما اقرأ۔آپ ﷺ نے فرمایا: میں کیا پڑھوں؟ تو فرشتے نے کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ یہ آخری جواب قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے۔(مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۳ مطبوعہ کوئٹہ پاکستان)

اگر سوال کیا جائے کہ جبرائیل علیہ السلام کا حضور ﷺ کو تین بار دبانا کس لئے تھا؟ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو دبا کر آپ کے سینے میں اللہ کی طرف سے وہ نور منتقل کررہے تھے جس کی قوت سے آپ قرآن جیسے اس عظیم اور بھاری کلام کے اٹھانے کے متحمل ہوگئے جس کے اٹھانے سے پہاڑ عاجز ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے عاجز اور ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا۔(حشر، ۲۱)

پہلی وحی کے نزول پہ حضور ﷺ کا گھبرانا اور ورقہ بن نوفل کے پاس جانا کیوں تھا؟

اگر سوال کیا جائے کہ آپ پہلی وحی کے نزول پر خوفزدہ کیوں ہوئے حتیٰ کہ فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے؟ تو اس کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ پر پہلی بار وہ کلام اُترا جسے پہاڑ نہیں اٹھا سکتے تو اس کی ہیبت سے آپ پر خوف تھا اور یا آپ آئندہ آنے والی سختیوں اور پیغمبرانہ ذمہ داریوں کا خیال کر کے کچھ دیر کے لئے گھبرائے اور یہ طبعی امر ہے۔ یہ گھبرانا اسی طرح ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب پیغمبرانہ ذمہ داریاں دی گئیں اور پہلی وحی نازل ہوئی تو انہوں نے کہا: رَبِّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ ﴿۱۲﴾ ''اے میرے رب! مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔'' (شعراء، ۱۲) اور جب ان کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی منصب نبوت دیا گیا تو دونوں نے عرض کیا: اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ یَّفۡرُطَ عَلَیۡنَاۤ اَوۡ اَنۡ یَّطۡغٰی ﴿۴۵﴾ ''ہمیں خوف ہے کہ فرعون ہم پہ زیادتی کرے گا یا سرکش ہوگا۔'' (طٰہٰ، ۴۵) گویا ابتداء امر میں نزول تسلی سے قبل کچھ گھبرانا طبعی امر ہے، یہ انبیاء کو لاحق ہوتا رہا ہے، یہ منصب نبوت کے خلاف نہیں ہے، نہ ہی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کو اپنی ابتدائی وحی پہ یقین نہیں آتا۔

اگر سوال کیا جائے کہ آپ ورقہ بن نوفل کے پاس کیوں گئے کیا آپ کو خود معلوم نہ ہوا کہ آپ پر وحی اتری ہے اور آپ کو نبی بنایا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو سب کچھ معلوم تھا اور یہ بات ہی غلط ہے کہ نبی پر وحی اترے اور وہ جان نہ سکے کہ اس پر کیا اترا ہے۔ حتیٰ کہ دوسرا شخص اسے حقیقت سے آگاہ کرے، یہ سمجھنا ہی شان نبوت سے ناواقفی ہے۔

دراصل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی تسلی کے لئے آپ ﷺ کو ورقہ کے پاس لے گئیں آپ کی خواہش اس کے پاس جانے کی نہ تھی۔ اور اس میں حکمت یہ تھی کہ سب سے قبل سید المرسلین ﷺ کی نبوت کا اظہار آپ کی بجائے اس شخص کے ذریعے کروایا جائے جو پہلی کتابوں کا جاننے والا اور بہت بڑا عالم تھا تاکہ جب آپ اعلان نبوت کریں تو کسی منصف شخص کو مجال انکار نہ ہو۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ پر پانچ آیات اتریں اور آپ جان نہ سکیں کہ یہ کیا اترا ہے؟ جبکہ قرآن فرماتا ہے: اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مِنۡ رَّبِّہٖ۔ ''رسول (سب سے پہلے) اس وحی پر ایمان لاتا ہے جو اس پر اس کے رب کی طرف سے اترے۔'' (بقرہ، ۲۸۵) اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب حضور سید عالم ﷺ پہلی وحی لے کر غار حرا سے واپس گھر آئے تو آپ جس پتھر یا درخت کے قریب سے گزرتے اس سے آواز آتی تھی: السلام علیك یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ پر سلام ہو۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد اول صفحہ ۶۰ مطبوعہ حلب، درمنثور بروایت ابن مردویہ جلد ۸ صفحہ ۵۶۳)

اس کے باوجود آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی۔

کیا حضور ﷺ کو چالیس برس تک اپنی نبوت کا علم نہ تھا؟

یہاں اس ذہنیت کا رد بھی ضروری ہے جو کہا جاتا ہے کہ آپ کو چالیس برس تک کچھ معلوم نہ تھا کہ آپ نبی ہیں۔ حالانکہ کثیر احادیث بتاتی ہیں کہ حضور ﷺ جب بچپن میں تھے تو آپ کے سامنے یہود و نصاریٰ کے علماء و راہبین نے آپ کے نبی ہونے کی تصدیق کی جو آپ نے بھی سنی اور جانی۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام گئے تو مشہور راہب بحیرا کے معبد کے قریب اترے۔ بحیرا کبھی اپنے معبد سے نہ نکلا تھا مگر وہ اس بار باہر آیا اور ان لوگوں کے درمیان میں سے گزرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: هٰذا رَسولُ رَبِّ العالمين هٰذا سَيِّدُ العالمين هٰذا يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحمَةً لِلْعالمين۔ یہ رب کائنات کے رسول ہیں۔ یہ سردار کائنات ہیں۔ اللہ انہیں رحمت کائنات بنا کر بھیجنے والا ہے، قریش نے اسے کہا تمہیں اس کی کیسے خبر ہے؟ اس نے کہا جب تم گھاٹی سے نکلے تو کوئی پتھر اور درخت ایسا نہ تھا جو ان کو سجدہ نہ کر رہا ہو۔

(ترمذی کتاب المناقب باب ۳ حدیث ۳۶۲۰)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ اور امام حاکم نے اسے شرط شیخین پہ صحیح کہا ہے۔ اور یہ حدیث بتا رہی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ پیدائش سے نبی تھے اور آپ کو اس کا علم تھا۔

اسی طرح جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی تو آپ نے بچپن میں اپنے شق صدر کا واقعہ بتایا جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے۔ (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۸۵)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اعلان نبوت سے قبل محض ایک ولی تھے، نبی نہیں تھے۔ مگر یہ بھی غلط ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس وقت خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی جا رہی تھی۔ اور میں تمہیں اس کام کی ابتداء بتاتا ہوں، وہ میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعاء ہے، میرے بارے میں عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے، اور میری والدہ نے (میری پیدائش کے وقت) جو خواب دیکھا۔ (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۷)

گویا رسول اللہ ﷺ تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے وصف نبوت سے متصف ہو چکے تھے اور آپ اس وقت بالفعل نبی تھے۔ یونہی آپ ﷺ نے اپنی ولادت کے وقت اپنی والدہ کے اس نور کے دیکھنے کو جس سے ان پر شام کے محلات روشن ہو گئے، اپنی نبوت کی دلیل بنایا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بچپن میں اپنے شق صدر کو بھی اپنے لیے دلیل نبوت بنایا ہے، جو اس بات پہ دال ہے کہ آپ ﷺ پیدائش کے وقت اور بچپن میں بھی نبی تھے اور آپ کو اپنی نبوت کا علم تھا۔ اس امر پر مزید احادیث ہم پیچھے سورہ قصص آیت 86 کے تحت لکھ آئے ہیں وہاں دیکھ لیں۔

[2] علق عَلَقَةٌ کی جمع ہے جس کا معنی جما ہوا خون ہے یعنی نطفہ رحم مادر میں پہلے جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر گوشت کی شکل اپنا لیتا ہے پھر اس میں ہڈیاں پیدا کی جاتی ہیں اور مکمل انسانی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے

فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! آپ اپنے رب کے نام سے پڑھیے، خواہ آپ پہلے سے قاری نہیں ہیں کیونکہ جو رب جمے ہوئے خون کو سمیع و بصیر اور علیم و قدیر انسان بنا دیتا ہے اس کے لئے اُمّی کو قاری بنانا اور اس کے دل میں حکمت کا سمندر موجزن کرنا کیا مشکل ہے۔

[3] یعنی آپ کا رب آپ پر بہت ہی کرم نواز ہے اس لئے اس نے آپ پر وحی اتاری اور نبوت سے نوازا ہے اس لئے آپ پڑھتے جائیں۔ یہاں پر لطف نقطہ یہ ہے کہ علم سکھانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ اور تخلیق کے بارے میں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ﴿۶﴾ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ ''اے انسان! تجھے تیرے رب کریم کے بارے میں کس نے دھوکہ دے دیا ہے جس نے تجھے پیدا کیا پھر برابر اور ٹھیک بنایا۔'' (انفطار،۶) گویا علم کی نعمت تخلیق سے بھی بڑی ہے کہ تخلیق کے بارے میں رب کریم کہا گیا اور علم کے بارے میں رب الاکرم فرمایا گیا جو اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔

[4] قلم سے مراد ایک تفسیر کے مطابق یہی قلم ہے جس سے ہم لکھتے ہیں یعنی اللہ نے قلم کے ذریعے انسان کو وہ کچھ سکھا دیا جو وہ نہ جانتا تھا۔ اگر قلم نہ ہوتا تو انسان کیسے سیکھتا سکھاتا، کہ لباس کیسے بنایا جائے، مکان کیسے تعمیر کیا جائے، بیماریوں کا علاج کیسے کیا جائے؟ گویا قلم نہ ہوتا تو انسان کی زندگی جنگلی جانوروں جیسی ہوتی۔ گویا اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو تسلی دی کہ جو رب انسانوں کو قلم کے ذریعے سکھاتا ہے وہ آپ کو قلم کے بغیر بذریعہ فرشتہ بھی سکھا سکتا ہے، اس کا سکھانا اس بات کا محتاج نہیں کہ انسان پہلے سے قاری ہو۔

اور دوسری تفسیر کے مطابق قلم سے وہ نوری قلم مراد ہے جو لوح محفوظ پر چلتا ہے اور الانسان سے خاص انسان مراد ہیں یعنی انبیاء و اولیاء جن پر لوح محفوظ کی تحریر واضح ہے۔ اور وہ علم غیب حاصل کرتے ہیں، کیونکہ لوح محفوظ پر قلم جو لکھتا ہے وہ ان کے سامنے ہے۔ قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں: یہ علم حصولی نہیں بلکہ حضوری ہے اور ممکن ہے کہ الانسان سے صرف حضور ﷺ مراد ہوں کیونکہ آپ کو یہ علم سب سے زیادہ ہے۔ اور جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو تین بار بازوؤں میں دبا کر آپ کے سینے میں علوم اولین و آخرین کو منتقل کر دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی نعمت کو یوں بیان کیا عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴿۵﴾ یعنی انسان کامل ﷺ جو نہ جانتے تھے وہ اللہ نے آپ کو سکھا دیا اور اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ (سورہ نساء، آیت: ۱۱۳) (تفسیر مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۵)

قرآن پڑھنے سے قبل تعوذ و تسمیہ کی ضرورت ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھنے سے قبل اللہ تعالیٰ کا نام لینا چاہیے جس کی صورت اللہ نے اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے الفاظ میں متعین کی ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ غار حرا میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم

السجدة ۱۹ ع ۱ ۲۱

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھوایا، پھر اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ پڑھوایا۔ (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۲)

اسلام میں تعلیم و تعلم کی اہمیت

قرآن کی پہلی آیات لفظ اِقْرَاْ سے شروع ہوئیں اور ان میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم کے ذریعے سکھانے کی نعمت سے آگاہ کیا۔ مگر افسوس ہے کہ جس امت کی کتاب کا آغاز حصول علم پر زور دینے سے ہوا آج وہ امت علمی اعتبار سے سخت زبوں حال ہے۔ مسلمانوں میں دینی اور دنیوی دونوں علوم کی کمی ہے۔ دینی علم کی کمی کا یہ حال ہے کہ ان کی اکثریت قرآن کو درست تلفظ سے نہیں پڑھ سکتی۔ اہل عجم تو ایک طرف رہے اہل عرب بھی قرآن کو اسی غلط تلفظ میں پڑھتے ہیں جس غلط تلفظ سے وہ عربی بولتے ہیں۔

راقم الحروف کو 1983ء میں سعودی عرب میں تعلیم قرآن کے لئے بطورِ مدرس بلایا گیا۔ وہاں میں نے قریباً ایک برس سعودی بچوں اور بوڑھوں کو قرأت قرآن کی تعلیم دی، وہاں مجھے معلوم ہوا کہ خود اہل عرب قرآن کو بہت غلط پڑھتے ہیں۔ ہم چالیس قراء پاکستان سے بلوائے گئے تھے، ہمیں شاہ فیصل کے بیٹے خالد بن فیصل گورنر ابھا نے اپنے دارالامارۃ (گورنر ہاؤس) میں دعوت استقبالیہ دی اور بڑے مجمع میں کھڑے ہو کر کہا کہ مقام افسوس ہے کہ ہم اہل عرب میں قرآن اترا اور آج عجم سے لوگ ہمیں قرآن پڑھانے آئے ہیں۔ اور دنیوی علوم میں تو امت مسلمہ بہت ہی پیچھے ہے۔ آج مغربی اقوام صرف علوم کی قوت سے دنیا پر چھا گئی ہیں اور ہم ان کے تابع مہمل بن گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ امت مسلمہ دینی و دنیوی دونوں علوم میں ترقی کرے اور لفظ اقرأ کا درس ذہن میں رکھے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿۸﴾

کیوں نہیں انسان سرکش ہو جاتا ہے، یعنی خود کو بے نیاز سمجھتا ہے، بے شک آپ کے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿۱۰﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى

بھلا دیکھئے اس شخص کو جو بندے کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھے ،بھلا دیکھئے اگر وہ

الْهُدٰىٓ ۙ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ﴿۱۲﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿۱۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ

ہدایت پر ہو یا تقویٰ کا حکم دے (تو کیا اچھا ہو) بھلا دیکھئے اگر وہ (ہمیشہ کے لئے) منہ موڑے اور جھٹلائے (تو کتنا برا ہوگا)۔کیا وہ

بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۬ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ

نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے [5] کیوں نہیں۔ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے پیشانی سے پکڑیں گے۔ جھوٹی خطا کار

كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ

پیشانی سے [6] تو وہ اپنی جماعت کو بلا لے ہم فرشتوں کی جماعت کو بلا لیں گے، ہرگز نہیں، آپ اس کی بات نہ مانیں

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ﴿۱۹﴾

اور سجدہ کریں اور قریب آ جائیں [7]

[5] یعنی جس انسان کو اللہ نے علم سے نوازا اور اس پر نعمتوں کا دریا بہایا وہ اللہ سے سرکش ہو کر اس سے بے نیاز بنتا ہے۔ حالانکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس ہی جانا ہے، مگر اس کی سرکشی کا یہ عالم ہے کہ نماز پڑھنے والے بندے کو نماز سے روکتا ہے، اس کی بجائے اگر وہ ہدایت پکڑے اور تقویٰ کی بات کرے تو اس کے لئے بہتر ہے۔ اگر وہ اسی تکذیب کے پیچھے پڑا رہا تو اس کا انجام بہت برا ہوگا۔ یہ آیات ابوجہل کے بارے میں اتریں۔

ابوجہل کی ذلت و رسوائی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے درمیان یہاں آکر (حرم میں) اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہے (معاذ اللہ) یعنی نماز ادا کرتا ہے؟ اب اگر میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا تو اس کا سر کچل دوں گا اور اس کا چہرہ مٹی سے لتھیڑ دوں گا (معاذ اللہ)۔ ایک دن حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، وہ آپ پر حملہ آوری کے لئے آگے بڑھا مگر خوفزدہ ہو کر الٹے پاؤں بھاگا۔ لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا تمہارا کیا ماجرا

ہے؟ کہنے لگا: میں نے اپنے اور اس کے درمیان خندق دیکھی ہے اور خوفناک پر دیکھے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو الگ کر دیتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں: كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ۞ الخ (مسلم کتاب المنافقین حدیث ۳۸)

اس سے معلوم ہوا کسی مومن کو نماز یا دوسری عبادت سے روکنا ابوجہل کا طریقہ ہے کئی لوگ دانستہ یا نادانستہ نیکی کی راہ میں رکاٹ بن جاتے ہیں، اللہ ہدایت دے۔

[6] یعنی اگر ابوجہل باز نہ آیا تو ہم اس کو اس کی گناہ آلود جھوٹی پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹیں گے جیسے قرآن میں ہے: يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ''اس دن کفار کو اپنے چہروں کے بل جہنم میں گھسیٹا جائے گا۔'' (القمر، ۴۸) اور ابوجہل کو تو اس دنیا ہی میں اس کی موت کے وقت منہ کے بل خاک میں گھسیٹا گیا۔ اس خبیث نے حضور سید عالم ﷺ کے بارے میں مذکورہ بکواس کیا تھا (جو ابھی ہم نے حاشیہ 5 میں ذکر کیا ہے) تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض اس کا چہرہ دنیا میں نشان عبرت بنا دیا۔

ابوجہل کی ذلت آمیز عبرتناک موت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اعزاز

مروی ہے کہ سورہ رحمٰن کے نزول پر جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حرم کعبہ میں کفار کے سامنے اسے پڑھا تو ابوجہل نے اٹھ کر انہیں تھپڑ مارا جس سے ان کا کان پھٹ گیا کیونکہ وہ جسمانی طور پر بہت کمزور تھے۔ وہ حضور ﷺ کے پاس آئے ان کی آنکھیں برس رہی تھی۔ آپ ﷺ انہیں دیکھ کر بہت مغموم ہوئے اتنے میں جبریل علیہ السلام مسکراتے آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جبریل آپ مسکراتے ہیں جبکہ ابن مسعود رو رہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا آپ کو عنقریب معلوم ہوجائے گا۔ پھر جب بدر میں مسلمانوں کو فتح ملی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی کمزوری کے باوجود چاہا کہ انہیں بھی کسی کافر کے مارنے کا ثواب مل جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جاؤ دیکھو اگر کسی زخمی کافر میں جان کی کچھ رمق ہے تو اسے قتل کر دو۔ وہ بھاگے گئے انہیں زخمیوں میں ابوجہل کراہتے ہوئے نظر آیا۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے اس کی ناک پر نیزہ چبھویا۔ (شائد یہ سنسمہ علی الخرطوم ''ہم اس کے نتھنے پر ماریں گے'' (ن، ۱۶) کی تکمیل تھی)۔ جب اس نے حرکت نہ کی تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے سینہ پر بیٹھ گئے۔ ابوجہل نے آنکھیں کھول کر کہا او بکریاں چرانے والے ادنیٰ چرواہے! اپنے ساتھی (محمد مصطفی ﷺ) کو میرا پیغام دیدو کہ مجھے اس سے زیادہ کوئی ناپسندیدہ شخص نہیں ہے (معاذ اللہ) یہ پیغام سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرا فرعون موسیٰ علیہ السلام کے فرعون سے سخت تر ہے اس نے مرتے ہوئے اٰمَنْتُ کہہ دیا تھا مگر اس فرعون نے مرتے ہوئے بھی کفر کیا۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر کاٹ لیا۔ وہ اپنے ضعف کے سبب اسے اٹھا نہیں سکتے تھے انہوں نے اس کے کان میں سوراخ کر کے اس میں رسی ڈالی اور اسے پیشانی کے بل گھسیٹتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے پاس لے آئے۔ جبریل علیہ السلام ان کے آگے مسکراتے ہوئے آئے اور عرض کیا: اے محمد (ﷺ) اُذُنٌ بِاُذُنٍ اس کان کے بدلے یہ کان ہے یعنی ابوجہل نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کان زخمی کیا تو انہوں نے اس کے کان میں سوراخ کر دیا۔ (تفسیر روح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۴۷۶)

معلوم ہوا اللہ رب العزت اپنے پیارے محبوب ﷺ کے گستاخوں کو دنیا میں ہی پکڑ لیتا ہے۔ ابوجہل نے آپ کے بارے میں کہا تھا کہ معاذ اللہ میں انکا چہرہ خاک آلود کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے چہرے کو دنیا ہی میں خاک میں گھسیٹا، اور جہنم کی سزا الگ ہے۔

[7] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل آیا کہنے لگا، کیا میں نے تمہیں اس سے منع نہیں کیا؟ اس نے یہ تین بار کہا حضور ﷺ نے اس کی طرف رخ کر کے اسے ڈانٹ پلائی، وہ کہنے لگا کیا تم جانتے نہیں ہو کہ مکہ میں مجھ سے بڑا کسی کا گروہ نہیں؟ تب یہ آیات اتریں: فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اپنا گروہ لائے ہم اپنے زَبَانِيَةَ فرشتوں کو بلائیں گے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر وہ اس وقت اپنا گروہ لے کر آتا تو اللہ کی قسم! اللہ کے فرشتے زبانیہ اسی وقت اسے پکڑ لیتے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ العلق حدیث ۳۳۴۹)

زبانیہ وہ فرشتے ہیں جو کفار کو اٹھا اٹھا کر جہنم میں پھینکتے ہیں۔ (بغوی جلد ۷ صفحہ ۲۷۱)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب ﷺ! آپ ابوجہل کی کوئی بات نہ مانیں اور سجدہ کرتے رہیں اور اپنے رب کے قریب آتے رہیں۔

معلوم ہوا سجدہ انسان کو اللہ سے قریب کر دیتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے۔''

(مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۲۱۵، ترمذی کتاب الدعوات باب ۱۱۸)

یاد رہے لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ پر قرآن کا آخری سجدۂ تلاوت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿۱﴾ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ پر سجدہ کیا۔

(ترمذی کتاب الجمعہ حدیث ۵۷۳)

معلوم ہوا آیت سجدہ کے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ تلاوت لازم ہے۔ اسی لئے جب حضور ﷺ نے یہ آیات سجدہ پڑھیں تو آپ کے ساتھ صحابہ نے بھی سجدہ کیا۔

الحمدللہ آج 16 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 14 دسمبر 2008ء بروز اتوار بعد نماز عشاء مدینہ طیبہ میں میں نے اپنے ہوٹل میں سورہ علق کی تفسیر مکمل کی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو جیتے جی حاضری حرمین طیبین عطا فرمائے، اللہ رب العزت ہماری حاضری بھی اپنی رحمت سے قبول فرمائے۔ اور بار بار یہاں آنا نصیب فرمائے۔ میں نے روضہ رسول ﷺ پہ حاضر ہو کر بار بار درخواست کی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ مدینہ طیبہ میں رہائش کے اسباب عطا فرمائے۔ اور اسی ارض مقدس میں پیوند خاک کرے۔ آمین!

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ و صحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ القدر

سورۃ القدر ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 97ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 24ویں سورت ہے، جو عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ① کے بعد اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ① سے قبل نازل ہوئی۔ گویا یہ بھی مکہ مکرمہ میں اسلام کے ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورت ہے۔ چونکہ یہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ القدر کہتے ہیں۔

اس سورت میں ایک رکوع، 5 آیات، 30 کلمات اور 112 حروف ہیں۔

مضامین

اس کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل سورۃ العلق میں آغاز نزول قرآن کی بات کی گئی اور اس سورت میں بتایا جارہا ہے کہ ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔ گویا دونوں سورتوں کا مرکزی نقطۂ بیان نزول قرآن ہے، اس لیے دونوں کو باہم ملا کر قرآن میں رکھا گیا۔ البتہ سورۃ القدر میں اس کے ساتھ لیلۃ القدر کی فضیلت پہ بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس میں عبادت کا ثواب بتایا گیا ہے۔ پھر سورہ علق میں بتایا گیا کہ کفار کے لیے زبانیہ فرشتے اترتے ہیں اور سورۃ القدر میں فرمایا گیا کہ مومنوں کے لیے جبریل امین علیہ السلام اور دوسرے فرشتے لیلۃ القدر میں رحمت لیکر اترتے ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتہا ۵ ۹۷ سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ ۲۵ رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ

بے شک ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا [1] اور تم کیا جانو لیلۃ القدر کیا ہے لیلۃ القدر ہزار

خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ

مہینوں سے بہتر ہے [2] اس میں فرشتے اور روح امین (علیہ السلام) اپنے رب کے حکم سے

كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

ہر کام کے لئے اترتے ہیں [3] یہ رات سراپا سلامتی ہے طلوع فجر تک [4]

وقف النبی ﷺ ع ۲۲ الثالثة معانقة ۱۸

لیلۃ القدر کی اہمیت وعظمت

[1] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے یک بارگی آسمان دنیا پہ بیت العزۃ میں نازل فرمایا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے رسول اللہ ﷺ پر 23 برس میں نازل کیا۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۵۲)

قرآن کو اولاً آسمان دنیا پہ نازل کرنے کی حکمت شائد یہ ہے تاکہ فرشتے بھی اسے پڑھیں اور اس کے علوم و معارف سے آگاہ ہوں کیونکہ قرآن عالمین کے لئے ذکر ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (تکویر، ۲۷)

لَيْلَةُ الْقَدْرِ کی وجہ تسمیہ

لَيْلَةُ الْقَدْرِ کو لَيْلَةُ الْقَدْرِ کیوں کہتے ہیں؟ تو یاد رہے کہ قدر کے تین معانی ہیں:

اول: قدر بمعنی تقدیر، چونکہ اس رات میں بندوں کی ایک برس کی تقدیریں فرشتوں کو بتائی جاتی ہیں اس لئے اسے لَيْلَةُ الْقَدْرِ کہا گیا جیسا کہ آگے فرمایا گیا: تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ اگر کہا جائے کہ شب برأت کے بارے میں بھی کہا کہ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ کہ اس میں ہر حکمت والے کام کا

فیصلہ کیا جاتا ہے یعنی ایک برس کے فیصلے نمٹائے جاتے ہیں۔ (دخان، ۴) تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بغوی نے اس جگہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ رب العزت نصف شعبان کی رات (لیلۃ البرأت) میں سال بھر کے فیصلے فرماتا ہے اور لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ میں انہیں متعلقہ فرشتوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔ (تفسیر بغوی جلد ۶ صفحہ ۱۴۳)

اور لیلۃ البرآءۃ میں نزول قرآن کا یہ مفہوم ہے کہ اس میں قرآن کو علم الٰہی سے لوح محفوظ پر اتارا گیا یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآنی علوم کا اجمال اتارا گیا۔

دوم: قدر کا معنی مقام ومرتبہ، جیسے وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖۤ۔ (انعام، ۹۱) تو لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ کا معنی ہوا مرتبہ و مقام والی رات۔ اور بلاشبہ یہ رات بڑے مقام ومرتبہ والی ہے کہ اس میں بڑے مرتبے والے رسول پر بڑے مرتبے والی امت کے لئے بڑے مرتبے والی کتاب اتاری گئی۔

سوم: قدر کا معنی تنگ کرنا، جیسے وَمَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ ''جس پر روزی تنگ کر دی گئی۔'' (طلاق، ۷) تو لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ کا معنی ہوا تنگی والی رات، کیونکہ اس رات میں زمین پر اس قدر فرشتے اترتے ہیں کہ زمین ان کے لئے تنگ پڑ جاتی ہے، اس لیے بھی اسے لیلۃ القدر کہا گیا۔

[2] مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلی امتوں کے اعمال دکھائے گئے تو ان کے مقابلہ میں آپ کی امت کے اعمال بہت کم تھے کیونکہ پہلی امتوں کی عمریں لمبی تھیں اور عمل زیادہ تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیلۃ القدر عطا فرمائی جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ (موطاء امام مالک کتاب الصیام باب لیلۃ القدر صفحہ ۲۲۸)

یاد رہے ہزار مہینوں کے 83 برس بنتے ہیں، گویا جس نے لیلۃ القدر پالی اسے ہزار مہینوں کی عبادت کا ثواب مل گیا۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا جس نے اسلحہ پہن کر ہزار ماہ تک راہ خدا میں جہاد کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے بہت تعجب ہوا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری: اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۚ﴿۱﴾ الخ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۵۲ حدیث ۱۹۴۲۴)

گویا جس نے لیلۃ القدر پالی اسے ہزار ماہ تک راہ خدا میں مسلح جہاد کرنے سے بھی زیادہ ثواب مل گیا۔

خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ سے دور خلافتِ بنوامیہ کے مراد لینے کا رد

اس جگہ ترمذی میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ یہاں ہزار مہینوں سے بنوامیہ کا دور خلافت مراد ہے جو ہزار مہینے ہے۔ اس حدیث کو لے کر بعض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ہیں۔ مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ساتھ ہی فرمایا ہے اس کی روایت میں یوسف بن سعد مجہول شخص ہے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ القدر حدیث ۳۳۵۰)

تو ایسی مجہول روایت سے استدلال کا کیا معنی؟ پھر بنوامیہ کا دور خلافت ہزار مہینے نہیں گیارہ سو بیس ماہ ہے، کیونکہ انہوں نے 40ھ سے 133ھ تک خلافت کی یعنی 93 برس، جبکہ ہزار ماہ کے صرف 83 برس بنتے ہیں تو خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ

شَهْرٍ میں بنوامیہ کا دور خلافت کیسے مراد لیا جا سکتا ہے؟ پھر قرآن کا مفہوم یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے افضل ہے تو اس کا کسی خاص ہزار ماہ سے تعلق جوڑنے کا کیا معنی ہے؟ یقیناً یہ کسی مجہول شخص کی کارستانی ہے، ورنہ سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ جیسے عالم اور مردِ حق کی زبان سے ایسی جاہلانہ بات کیسے نکل سکتی ہے۔

[3] حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر لیلۃ القدر میں اللہ رب العزت تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو ندا فرماتا ہے کہ وہ ساکنان سدرۃ المنتہیٰ کے ساتھ زمین پر اُتریں۔ ان ساکنان سدرۃ المنتہیٰ فرشتوں میں سے ہر فرشتے کا دل مومنوں کے لئے محبت سے لبریز ہے تو یہ فرشتے لیلۃ القدر کو غروب آفتاب کے ساتھ ہی اتر آتے ہیں۔ پھر زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہتا جس پر فرشتہ نہ ہو تو وہ مومن مردوں عورتوں کے لئے دعا کرتے ہیں، کوئی مومن (جو اس وقت محوِ عبادت ہو) ایسا نہیں رہتا جس سے جبرائیل علیہ السلام مصافحہ نہ کریں اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے، دل نرم پڑ جاتا اور آنکھیں برس پڑتی ہیں، یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے مصافحہ کا اثر ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۵۳ حدیث ۱۰۴۲۸)

امام خازن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس رات فرشتوں کے اتارے جانے میں یہ حکمت ہے کہ فرشتوں نے تخلیق آدم سے قبل کہا تھا اے اللہ! تو زمین پر وہ لوگ پیدا کر رہا ہے جو فساد کریں گے اور خون بہائیں گے، تو اللہ تعالیٰ اس رات فرشتوں کو اتارتا ہے کہ دیکھو اللہ کے بندے کس طرح دعا و استغفار میں لگے ہوئے ہیں۔ لہٰذا فرشتے اتر کر انہیں سلام کہتے اور اپنی اس بات پر معذرت کرتے ہیں۔ (تفسیر خازن جلد ۷ صفحہ ۲۷۶)

[4] یعنی یہ غروب آفتاب سے طلوع فجر تک سراپا سلامتی ہے۔ تو کوشش کی جائے کہ یہ سارا وقت عبادت میں صرف ہو۔

لَيْلَةُ الْقَدْرِ کی فضیلت حدیث سے

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لیلۃ القدر رمضان کے آخری دس دنوں میں ہوتی ہے یہ طاق راتوں میں آتی ہے۔ اکیس، تئیس، پچیس، ستائیس یا انتیس کو، یا رمضان کی آخری رات کو، جس نے اس میں ایمان و اخلاص کے ساتھ قیام کیا اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیئے گئے۔ اس رات میں نہ سردی زیادہ ہوتی ہے نہ گرمی اور صبح سورج یوں نکلتا ہے کہ اس میں شعاع نہیں ہوتی، ایسے لگتا ہے کہ وہ چودھویں کا چاند ہو اس رات شیطان کو اجازت نہیں دی جاتی کہ سورج کے ساتھ طلوع کرے'' (ورنہ حدیث میں ہے کہ شیطان اپنے سینگ یوں سورج کے قریب کر دیتا ہے کہ لگتا ہے سورج اس کے سینگوں میں طلوع ہو رہا ہے) (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۲۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایمان و اخلاص کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام سابقہ گناہ مٹا دیئے گئے۔ اور جس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا اس کے تمام سابقہ گناہ مٹا دیئے گئے۔'' (صحیح بخاری کتاب فضیلۃ لیلۃ القدر حدیث ۲۰۱۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان کی فضیلت میں فرمایا کہ اس میں ایک رات

ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو اس سے محروم رہا وہ مکمل محروم ہے۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۲۰)

لَيْلَةُ الْقَدْر عموماً ستائیسویں رات کو آتی ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھایا گیا کہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری سات راتوں میں آتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے اسے آخری سات راتوں ہی میں دیکھا ہے تو تم اسے آخری سات راتوں میں ہی ڈھونڈو۔ (بخاری کتاب لیلۃ القدر حدیث 2015)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بوڑھا شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا کہنے لگا یا نبی اللہ میں بوڑھا آدمی ہوں مجھ پر (آخری عشرۂ رمضان کی) ہر رات قیام کرنا بہت مشکل ہے آپ مجھے کسی ایک رات کے قیام کا حکم فرمائیں جس سے اللہ میرے لئے لیلۃ القدر کا پالینا آسان کردے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علیك بالسابعة تم (آخری عشرہ کی) ساتویں رات کو پکڑلو۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۰)

مقصد یہ ہے کہ لیلۃ القدر اکثر ستائیس ہی کو آتی ہے۔

مشہور تابعی حضرت زر بن جیش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں کوئی شک نہ تھا کہ لیلۃ القدر (اکثر) ستائیسویں شب ہی میں آتی ہے۔ (درمنثور بروایت ابن ابی شیبہ جلد ۱۸ صفحہ ۵۷۸)

لَيْلَةُ الْقَدْر کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: لیلۃ القدر کے الفاظ اس سورۃ میں تین بار آئے ہیں اور ان الفاظ میں نوحروف ہیں چار لَيْلَةُ میں اور پانچ الْقَدْر میں اور نو کو تین سے ضرب دی جائے تو ستائیس بنتے ہیں یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات کو آتی ہے۔ (روح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۴۸۱)

حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کے غلام نے ان سے کہا: مجھے سمندر میں کشتی رانی کرتے ہوئے طویل عرصہ گزرا ہے۔ میں نے اس دوران ایک عجیب بات دیکھی ہے وہ یہ کہ ہر سال ایک رات ایسی آتی ہے جب سمندر کا پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ انہوں نے غلام سے فرمایا اس بار خیال رکھنا کہ وہ کون سی رات ہے اور مجھے آگاہ کرنا جب رمضان کی ستائیسویں رات آئی تو غلام نے سمندر کے پانی کو میٹھا پایا۔ (تفسیر عزیزی)

یہاں یہ اہم بات یاد رہے کہ ضروری نہیں جس کو لیلۃ القدر کی کوئی نشانی نظر آئے، اسے ہی لیلۃ القدر ملتی ہے اور جس نے کوئی نشانی نہیں دیکھی اس کو لیلۃ القدر نہیں ملی۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ جب لیلۃ القدر آئے تو جو شخص بھی اس رات محو عبادت ہو اس نے لیلۃ القدر پالی یعنی 83 برس کی عبادت کا ثواب پالیا، خواہ وہ کوئی نشانی دیکھے یا نہ دیکھے۔ اسی لئے اعتکاف جاری کیا گیا ہے کہ رمضان کی آخری دس راتیں مسلسل عبادت میں گزارو تاکہ لیلۃ القدر آئے تو بندہ اسے حالت عبادت میں پائے۔

لیلۃ القدر میں کون سی عبادت کرنی چاہیے

سب سے افضل اس میں تلاوت قرآن ہے کیونکہ اس رات میں قرآن اترا، تو قرآن کا پڑھنا ہی سب سے افضل

ہے اس کے علاوہ اس میں صلوٰۃ التسبیح پڑھنی چاہیے۔ صلوٰۃ التسبیح آج کل ستائیسویں رمضان کو مساجد میں باجماعت پڑھی جاتی ہے۔ امام اسماعیل حقی برسوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر اس میں تداعی نہ ہو تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔ اور تداعی یہ ہے کہ فرائض کی طرح اذان و اقامت کہی جائے۔ شرح النقایہ وغیرہ میں یہی لکھا ہے اور محیط میں نوافل میں امام کی اقتداء کو مطلقاً غیر مکروہ لکھا ہے۔ (روح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۴۸۳)

صلوٰۃ التسبیح یہ ہے کہ چار رکعات پڑھی جائیں ہر دو رکعت پر سلام کہا جائے۔ ہر رکعت میں ثناء کے بعد پندرہ بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھا جائے۔ پھر قراءت کے بعد دس بار، پھر رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بعد دس بار، پھر رکوع کے بعد کھڑے ہو کر دس بار، پھر پہلے سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد دس بار، پھر دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھ کر دس بار، پھر دوسرے سجدے میں دس بار یہی تسبیح پڑھی جائے، یوں چار رکعات پڑھی جائیں اور ان میں مجموعی طور پر 300 بار یہ تسبیح پڑھی جائے، یعنی ہر رکعت میں 75 بار۔

اس نماز کا اس قدر ثواب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے میرے چچا! اگر آپ سے ہو سکے تو یہ نماز تسبیح روزانہ پڑھو، نہیں تو ہفتہ میں ایک بار، نہیں تو مہینہ میں ایک بار، نہیں تو سال میں ایک بار، نہیں تو عمر میں ایک بار ضرور پڑھو اور جس نے یہ نماز ایک بار پڑھی اللہ نے اس کے اگلے پچھلے چھوٹے بڑے، نئے پرانے علانیہ خفیہ سب گناہ معاف کر دیئے۔'' (ابن ماجہ کتاب الاقامہ باب ۱۹۰ حدیث ۱۳۸۶)

عظمتِ قرآن کریم

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر کی فضیلت کا سبب اس میں قرآن کا نزول ہے۔ معلوم ہوا قرآن سے جس چیز کی نسبت ہو جائے وہ چیز عظمت پا لیتی ہے۔ اسی لئے قرآن جس رات میں آیا وہ سب راتوں سے افضل، قرآن جس ماہ میں آیا وہ سب مہینوں سے افضل، قرآن جن شہروں میں اترا وہ سب شہروں سے افضل اور جس نبی پہ اترا وہ سب انبیاء سے افضل ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے، تو جو فضیلت اللہ کو اس کی مخلوق پر ہے وہی فضیلت کلام خداوندی کو ہر دوسرے کلام پر ہے۔ پہلی کتابیں بھی اللہ ہی کا کلام تھا، مگر ان کا نزول کچھ وقت کے لیے تھا، کیونکہ ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب اتر رہی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظتی ذمہ داری خود نہ لی بلکہ لوگوں کے سپرد کر دی۔ جیسے قرآن مجید میں تورات کے بارے میں ہے: بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ. ''ان لوگوں سے کتاب اللہ کی حفاظت طلب کی گئی۔'' (مائدہ، ۴۴) مگر قرآن کے بارے میں کہا گیا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹ ''بیشک ہم نے قرآن اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' (حجر، ۹)

قرآن کریم کی چند خصوصیات

اول: قرآن کی مثال لانا ناممکن ہے۔

قرآن کلام الٰہی ہے، کفار کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معاذ اللہ اپنی طرف سے بنایا ہے۔ تو اللہ رب العزت نے منکرین کو قرآن میں چیلنج کیا کہ تم بھی قرآن جیسی کتاب لاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تمام جن وانس مل کر قرآن جیسی کتاب لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے۔ (بنی اسرائیل، ۸۸) پھر اللہ تعالیٰ نے مزید نرمی کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن جیسی دس سورتیں ہی بنا کر لاؤ۔ (ہود، ۱۳) جب منکرین دس سورتیں بھی نہ لا سکے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم قرآن جیسی ایک سورت ہی بنا کر لاؤ اور اپنے جتنے مددگار بلا سکتے ہو، بلالاؤ مگر تم ایسا کبھی نہیں کر سکو گے۔ (بقرہ، ۲۳) مگر چودہ صدیوں سے زیادہ زمانہ گزر گیا اور کوئی شخص قرآن جیسی ایک سورت نہ لا سکا اور نہ قیامت تک لا سکے گا۔

دوم: قرآن سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب قرآن کے برابر نہیں پڑھی جاتی، بلکہ بعض علماء کے نزدیک لفظ قرآن کا معنی ہی یہ ہے کہ وہ کتاب جو کثرت سے پڑھی جاتی ہے، کیونکہ یہ قرأ سے مشتق ہے۔ قرآن اس لیے سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا فرض کیا گیا ہے۔ اب ایک دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور چوبیس گھنٹوں میں سے ہر گھنٹہ میں دنیا کے مختلف ممالک میں پانچوں نمازیں بیک وقت پڑھی جاتی ہیں، مثلاً جس وقت پاکستان میں نماز ظہر ادا ہوتی ہے، بنگلہ دیش میں اسوقت عصر کا وقت ہوتا ہے، جاپان میں اس وقت مغرب ہوتی ہے اور آسٹریلیا میں عشاء، جبکہ کنیڈا میں اس وقت فجر کا وقت ہوتا ہے، گویا بیک وقت دنیا کے مختلف اطراف میں کروڑوں لوگ نماز پڑھتے ہیں اور نماز میں قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔

دنیا میں اس وقت دو ارب کے قریب مسلمان ہیں اگر ہر سو میں سے دس مسلمان نمازی ہوں تو گویا بیس کروڑ مسلمان ہر وقت نماز اور تلاوت قرآن میں مشغول ہیں۔ بتاؤ اس کے سوا کونسی کتاب ہے جو ہر وقت بیس کروڑ کے قریب انسانوں کی زبان پہ ہر وقت جاری ہو؟

سوم: قرآن کا یاد کرنا آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ''ہم نے قرآن کا یاد کرنا آسان کر دیا ہے۔'' (قمر، ۱۷) اور بلاشبہ آج اگر ہر سو میں سے ایک مسلمان کو حافظ قرآن مانا جائے تو دو ارب مسلمانوں میں سے دو کروڑ مسلمان حافظ قرآن نکلتے ہیں۔ بتاؤ اس کے سوا کونسی کتاب ہے جس کے اس قدر حفاظ ہیں؟ یہ قرآن کریم کا عظیم الشان معجزہ ہے، سات آٹھ برس کے بچے پورا قرآن حفظ کر لیتے ہیں۔

چہارم: قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے قرآن اتارا ہے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (حجر، ۹) چنانچہ پہلی آسمانی کتابوں میں ایسی تبدیلیاں کر دی گئیں کہ آج کسی کو معلوم نہیں کہ ان میں کیا اترا تھا اور اب کیا ہے؟ مگر قرآن کریم کے تیس

پاروں میں کسی زبر زیر میں بھی آج تک فرق نہیں آیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی کتابیں تھوڑے عرصہ کے لیے اترتی تھیں، جبکہ قرآن کو تا قیامت ہدایت بنا کر اتارا گیا ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود اٹھایا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد 14 میں اس بات کا انگریز محققین نے بھی اعتراف کیا ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

پنجم: قرآن کریم کی تلاوت سے اکتاہٹ نہیں ہوتی۔

دنیا کی کوئی کتاب جب ایک بار پڑھ لی جائے تو اسے دوبارہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا، مگر قرآن کریم کو ایک مومن ساری زندگی بار بار پڑھتا رہتا ہے، مگر اسے اُکتاہٹ نہیں ہوتی، بلکہ لطف وسرور میں اضافہ ہوتا ہے۔ گویا اگر مومن کو کئی ہزار برس عمر دی جائے تو بھی اس کے ضمیر میں لذت تلاوت قرآن تازہ رہے گی۔ گویا قرآن کریم کا پڑھنا ہر بار نیا لطف وسرور پیدا کرتا ہے۔

ششم: قرآن سب سے پر اثر کتاب ہے۔

قرآن کریم کا سمجھ کر پڑھنا دلوں پہ جس قدر تیزی سے اثر کرتا ہے اور جذبات میں طوفان لاتا ہے ایسی تاثیر دنیا کی کسی آسمانی یا غیر آسمانی کتاب میں نہیں ہے۔ آج بھی قرآن کو پڑھ کر سینکڑوں ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ امریکہ میں 11 ستمبر کے واقعہ کے بعد اسلام اور قرآن کو بہت زیادہ بدنام کیا گیا، مگر جس قدر تیزی سے اسلام وہاں اس واقعہ کے بعد پھیلا ہے اتنا پہلے کبھی نہیں پھیلا تھا۔ قرآن کی ایک تلاوت نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کایا پلٹ کر رکھدی، اس کی ایک تلاوت نے نجاشی شاہ حبشہ کو زار زار رونے اور ایمان لانے پہ مجبور کر دیا۔

قرآن کریم کی مزید خصوصیات بھی ہیں، مگر یہاں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں۔ چونکہ لیلۃ القدر میں عموماً مساجد میں ختم قرآن کی تقریبات ہوتی ہیں جن میں علماء کرام عظمت قرآن پہ گفتگو کرتے ہیں، اس لیے میں نے لیلۃ القدر کی فضیلت کے ساتھ عظمت قرآن پہ کچھ روشنی ڈال دی ہے۔

مفسر کے قلم سے لکھی ہوئی عظمت قرآن پہ ایک خوبصورت نظم

یہاں میں عظمت قرآن پہ لکھی ہوئی اپنی ایک منقبت قرآن تحریر کرنا چاہتا ہوں جو اپنے موضوع پہ ایک پر تاثیر نظم ہے:

جیسے خالق کی مخلوق پر شان ہے — سب کلاموں میں ایسے ہی قرآن ہے
میرے رب کا ہے یہ ایسا برحق کلام — اس کے ہر حرف پر میرا ایمان ہے
اس کے ناطق نے اس کو دیا ہے دوام — اس سے بڑھ کر نہیں کوئی سچا کلام
اس کی ہر بات لاریب و بے عیب ہے — یہ میرے دین وایمان کی جان ہے
صدیوں وحی خدا کو نکھارا گیا — سب سے آخر میں اس کو اتارا گیا

تا ابد اس کو حق نے ہے نازل کیا
ایسا پر نور یہ قول رحمان ہے

ہے یہ ذکر شجر ہے یہ ورد حجر
یہ ہے محفوظِ تحریفِ دست بشر

شان میں اس کی اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْن
اس کا حافظ تو خود رب سبحان ہے

مومنو اس کے پڑھنے کی عادت کرو
ہے یہ قول خدا اس سے الفت کرو

اس کا ہر لفظ مولا نے نازل کیا
اس کے ہر حرف پر جان قربان ہے

مطلقاً اس سے منہ موڑ بیٹھے ہیں ہم
اس کے پڑھنے کو ہی چھوڑ بیٹھے ہیں ہم

ہے خدا کا یہ اک تحفۂ لازوال
پھر یہ کس قدر غفلت ہے نسیان ہے

بعض قرآن کو کھولتے ہی نہیں
طاق میں ہے پڑا گرد اس پہ جمی

اہل خانہ کو ٹی وی سے فرصت نہیں
ہائے کس قدر غافل مسلمان ہے

اس کے ہر حرف پر نیکیاں دس ملیں
دس خطائیں مٹیں دس ہی درجے بڑھیں

کیسی طیب ملی ہم کو اعلیٰ کتاب
ہم پہ کس قدر مولا کا احسان ہے

امتِ محمدیہ کی فضیلت

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر امت محمدیہ ہی کو عطا کی گئی کیونکہ قرآن امت محمدیہ کو دیا گیا ہے تو لیلۃ القدر بھی اس امت ہی کو دی گئی ہے۔ اور پیچھے احادیث گزر چکی ہیں کہ پہلی امتوں کو طویل عمریں دی گئیں اور ان کے اعمال زیادہ تھے، جبکہ امت محمدیہ کی عمریں کم تھیں اور اعمال تھوڑے تھے تو اس لیے امت محمدیہ کو لیلۃ القدر دی گئی اور اس کا ثواب 83 برس کی عبادت سے زیادہ رکھا گیا تو اس سے امت محمدیہ کی فضیلت بھی عیاں ہے کہ انہیں تھوڑے وقت میں زیادہ اجر دیا گیا۔ اور یہ سب صدقہ ہے محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا، کہ جب انہوں نے پہلی امتوں کی طویل عمریں اور لمبے اعمال دیکھے تو اپنی امت کے لیے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے صدقے امت کی بگڑی سنوار دی۔

رات کی فضیلت دن پر

یہ بھی معلوم ہوا کہ رات کو دن پر شرف حاصل ہے کہ اس کی عبادت کا درجہ بڑھایا گیا کیونکہ رات کو عبادت کے لئے نیند اور آرام کو قربان کرنا پڑتا ہے اور اللہ رب العزت قربانی اور حسن نیت دیکھتا ہے۔

الحمد للہ آج 16 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 14 دسمبر 2008ء بروز اتوار رات گئے مدینہ طیبہ میں سورۃ القدر کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمدٍ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم اجمعین۔

سورۃ البینہ

سورۃ البینہ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 98ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 18ویں سورت ہے، جو قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ سے قبل اور قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ کے بعد نازل ہوئی۔ گویا یہ مکی دور کے آغاز میں نازل ہونے والی سورت ہے، چونکہ یہ سورت لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ۝۱ سے شروع ہوئی اور الْبَیِّنَةُ کا لفظ قرآنِ مجید میں اسی سورت میں ہے تو اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ البینہ رکھ دیا گیا۔

اس سورت میں ایک رکوع، 7 آیات، 93 کلمات اور 399 حروف ہیں۔

اس سورت کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل سورۃ القدر میں قرآن کا لیلۃ القدر میں نزول بیان کیا گیا اور اس سورت میں یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ ۝۳ کہہ کر قرآن کی عظمت بیان کی گئی ہے اور قرآن کی تلاوت پہ لوگوں کو ابھارا گیا ہے۔ علاوہ ازیں سورۃ القدر میں اہل ایمان پہ فرشتوں کا نزول بتایا گیا اور سورۂ بینہ میں اہل ایمان کو ساری مخلوق سے افضل قرار دیا گیا، اس میں اشارہ ہے کہ قرآن پہ عمل کرنا انسان کو تمام مخلوق سے افضل بنا دیتا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۸ ۹۸ سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۰ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ

کفر کرنے والے اہل کتاب اور مشرکین (اپنے کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک ان کے پاس

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ۝۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ۝۲ فِيْهَا

واضح دلیل نہ آ جائے یعنی اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھتا ہے۔

كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝۳ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا

جن میں راست باتیں لکھی ہوئی ہیں۔[1] اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی انہوں نے اس میں اختلاف نہ کیا مگر بعد ازاں کہ

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۴ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ۝

ان کے پاس واضح دلیل آ گئی تھی حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لئے دین کو خالص رکھ کر،

حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵

ہر باطل سے منہ موڑتے ہوئے اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی راست بازی کا دین ہے [2]

اہل کتاب اور مشرکین کے لئے خصوصی درس ہدایت

[1] یعنی کافر قومیں خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین وہ اپنے دین کو چھوڑ کر اسلام کی طرف آنے والے نہ تھے جب تک ان کے پاس واضح دلیل نہ آ جائے۔ تو اللہ نے وہ دلیل بھیج دی، اس طرح کہ اللہ کے رسول ﷺ لوگوں پر ان پاک صحیفوں (سورتوں) کی تلاوت کرتے ہیں جن میں بہت سچی تحریریں یعنی ٹھوس احکام ہیں۔ صُحُف صحیفۃ کی جمع ہے جس کا معنی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت نامہ ہے اور قرآن کی سورتوں کو صحیفے اس لئے کہا گیا کہ قرآن کی ہر سورت ایک مستقل ہدایت نامہ ہے اسی لئے فرمایا گیا: فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝۳ اور كُتُبٌ كتابٌ کی جمع ہے جس کا معنی تحریر

ہے۔اور قَيِّمَةٌ کا معنی مضبوط اور مستقیم ہے یعنی قرآنی سورتوں میں سے ہر ایک میں ٹھوس تحریریں اور مضبوط احکام ہیں۔

حضور سید عالم ﷺ عظمتِ الوہیت کی دلیل ہیں

تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ کہہ کر بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ (عظمت الوہیت، صداقت قرآن اور حقانیت اسلام کی) دلیل ہیں، اسی لئے آپ ﷺ نے اپنے دین کی صداقت پر اپنی ذات کو بطور دلیل پیش کیا اور فرمایا: فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ یعنی میں تم میں اس سے قبل بڑے وقتوں سے رہ رہا ہوں کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ (یونس،۱۶) یعنی کیا تم نے کبھی میری ذات میں کوئی عیب دیکھا تو پھر تم میری دعوت میں کیوں شک کرتے ہو۔اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو برہان قرار دیا، فرمایا: قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔ (نساء،۱۷۴)

عظمت قرآن

قرآن کو پاک صحیفے قرار دیا گیا جن میں ٹھوس احکام ہیں۔قرآن کو صحیفے اس لئے کہا گیا کہ پہلے انبیاء کو صحائف دیئے جاتے تھے نبی اکرم ﷺ کو قرآن دیا گیا جس کی ہر سورت ایک مستقل صحیفہ ہے۔گویا آپ کو ایک سو چودہ صحائف دیئے گئے۔اسی لئے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے تورات کے بدلے سبع طوال (سات لمبی سورتیں) دی گئیں، زبور کے بدلے مئین (سو سے زائد آیات والی سورتیں) دی گئیں، انجیل کے بدلے مثانی دی گئیں اور مفصل سورتوں کے ساتھ مجھے سب پر فضیلت دی گئی۔ (مسند ابوداؤد طیالسی جلد ۲ صفحہ ۵۹ کتاب فضائل القرآن حدیث ۱۰)

یاد رہے بقرہ سے انفال تک سات لمبی سورتیں ہیں، برأت سے حم سجدہ تک مئین ہیں، احزاب سے حجرات تک مثانی ہیں اور قٓ سے آخر قرآن تک سورتوں کا نام مفصل ہے۔

قرآن مجید کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً کہہ کر بتایا گیا کہ قرآن کو بے وضوء ہاتھ لگانا قرآن کی طہارت کے خلاف ہے۔چنانچہ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ (واقعہ،۷۹) کے تحت ہم اس موضوع پر صریح احادیث لکھ آئے ہیں کہ قرآن کو بے وضوء مس کرنا جائز نہیں۔وہاں دیکھ لیں۔آج بعض اہل حدیث قرآن کو بے وضو پکڑنے کی اجازت دیتے ہیں۔یہ قطعی غلط ہے، احادیث کے خلاف ہے، اس کے علاوہ اس میں قرآن کے بارہ میں قلتِ احترام بھی ہے۔

اہل کتاب کا حکم مشرکین والا نہیں ہے

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ کہہ کر بتایا گیا کہ اہل کتاب کا حکم مشرکین سے الگ ہے اگرچہ ان کے عقائد مشرکانہ ہیں مگر چونکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام، جنت و نار، روز قیامت اور ملائکہ وغیرہ کو مانتے ہیں اس لئے دیگر مشرکین سے ان کا حکم الگ ہے۔اسی لیے کتابیہ عورتوں سے نکاح حلال ہے اگرچہ نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔لہٰذا جو شخص کتابیہ عورت سے نکاح

کرلے اس کی اولاد کا اس سے نسب ثابت ہے اور ان کا ذبیحہ حلال ہے، بشرطیکہ اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

[2] یعنی اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا قرآن اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت سے اختلاف محض ضد کی بناء پر ہے ورنہ ان کے پاس ان کی صداقت کی کھلی دلیل آچکی ہے یعنی ان کی کتابوں میں حضور ﷺ کے بارے میں واضح پیش گوئیاں موجود ہیں اور انہوں نے آپ کو یوں پہچان لیا جیسے وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔ (بقرہ، ۱۴۶) اور وہ آپ کی آمد سے قبل آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کیا کرتے تھے۔ (بقرہ، ۸۹) حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کے ہر حکم پر سر بندگی جھکا دو اور ہر باطل سے دور ہو جاؤ اور ایمان لانے کے بعد نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور یہی راست بازی کا دین ہے۔ مگر انہوں نے ان باتوں پہ کچھ توجہ نہ دی۔

یہاں سے دین میں نماز اور زکوٰۃ کی اہمیت معلوم ہوئی کہ گزشتہ امتوں کو بھی امت محمدیہ کی طرح ایمان کے بعد نماز وزکوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ''اور ہم نے انبیاء سابقین کو نیک کام کرنے، نماز قائم کرنے، اور زکوٰۃ دینے کے بارے میں وحی کی۔'' (انبیاء، ۷۳) اور امت محمدیہ سے بھی آغاز قرآن میں فرمایا گیا: اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ (بقرہ، ۳)

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے (تادم آخر) کفر کیا وہ نار جہنم میں ہوں گے۔ وہاں ہمیشہ رہیں گے

فِیْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

وہ لوگ سب سے بدتر مخلوق ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں

اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ﴿۷﴾ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ

وہ سب سے بہتر مخلوق ہیں [3] ان کی جزا ان کے رب کے ہاں ہمیشگی کے باغات ہیں جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے

عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾ ع

راضی ہوئے، یہ جزا اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے [4]

ع ۱ / ۸ / ۲۲

[3] یعنی جو لوگ کفر پہ مر جائیں خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین، وہ اللہ کے ہاں ساری مخلوق سے بدتر ہیں کیونکہ ہر

چیز وہ تسبیح اور عبادت کر رہی ہے جو اسے اللہ نے دی ہے: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (جمعہ ۱) اور وہ اپنے رب کے حکم سے ذرہ برابر سرکشی نہیں کرتی۔ مگر جب انسان اللہ کی کتابوں اور اس کے رسولوں سے انکار کرتا ہے تو اللہ کے ہاں ہر چیز سے بدتر ٹھہرتا ہے اس کے برعکس جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ البریۃ بَرَأَ يَبْرَئُ بمعنی پیدا کرنا سے ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ کا نام الباریٔ ہے یعنی پیدا کرنے والا تو الْبَرِيَّةِ بمعنی المخلوق ہے۔

کفار اللہ تعالیٰ کے ہاں کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہیں

اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ سے معلوم ہوا کہ کفار ساری مخلوق سے حتیٰ کہ کتوں، خنزیروں اور بچھوؤں سے بدتر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی میں ہر جانور کا جوڑا سوار کر لیا (اس میں کتے بلے خنزیر بھی شامل ہیں) مگر کسی کافر کو سوار نہ کیا حتیٰ کہ اپنے کافر بیٹے کو بھی سوار نہ کیا۔ اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کوئی جانور ایک لمحہ کے لئے بھی دوزخ میں نہ جائے گا اور کوئی کافر ایک لمحہ کے لئے بھی دوزخ سے نکالا نہ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان اور عمل ہی معیارِ فضیلت ہے نسب نہیں

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت کا معیار ایمان اور عمل صالح ہے نہ کہ نسب وقبیلہ یا زبان ورنگ۔ جو شخص مومن وصالح ہے وہی اللہ کے ہاں بہتر ہے خواہ وہ کسی نسب وقبیلہ سے ہو یا کسی رنگ وزبان کا حامل ہو۔ دوسری جگہ فرمایا گیا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۭ ''تم میں اللہ کے ہاں معزز تر وہ ہے جو تم میں زیادہ ڈرنے والا ہے۔'' (حجرات، ۱۳) مگر افسوس آج ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو حجام ترکھان اور موچی کہہ کر حقیر جانتے ہیں اور بچوں کی شادی کے لئے سب سے پہلے قبیلہ دیکھتے ہیں کئی بچیاں قبیلے میں رشتہ نہ ملنے کے سبب بوڑھیاں ہو گئیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی افغان بھی ہو — تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں — کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟
حرم کعبہ بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک — کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

بندۂ مومن کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں ملائکہ وکعبہ سے برتر ہے

جب مومن کو خَيْرُ الْبَرِيَّةِ کہا تو اس میں ملائکہ بھی آ گئے اور کعبہ بھی آ گیا اور حدیث میں اس کی صراحت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم فرشتوں کے مرتبہ پر تعجب کرتے ہو اس رب کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے روز قیامت بندۂ مومن کا مقام اللہ کے ہاں فرشتوں سے بلند تر ہوگا۔''

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۵۴ حدیث ۱۹۴۳۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طواف کعبہ کرتے دیکھا۔آپ فرمارہے تھے اے کعبہ! تو کتنا عمدہ ہے تیری خوشبو کیا پیاری ہے۔تو کتنا عظیم ہے تیری حرمت کیا بلند ہے مگر اس رب کی قسم جس کے قبضہ میں میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے بندۂ مومن کی حرمت اللہ کے ہاں تیری حرمت سے بلند تر ہے۔

(ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۲ حدیث ۳۲۳۲)

[4] ایمان اور عمل صالح والوں کی جزاء ہمیشگی کے باغات ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔اللہ ان کے عمل سے راضی ہوا اور وہ اللہ کی تقدیر پر راضی ہوئے یعنی انہوں نے اپنی رضا کو مولیٰ کی رضا میں گم کر دیا اور یہ مرتبہ انہی کو ملتا ہے جو اپنے رب سے ڈریں۔کیونکہ اللہ کا خوف ہی انسان کو گناہوں سے دور اور اللہ کے قریب کرتا ہے۔

اے علی تم اور تمہارے شیعہ جنتی اور سب مخلوق سے بہتر ہیں، موضوع حدیث ہے

اس جگہ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ کے تحت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے چند روایات لکھی ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا علی انت و شیعتك فی الجنة۔ اے علی! تم اور تمہارے شیعہ جنت میں جائیں گے اور فرمایا کہ علی اور اس کے شیعہ ہی روز قیامت کامیاب ہیں وہ اللہ سے راضی ہیں اللہ ان سے راضی ہے اور وہی سب مخلوق سے بہتر ہیں۔

(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۵۸۹)

ان روایات کی کچھ بھی وقعت اور قیمت نہیں ہے۔ان کے چند جوابات پیش خدمت ہیں:

اول: امام سیوطی نے ان روایات کی کوئی سند نہیں لکھی اور ان کا طریقہ ہے کہ وہ ہر رطب و یابس جمع کر دیتے ہیں اور صحیح وسقیم کے درمیان فرق کرنا محققین پر چھوڑ دیتے ہیں۔تو ایسی بے سند روایات جن کے بارے میں کچھ علم نہیں کہ ان کے راوی کون ہیں، کی پرکاہ کے برابر حیثیت نہیں۔

دوم: ہم نے کتب حدیث اور کتب رجال کو اس بارے میں کافی کھنگالا ہے، ہمیں اس مفہوم کی تمام احادیث موضوع و باطل نظر آئی ہیں۔ چنانچہ خطیب اور ابن عدی نے شعبی کی روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا: انت وشیعتك فی الجنة، تم اور تمہارے شیعہ جنت میں ہیں۔

(تاریخ بغداد جلد ۱۲ صفحہ ۲۸۹، ابن عدی جلد ۷ صفحہ ۲۶۶۹)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ خود ہی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: موضوع سوار لیس بثقة وجمیع کذاب یضع، یہ حدیث موضوع ہے، اس کا ایک راوی سوار ضعیف ہے۔ایک اور راوی جمیع (بن عمر بصری) کذاب ہے، خود حدیثیں گھڑتا ہے۔(اللؤ الی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ جلد اول صفحہ ۳۴۵ مطبوعہ مرکز اہل السنہ گجرات انڈیا)

اسی حدیث کے بارے میں امام ابن جوزی فرماتے ہیں: هذا حدیث لا یصح وسوار لیس بثقة قال ابن نمیر جمیع من اکذب الناس وقال ابن حبان کان یضع الحدیث، یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور سوار ثقہ

نہیں ہے اور تمیع سب لوگوں سے بڑھ کر جھوٹا ہے۔ (الموضوعات جلد اول صفحہ ۳۹۷ مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

ابن مردویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری مثال درخت جیسی ہے، میں اس کی جڑ ہوں، علی اس کی شاخ ہے، حسن وحسین اس کا پھل ہیں، اور شیعہ اس کے پتے ہیں تو پاک درخت سے پاک چیزیں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں امام ابن حبان نے فرمایا: اس حدیث کا راوی عباد بن یعقوب رافضی مبلغ ہے اور مشہور راویوں کی طرف منکر روایات کو منسوب کرتا ہے۔ (الموضوعات جلد اول صفحہ ۳۹۷)

طبرانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا: اے علی! تم اور تمہارے شیعہ اللہ کے پاس یوں حاضر ہوگے کہ اللہ تم سے راضی ہوگا تم اس سے راضی ہوگے۔ اور اللہ کے حضور تمہارے دشمن یوں آئیں گے کہ ان کے ہاتھ ان کی گردنوں کے پیچھے بندھے ہونگے اور اللہ ان پہ غضب ناک ہوگا۔ امام طبرانی فرماتے ہیں اس حدیث کو ابوطفیل سے صرف جابر جعفی نے روایت کیا ہے۔ (طبرانی اوسط جلد ۳ صفحہ ۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور جابر جعفی کو ہم خوب جانتے ہیں۔ امام ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ امام شعبی نے جابر جعفی کی باتیں سن کر اسے کہا تھا: تم مرو گے نہیں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹی حدیثیں نہ منسوب کرو، تو ایسے ہی ہوا۔ کلبی نے کہا: واللہ جابر جعفی کذاب تھا وہ رجعت پہ ایمان رکھتا تھا (رجعت شیعی عقیدہ ہے کہ سب ائمہ اہل بیت واپس دنیا میں آئیں گے) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں اپنی زندگی میں جابر جعفی سے بڑے کسی کذاب سے نہیں ملا، امام نسائی نے فرمایا: یہ شخص متروک الحدیث ہے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: میں نے جابر جعفی سے ایسی باتیں سنیں کہ مجھے یوں لگا جیسے یہ چھت ہم پہ آگرے گی۔ اور امام عجلی نے فرمایا جابر جعفی غالی شیعہ ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ ۳۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

الغرض اس مفہوم کی تمام روایت موضوع و باطل ہیں۔

سوم: شیعانِ علی کا معنی ہے حضرت علی کے مددگار اور پیروکار لوگ۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اگر ان احادیث کو درست بھی مان لیا جائے تو ان کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سچے پیروکار ہوں اور ان کے ارشادات پر عمل کریں وہ جنت میں جائیں گے۔ مگر جو لوگ ان کی تکذیب کریں ان سے ہٹ کر چلیں وہ شیعانِ علی نہیں بلکہ دشمنانِ علی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں فرمایا: ولعمری ان مقامهما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بهما فی الاسلام لجرح شدید رحمهما الله وجساهما احسن الجزاء۔ میری عمر کی قسم! اسلام میں ابوبکر و عمر کا مرتبہ عظیم ہے۔ اور ان کا دنیا سے جانا اسلام کے لئے عظیم صدمہ ہے اللہ ان پر رحم فرمائے اور انہیں بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ (شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید جلد ۴ صفحہ ۳۶۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی خط مشہور شیعہ مورخ نصر بن مزاحم نے بھی نقل کیا ہے، دیکھیے وقعۃ صفین صفحہ 89 مطبوعہ مکتبہ

آیۃ اللہ عظمی قم۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو والی مصر بنا کر بھیجا تو اہل مصر کے نام یہ سرکاری پیغام بھی روانہ کیا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں نے دو صالح مردوں کا انتخاب کیا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔ انہوں نے اللہ کی کتاب پر عمل کیا اور اچھی سیرت اپنائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے تجاوز نہ کیا پھر وہ فوت ہو گئے اللہ ان دونوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ (ناسخ التواریخ زندگانی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جلد دوم صفحہ ۲۴۱ مطبوعہ تہران)

اہل تشیع کے پہلے راویوں میں سے جو بقول شیعہ ائمہ اہل بیت سے ملے ہیں، ایک نصر بن مزاحم منقری متوفی 212ھ بھی ہے، وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک خطبہ نقل کرتا ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا ذکر کیا پھر فرمایا: ثم استخلف الناس ابا بکر واستخلف ابوبکر عمر واحسنا السیرة وعدلا فی الامة وقد وجدنا علیهما ان تواليا الامر دوننا ونحن آل الرسول واحق بالامر فغفرنا ذالك لهما۔ پھر لوگوں نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنایا، اور ابو بکر نے عمر کو خلافت دیدی اور دونوں نے اچھی سیرت اپنائی اور لوگوں میں عدل قائم کر کے دکھا دیا۔ ہمیں ان پہ یہ شکوہ تھا کہ انہوں نے ہم سے مشورہ کیے بغیر خلافت سنبھال لی حالانکہ ہم آل رسول تھے اور خلافت کے زیادہ حقدار تھے، تو ہم نے (ان کے حسن سیرت اور قیام عدل کی وجہ سے) ان سے درگزر کر دیا۔

(وقعۃ صفین صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ قم)

گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واضح کر دیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ کے اجماعی فیصلے سے خلیفہ بنے اور یہ کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے سنت نبوی کے مطابق حکومت کی اور عدل وانصاف کا بہترین نمونہ پیش کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کے بارے میں اگر کوئی شکوہ تھا بھی تو وہ ختم ہو گیا۔

مگر جو لوگ خود کو شیعان علی کہتے ہیں وہ حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو اور ان کی بیعت کرنے والے صحابہ کو گالیاں دیتے اور انہیں کافر و منافق اور مرتد قرار دیتے ہیں معاذ اللہ، مثلاً وہ امام زین العابدین کی طرف یہ جھوٹا اور غلیظ قول منسوب کرتے ہیں کہ جس نے ''فلاں اور فلاں'' شخص کے لئے اسلام میں کوئی حصہ سمجھا اس سے روز قیامت اللہ کلام نہیں کرے گا۔ (بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۲۰۹، تفسیر عیاشی جلد اول صفحہ ۱۷۸)

یہاں فلاں اور فلاں سے کون مراد ہے یہ ہر ادنیٰ فہم کا شخص جانتا ہے کہ اس سے اہل تشیع حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو مراد لیتے ہیں اور بطور تقیہ ان کا نام ذکر نہیں کرتے۔

مشہور شیعہ مورخ و سیرت نگار سید نعمت اللہ جزائری لکھتا ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا جب امام مہدی ظاہر ہو گا تو مدینہ طیبہ آئے گا اور پوچھے گا کہ ابو بکر و عمر کو میرے جد اعلیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیوں دفن کیا گیا؟ لوگ کہیں گے کہ وہ آپ کے سسر اور خلیفہ تھے، وہ حکم دے گا کہ ان کی قبریں کھود کر انہیں باہر نکالو، پھر وہ ان کے جسموں کو سولی پر لٹکا دے گا

(معاذ الله) پھر وہ ان کو زندہ کر کے ان سے ان کے ہر جرم کا اقرار کروائے گا پھر وہ حکم دے گا کہ ان دونوں کو ہر دن اور رات میں ہزار بار قتل کیا جائے اس کے بعد انہیں اشد العذاب کی طرف لوٹا دیا جائے گا (معاذ الله ثم معاذ الله)

(انوار نعمانیہ جلد ۲ صفحہ ۸۶ مطبوعہ تہران)

تو خلفاء راشدین کے بارے میں جن لوگوں کا یہ عقیدہ و نظریہ ہے، بتایئے وہ شیعان علی ہیں یا دشمنان علی؟ شیعان علی وہ ہو سکتے ہیں جو خلفاء راشدین امہات المؤمنین اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سچی عقیدت و محبت رکھیں۔ اللہ سب کو راہ حق پر چلائے۔آمین

چہارم: اسی لیے کتب اہل سنت میں بعض ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن میں جہاں شیعان علی کو جنتی کہا گیا ہے وہاں رافضیوں کو جہنمی اور واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ خاتون جنت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: هذا في الجنة وان من شيعته من يلفظون الاسلام يرفضونه لهم نبز يسمون الرافضة من لقيهم فليقتلهم فانهم مشركون رواه الطبراني ورجاله ثقات، یہ آدمی جنتی ہے اور اس کے شیعہ میں سے (اس کے پیروکاروں میں سے) وہ لوگ بھی آئیں گے جو اسلام کو ترک کر دیں گے ان کی نشانیاں ہونگی، ان کو رافضی کہا جائے گا، جو انہیں ملے انہیں قتل کرے وہ مشرکین ہیں۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۲۵ کتاب الفضائل باب فی سب الصحابة مطبوعہ موسسة المعارف بیروت)

(نوٹ) ردشیعیت کے حوالہ سے یہ مضمون میں نے تفسیر کے مکمل کرنے کے بعد اس کی دوہرائی کے دوران بڑھایا، تاکہ بہت سے شبہات دور ہو جائیں۔ جب میں نے اس سورت کی تفسیر لکھی تو میں حالت سفر میں مدینہ طیبہ میں تھا، وہاں اس مضمون کے لکھنے کے لیے مطلوبہ کتب دستیاب نہ تھیں۔ (محمد طیب غفرلہٗ)

الحمد للہ آج 17 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 15 دسمبر 2008ء بروز پیر بعد نماز عصر مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی شریف میں سورہ بینہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

وصلی الله تعالیٰ علی حبیبه خیر خلقه محمد واله وصحبه وسلم اجمعین۔

سورۃ الزلزال

سورۃ الزلزال ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 99ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 92ویں سورت۔ گویا یہ مدنی سورت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ سورتوں کی ترتیب کے مطابق یہ ساتویں مدنی سورت ہے اول بقرہ، دوم انفال، سوم آل عمران، چہارم احزاب، پنجم ممتحنہ، ششم نسآء اور ہفتم زلزال۔

(اتقان فی علوم القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۳)

اس سورت کا آغاز اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا سے ہوا اور اس میں قیامت سے قبل آنے والے بڑے زلزلے کی خبر دی گئی ہے۔ اس لئے اسے سورۂ زلزال کہتے ہیں۔

اس سورت میں ایک رکوع، 8 آیات، 38 کلمات اور 149 حروف ہیں۔

فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے قرآن پڑھائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم الف، لام، راء سے شروع ہونے والی تین سورتیں یاد کرلو اس نے کہا میں بوڑھا آدمی ہوں میری زبان موٹی اور دل سخت ہے (میں اتنا یاد نہیں کرسکتا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حٰم سے شروع ہونے والی تین سورتیں یاد کرلو، اس نے وہی بات کہی۔ آپ نے فرمایا تین مسبحات (سبح یا یسبح سے شروع ہونے والی سورتیں) یاد کرلو، اس نے پھر وہی بات کہی۔ آپ نے اسے اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ یاد کروائی، اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس پر زائد نہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ سادہ آدمی ضرور کامیاب ہوگیا۔

(مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۸۰ سورۃ زلزال کتاب التفسیر)

گویا سورہ زلزال کا پڑھنا بہت سی لمبی سورتوں کے پڑھنے کے برابر ہے اور اس کا پڑھنے والا قیامت میں کامیاب ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایک بار اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ پڑھی اس کے لئے یہ نصف قرآن کے برابر ہے۔ اور قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے اور قُلۡ یٰۤاَیُّهَا

الْکٰفِرُوْنَ ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔'' (درمنثور جلد ۸ صفحہ)

مضامین

اس کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل سورہ البینہ میں فرمایا گیا کہ کفر وتکذیب کرنے والے بدترین مخلوق ہیں اور ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والے بہترین مخلوق ہیں اور ان کی جزا یہ ہے کہ ان کے لیے جنتی باغات ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اب اس سورت میں اسی مضمون کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ روز قیامت اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۸ ۹۹ سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۳ رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ

جب زمین کو لرزایا جائے گا جیسا کہ اسے لرزنا ہے اور زمین اپنے بوجھ نکال پھینکے گی [1] اور انسان

الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵

کہے گا اسے کیا ہو گیا ہے اس دن زمین اپنی سب خبریں بتا دے گی گویا کہ تمہارے رب نے اسے وحی کی ہے [2]

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۝۵ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ

اس دن لوگ مختلف سمتوں میں نکلیں گے تا کہ اپنے اعمال دیکھیں [3] تو جو ذرہ برابر نیکی کرے وہ اسے دیکھ لے گا

ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸

اور جو ذرہ برابر برائی کرے وہ اسے دیکھ لے گا [4]

قیامت میں ذرے ذرے کا حساب لیا جانا

[1] حدیث مبارکہ میں دو بڑے زلزلوں کا ذکر ہے ایک قرب قیامت میں بطور علامت قیامت بپا ہوگا اور زمین اپنا سونا چاندی اگل دے گی اور دوسرا زلزلہ قیامت کے بپا ہونے پر آئے گا۔ یہاں دونوں میں سے کوئی بھی مراد ہو سکتا ہے۔ پہلے زلزلہ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''زمین اپنے جگر کے ٹکڑے سونے چاندی کے ستونوں کی صورت میں نکال پھینکے گی تب قاتل (اس قدر سونا چاندی دیکھ کر) کہے گا کیا میں نے اس مال کے لئے قتل کیا تھا؟ اور قطع رحمی کرنے والے کہے گا کیا میں نے اس کے لئے قطع رحمی کی تھی، پھر لوگوں کو سونا چاندی کے اٹھانے کے لئے پکارا جائے گا، مگر کوئی اٹھانے نہ آئے گا۔''

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ۲، ترمذی کتاب الفتن باب ۳۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''قریب ہے کہ نہر فرات کا اکثر حصہ سونا بن جائے تو جو شخص وہاں موجود ہو وہ اس میں سے کچھ نہ لے۔'' (صحیح بخاری کتاب الفتن باب ۲۴، مسلم کتاب الفتن حدیث ۲۹)

جبکہ دوسرا زلزلہ دوسرے صور کے پھونکے جانے پر بپا ہوگا تو زمین اپنے اندر سے سب مُردے باہر نکال دے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ عظیم چیز ہے۔'' (حج:۱) وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ③ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ④ ''جب زمین پھیلا دی جائے اور جو کچھ اس میں ہے اسے اگل دے اور خالی ہو جائے۔'' (انشقاق، ۴)

[2] زمین روز قیامت اپنی ساری خبریں یوں بتائے گی جیسے اسے رب نے وحی کی ہو اور انسان حیران ہو کر کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے سب خبریں دیے جا رہی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④ پڑھی پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو زمین کیا خبریں دے گی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر اللہ کا بندہ اور اللہ کی بندی (مرد و عورت) زمین کی پشت پر جو کچھ کرتے ہیں زمین اس کی گواہی دے گی کہ فلاں نے مجھ پر یہ یہ عمل کیا تھا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ زلزال)

گویا گناہ کرتے ہوئے انسان کو زمین سے ڈرنا چاہیے کہ روز قیامت وہ اللہ کو بتا دے گی جو کچھ انسان نے اس کی پشت پر کیا، اچھا یا بُرا۔

زمین ہمارے اعمال کو کیسے محفوظ کرتی ہے

اور آج سائنس کہتی ہے کہ انسان جو کچھ بولتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ وہ فضا میں محفوظ ہو جاتا ہے اور آج سائنس کی ایجاد سے ویڈیو کیسٹ اور سی ڈی وغیرہ میں ہر آواز اور ہر عمل محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ زمین کے ذروں میں ہر انسان کے عمل کا ریکارڈ محفوظ کر لے تو کیا مشکل ہے؟ اسی مفہوم میں یہ حدیث ہے کہ حاجی جب تلبیہ کہتا ہے تو اس کے قرب و جوار والے پتھر بھی تلبیہ کہتے ہیں اور روز قیامت وہ اس کی گواہی دیں گے۔ (کنز العمال)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مؤذن کی آواز جہاں تک جاتی ہے اس کے لیے مغفرت کر دی جاتی ہے اور جو خشک و تر چیز اس کی آواز کو سنتی ہے وہ روز قیامت اس کی گواہی دے گی۔'' (مسند احمد بن حنبل حدیث ۹۵۴۲)

اور ایک حدیث میں ہے کہ ہر ڈھیلا اور ہر پتھر روز قیامت اس کی گواہی دے گا (کنز العمال فی فضائل الاعمال جلد ۷ صفحہ ۲۷۷ حدیث ۲۰۸۷۸

[3] یعنی قبروں سے نکل کر بعض لوگ جنت کی طرف جائیں گے بعض جہنم کی طرف اور بعض خوشی سے جائیں گے بعض کو مار مار کر لے جایا جائے گا اور بعض سیدھے چلیں گے، بعض منہ کے بل۔ (یعنی جنت کو جانے والے خوشی سے

سیدھے چلیں گے اور جہنم کی طرف جانے والے انکار کریں گے تو انکو مار مار کر یا منہ کے بل گھسیٹ کر لیجایا جائے گا)

[4] یعنی ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور ہر چھوٹی سے چھوٹی برائی انسان کو اپنے نامۂ اعمال میں نظر آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيَقُولُونَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ''وہ کہیں گے ہائے ہماری ہلاکت! اس عمل نامہ کو کیا ہو گیا ہے کہ نہ چھوٹا گناہ چھوڑتا ہے نہ بڑا، مگر یہ کہ اسے گھیرے ہوئے ہے اور انہوں نے جو کچھ کیا اسے حاضر پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔'' (کہف،۴۹)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: کوئی مومن یا کافر ایسا نہیں جو روز قیامت اپنی ہر نیکی اور بدی دیکھ نہ لے، مومن کو اللہ اس کی نیکیاں اور برائیں دیکھائے گا پھر برائیاں معاف کر دیگا (اگر چاہے) اور نیکیوں کا صلہ بخشے گا اور کافر کو اس کی نیکیاں دکھائے گا پھر انہیں نامنظور کر دے گا اور اس کی برائیوں پر اسے عذاب دیا جائے گا۔
(تفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۶۱ حدیث ۳۷۷۴۴)

محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ اس آیت (فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ الخ) کی تفسیر یوں کرتے تھے کہ کافر جو نیکی کرے اللہ اسے اس کا بدلہ دنیا میں اس کی جان، مال یا اولاد میں دے دیتا ہے، پھر جب وہ دنیا سے جاتا ہے تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوتی (جس کا آخرت میں بدلہ دیا جائے) اور مومن جو برائی کرتا ہے اللہ اس کے بدلے اس کی جان اور عیال اور مال میں اسے کوئی نہ کوئی تکلیف دکھاتا ہے حتیٰ کہ جب وہ دنیا سے جاتا ہے تو اس کے پاس کوئی گناہ نہیں ہوتا۔
(تفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۶۲)

میرے خیال میں یہ اچھے اعمال والے مؤمن کا معاملہ ہے کہ اگر اس سے گناہ ہو جائے اور اللہ اسے معاف نہ کرنا چاہے تو اسے کسی تکلیف میں مبتلا کر کے اس کا دنیا میں کفارہ بنا دیتا ہے۔ مگر جو مومن اللہ کی نافرمانی میں بہت آگے نکل جاتا ہے اس کا معاملہ اس سے مختلف ہے، ضروری نہیں کہ اس کے تمام گناہ دنیا میں مٹا دیے جائیں۔

معلوم ہوا کسی نیکی یا کسی برائی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ کسی نیکی کو معمولی سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہیے اور کسی گناہ کو حقیر سمجھ کر اپنانا نہیں چاہیے۔ اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کا شان نزول بھی یہی بتایا گیا ہے کہ بعض مومنوں کے دروازہ پر کوئی مانگنے والا آتا تو وہ اسے ایک کھجور یا روٹی کا ٹکڑا دینے سے شرماتے اور اسے قلیل جانتے اور اسے خالی ہاتھ واپس لوٹا دیتے، وہ سوچتے کہ اتنی قلیل چیز کے دینے پر ہمیں کیا اجر ملے گا۔ اور کچھ لوگ چھوٹے گناہ کو قابل ملامت نہ سمجھتے جیسے کوئی چھوٹا جھوٹ، کوئی غلط نگاہی اور معمولی غیبت، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۵۶ حدیث ۱۹۴۴۰)

اسی لئے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔ آگ سے بچ جاؤ خواہ کھجور کے آدھے حصے کے ساتھ۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہی آیت پڑھی: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ الخ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۵۹۸)

حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں آدھی کھجور کے صدقہ سے بھی نہ شرماؤ، ممکن ہے وہی تمہیں نارِ جہنم سے بچالے۔ کیونکہ ادنیٰ سی نیکی سے بھی نیکی کا پلہ بھاری ہوسکتا ہے۔ اور بسا اوقات نیکی معمولی ہوتی ہے مگر اخلاص کی وجہ سے اس کا وزن زیادہ ہوجاتا ہے۔

الحمدللہ آج 17 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 15 دسمبر 2008ء بروز پیر نماز عشاء سے قبل مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی شریف میں سورہ زلزال کی تفسیر مکمل ہوئی۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ میں مسجد نبوی کی جنوبی نئی عمارت میں جہاں رش کچھ کم ہوتا ہے تفاسیر اور دیگر کتابوں کا ڈھیر لے کر روزانہ بیٹھ جاتا ہوں، ظہر وعصر کے درمیان آجاتا ہوں اور عشاء کے بعد تک بیٹھا لکھتا رہتا ہوں۔ پھر عشاء کے بعد آرام کرنے ہوٹل چلا جاتا ہوں اور دوبارہ سحری کے وقت چلا آتا ہوں اور چاشت کے وقت تک مسجد میں بیٹھ کر تفسیر لکھنے میں مگن رہتا ہوں، پھر اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مواجہہ شریف حاضری دے کر واپس ہوٹل آجاتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس محنت شاقہ کو قبول فرمائے۔ آمین

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورة العادیات

سورۃ العادیات ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 100 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے تیرہویں سورت ہے، جو اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ کے بعد اور وَالۡعَصۡرِ سے قبل نازل ہوئی۔ چونکہ یہ سورت وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ سے شروع ہوئی اس لئے سورۃ العادیات کہا گیا۔

اس میں ایک رکوع، 11 آیات، 40 کلمات اور 163 حروف ہیں۔

فضیلت

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ نصف قرآن کے برابر ہے اور والعادیات بھی نصف قرآن کے برابر ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ نصف قرآن کے برابر ہے اور والعادیات بھی نصف کے برابر ہے اور قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے اور قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ایک چوتھائی قرآن کے برابر۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۵۹۹)

مضامین

اس سورت کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل سورۃ الزلزال میں بتایا گیا کہ جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے وہ اسے دیکھ لے گا۔ اب اس سورت میں فرمایا جارہا ہے کہ اس کے باوجود انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور وہ مال کا سخت حریص ہے یعنی حصول مال میں وہ نیکی بدی کا فرق مٹا دیتا ہے۔ حالانکہ اسے وہ وقت یاد رکھنا چاہیے جب قبروں سے سب کو نکالا جائے گا اور سینوں کے بھید کھول دیے جائیں گے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۱۱ ۱۰۰ سُوْرَةُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّةٌ ۱۴ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ
قسم ہے ان (جہادی) گھوڑوں کی جو سینے سے آواز نکالتے دوڑتے ہیں پھر پتھروں سے چنگاریاں نکالتے ہیں پھر صبح ہی کو حملہ کر دیتے ہیں
بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى
پھر غبار اڑاتے ہوئے (دشمن کی) جماعت میں گھس جاتے ہیں [1] بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور وہ
ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۭ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي
اس پر خود گواہ ہے اور وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے [2] کیا وہ نہیں جانتا کہ جو قبروں میں ہے جب وہ
الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ ع
اٹھالیا جائے گا اور جو سینوں میں ہے اسے حاصل کرلیا جائے گا بے شک ان کا رب اس دن ان کے بارے میں خوب خبر رکھتا ہے [3]

ع ۱ ۱۱ ۲۵

انسان کی ناشکری اور قیام قیامت کا بیان

[1] حضرت عبداللہ ابن عباس، عطاء، مجاہد، عکرمہ، حسن، کلبی، قتادہ، مقاتل اور ابو العالیہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس کی تفسیر یہ ہے کہ ان گھوڑوں کی قسم جو راہ جہاد میں تیز دوڑتے ہوئے سینے سے آواز نکالتے ہیں اور اپنے تیز نوکیلے سموں کی ٹھوکر کے ساتھ پتھروں سے چنگاریاں نکالتے ہیں۔ پھر صبح ہوتے ہی کفار پر حملہ کر دیتے ہیں اور غبار اڑاتے ہوئے دشمن کی فوج میں گھس جاتے ہیں چونکہ ان گھوڑوں کا دوڑنا راہ جہاد میں ہے اس لئے اللہ کو ان کے سینوں سے نکلنے والی آواز اور پاؤں سے اٹھنے والی چنگاریاں اور غبار بھی اس قدر پسند ہے کہ اللہ ان کی قسم یاد فرماتا ہے۔ یاد رہے الْعٰدِيٰتِ عَدَا علیہ سے ہے جس کا معنی ہے کہ اس نے فلاں پر حملہ کر دیا۔ ضَبْحًا گھوڑے کے سینے سے نکلنے والی آواز ہے۔ الموریات اوری یُورِی سے ہے بمعنی آگ روشن کرنا۔ قدحاً قَدَحَ بِالزَّندِ سے ہے کہ اس نے چقماق سے رگڑ

کر آگ نکالی۔ فَالْمُغِیْرٰتِ اَغَارَ یُغِیْرُ بمعنی غارت ڈالنا اور حملہ کرنا سے ہے اور فَاَثَرْنَ اَثَارَ یُثِیْرُ بمعنی خاک اڑانا سے ہے۔ اور نقع کا معنی غبار ہے۔

یہاں صبح کے وقت حملہ کرنے کی بات اس لئے کی گئی کہ دورِ نزولِ قرآن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صبح کے وقت ہی کفار پر حملہ کرتے تھے کیونکہ کافر فوجی رات گئے تک غل غپاڑہ کرتے شراب پیتے اور فواحش کا ارتکاب کرتے ہیں اور صبح دیر سے اٹھتے ہیں، جبکہ مومن فوجی نمازِ عشاء پڑھ کر جلد سو جاتے پھر صبح اٹھ کر نمازِ فجر پڑھتے ہیں جس سے ان کی روح کو جلا ملتی اور قوتِ عشق کی تلوار تیز تر ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کفار کے ہوش سنبھالنے سے قبل ہی ان پر حملہ آور ہوتے اور کامیاب رہتے تھے۔ حدیث مبارکہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے وقت ہی کسی قوم پر حملہ کرتے تھے۔

جہاد تا قیامت جاری ہے

یہ آیات تا قیامت مومنوں کے سینوں میں جذبۂ جہاد بیدار کرتی اور شوقِ شہادت پیدا کرتی رہیں گی۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الجهادُ ماضٍ الٰی یوم القیامة۔ ''جہاد تا قیامت جاری ہے۔''

(صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ۴۴، ابوداؤد کتاب الجہاد باب ۳۳)

اور حضرت عمروہ بن ابی جعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''گھوڑوں کی پیشانی سے تا قیامت خیر وابستہ کر دی گئی ہے اور وہ جہاد کا اجر اور مالِ غنیمت ہے۔''

(صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ۴۳، مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۹۷)

اس کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی نے جہاد کی منسوخی کا اعلان کر کے کثیر قرآنی آیات سے انکار کیا اور اسلام سے دور جا پڑا۔

جہادی اشیاء کی فضیلت

دشمنانِ اسلام اور مسلمانوں پہ ظلم ڈھانے والے کفار کے خلاف مومنوں کا جہاد اللہ کو اس قدر پسند ہے کہ جہادی گھوڑوں کے قدموں سے اٹھنے والے غبار کی بھی قسم یاد فرماتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جہاد والے گھوڑے کا چارہ اور لید اور پیشاب بھی روزِ قیامت مجاہد کے نیکی والے پلے میں رکھ دیا جائے گا۔ (مسند احمد عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے جہاد کے لئے گھوڑا پالا وہ گھوڑا جتنے قدم اٹھائے جتنا چارہ کھائے اور جتنی لید کرے وہ سب اس شخص کے لئے باعثِ اجر ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ زلزال)

آج جہاد گھوڑوں کی بجائے ٹینکوں، توپوں اور ہوائی جہازوں سے کیا جاتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو راہِ جہاد میں استعمال ہونے والے ٹینکوں سے اٹھنے والا غبار جہادی گھوڑوں کے غبار ہی کی طرح پسند ہے۔ اور دشمنانِ اسلام پر کی جانے والی

گولہ باری سے اٹھنے والی چنگاریاں جہادی گھوڑوں کے سموں سے نکلنے والی چنگاریوں کی طرح پسندیدہ ہیں۔ اور جس طرح حدیث کے مطابق جہادی گھوڑے کا چارہ اور لید مجاہد کے نیکیوں والے پلہ میں رکھا جائے گا اسی طرح مجاہد جس ٹینک، توپ یا راکٹ کو چلاتا ہے اس کا پٹرول بھی مجاہد کے نیکیوں والے پلہ میں رکھ دیا جائے گا۔

[2] اللہ تعالیٰ نے جہادی گھوڑوں کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ انسان اپنے رب کا بہت ناشکر گزار ہے اور وہ روز قیامت اس پر گواہی دے گا یعنی اپنی ناشکری کا اعتراف کریگا جیسا کہ مجرمین اس دن کہیں گے يٰحَسۡرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطۡنَا فِيۡهَا "ہائے افسوس! ہم نے دنیا میں حد سے تجاوز کیا۔" (انعام ۳۱) اور کفار کہیں گے: يٰوَيۡلَنَا قَدۡ كُنَّا فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا بَلۡ كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ۝۹۷ "ہائے ہماری بربادی ہم اس عذاب سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ظالم تھے۔" (انبیاء، ۹۷)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان اس لئے ناشکرا ہے کہ وہ مال دنیا سے شدید محبت رکھتا ہے اس محبت میں اللہ کو بھول کر دوسروں کے حقوق غصب کرنے لگتا ہے۔ اس مال کی محبت میں وہ جھوٹ بولتا، دھوکے کرتا اور تمام اخلاقی حدود پامال کر دیتا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر ابن آدم کے پاس مال کی ایک وادی ہو تو وہ دوسری وادی حاصل کرنا چاہے گا اور اس کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے (قبر کی مٹی)۔" (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب ۱۰)

یہاں مال کو خیر اس لئے کہا گیا کہ انسان مال کو اپنے لئے خیر سمجھتا ہے تو اس کی عقل کے مطابق بات کی گئی۔

اس جگہ انسان کی ناشکری بیان کرنے کے لئے جہادی گھوڑوں کی قسم اس لئے اٹھائی گئی تاکہ انسان غور کرے کہ جس گھوڑے کو وہ چند دن چارا کھلاتا ہے وہ گھوڑا اس قدر اس کا وفادار و شکر گزار بن جاتا ہے کہ اس کے حکم پر جان کی پرواہ کئے بغیر دشمن کی صف میں گھس جاتا ہے۔ تو انسان جس رب کی ہزار ہا نعمتیں کھاتا ہے کیا اس پر اس رب کا شکر اور اس کی اطاعت بھی لازم ہے یا نہیں۔

[3] تو انسان کو وہ دن یاد کرنا چاہیے جب قبروں سے مُردے باہر آجائیں گے اور سینوں کے بھید کھل جائیں گے تب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ان کا رب ان کے ہر عمل سے خوب خبردار ہے۔

الحمدللہ آج 17 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 15 دسمبر 2008ء بروز پیر بعد نماز عشاء مدینہ طیبہ میں ہوٹل میں سورۃ عادیات کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم اجمعین

سورۃ القارعہ

سورۃ القارعہ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 101 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 19 ویں سورت ہے جو لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ کے بعد اور لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ سے قبل نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے چونکہ یہ اَلْقَارِعَةُ ① مَا الْقَارِعَةُ ② سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ القارعہ کہتے ہیں۔ القارعہ قیامت کا ایک نام ہے۔ قرآن میں قیامت کے کثیر نام گنوائے گئے ہیں، جیسے الواقعہ، الحاقۃ، الساعۃ وغیرہ

اس سورت میں ایک رکوع، 11 آیات، 30 کلمات اور 92 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل سورۃ العادیات میں بتایا گیا کہ روز قیامت لوگوں کو قبروں سے نکالا جائے گا اور ان کے سینوں کے بھید ظاہر کردیے جائیں گے۔ اور اب اس سورت میں قیام قیامت کا منظر بیان فرمایا جارہا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو لوگ بکھرے پتنگوں کی طرح ہوجائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی گولے بن کر اُڑنے لگیں گے، پھر ہر کسی کے اعمال تولے جائیں گے اور وزن کے مطابق اس کا انجام ہوگا۔ گویا دونوں سورتوں میں قیامت ہی کا بیان ہے، یعنی ایک ہی بیان کا تسلسل ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۱۱ ۱۰۱ سُوْرَۃُ الْقَارِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۳۰ رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْقَارِعَۃُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَۃُ ۚ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الْقَارِعَۃُ ؕ﴿۳﴾ یَوْمَ یَکُوْنُ

لرزانے والی (قیامت) کیا ہی لرزانے والی ہے اور تم کیا جانو لرزانے والی کیا ہے [1] جس دن لوگ بکھرے

النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ﴿۴﴾ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِہْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ﴿۵﴾

پتنگوں کی طرح بن جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی جیسے ہو جائیں گے [2]

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ ۙ﴿۶﴾ فَہُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ

تو جس کے اوزان (نیکیاں) بھاری ہوں گی وہ خوش گوار زندگی میں ہو گا [3] اور جس کے اوزان

مَوَازِیْنُہٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّہٗ ہَاوِیَۃٌ ؕ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا ہِیَہْ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِیَۃٌ ﴿۱۱﴾ ع

ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے اور تم کیا جانو وہ کیا ہے وہ شعلہ بار آگ ہے [4]

قیامت کی ہولناکی اور اعمال کا تولا جانا

[1] اَلْقَارِعَۃُ قیامت کا ایک نام ہے جس کا معنی خوفزدہ کرنے والی یا لرزہ بپا کر دینے والی ہے یہ قَرَعَ یَقْرَعُ سے ہے جس کا معنی زور سے دروازہ کھٹکھٹانا اور اہل خانہ کو خوفزدہ کر دینا ہے۔ اور جب قیامت بپا ہو گی تو صور پھونکے جانے پر ایسا زلزلہ آئے گا جس سے خوفزدہ ہو کر لوگ دیوانوں کی طرح بھاگ اٹھیں گے، حتیٰ کہ حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ﴿۱﴾ یَوْمَ تَرَوْنَہَا تَذْہَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَہَا ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بیشک قیامت کا زلزلہ عظیم چیز ہے اس دن تم دیکھو گے کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی۔'' (حج:۱)

[2] فراش وہ پتنگے ہیں جو جلتی شمع پر منڈلاتے ہیں۔ وہ بہت کمزور ہوتے ہیں ایک طرف اُڑنے کی بجائے مختلف سمتوں میں اڑتے ہیں۔ جب صور پھونکا جائے گا تو انسانوں کی حالت بھی ان پتنگوں جیسی ہوگی اور وہ ہوا میں اڑنے لگیں گے اور پہاڑ روئی کے گولوں کی طرح فضا میں بکھر جائیں گے۔ گو یا وہ بہت خوفناک منظر ہوگا اور پہاڑ کیوں نہ اڑیں جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے۔ (انفطار،۱)

[3] روز قیامت مومن و کافر کے اعمال تولے جائیں گے، میزان عدل قائم کیا جائے گا جس کے ایک پلے میں نیکیاں اور دوسرے پلے میں برائیاں رکھی جائیں گی۔ کافر کا کفر اتنا بھاری گناہ ہے جو اس کی تمام نیکیوں کا وزن ختم کر دے گا اور مومن کا ایمان اس قدر بھاری نیکی ہے جو بڑے بڑے گناہوں کو ہلکا کر دے گی۔

یہ بھی یاد رہے کہ نیکی کا وزن نیت میں خلوص کے مطابق ہوتا ہے جتنا خلوص اور جذبہ زیادہ اتنا وزن زیادہ۔ بہر حال بعض مومنین ایسے بھاری اور کثیر گناہ لے کر آئیں گے اور ان کا ایمان اس قدر کمزور ہوگا کہ ان کا گناہوں والا پلہ بھاری ہو جائے گا اور ان کے لئے حکم جہنم ہوگا پھر اگر اللہ چاہے تو معاف کر دے گا چاہے تو عذاب دے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک نیکی، نیکیوں والے پلے کو بھاری کر سکتی اور ایک گناہ، گناہوں والے پلے کو بھاری کر سکتا ہے۔ (مظہری) لہٰذا کسی نیکی کو معمولی اور کسی گناہ کو ہلکا نہیں جاننا چاہیے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں وہ میزان دیکھنا چاہتا ہوں جس سے بندوں کے اعمال روز قیامت تولے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! تم اسے دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے، انہوں نے اصرار کیا، جب اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھایا تو اس کے دو پلے اتنے بڑے تھے کہ ان سے زمین و آسمان کی ساری فضا بھری ہوئی تھی۔ داود علیہ السلام اس منظر کو برداشت نہ کر سکے اور بیہوش ہو گئے، ہوش آنے پہ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ! اتنے بڑے میزان کو کونسے اعمال بھر سکتے ہیں؟ اللہ! نے فرمایا: اے داود! مومن اللہ کی راہ میں جو ایک کھجور خرچ کرتا ہے وہ بھی اسے بھر سکتی ہے۔ (درمنثور سورہ اعراف، رکوع اول)

[4] یعنی جس شخص کی نیکیاں ہلکی ہوں مثلاً اس کی بُرائیوں میں کفر ہو یا اس کی نیکیاں دکھاوے والی ہوں یا بُرائیاں بہت زیادہ ہوں تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ہاویہ ہے جو بھڑکتی آگ ہے۔ اللہ جل وعلا اس سے محفوظ فرمائے۔

الحمدللہ آج 18 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 16 دسمبر 2008ء بروز منگل بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ میں سورہ قارعہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ التکاثر

سورۃ التکاثر ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 102 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے پندرہویں سورت ہے۔ گویا یہ بھی قرآن کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور دور آغاز اسلام میں نازل ہوئی ہے یہ سورۃ الماعون کے بعد اور سورۃ الکوثر سے پہلے نازل ہوئی۔ چونکہ یہ اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ کے الفاظ سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ التکاثر کا نام دیا گیا۔

اس سورت میں ایک رکوع، 8 آیات، 18 کلمات اور 120 حروف ہیں۔

فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم میں سے کوئی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ روزانہ ایک ہزار آیات پڑھے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طاقت کون رکھتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ روزانہ ایک بار اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ پڑھ لیا کرے؟'' (یعنی اس کا ایک بار پڑھنا ایک ہزار آیات کی تلاوت کے برابر ہے) (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۰۹ بروایت حاکم وبیہقی فی شعب الایمان)

یاد رہے قرآن کریم میں 6666 آیات ہیں تو جو شخص روزانہ ہر نماز کے بعد سورہ التکاثر کی تلاوت کر لے اسے قریباً دو تہائی سے زائد قرآن مجید پڑھنے کا ثواب ملے گا۔

مضامین

اس سورت کا ماقبل سورۃ العادیات سے تعلق اور مناسبت ظاہر ہے، یعنی دونوں سورتوں میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے، پھر سورۃ العادیات میں کہا گیا ہے کہ انسان اپنے رب کا نافرمان اور مال دنیا کا شدید حریص ہے اور اس سورت میں فرمایا گیا ہے کہ اے انسانو! تمہیں تکاثر یعنی زیادہ سے زیادہ اسباب دنیا کے جمع کرنے نے اپنے رب سے غافل کر دیا ہے، اور عنقریب تمہیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا جب تم جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان سورتوں میں ایک ہی مضمون کا تسلسل ہے، یعنی قیامت کے احوال اور فکر آخرت کی اہمیت۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتہا ۸ ۱۰۲ سُورَۃُ التَّکَاثُر مَکِّیَّۃٌ ۱٦ رکوعاتہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلۡھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ

تمہیں کثرت مال کی دھن نے غافل کر دیا۔ حتیٰ کہ تم قبروں تک جا پہنچے [1] کیوں نہیں ؟تم جلد جان لو گے، پھر

کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ ۙ﴿۶﴾

کیوں نہیں؟ تم جلد جان جاؤ گے ہاں ہاں اگر تم علم یقین سے جانتے (تو غافل نہ ہوتے) [2] تم جہنم کو دیکھو گے

ثُمَّ لَتَرَوُنَّہَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ ﴿۸﴾ ع

پھر اسے چشم یقین سے دیکھو گے [3] پھر تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا [4]

حرص دنیا کی مذمت اور فکر آخرت

[1] یعنی انسان کی بدقسمتی بتائی جارہی ہے کہ وہ دنیا کی بہتری کے لئے لگا رہتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ مال کما لے اس کے لئے وہ دوسروں کے حقوق پامال کرتا اور حلال وحرام کی تمیز اٹھا دیتا ہے اور دھوکہ دینے اور جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتا، یہ چیز اسے اپنے اللہ اور اپنی آخرت سے غافل کر دیتی ہے اور اسے پتہ تب چلتا ہے جب قبر سامنے آجاتی ہے۔اور یہ انسان کے لیے عظیم ناکامی ہے۔

حضرت عبداللہ بن شُخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں جب میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو یہ سورت اَلۡھٰکُمُ التَّکَاثُرُ نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے: آدم کا بیٹا کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ حالانکہ اے ابن آدم! تیرا مال وہی ہے جو تم کھالو یا پہن لو یا صدقہ کر کے اسے اپنے لئے باقی کرلو۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ تکاثر حدیث ۳۳۵۴)

یعنی مومن اپنے مال میں سے جو کھا پی لے یا پہن لے وہ اسکا ہوگیا اور جو اللہ کے نام پر صدقہ کر دے وہ بھی اس کا اپنا ہوگیا جو اسے مرنے کے بعد مل جائیگا اس کے سوا اس کا کچھ نہیں، وہ سب اس کے وارثوں کا ہے جو اس کے مرنے کے بعد باہم بانٹ لیں گے اور اس کے حق میں شائد ہی دعاء مغفرت کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے کون اپنے وارث کے مال کو اپنے مال سے زیادہ محبوب رکھتا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہر کوئی اپنے ہی مال سے زیادہ محبت رکھتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انسان کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیج دیا (اللہ کے نام پر دے دیا) اور جو اس نے پیچھے چھوڑ دیا وہ اس کے وارث کا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق حدیث ۶۴۴۲)

یعنی جو شخص بہت سا مال جمع کرتا اور اس سے محبت کرتا ہے اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتا اور دنیا سے چلا جاتا ہے، اس نے اپنے مال سے محبت نہیں کی وارثوں کے مال سے محبت کی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبرت آموز حکایت

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جنگل میں تین آدمی مرے پڑے دیکھے ان کے نزدیک سونے کی اینٹ پڑی تھی۔ آپ حیران ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! یہ تینوں اس جنگل سے گزر رہے تھے، انہیں یہ سونے کی اینٹ ملی۔ ان میں سے دو آدمیوں نے تیسرے سے کہا کہ وہ بستی سے کھانا لائے، وہ گیا، بعد میں ان دونوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ آئے تو وہ اسے قتل کر دیں اور یہ اینٹ باہم بانٹ لیں۔ ادھر اس شخص کے دل میں وسوسہ آیا اس نے کھانے میں زہر ملا دیا تا کہ وہ دونوں یہ کھانا کھا کر مر جائیں اور اینٹ پر وہ قبضہ کر لے۔ جب وہ کھانا لے کر آیا تو دونوں نے اسے قتل کر دیا پھر جب انہوں نے کھانا کھایا تو وہ بھی مر گئے اور اینٹ وہیں پڑی رہی۔ گویا لوگ مال دنیا پر باہم لڑتے مرتے ختم ہو جاتے ہیں اور دنیا کا مال دنیا ہی میں رہ جاتا ہے۔

مال دنیا بُرا نہیں ہے، اس میں نیت کا اعتبار ہے

یاد رہے کہ اگر اس نیت سے مال بڑھایا جائے تا کہ دوسروں پہ اظہار فخر کیا جائے تو یہ چیز مذموم ہے کیونکہ تکبر حرام ہے اور یہ قارون اور امیہ بن خلف کا مال ہے۔ اور اگر اس لیے مال بڑھایا جائے تا کہ اسے نیکی کے کاموں میں صرف کیا جائے تو یہ محمود ہے اور یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مال ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''صرف دو آدمیوں پہ رشک کرنا چاہیے ایک وہ شخص جسے اللہ مال دے اور وہ اسے راہ خدا میں لٹانے پہ مسلط ہو جائے، دوسرا وہ شخص جسے اللہ علم دے اور وہ اس کے ذریعہ لوگوں میں فیصلے کرے اور انہیں علم سکھائے۔''

(صحیح بخاری کتاب العلم باب ۱۵ حدیث ۷۳، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۹)

اسی طرح اگر حرام ذرائع سے مال بڑھایا جائے تو وہ نرا عذاب ہے اور اگر حلال ذرائع سے کمایا جائے اور اس کی زکوٰۃ دی جائے اور حلال مصارف میں صرف کیا جائے، تو یہ کار ثواب ہے۔

مال کی کثرت باعث فخر چیز نہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ کہ تمہیں کثرت مال کی دھن نے غافل کر دیا ہے۔ گویا یہ کچھ باعث فخر بات نہیں کہ فلاں کے پاس اتنی کوٹھیاں ہیں اتنی کاریں ہیں، اور نہ ہی کسی کی بڑی کوٹھی اور کار دیکھ کر حسرت اور احساس کمتری دل میں آنا چاہیے۔ کیونکہ یہ دوڑ انسان کو اللہ سے غافل کر دیتی ہے، ہاں کسی کے اچھے اعمال واخلاق دیکھ کر رشک آنا چاہیے کہ کاش ہمارے اعمال بھی اس جیسے ہوتے۔

فکر موت کی ضرورت اور قبر کی پکار

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ سے معلوم ہوا کہ غفلت میں موت آنے کی بجائے انسان کو چاہیے کہ پہلے سے موت کی تیاری کر لے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں:

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار مسجد میں چند لوگوں کو بہت ہنستے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم لذتوں کو تباہ کرنے والی موت کو یاد رکھتے تو یوں غافل نہ ہوتے۔ کوئی دن نہیں جاتا کہ قبر انسان کو نہ پکارتی ہو۔ وہ کہتی ہے میں بے بسی کا گھر ہوں، میں تنہائی کی جگہ ہوں، میں مٹی سے بھری ہوں، مجھ میں بہت کیڑے ہیں۔ جب بندۂ مومن (صالح آدمی) قبر میں جاتا ہے تو وہ اسے مرحبا کہتی ہے۔ کہتی ہے تم مجھے بہت محبوب تھے آج میں تم سے بہت اچھا سلوک کروں گی پھر وہ حد نظر تک اس کے لئے وسیع ہو جاتی ہے اور اس کے لئے وہاں جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

اور جب کوئی بدکار یا کافر شخص قبر میں جاتا ہے تو قبر کہتی ہے تجھے کچھ مرحبا نہیں۔ تم مجھے سخت ناپسند تھے۔ آج میں تم سے سخت بُرا سلوک کروں گی۔ پھر وہ باہم مل جاتی ہے اور مردے کی دائیں بائیں پسلیاں باہم پیوست ہو جاتی ہیں۔ پھر اللہ اس پر ستر اژدھے مسلط کر دیتا ہے اگر ان میں سے ایک اژدھا زمین پر پھونک مارے تو قیامت تک اس میں سے کچھ نہ اُگے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قبر جنت کے باغوں میں سے باغ ہوتی ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے گڑھا۔

(ترمذی کتاب القیامہ باب ۲۶ حدیث ۲۴۶۰)

[2] حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تفسیر یوں فرمائی: كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾ یعنی جب تم قبروں میں جاؤ گے تو جان لو گے (کہ اس غفلت کا ایک انجام ہے) ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ﴿۴﴾ پھر جب تم قبروں سے نکل کر محشر میں جاؤ گے تو ضرور دوبارہ جان لو گے، كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ؕ﴿۵﴾ پھر جب تمہارے رب کے سامنے تمہارے اعمال پیش کئے جائیں گے تو اس حالت کو اگر تم علم یقین سے جان لیتے (تو غفلت میں کبھی نہ پڑتے)

(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۱۱ بروایت ابن مردویہ)

[3] یادرہے آج لوگوں کو جنت و نار کے بارے میں علم الیقین ہے پھر جب وہ مریں گے تو انہیں جنت و نار کے فرشتے نظر آئیں گے اور جنت و نار کے اثرات محسوس ہوں گے، تو انہیں عین الیقین حاصل ہوگا۔ پھر جب وہ روز قیامت جنت و نار میں داخل ہوں گے تو انہیں حق الیقین حاصل ہوگا۔

[4] روز قیامت لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ انہیں دنیا میں جو نعمتیں دی گئیں انہوں نے ان کے بدلے کس قدر اللہ کی اطاعت کی اور شکر ادا کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تہبند سے زیادہ لباس، سایۂ دیوار سے زیادہ رہائش اور سادہ روٹی سے زائد کھانے کے بارے میں سوال ہوگا اور بندے کو اس کا حساب دینا پڑے گا۔'' (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۱۹ بروایت بزار)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تین چیزوں کا بندے سے حساب نہ ہوگا، چھپر کا سایہ، کمر سیدھی کرنے والا روٹی کا ٹکڑا اور جائے ستر ڈھانپنے والا کپڑا (یعنی اس سے زائد چیزوں کا حساب ہوگا)''

(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۱۹ بروایت عبداللہ بن احمد بن حنبل فی زوائد الزہد)

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کے قدم (مقام امتحان سے) ہٹ نہ سکیں گے جب تک وہ چار چیزوں کے بارے میں جواب نہ دے دے۔ عمر کے بارے میں کہ کہاں کھپائی، جسم کے بارے میں کہ اس سے کیا کام لیا، علم پر کس قدر عمل کیا، مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔

(ترمذی کتاب القیامہ باب ا حدیث ۲۴۱۷)

الحمدللہ آج 18 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 16 دسمبر 2008ء بروز منگل بعد نماز عشاء مدینہ طیبہ میں سورہ تکاثر کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم اجمعین۔

سورۃ العصر

سورۃ العصر ترتیب تلاوت میں قرآن کریم کی 103 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول میں بارہویں سورت ہے، گویا یہ مکی سورت ہے یہ سورۃ العادیات سے قبل اور سورہ انشراح کے بعد نازل ہوئی۔ یہ وَالْعَصْرِ کے لفظ سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ العصر کہتے ہیں۔

اس سورت میں ایک رکوع، 3 آیات، 14 کلمات اور 28 حروف ہیں۔

فضیلت

صحابی رسول ابومدینہ دارمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو آدمی باہم ملتے تو جدا ہونے سے قبل سورۃ العصر ضرور ایک دوسرے کو سنا لیتے۔ (طبرانی اوسط جلد ۴ صفحہ ۳۶ حدیث ۵۱۲۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

مضامین

اس سورت کا ماقبل سورۃ التکاثر سے تعلق اور مناسبت یہ ہے کہ سورۃ التکاثر میں مال دنیا کی کثرت کرنے کی برائی بتائی گئی اور اس کے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے۔ اور اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ ایسے بیکار کام میں منہمک شخص خسارے میں رہے گا، البتہ ایمان و عمل صالح اختیار کرنے اور حق و صبر کی تلقین کرنے والے لوگ کامیاب ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتہا ۳ ۱۰۳ سُوْرَۃُ الْعَصْرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۳ رکوعاتہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالۡعَصۡرِ ① اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ② اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

قسم ہے زمانے کی [1] بے شک انسان خسارے میں ہے، سوا ان کے جو ایمان لائیں

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ③

اور اچھے اعمال کریں [2] اور ایک دوسرے کو حق بات کی تاکید کریں اور صبر کی تلقین کریں [3]

ع ۱ / ۲۸

انسان کے خسارے اور نفع کا معیار

[1] اس جگہ العصر کی پانچ تفسیریں کی گئی ہیں۔

اول: اس سے مطلقاً زمانہ مراد ہے کیونکہ زمانہ اللہ رب العزت کی عظیم نشانی ہے۔ زمانہ بچوں کو بوڑھا کر دیتا ہے، شاہوں کو گدا اور گداؤں کو شاہ بنا دیتا ہے۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ دوست دشمن اور دشمن دوست بن جاتے ہیں۔

دوم: وَالۡعَصۡرِ سے و رب العصر مراد ہے یعنی زمانے کے رب کی قسم اور اللہ تعالیٰ اپنی قسم یاد فرماتا ہے جیسے فَلَا وَرَبِّكَ۔ (نسآء، ۶۴)

سوم: وَالۡعَصۡرِ سے دن کا پچھلا پہر یعنی عصر کا وقت مراد ہے، جب نماز عصر ادا کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ وقت انسان کو بتاتا ہے کہ ایک دن اس کی زندگی کا آفتاب بھی ڈوب جانے والا ہے اور قبر کی تاریکی چھانے والی ہے۔

چہارم: وَالۡعَصۡرِ سے نماز عصر مراد ہے، کیونکہ یہ درمیانی نماز ہے جس کا اللہ نے خصوصی حکم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی ۃ ''سب نمازوں کی پابندی کرو اور درمیانی نماز کی (خصوصی) پابندی کرو۔'' (بقرہ، ۲۳۸)

اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کی نماز عصر رہ گئی گویا اس کے سب اہل وعیال اور مال واسباب ہلاک ہو گئے۔'' (صحیح بخاری کتاب المواقیت باب ۱۲، مسلم کتاب المساجد حدیث ۲۰۰)

پنجم: وَالْعَصْرِ میں لام برائے عہد خارجی ہے (یعنی خاص زمانہ) اور اس سے حضور ﷺ کا زمانہ مبارک مراد ہے۔ امام خازن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور کہا گیا ہے کہ اس سے حضور ﷺ کا زمانہ مراد ہے۔ جیسے آپ کی نسبت سے آپ کے شہر کی قسم اٹھائی گئی: لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ (بلد ۱، ۲) یونہی آپ ﷺ کی نسبت سے آپ کے زمانہ کی قسم اٹھائی گئی اور بتایا گیا کہ سید المرسلین ﷺ کا زمان ومکان ہر زمان ومکان سے افضل ہے۔

(تفسیر خازن جلد ۷ صفحہ ۲۸۸ مطبوعہ بیروت)

[2] یاد رہے انسان دنیا میں بھیجا گیا ہے تاکہ وہ اپنے خالق ومالک اللہ کو پہچانے، اس پر ایمان لائے، اس کی نازل کردہ کتابوں اور ارسال کردہ رسولوں پر ایمان لائے اور اللہ ورسول کے احکام پر چل کر نیک کام اپنائے تاکہ وہ اپنی آخرت کو سنوار لے۔ مگر جس نے دنیا میں آکر کفر کا راستہ اپنایا اور کفر پر مرا، اس کے خسارہ کی کوئی حد نہیں کہ اس کی آخرت ہمیشہ کے لئے برباد ہوگئی۔ اور جس نے کفر تو نہ کیا مگر اللہ اور بندوں کے حقوق صحیح ادا نہ کئے، اس نے بھی اپنی آخرت کا نقصان کیا مگر یہ نقصان کفر کے نقصان سے کم تر ہے اس لئے اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فرمایا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی کا معیار ایمان اور عمل صالح ہے

مگر ہم دولت، حکومت اور شہرت میں کامیابی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے۔ اگر دولت ہی کامیابی کی ضمانت ہوتی تو قارون کامیاب ٹھہرتا جس کے خزانوں کی چابیاں ایک بڑی جماعت کو تھکا دیتی تھیں۔ (قصص، ۷۶) مگر جب اس نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ اگر حکومت کا ملنا ہی کامیابی کا راز ہوتا تو فرعون ونمرود اور دارا وسکندر کامیاب رہتے، مگر جب فرعون ونمرود نے اللہ ورسول سے سرکشی کی تو فرعون کو قوم سمیت سمندر میں پھینک دیا گیا اور نمرود کو اس کے نوکروں کے ہاتھوں سر میں جوتے مار مار کر ہلاک کیا گیا اور اگر ناموری وشہرت ہی کامیابی ہوتی تو دنیا میں بڑے حسین وجمیل لوگ آئے، بڑے شاہزور پہلوان مشہور ہوئے، مگر چند ہی دنوں میں ان کا حسن گہنا گیا اور شاہزوری قصۂ پارینہ بن گئی اور سب کچھ خاک میں مل گیا۔

معلوم ہوا کامیابی کچھ اور ہے اور وہ ہے اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، جن لوگوں نے کامیابی کا یہ راز اپنالیا ان کے نام آج بھی روشن ہیں اور قیامت میں مزید روشن ہوں گے۔ یزید نے اپنی حکومت کو کامیابی کا راز سمجھا اور اسے طول اور تحفظ دینے کے لئے اس نے آل رسول ﷺ کا خون بہایا، مگر جلد ہی وہ گلے میں طوق ذلت ڈال کر دنیا سے رخصت ہوا مگر امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کے ذکر سے آج بھی ہر مسجد کے منبر ومحراب گونج رہے ہیں اور ہمیشہ گونجتے رہیں گے اور آخرت میں ان کا مقام ہی نرالا ہوگا۔

زمانے کو بُرا نہیں کہنا چاہیے

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والعصر کہہ کر زمانے کی قسم یاد فرمائی ہے ہاں یہ کہنا چاہیے کہ زمانے کے لوگ بُرے ہیں اور

حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یُؤْذِینِی ابنُ آدمَ یسبُّ الدھرَ وانا الدھرُ، مجھے ابن آدم تکلیف دیتا ہے، وہ زمانہ کو گالی دیتا ہے اور زمانہ میں ہوں (یعنی صاحب زمانہ ہوں) (صحیح بخاری کتاب التوحید باب ۳۵)

کئی لوگ کہتے ہیں، کتنا برا زمانہ آ گیا ہے، حالانکہ زمانہ بُرا نہیں، زمانے والے لوگ بُرے ہیں۔ کئی زمانہ کو گالی بھی دیدیتے ہیں حالانکہ زمانہ تو گردش لیل ونہار اور دوران شمس وقمر کا نام ہے، تو زمانہ کو بُرا کہنا اللہ کی تخلیق کو بُرا کہنا ہے۔

[3] یعنی جو لوگ دنیا میں کامیاب ہوئے وہ نہ صرف یہ کہ خود ایمان اور عمل صالح کے حامل بنتے ہیں بلکہ وہ دوسروں کو بھی حق بات کی تلقین کرتے ہیں یعنی ایمان اور عمل صالح کا درس دیتے ہیں اور چونکہ دوسروں کو دعوت حق دینا آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ باطل پرستوں کو للکارنا اور انہیں دعوت حق دینا شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے اس کے لئے بڑے صبر کی ضرورت ہے، اس لئے وہ لوگ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ یہاں سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت واضح ہوئی۔ اور اس کام کی ابتداء اپنے گھر سے کرنا ضروری ہے، کیونکہ مومن کو اپنے اہل خانہ کا نگران بنایا گیا ہے اور اس سے اہل خانہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اسی لیے فرمایا گیا: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ ''خود کو نار جہنم سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی۔'' (تحریم، ٦)

یہ سورت الفاظ کے لحاظ سے بہت مختصر اور معنی کے لحاظ سے اس قدر جامع ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر قرآن میں صرف یہی سورۃ العصر ہوتی تو انسانوں کی ہدایت کے لئے یہی کافی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

الحمدللہ آج 18 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 16 دسمبر 2008ء بروز منگل بعد نماز عشاء مدینہ طیبہ میں سورۃ العصر کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ الھمزۃ

سورۃ الہمزہ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 104ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 31ویں سورت ہے، جو سورت المرسلات سے قبل اور سورۃ القیامہ کے بعد نازل ہوئی چونکہ اس کا آغاز وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ سے ہوا اس لئے اسے سورۃ الہمزہ کہا گیا۔ ہمزۃ غیبت اور غلط اشارے کرنے والے کو کہتے ہیں اس سورت میں ایسے شخص کی مذمت کی گئی ہے۔

اس سورت میں ایک رکوع، 9 آیات، 30 کلمات، 130 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کی گزشتہ سورت یعنی سورۃ العصر سے مناسبت یہ ہے کہ سورۃ العصر میں اس انسان کو خسارے میں بتایا گیا ہے جو دنیا میں کھو جائے اور اللہ کا نافرمان ہو جائے اور ایمان و عمل صالح والوں کو کامیاب قرار دیا گیا ہے۔ اور اب اس سورۃ میں اس انسان کے لیے ہلاکت بتائی جارہی ہے جو مال دنیا کماتا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے اور غریب و نادار لوگوں کا اشارہ بازی سے مذاق اُڑاتا ہے۔ گویا دونوں سورتوں میں فکر دنیا کی مذمت اور فکر آخرت کی تعریف کی گئی ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتہا ۹ ۱۰۴ سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۲ رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝۱ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝۲ يَحْسَبُ اَنَّ

ہر اشارے باز زبان دراز کے لئے ہلاکت ہے [1] جو مال جمع کرتا ہے اور اسے گن گن کر رکھتا ہے، سمجھتا ہے کہ

مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝۳ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝۴ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝۵

اس کا مال اسے ہمیشہ (دنیا میں) رکھے گا [2] ہرگز نہیں۔ اسے حطمہ میں پھینکا جائے گا اور تم کیا جانو حطمہ کیا ہے۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝۶ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝۷ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ

وہ بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر جھانکتی ہے وہ ان پر

مُّؤْصَدَةٌ ۝۸ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹

بند کی گئی ہے لمبے ستونوں میں [3]

ع ۱ / ۲۹

بداخلاق دنیا پرست لوگوں کے لئے عذاب جہنم کا بیان

[1] هُمَزَةٍ هَمَزَ يَهْمُزُ سے ہے جس کا معنی دانتوں سے کاٹنا یا کسی کی غیبت کرنا ہے قرآن میں ہے: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝۱۱ ''اور بہت قسمیں اٹھانے والے ہر رسوا انسان کی بات مت مانو جو عیب جو اور غیبت پھیلانے والا ہے۔'' (ن، ۱۰) اور لُّمَزَةٍ لَمَزَ يَلْمِزُ سے ہے جس کا معنی کسی پر نکتہ چینی و زبان درازی کرنا ہے۔ گویا هُمَزَةٍ اور لُّمَزَةٍ دونوں کا معنی ملتا جلتا ہے۔ امام مقاتل فرماتے ہیں ان میں فرق یہ ہے کہ هُمَزَةٍ پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرنے والا اور لُّمَزَةٍ منہ پر رسوا کرنے والا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر اور قتادہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک هُمَزَةٍ غیبت کرنے والا اور لُّمَزَةٍ زبان چلانے والا ہے۔ ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ امیہ بن خلف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اشارے کرتا اور زبان چلانے لگتا تھا، تب اللہ تعالیٰ نے سورت وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝۱ نازل ہوئی اور مقاتل کہتے ہیں کہ

ولید بن مغیرہ رسول اللہ ﷺ کے پیٹھ پیچھے آپ کی بُرائی کرتا اور منہ پر بھی طعنہ زنی سے باز نہ آتا، تب یہ آیات اتریں۔ (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۸)

اور یہ بھی مروی ہے کہ سردارانِ قریش غریب صحابہ کو دیکھ کر ان کی طرف ہاتھوں سے اشارے کرتے اور زبان سے طعنے دیتے اور اپنے مال و دولت پر فخر کرتے تھے تو ان کے رد میں یہ سورت اتری۔ (تفسیر عزیزی)

گویا اللہ تعالیٰ کو گوارا نہ ہوا کہ اس کے محبوب کریم ﷺ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں پر اشارے بازی و زبان درازی کی جائے تو یہ آیات نازل فرمائیں۔ معلوم ہوا غیبت صرف زبان سے نہیں ہوتی، آنکھوں کے اشارے سے بھی ہوتی ہے اور کسی کی طرف توہین آمیز اشارہ بھی گناہ ہے۔

[2] یعنی لوگوں پر اشارے بازی و زبان درازی کرنے والے عموماً ایسے مالدار لوگ ہوتے ہیں جو مال کو گن گن کر رکھتے اور نشۂ دولت میں غریبوں پر آوازے کستے ہیں۔ گویا وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ہمیشہ دنیا میں رہنا ہے اور انہیں کبھی اپنے اعمال کا جواب دہ نہیں ہونا ہے۔ یاد رہے ایسا مال جمع کرنا حرام ہے جو حرام ذرائع سے کمایا جائے یا اس کی زکوٰۃ نہ دی جائے یا اس پر فخر و غرور کیا جائے۔ اگر ان چیزوں سے بچا جائے تو حلال مال کے جمع کرنے میں قباحت نہیں، یہ عثمانی مال ہے جو غریبوں کے کام آتا اور دین کے کام سنوارتا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ دولت کے نشے میں غریبوں کا مذاق اُڑانا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے وَيْلٌ (ہلاکت و بربادی) کا اعلان کیا ہے، اللہ مال دے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسا اور فقر دے تو مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ عنہ جیسا، مگر افسوس ہم ان دونوں سے خالی ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حیدری فقر ہے نہ دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

[3] یعنی مال و دولت کے نشے میں غرباء پر اشارے بازی و زبان درازی کرنے والے شخص کو جہنم کے طبقۂ حُطَمة میں ڈالا جائے گا۔ اور تم کیا جانو وہ کیسا خوفناک طبقہ ہے، وہ بھڑکتی آگ ہے جو لمبے ستونوں کے ذریعے چاروں اطراف سے بند کی گئی کہ نہ اس کا دھواں باہر نکلے نہ تپش۔ اور وہ صرف باہر سے چمڑیوں کو نہیں جلاتی بلکہ اندر دلوں تک جاتی ہے۔ ابن مبارک نے خالد بن عمران رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نار جہنم جہنمیوں کے جسم کو جلائے گی، پھر جب دلوں تک پہنچے گی تو رک جائے گی، پھر واپس آ جائے گی تو ان کا جسم پہلے کی طرح ٹھیک ہو جائے گا وہ پھر اسے جلاتی ہوئی دلوں تک پہنچے گی اور یہ سلسلہ بار بار ہوتا رہے گا۔ (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۹)

الحمد للہ آج 19 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 17 دسمبر 2008ء بروز بدھ بعد نماز عصر مدینہ منورہ میں سورہ ہمزہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ الفیل

سورۃ الفیل ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 105ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 18ویں سورت ہے، جو قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے قبل اور قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ کے بعد نازل ہوئی۔ یہ بھی مکہ میں ابتداء اسلام کے زمانہ میں نازل شدہ نظر آتی ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوا: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ① اس لئے اسے سورۃ الفیل کہا گیا فیل عرب میں ہاتھی کو کہتے ہیں یہ لفظ فارسی سے آیا ہے جو اصل میں پیل تھا عربی میں آکر فیل ہوگیا اس سورت میں ہاتھیوں والے ایک لشکر کی تباہی کا ذکر ہے۔

اس سورت میں ایک رکوع، 5 آیات، 20 کلمات اور 96 حروف ہیں۔

مضامین

ماقبل سے اس کی یہ مناسبت یہ ہے کہ ماقبل سورۃ الھمزہ میں اس متکبر شخص کی مذمت ہے جو مال دنیا کے مل جانے سے غرور میں مبتلا ہوگیا اور غرباء پہ اشارے بازی اور زبان درازی کرنے لگا۔ اور اب اس سورت میں اصحاب الفیل پہ آنے والا عذاب بتایا جارہا ہے جو تکبر ونخوت میں ڈوب کر کعبۃ اللہ کو مسمار کرنے آئے تھے تو اللہ نے ان کو راستہ ہی میں ہلاک کردیا، اور وہ بھی چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعہ، گویا دونوں سورتوں میں تکبر کی مذمت ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتھا ۵ ۱۰۵ سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ ۱۹ رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ

کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کا کیا بُرا حال کیا [1] کیا اللہ نے ان کے داؤ کو

تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ

بربادی میں نہ ڈالا؟ اللہ نے ان پر گروہ در گروہ پرندے بھیجے [2] جو ان پر سخت پختہ

سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵

پتھر پھینکتے تھے تو اللہ نے انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر ڈالا [3]۔

کعبۃ اللہ کے گرانے کو آنے والے ہاتھیوں کے لشکر کی تباہی

[1] یہ واقعہ حضور سید المرسلین ﷺ کی ولادت سے پچاس دن یعنی قریباً پونے دو ماہ پہلے ظہور پذیر ہوا۔ اس واقعہ کے چالیس برس بعد نبی اکرم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا۔ اور اس وقت اس واقعہ کے کئی عینی شاہدین موجود تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جن دو آدمیوں نے لشکر ابرہہ کو مکہ کا راستہ دکھایا تھا میں نے انہیں دیکھا وہ بڑھاپے کی وجہ سے اندھے ہو گئے تھے اور مکہ میں مانگتے پھرتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام، قرطبی، درمنثور وغیرہ)

واقعۂ فیل نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے لئے بطور ارہاص ظاہر ہوا۔ ارہاص وہ نشان ہوتا ہے جو کسی نبی کی بعثت سے قبل اس کے لئے بطور دلیل ظاہر ہو۔ لشکر ابرہہ کے لوگوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی جن میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ صرف ان کا امیر زندہ لوٹا تاکہ وہ جا کر اہل یمن کو اپنی تباہی کا واقعہ بتا سکے اور واقعہ بتانے کے بعد وہ بھی مر گیا۔

واقدی کے بقول ابرہہ حضرت نجاشی شاہ حبشہ رضی اللہ عنہ کا دادا تھا۔ (قرطبی جلد ۲۱ صفحہ ۱۹۳)

اس لشکر میں بارہ ہاتھی تھے باقی سب گھوڑے یا اونٹ تھے۔ اور ہاتھی سب سے آگے رکھے گئے تھے تاکہ وہ اپنی ٹکروں سے کعبۃ اللہ کو گرا دیں (معاذ اللہ)۔

[2] اَبَابِیْلَ ایسا صیغہ جمع ہے جس کا مفرد نہیں یہ کسی جماعت کی کثرت بتانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے جَاءَتِ الْخَیْلُ اَبَابِیْلُ گھڑ سوار لشکر گروہ در گروہ پہنچ گیا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے بقول یہ ابابیل نامی پرندے آسمان سے آئے تھے ایسے پرندے نہ اس سے قبل دیکھے گئے نہ بعد میں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان پرندوں کی لمبی چونچیں تھیں اور کتوں جیسے پنجے، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے مطابق ان کا رنگ سبز اور سر درندوں جیسے تھے۔ (قرطبی جلد ۱۲ صفحہ ۱۹۶)

[3] سِجِّیْلٍ سخت اور نوکیلے پتھر کو کہتے ہیں بعض مفسرین کے بقول یہ لفظ اصل میں سِجِّین تھا جس کا معنی جہنم ہے بعد میں نون لام سے بدل گیا تو معنی یہ ہوا کہ پرندوں نے ان پر جہنم سے لائے ہوئے پتھر پھینکے۔ عصف چارے کو کہتے ہیں۔ اور کھایا ہوا چارہ یہ ہے کہ اگر جانور چارے کو منہ میں چبا کر ریزہ ریزہ کر کے اگل دے تو جو اس کی حالت ہوتی ہے وہی ابرہہ کے لشکر اور ہاتھیوں کی ہوگئی۔

واقعہ فیل کی تفصیل

یمن پر ایک شخص ذی یزن کی حکومت تھی وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے باخبر اور کتب انبیاء کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علامات سے واقف اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منتظر تھا اس کے ملک پر حبشیوں نے سمندر پار سے حملہ کر کے اسے مار ڈالا اور یمن پر قبضہ کر لیا۔ حبشیوں کا سربراہ ابرہہ تھا جب ابرہہ واقعہ فیل میں مارا گیا تو ذی یزن کے بیٹے سیف بن ذی یزن نے اپنے ملک کی حکومت دوبارہ سنبھالی اور حبشیوں کو یمن سے نکالا۔ مروی ہے کہ جب سیف کو حکومت ملی تو حضرت عبدالمطلب بہت سے تحائف لے کر اس کے پاس گئے اور اسے مبارک دی، سیف نے ان کا نام سن کر کہا کیا تمہارا ایک بیٹا فوت ہو گیا ہے جس کا نام عبداللہ تھا؟ انہوں نے کہا تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ عبداللہ کے ہاں ایک بیٹا ہوا ہے جس کی پشت پر مہر نبوت ہے، یہ بچہ ساری دنیا کا امام بنے گا۔ دلائل النبوۃ جلد اول فصل 6 میں امام ابونعیم نے یہ طویل واقعہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ ابرہہ نے یمن کے دارالخلافہ صنعاء میں قُلَّیْس نام کا گرجا تعمیر کیا، روئے زمین پر اس سے بڑا گرجا نہ تھا۔ ابرہہ نے کہا میں عرب کے حاجیوں کو بھی مجبور کروں گا کہ وہ مکہ والے حرم کو چھوڑ کر یہیں یمن میں حج کے لئے آیا کریں۔ اس نے حبشہ کے نجاشی کو اپنے عزائم سے بذریعہ خط آگاہ کیا۔ جب اہل مکہ کو شاہ یمن کے ان مکروہ خیالات کا پتہ چلا تو ان میں سے بنی فقیم کے ایک شخص کو طیش آیا وہ چپکے سے گیا اور ابرہہ کے بنائے ہوئے گرجے میں پاخانہ کر آیا۔ جب ابرہہ کو پتہ چلا کہ اہل مکہ میں سے کسی نے اس کے بنائے ہوئے گرجے میں آ کر پاخانہ کیا ہے تو اس نے بیت اللہ شریف کے مسمار کرنے کا ارادہ کر لیا۔

مروی ہے کہ جب ابرہہ اپنے لشکر سمیت مکہ سے باہر بستی مغمس تک پہنچا تو وہاں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے سو اونٹ

اصحاب فیل

عام الفیل: 20 اپریل 571ء

﴿ اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ﴾

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟"

(الفیل: 1/105)

قلزم
ایلہ
عقبہ
سیناء
مدین
تبوک
ضبا
العلاء
مصر
خیبر
دریائے نیل
ینبع
مدینہ منورہ
(یثرب)
نجد
حجاز
رابغ
صحرائے نوبیہ
جدہ
مکہ مکرمہ
بحیرۂ قلزم (احمر)
عسیر
سودان
نجران
دریائے نیل
دریائے عطبرہ
مصوع
صنعاء
یمن
اکسوم
تعز
عصب
باب المندب
جھیل تانا
خلیج عدن
جبوتی
دریائے نیل ازرق
زیلع
سطح مرتفع حبشہ
صومالیہ
ہرجیسہ
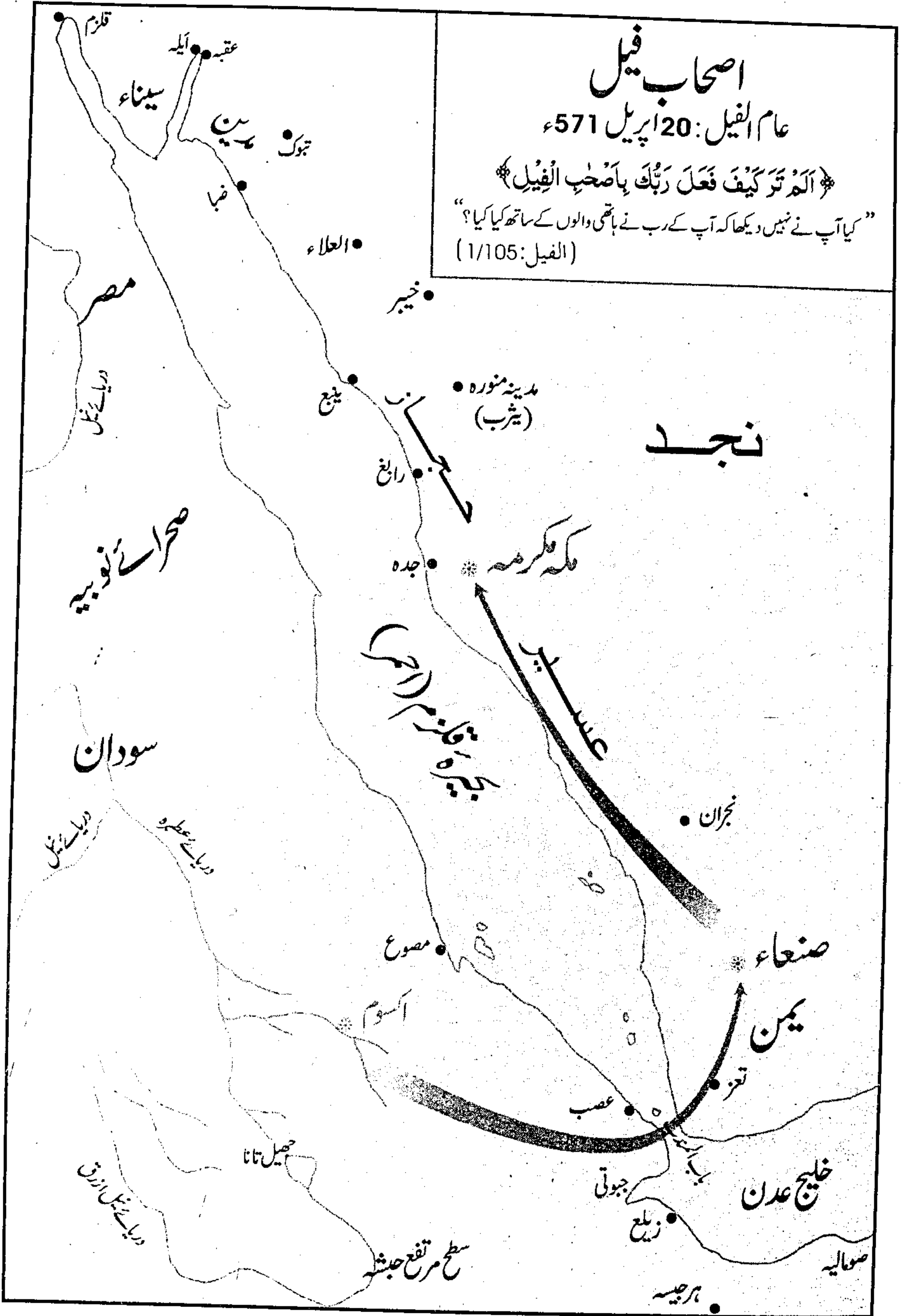
چر رہے تھے لشکر والوں نے وہ اونٹ پکڑ لئے۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں کے لئے ابرہہ کے پاس گئے۔ ابرہہ نے کہا ہم تمہارے کعبہ کو گرانے آئے ہیں تم نے اس کی بات نہیں کی تم صرف اپنے اونٹوں کی بات کر رہے ہو؟۔ اونٹ کوئی بڑی چیز نہیں ہے میں تمہیں دوسو اونٹ بھی دے سکتا ہوں۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اونٹ میرے ہیں وہ میرے حوالے کرو، رہا کعبہ تو اس کا رب موجود ہے وہ اپنے کعبہ کی خود حفاظت کرے گا۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ لے کر واپس آئے تو اہل مکہ کو ابرہہ کے عزائم سے آگاہ کیا۔ سب اہل مکہ فرار ہو گئے اور اپنے اہل وعیال کو بھی لے گئے مگر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال سمیت مکہ ہی میں رہے، انہوں نے آکر کعبہ کا طواف کیا اور دعا کی اے اللہ! تو اپنے گھر کی حفاظت فرما اور جو اسے تباہ کرنا چاہتا ہے تو اسے تباہ کر دے، اگر تو اسے تباہ نہ کرے تو تیرا دین تباہ ہو جائیگا (اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ایک اللہ کے ماننے والے اور دین اسلام کے قائل تھے)۔

جب لشکر مکہ کے قریب پہنچا تو ان کے ہاتھیوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ انہیں واپس چلایا جاتا تو چل پڑتے آگے بڑھایا جاتا تو کھڑے ہو جاتے۔ اسی کشمکش میں دن گزر گیا اور شام کا اندھیرا چھانے لگا۔ اتنے میں سمندر کی طرف سے (مکہ سے مغرب میں واقع سمندر بحر احمر کی طرف سے) پرندے آنے لگے جن کا رنگ سرخ و سیاہ تھا۔ پرندوں نے اہل لشکر پر پتھر برسانے شروع کر دیئے، جس کے سر پر پتھر گرتا اس کے پیٹ سے باہر نکلتا کئی لوگ بھاگے، مگر پرندے ان کے پیچھے گئے اور انہیں وہیں ڈھیر کر دیا۔ اگلی صبح حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ پہاڑوں پر چڑھ کر دیکھنے لگے تو انہیں لشکر گاہ میں کوئی انسان نظر نہ آیا حالانکہ کل لشکر پورے مکہ پر بادل کی طرح چھایا ہوا تھا۔ پھر آگے بڑھ کر دیکھا تو سارا لشکر مرا پڑا تھا اور اس کے سر پھٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اہل لشکر کا مال واسباب سنبھالنا شروع کیا۔ یہ ان کا پہلا مال تھا (جس سے ان کے ہاں مالی وسعت آگئی)۔

یزید وحجاج اور قرامطہ وغیرہ سے حفاظتِ کعبہ کیوں نہ کی گئی

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ابرہہ کے لشکر سے کعبۃ اللہ کی حفاظت کی اسی طرح یزید وحجاج اور قرامطہ کے لشکروں سے کیوں حفاظت نہ کی؟ یزیدی لشکر نے کعبۃ اللہ کا غلاف جلا دیا اس کا چھت جلا دیا۔ اور حجاج کے لشکر نے کعبہ کے اندر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کیا اور ہزاروں اہل مکہ کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ پھر 270 ہجری میں کوفہ کے گروہ قرامطہ نے کعبہ پر قبضہ کیا اور حج موقوف کر دیا۔ عباسی خلیفہ اپنی سیاسی کمزوری کے باعث ان کا کچھ بگاڑ نہ سکتا تھا۔ انہوں نے حجر اسود کو اس کی جگہ سے نکال لیا اور اپنے ساتھ لے گئے وہ بیت المقدس کے حج کے قائل تھے، انہوں نے حجر اسود کو وہاں لیجا کر نصب کر دیا اور بیس سال تک وہاں رکھا اس دوران لوگ حجر اسود کی جگہ کو ہاتھ لگا کر چوم لیتے تھے۔ آخر خلیفہ نے پچاس ہزار درہم کا تاوان دے کر حجر اسود کو حاصل کیا اور اسے اس کی جگہ لگایا۔ تو اللہ نے ان لوگوں سے کعبہ کی حفاظت کیوں نہ کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یزید اور حجاج کا بالذات مقصد کعبۃ اللہ کی اہانت نہ تھا وہ اپنے دشمنوں کو پکڑنا چاہتے تھے اس دوران کعبہ کی بے حرمتی بھی ہوگئی، اگر ان کا مقصد کعبۃ اللہ ہی کو نقصان دینا ہوتا تو وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوتے اور ان کا حال ابرہہ کے لشکر جیسا ہی ہوتا۔ کیونکہ اللہ خود اپنے گھر کی حفاظت فرمانے والا ہے، اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ قرب قیامت میں دجال ساری دنیا میں تباہی مچائے گا مگر وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اور قرامطہ کو یہ چھوٹ قدرت نے اس لئے دی تا کہ مسلمانوں کو ان کی سستی کی سزا دی جائے اور اللہ کی حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے۔

الحمدللہ 19 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 17 دسمبر 2008ء بروز بدھ مدینہ طیبہ میں سورہ فیل کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد والہٖ وصحبہٖ وسلم اجمعین۔

سورۃ قریش

سورۃ قریش ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 106ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 28ویں سورت ہے، جو سورہ القارعہ سے قبل اور سورہ التین کے بعد نازل ہوئی۔ چونکہ یہ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ کے الفاظ سے شروع ہوئی اس لئے اسے سورۃ القریش کہا گیا اور قریش کا لفظ اسی سورت میں ہے اور کسی سورت میں نہیں۔

اس سورت میں ایک رکوع، 4 آیات، 14 کلمات اور 73 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل سورۃ الفیل میں شہر مکہ پہ حملہ آور اصحاب الفیل پہ آنے والے عذاب کا ذکر کیا گیا۔ اس سورۃ قریش میں اہل مکہ کو دعوت دی جارہی ہے کہ وہ صرف اس رب کی عبادت کریں جس نے تمہیں اپنے مقدس گھر کا پڑوس عطا فرمایا ہے۔ اور اس پڑوس کی برکت سے تمہیں تجارتی سفروں میں عزت وشوکت ملتی ہے، دوسرے ممالک کے لوگ اس لیے تمہارا احترام کرتے ہیں کہ تم بیت اللہ کے ہمسائے اور باشندگانِ حرم ہو۔ تو دونوں سورتوں کا مرکزی نقطہ باشندگانِ حرم کے لیے تذکیر نعمت ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ٤ — ١٠٦ سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ ٢٩ — رکوعاتھا ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿١﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ﴿٢﴾ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ

اس لئے کہ قریش کو مانوس کیا گیا انہیں سردی اور گرمی کے (تجارتی) سفر سے مانوس کیا گیا [1] تو انہیں چاہیے کہ

هٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾

اس گھر (کعبہ) کے رب کی عبادت کریں، جس نے انہیں بھوک کے بعد کھلایا اور خوف کے بعد امن دے دیا [2]

قریش کے تجارتی اسفار اور انہیں رب کعبہ کی عبادت کی دعوت

[1] سرزمین مکہ بے آب وگیاہ ہے بارشیں بہت کم ہوتی ہیں۔ پانی کی بہت قلت ہے، زمزم کے سوا وہاں کوئی چشمہ یا نہر نہیں، لہٰذا کھیتی باڑی کا کوئی تصور نہیں تو وہاں کے لوگ تجارت سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ظہور اسلام سے قبل اہل مکہ نے یمن اور شام کی طرف تجارتی سفروں کا طریقہ اپنا رکھا تھا۔ چونکہ یہ لوگ سرزمین حرم کے باشندے تھے اس لئے انہیں یمن وشام میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور جب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر حملہ کرنے والے لشکر کو تباہ کیا، تب سے آس پاس کے ممالک میں اہل حرم (قریش) کی عزت وتکریم مزید بڑھ گئی۔

حضرت ہاشم بن عبد مناف نے قریش کے ہاں تجارت کو کیسے رائج کیا

قریش مکہ کو تجارت کی طرف مائل کرنے میں حضور سید المرسلین ﷺ کے پردادا حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا کردار ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ کئی بار بعض اہل حرم فقر وفاقہ کے سبب اپنے اہل وعیال سمیت اجتماعی خودکشی کر لیتے ہیں، تو انہوں نے غرباء کی مالی مدد کے لئے جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت تقسیم کرنے اور ثرید بنا کر ان کے گھروں تک پہنچانے کا طریقہ رائج کیا اسی لئے انہیں ہاشم کا نام دیا گیا یعنی ثرید گوندھنے والا، عربی میں کہتے ہیں هَشَمَ الثَّرِيْدَ اس نے ثرید گوندھا ورنہ ان کا اصل نام عمرو بن عبد مناف تھا۔ اس کے علاوہ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے ایک تجارتی فنڈ قائم کیا اور قریش کے ہر قبیلہ کو حکم دیا کہ اس میں اپنا حصہ ڈالے جس سے تجارت شروع کی گئی اور طریقہ اپنایا گیا کہ سال میں دو

قریش مکہ کے سفر
﴿رحلة الشتاء والصيف﴾ (القریش: 2/106)
(سردیوں میں)
(گرمیوں میں)

بحیرہ روم
شام
بصریٰ
القدس
غزہ ہاشم
بحیرہ مردار
وادی سرحان
قلزم
معان
ایلہ
سیناء
دُومۃ الجندل
تبوک
خریبہ
مدین
تیماء
حائل
ضبا
الوجہ
العلاء
خیبر
مدینہ منورہ
(یثرب)
حجاز
نجد
مصر
دریائے نیل
(بحیرہ قلزم)
صحرائے نوبیہ
جدہ
شعیبہ
مکہ مکرمہ
طائف
تربہ
عسیر
قنفذہ
بحیرہ قلزم
نجران
جیزان
فرسان
صعدہ
دریائے عطبرہ
سوڈان
مصوع
دہلک
مأرب
صنعاء
قمران
زبید
یمن
الاسود
تعز
مخا
عصب
عدن
خلیج عدن
حبشہ
بحر ازرق
دریائے فرات
طیسفون
(مدائن)
دجلہ
بابل
حیرہ
سواد
اُبلہ
کاظمہ
خلیج فارس

تجارتی سفر کئے جائیں ایک سردی میں ایک گرمی میں، گرمی میں شام کی طرف اور سردی میں یمن کی طرف۔ ان تجارتی اسفار سے قریش کو بے پناہ مال ہاتھ آیا اور ان کے غریب بھی امیر ہو گئے اور پورے عرب میں قریش سے بڑھ کر کوئی صاحب ثروت نہ رہا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اُتاری اور فرمایا: فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۳ الخ
(قرطبی جلد ۲۱ صفحہ ۲۰۴)

اس سے معلوم ہوا کہ تجارت اللہ رب العزت کی نعمت ہے اور حدیث مبارکہ کے مطابق سچا تاجر انبیاء وشہداء کے ساتھ اُٹھے گا۔ (ابن ماجہ کتاب البیوع)

اور تجارت خود رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے آپ نے حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت شام میں جا کر فروخت کیا، جس سے انہیں کثیر منافع ہوا اور یہی چیز بعد میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا شادی کی باعث ہوئی۔

[2] یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب قریش کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر نعمتوں سے نوازا ہے تو پھر انہیں اس رب کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کے درمیان اپنا گھر کعبہ بسایا اور اس کی نسبت سے انہیں عزت وتوقیر بخشی۔ اور انہیں بھوک کے بعد کھانا اور خوف کے بعد امن دے دیا۔ یہ اس زمانہ کی طرف اشارہ ہے جب حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا اقدامات سے قبل قریش کسمپرسی کا شکار تھے اور خودکشیاں کرتے تھے۔ امام بغوی نے لکھا ہے کہ پھر وہ وقت آیا کہ خود اہل مکہ کے پاس ایسی تجارتی منڈیاں لگ گئیں کہ انہیں شام ویمن کے سفروں کی ضرورت ہی نہ رہی جیسے عکاظ اور ذوالمجاز۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تو وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ دراصل وہ شام ویمن سے اس قدر مال لانے لگے کہ اس کی فروخت کے لئے انہوں نے یہاں منڈیاں لگالیں اور آس پاس کے لوگ خریداری کے لئے مکہ میں آنے لگے تو ان کے پاس رزق کی مزید فراوانی ہوگئی۔ چنانچہ حج کے موقع پر منیٰ میں بازار عکاظ لگتا تھا، جس سے قریش کو بے پناہ مالی فوائد ملتے تھے۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۲۹۸)

قریش کا تعارف اور ان کی فضیلت

یہاں لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۱ کہا گیا تو یاد رہے کہ قریش حضرت نضر بن کنانہ رضی اللہ عنہ کی اولاد کا نام ہے تو جو اولاد نضر ہے وہ قریش ہے جو اس میں نہیں وہ قریش میں سے نہیں۔ اور یہ نضر حضور سید المرسلین ﷺ کے نسب میں تیرہویں نمبر پر ہیں آپ کا نسب یہ ہے۔ محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔

اولاد مضر کو بقول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما قریش اس لئے کہا جاتا ہے کہ سمندر میں ایک مچھلی کو قریش کہتے ہیں، وہ سب سے طاقتور مچھلی ہے وہ کمزور مچھلیوں کو کھا جاتی ہے مگر اسے کوئی کھا نہیں سکتا۔ تو قریش نے خود کو اس مچھلی کے ساتھ

تشبیہ دیتے ہوئے اپنی عددی وسیاسی قوت کے باعث اپنا یہ نام رکھا۔(تفسیر خازن جلد ۷ صفحہ ۲۹۷)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے قریش کو سات صفات کے باعث فضیلت دی۔(1) انہوں نے دس برس یوں اللہ کی عبادت کی کہ ان کے سوا کوئی اللہ کی عبادت کرنے والا نہ تھا (یہ اسلام کے ابتدائی دس برسوں کی طرف اشارہ ہے کہ ان برسوں میں جتنے صحابہ اسلام لائے خواہ تھوڑے یا زیادہ وہ سب قریش ہی سے تھے۔(2) انہیں واقعۂ فیل کے ذریعے فضیلت دی گئی حالانکہ اس وقت وہ مشرکین تھے۔(3) ان کے بارے میں لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ کہا گیا۔(4) اللہ نے ان میں نبوت رکھی یعنی ان میں آخری نبی کو بھیجا گیا۔(5) ان میں اللہ نے خلافت رکھی۔(6) ان میں حجابت۔(7) اور سقایت رکھی (یعنی کعبۃ اللہ کا غلاف سنبھالنے اور حجاج کو پانی پلانے کی ذمہ داریاں) (طبرانی اوسط حدیث ۱۹۷۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگ خیر وشر میں قریش کے تابع ہیں۔''
(صحیح مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۳)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ چونکہ قریش ہی میں سے کچھ لوگ سب سے پہلے اسلام لائے اور قریش ہی میں سے کچھ لوگ سب سے پہلے کافر ہوئے، تو بعد والے مسلمان قریشی مسلمانوں کے تابع ہیں اور کفار قریشی کافروں کے تابع ہیں۔

خلافت کے مستحق قریش ہی ہیں

خلافت سے مراد پوری امت مسلمہ کی اجتماعی حکومت ہے، یعنی اگر ساری امت مسلمہ ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوجائے جیسے خلافت راشدہ، خلافت امویہ اور خلافت عباسیہ کے ادوار میں تھی تو ضروری ہوگا کہ ان کا خلیفہ قریشی ہو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ امر (امر خلافت) ہمیشہ قریش ہی میں رہے گا جب تک دو آدمی بھی موجود ہیں (یعنی جب تک دو مسلمان بھی دنیا میں ہیں خلافت قریش کا حق ہے حتیٰ کہ اگر صرف دو مسلمان ہوں اور ایک ان میں سے قریش ہو تو وہی حقدار خلافت ہے) (صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث ۳۵۰۱)

مگر یہ بھی ضروری ہے کہ جس قریشی کو خلیفہ بنایا جائے وہ متبع قرآن وسنت ہو۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ امر (خلافت) ہمیشہ قریش میں ہے جو شخص بھی اس بارے میں ان سے الجھے اللہ اسے منہ کے بل گرا دے گا، بشرطیکہ وہ دین کو قائم کرتے ہوں۔'' (صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث ۳۵۰۰)

لہٰذا خلافت کے لئے قریش کا حق مقدم ہے، اگر کوئی قریشی خلافت کے دیگر تقاضوں پر پورا اُترتا ہو تو اسے چھوڑ کر غیر قریشی کو خلافت دینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جب انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا

ایک مہاجرین میں سے تو اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی حدیث پیش کی کہ خلافت صرف قریش میں ہے۔ تب انصار خاموش اور مطمئن ہو گئے اور سب صحابہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چن لیا۔ پھر عہد خلافت راشدہ، عہد اموی اور عہد عباسی میں خلافت ہمیشہ قریش ہی میں رہی۔ پھر مسلمانوں میں اتحاد ختم ہو گیا اور الگ الگ حکومتیں کھڑی ہو گئیں۔ اور آخر زمانہ میں امام مہدی خلافت سنبھالیں گے اور وہ قریش میں سے ہوں گے۔ اور آج بھی اگر سب مسلمان ایک قریشی خلیفہ پر جمع ہو جائیں تو اسلام غالب ترین سیاسی قوت بن سکتا ہے۔

یاد رہے کہ سب سادات کرام یعنی اولاد فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نہ صرف قریش ہیں، بلکہ قریش میں سے افضل ترین ہیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد (جو دوسری بیویوں سے ہے) اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد بھی قریش ہیں، ان لوگوں کو علوی یا عباسی سادات کہا جاتا ہے، یہ بھی اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہیں اور حدیثِ ثقلین کا مصداق ہیں۔

الحمد للہ آج 19 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 17 دسمبر 2008ء بروز بدھ بعد نماز عشاء مدینہ طیبہ میں سورۃ القریش کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورۃ الماعون

سورۃ الماعون ترتیب تلاوت میں قرآن کریم کی 107 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول میں 16 ویں سورت ہے، جو يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ سے قبل اور اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورت کا آخری لفظ الْمَاعُوْنَ ہے اور یہ لفظ اسی سورت میں ہے اس مناسبت سے اسے سورۃ الماعون کہا گیا۔

اس سورت میں ایک رکوع، 7 آیات، 25 کلمات اور 125 حروف ہیں۔

مضامین

اس سورت کی ماقبل سورۃ قریش سے یہ مناسبت ہے کہ سورۃ قریش میں بتایا گیا کہ قریش پہ جب اللہ تعالیٰ نے اتنے احسانات کیے تو انہیں رب کعبہ کی عبادت کرنی چاہیے، یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکریہ اس کی عبادت کی صورت میں دینا چاہیے، مگر منکرین دین کا یہ حال ہے کہ وہ اللہ کا شکر بجالانے کی بجائے یتامی ومساکین کو دھکے دے کر اللہ کے غضب کو للکارتے ہیں۔ علاوہ ازیں پیچھے سورۃ الھمزہ میں بتایا گیا کہ اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو غرباء کو طعنے دیتا اور مال جمع کر کے اسے گن گن کر رکھتا ہے، تو اب ایسے ہی شخص کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ یتیموں کو دھکے دیتا اور مسکینوں سے سرد مہری برتتا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۷ ۱۰۷ سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ ۱۷ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ① فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ②

ذرہ اس شخص کو دیکھو جو دین کو جھٹلاتا ہے تو وہی یتیم کو دھکے دیتا ہے اور

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ④ الَّذِيْنَ هُمْ

مسکین کے کھانا کھلانے کی رغبت نہیں دلاتا [1] تو ان نمازیوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے

عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ⑤ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ⑥ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ⑦

غافل ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں [2] اور برتنے کی معمولی چیز بھی نہیں دیتے [3]

یتیم و مسکین سے نفرت، ترکِ نماز اور بخل کا عذاب

[1] یعنی اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اے سننے والے انسان! ذرہ اس شخص کی جہالت اور بدبختی کو دیکھو جو روز انصاف کو اپنے عقیدہ یا عمل کے اعتبار سے جھٹلاتا ہے، اسی لئے وہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے کھانا کھلانے کی رغبت نہیں دلاتا۔ گویا وہ خود بھی یتامیٰ و مساکین کو کچھ نہیں دیتا اور اپنے گھر والوں کو اس کی رغبت بھی نہیں دلاتا۔ اگر اس کے دل میں روز انصاف کا کچھ بھی خوف ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتا۔

مروی ہے کہ یہ آیات ابوجہل کے بارے میں اتریں، جب مکہ میں کوئی مالدار شخص مرنے لگتا تو ابوجہل اس کے پاس جا کر کہتا کہ تم مجھے اپنا وصی بناؤ میں تمہارے مرنے کے بعد تمہارے مال کو تمہارے ورثاء میں صحیح طریقہ سے تقسیم کروں گا اور تمہاری وصیتیں نبھاؤں گا، کئی لوگ اسے وصی بنا دیتے۔ اور ان کے مرنے کے بعد ابوجہل ان کے مال پر قبضہ کر لیتا اور ان کے چھوٹے یتیم بچوں کو دھکے دے کر نکال دیتا تھا۔ ایسے ہی یتیم بچوں میں سے ایک یتیم اپنی فریاد لے کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی مدد کے لئے ابوجہل کے پاس جا کر اس کو خوفِ خدا دلایا اور روز انصاف کی پکڑ سے ڈرایا۔ ابوجہل کہنے لگا میں نہیں جانتا روز انصاف کیا ہے اور وہ قیامت کا مذاق اُڑانے لگا۔ تب یہ آیات نازل

ہوئیں۔(تفسیر عزیزی)

روز انصاف کی حقانیت

معلوم ہوا روز انصاف پر یقین رکھنا انسان کو دوسروں پر ظلم کرنے سے روکتا ہے اور اس سے انکار کرنا اسے ظلم پر دلیر کرتا ہے۔اسی لئے فرمایا گیا یُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ؕ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿۲﴾ اگر انسان کو کسی روز انصاف کا ڈر ہی نہ ہو تو اسے کسی یتیم و مسکین پہ ظلم کرنے اور کسی مجبور کا حق دبانے سے کیوں ڈر آئے گا۔

سلطنت عثمانی کے سلاطین میں سے ایک سلطان مراد گزرا ہے، اس کے کارندوں نے ایک بڑھیا کی زمین اس کے محل میں داخل کر لی۔ایک دن وہ بڑھیا ایک پل پہ کھڑی ہوگئی جہاں سے سلطان کی سواری گزرنے والی تھی۔جب سواری قریب آئی تو بڑھیا لپک کر سلطان کے سامنے گئی اور کہا: اے سلطان! تمہارے کارندوں نے میری زمین تمہارے محل میں داخل کر لی ہے، میں پوچھتی ہوں کہ میری زمین اس پل پہ واپس کرتے ہو یا قیامت کے پل صراط پہ واپس کرو گے؟ یہ سن کر سلطان مراد پہ لرزہ طاری ہو گیا وہ کانپنے لگا،اس نے فوراً حکم دیا کہ بڑھیا کو اس کی جگہ کا بہترین معاوضہ دیا جائے،تو یہ ہے روز انصاف کا ڈر۔

یتیم پہ ظلم کرنے کا عذاب

معلوم ہوا یتیم کا مال کھانا ابوجہل کا کردار ہے اور یتیم کی مدد کرنا سید المرسلین ﷺ کی سنت کریمہ ہے اب یتیموں کا مال کھانے والے بتائیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پیروکار ہیں یا ابوجہل کے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾ ''بیشک جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نار (جہنم) بھرتے ہیں اور عنقریب بھڑکتی آگ میں جا پہنچیں گے۔'' (نساء،۱۰)

مسکین کو خود بھی کھلاؤ اور دوسروں کو بھی اس کی رغبت دلاؤ

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ؕ﴿۳﴾ سے یہ بات ظاہر ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مسکین کو نہ صرف کھلاؤ بلکہ دوسروں کو بھی اس کی رغبت دلاؤ۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ ''اور تم مسکین کے کھلانے پر ایک دوسرے کو رغبت نہیں دلاتے۔'' (فجر،۱۸)

روز قیامت جب اہل جہنم سے ان کے جہنم میں پہنچنے کا سبب پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے: لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ ''ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔''

(مدثر،۴۴)

[2] یہاں سے لے کر سورت کے آخر تک تمام آیات منافقین کے حق میں اُتریں اس لئے انہیں مدنی آیات کہا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ منافقین کا حال بتایا گیا ہے وہ جب مسلمانوں سے پوشیدگی میں ہوتے تو نماز چھوڑ دیتے اور جب ان کے سامنے ہوتے تو لمبی نماز پڑھتے۔ اسی لئے ان کے بارے میں فرمایا گیا: وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ کہ ''جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں، وہ لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں۔'' (نسآء، ۱۴۲) بعض نے کہا اس سے ایسے لوگ مراد ہیں جو دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں اور نماز کے فوت ہونے پر کچھ ندامت محسوس نہیں کرتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز کو درست وقت پر نہیں پڑھتے اور اس کے رکوع وسجود کو مکمل نہیں کرتے (یعنی آخری وقت میں جلدی جلدی پڑھتے ہیں) (تفسیر خازن جلد ۷ صفحہ ۲۹۹)

اور یہ تمام تفاسیر اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

معلوم ہوا محض لوگوں کے دکھاوے کے لئے نماز پڑھنا ورنہ نہ پڑھنا یا نماز کو بے دلی سے جلدی جلدی پڑھنا یا تاخیر کر کے تنگ وقت میں پڑھنا منافقین کا طریقہ ہے مومن اللہ کی رضا کے لئے نماز پڑھتا ہے اسے کبھی نہیں چھوڑتا اور ٹھہر ٹھہر کر حکم الٰہی کے مطابق پڑھتا ہے۔

[3] حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن، مومن کا بھائی ہے جب اسے ملے تو سلام کہتا اور سلام کا بہتر جواب دیتا ہے اور اسے ماعون سے نہیں روکتا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ماعون کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پتھر، لوہا، پانی اور اسی طرح کی کوئی معمولی چیز۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۴۴)

یعنی اگر مومن سے دوسرا مومن چاقو، چھری، پتیلا، گلاس و دیگر برتنے کی کوئی چیز مانگے تو وہ خوش دلی سے دے دیتا ہے، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے الماعون کی تفسیر کلہاڑی، ہنڈیا اور ڈول سے کی ہے۔ معلوم ہوا جو شخص برتنے کی معمولی چیز بھی اپنے مسلمان بھائی کو دینا نہ چاہے اس کا کردار منافقین والا ہے۔ اللہ ہمیں ایک دوسرے کا ہمدرد بنائے۔

الحمدللہ آج 20 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 18 دسمبر 2008ء بروز جمعرات مدینہ طیبہ میں سورہ ماعون کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورۃ الکوثر

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے سورۃ الکوثر قرآن کریم کی 108 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے چودھویں سورت ہے، یہ اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ سے قبل اور وَالۡعٰدِيٰتِ ضَبۡحًا کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی سورت ہے۔ یہ اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ؕ۝۱ سے شروع ہوئی اور الۡكَوۡثَرَ کا لفظ کسی دوسری سورت میں نہیں ہے، اس لئے اسے سورۃ الکوثر کا نام دیا گیا۔

اس میں ایک رکوع، صرف تین آیات، 10 کلمات اور 42 حروف ہیں۔ یہ قرآن کریم کی سب سے مختصر مگر جامع ترین سورت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب قرآن نے منکرین کو چیلنج دیا کہ اگر تم اس کتاب میں شک رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندۂ خاص محمد مصطفیٰ ﷺ پہ اُتارا ہے تو اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ۔ (بقرہ، 23) تو ان کے سامنے یہی سورت کوثر پیش کی گئی حالانکہ یہ قرآنِ مجید کی سب سے مختصر ترین سورت ہے، مگر تمام اہل عرب مل کر بھی اس کی مثل نہ لا سکے۔

مضامین

اس سورت کی ماقبل کی سورتوں سے مناسبت میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے طویل کلام کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ سورۃ الکوثر بیان عظمت مصطفیٰ ﷺ کا حسین گلدستہ ہے، اس لیے ماقبل والی سورتوں میں آپ کی عظمت پر تمہید باندھی گئی، مثلاً سورۃ الضحیٰ میں فرمایا گیا: مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ؕ۝۳ وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى ؕ۝۴ وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى ؕ۝۵ (سورۃ الضحیٰ، ۳۔۵)

پھر سورۃ الانشراح میں فرمایا گیا: اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۙ۝۱ اور فرمایا گیا: وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ؕ۝۴ (الانشراح، ۱، ۴) پھر سورہ والتین میں سید عالم ﷺ کے شہر کی قسم اُٹھاتے ہوئے فرمایا گیا: وَهٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِيۡنِ ۙ۝۳ (التین، ۳)

پھر سورۃ العلق میں اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ ۚ۝۱ تا مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ (علق، ۱، ۵) کہہ کر سید المرسلین ﷺ کی رسالت پہ گواہیاں دی گئیں، پھر سورۃ القدر میں آپ پہ اترنے والی کتاب کی عظمت بتائی گئی۔

پھر سورۃ البینہ سے لیکر سورۃ الھمزہ تک مختلف پیرایوں میں اللہ و رسول کی اطاعت پہ روشنی ڈالی گئی، پھر سورۃ الفیل میں وہ ارہاص بیان کیا گیا جو ولادت مصطفیٰ ﷺ سے پچاس دن قبل ظاہر ہوا، تاکہ لوگوں پہ ظاہر ہو کہ اللہ کے ہاں آپ کا کیا مقام و مرتبہ ہے، پھر سورۃ قریش میں اہل مکہ پہ انعامات الٰہیہ بیان کیے گئے، کیونکہ مکہ آپ ﷺ کا شہر ولادت ہے اس لیے یہاں کے باشندوں پہ خصوصی انعامات فرمائے گئے، یہ بھی حضور سرور کونین ﷺ کی عظمت ہی کا ایک نشان ہے۔ پھر سورۃ الماعون میں آپ ﷺ کے دشمن ابو جہل کا کردار زشت بیان کیا گیا اور آپ کی اطاعت پہ لوگوں کو ابھارا گیا، ان تمام تمہیدات کے بعد سورۃ الکوثر لائی گئی اور فرمایا گیا: اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ؕ۝۱

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۳ ۱۰۸ سُورَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ ۱۵ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

بے شک ہم نے اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو خیر کثیر عطا کردی[1] تو آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی دیں[2] بے شک آپ کا دشمن ہی نسل بریدہ ہے[3]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مالکِ کوثر ہونا

[1] اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوثر عطا فرمایا ہے۔ كَوْثَرٌ كَثْرَةٌ سے مبالغہ ہے جیسے نَوْفَلٌ نفلٌ سے اور جَوْهَرٌ جهرٌ سے۔ معنی یہ ہے کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ کو ہر بھلائی کی کثرت عطا فرمادی ہے۔ اس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ کے تحت عمدہ کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیف نقاط پنہاں ہیں۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ کے الفاظ میں پنہاں نکاتِ عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اول: اللہ تعالیٰ نے یہاں مفرد صیغہ اعطیتُك کی جگہ جمع کا صیغہ اَعْطَيْنٰكَ ارشاد فرمایا۔ اگر اس میں جمع حقیقی مراد ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ انبیاء اور فرشتے بھی اس میں شامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت بڑھا رہا ہے۔ اور فرشتے بھی آپ کی عظمت بڑھا رہے ہیں کیونکہ وہ آپ پر درود پڑھتے ہیں (اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ) اور انبیاء بھی آپ کی خبریں دیتے رہے اور آپ کی عظمت کے اعلانات کرتے رہے اور اگر جمع تعظیم مراد ہو تو اس میں آپ کو دیئے گئے عطیہ کی عظمت پر تنبیہ مقصود ہے کیونکہ عطیہ دینے والا خدا مالک ارض وسما ہے عطیہ لینے والا محبوب سید الانبیاء ہے تو یقیناً جو عطیہ دیا گیا وہ کثرت خیر کی انتہا ہے۔

دوم: پھر یہاں جملہ اسمیہ کا انداز اپنایا گیا جو تاکید پر دلالت کرتا ہے (یعنی یوں بھی کہا جا سکتا تھا: یاأیها النبی اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ یا یعطیك الله الکوثر مگر اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ کہنے میں جلالت کلام واضح ہے) پھر اِنَّ حرف تاکید کا لگانا کلام کو مزید مؤکد کر رہا ہے۔

سوم: پھر اَعْطَيْنٰكَ صیغۂ ماضی بولا گیا، سنعطیك صیغۂ مستقبل نہیں لایا گیا۔ جو یہ بتاتا ہے کہ آپ کو کوثر کا دیا

جانا ماضی میں واقع ہو چکا ہے اور آپ مالک کوثر بن چکے ہیں۔ گویا بتایا کہ اے محبوب ﷺ ہم نے آپ کو عظمت کے اسباب اس وقت سے دے دیئے ہیں جب آپ نے ابھی منزل وجود میں قدم نہیں رکھا تھا۔ اسی لئے حضور ﷺ فرماتے ہیں: كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام منزل آب و گل میں تھے۔

(ترمذی، کتاب المناقب)

اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ گویا کہا گیا اے پیارے رسول ﷺ! ہم نے آپ کی عبادت و طاعت کے سبب آپ کو عظمت و محبوبیت سے نہیں نوازا (اس کا حکم تو ہم آپ کو فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ کی صورت میں بعد میں دیں گے) ہم نے تو آپ کو محض اپنے فضل و کرم سے اپنے قرب خاص اور اکرام خاص کے لئے چن لیا ہے۔

چہارم: اس کے علاوہ یہ بات بھی یہاں قابل غور ہے کہ اعطینا اور اٰتینا دونوں کا معنی دینا ہے مگر اٰتینا نہ فرمایا گیا اس لئے کہ یہ واجب کی ادائیگی کے لیے بھی بولا جاتا ہے جیسے اٰتوا الزکوٰۃ مگر اعطا کا لفظ محض جود و کرم کے معاملہ میں بولا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کہہ کر بتایا کہ اے پیارے محبوب ﷺ! ہم نے آپ کو جو عظمتیں اور رفعتیں دی ہیں وہ کسی استحقاق کا بدلہ نہیں ہیں۔ کیونکہ استحقاق کے بدلہ میں کچھ دیا جانا اس وقت تک ہوتا ہے جب تک بندہ وہ کام کرتا ہے جس کے سبب وہ انعام کا مستحق ہے اور بندے کا فعل بہر حال ایک انتہا پر رک جاتا ہے۔ رہا اللہ کا فضل تو وہ اللہ کی طرح لامتناہی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اَعْطَيْنٰكَ فرما کر یہ اعلان فرما دیا کہ اے محبوب کریم ﷺ آپ پر ہماری عنایات کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ اسی لئے فرمایا گیا وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ (ضحیٰ، ۴)

اب یہ بات آئی کہ الکوثر سے کیا مراد ہے تو اس میں کثیر احتمالات ہیں جو مفسرین نے ذکر کئے اور ہر احتمال اپنی جگہ درست اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کا حسین پھول ہے۔

اول: کوثر بمعنی حوض کوثر اور نہر کوثر

احادیث کا مطالعہ بتاتا ہے کہ حضور سرورِ کونین ﷺ کو جنت میں ایک نہر دی جائے گی جس کا نام کوثر ہے اور جنت میں جانے سے قبل میدان حشر میں آپ کی امت جب پیاس سے گھبرائے گی تو اللہ اپنے حبیب کے صدقے آپ کی امت کے لئے نہر کوثر سے پانی کے پرنالے چلائے گا جو ایک حوض میں آ کر گریں گے اسے حوض کوثر کہا جائے گا، کیونکہ اس میں نہر کوثر سے پانی آئے گا حضور ﷺ میدان حشر میں پیاس سے گھبرائے ہوئے اپنے امتیوں کو اس سے جام بھر بھر کر پلائیں گے۔ اسی لئے مسلم شریف میں کوثر کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نَهْرٌ وَ عَدَنِيْهِ رَبِّيْ فِي الْجَنَّةِ عَلَيْهِ حَوْضٌ وہ جنت میں نہر ہے جس کا مجھ سے میرے رب نے وعدہ فرمایا ہے اس پر حوض ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل حدی ۵۳)

گویا نہر کوثر حضور سید عالم ﷺ کے لئے الگ نعمت و عظمت ہے اور حوض کوثر الگ نعمت و عظمت۔ کوئی اور نبی اپنی

امت کو میدان حشر میں یہ نعمت نہیں دلا سکے گا جو حضور ﷺ اپنی امت کو دلائیں گے گویا جنت میں جانے سے قبل ہی جنت کی نعمت سے نوازیں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر ایک بار غنودگی طاری ہوئی پھر آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا اور فرمایا مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ پڑھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کوثر جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ نے مجھے عطا فرمائی ہے اس میں خیر کثیر ہے۔ میری امت روز قیامت اس پر وارد ہوگی اس کے برتن ستاروں کی تعداد میں ہیں۔ ان میں سے ایک شخص وہاں سے ہٹا دیا جائے گا (اسے پینے نہیں دیا جائے گا) میں کہوں گا اے میرے رب! یہ میرا امتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محبوب ﷺ! آپ نہیں جانتے ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا بدعت ایجاد کر لی تھی۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۵۳)

نہر پر امت کے وارد ہونے سے یہ مراد ہے کہ نہر کے حوض پر امت وارد ہوگی ورنہ اس بات کا کوئی معنی نہیں ہے کہ ایک شخص کو جنت کی نہر سے ہٹا دیا جائے گا کیونکہ اس نے دین میں بدعت ایجاد کی تھی۔ اس لئے کہ اہل بدعت کا ٹھکانہ جہنم ہے وہ جنت میں کیسے جائیں گے اور اگر جائیں گے تو انہیں وہاں سے ہٹائے جانے کا کوئی معنی نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جنت کی سیر کر رہا تھا میں نے وہاں ایک نہر دیکھی جس کے کناروں پر موتیوں کے قبے ہیں۔ میرے پوچھنے پر حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ نہر کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو دی ہے میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی از فر کستوری کی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب ۵۳ حدیث ۶۵۸۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ نہر دودھ سے سفید اور شہد سے میٹھی ہے۔
(ترمذی کتاب صفۃ الجنہ باب ۱۰)

جبکہ حوض کوثر کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میرا حوض ایک ماہ کی مسافت پر ہے (اس کے برابر چوڑا ہے) اس کا پانی دودھ سے سفید اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کے کوزے آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہیں جو اس سے ایک بار پیے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔
(صحیح بخاری کتاب الرقاق حدیث ۶۵۷۹، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۲۷)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ حوض کے برتن کیسے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے برتن آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں، جو ان سے ایک بار پیئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس میں جنت سے دو پرنالے گریں گے۔ اس کی لمبائی چوڑائی ایک جیسی ہے یعنی عمان سے ایلہ تک، اس کا پانی دودھ سے سفید اور شہد سے میٹھا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث ۳۶)

ایلہ سے عمان تک کے الفاظ ایک تشبیہ کے طور پہ کہے گئے ہیں، ورنہ حوض کوثر کے طول وعرض کو اللہ ورسول ہی جانتے ہیں۔

دوم: کوثر بمعنی کثرت اولاد مصطفیٰ ﷺ

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں چونکہ یہ آیت ان لوگوں کے رد میں اتاری گئی جنہوں نے حضور ﷺ کو ابتر (نسل بریدہ) ہونے کا طعنہ دیا (جیسا کہ ہم آگے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کے تحت بیان کریں گے) تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے جواب میں الکوثر کے دینے کا اعلان فرمایا جس کا معنی یہ ہوا کہ اے پیارے محبوب ﷺ! آپ ابتر نہیں ہیں ہم آپ کو اس قدر اولاد دیں گے جو رہتی دنیا تک پھیلتی رہے گی۔ چنانچہ کئی بار اہل بیت رسول اللہ ﷺ کا قتل عام کیا گیا اس کے باوجود سارا جہان ان سے بھرا ہوا ہے جبکہ ان پر ظلم کرنے والے بنوامیہ کا کوئی نام ونشان نہیں۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۳۱۲ مطبوعہ دارالحدیث ملتان)

اور بلاشبہ پوری دنیا میں سادات کرام کے سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔ عراق میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد، افغانستان میں حضرت سید عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد، الجزائر وتیونس میں سنوسی سادات، ہندوستان میں کچھوچھہ شریف کے سادات، اجمیر شریف کے سادات اور سادات مودودیہ وغیرہ، اسی طرح پاکستان میں چورہ شریف کے سادات، سادات ملتان اور سادات پاکپتن وغیرہ۔ الغرض، دنیا کے دوارب مسلمانوں میں اگر سادات کی تعداد ایک فی صد بھی ہو تو اس وقت وہ دو کروڑ کی تعداد میں دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور یہ کم ازکم ہے جبکہ ان کی حقیقی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

اولاد رسول ﷺ میں آنے والے اولیاء کاملین

پھر ان کی اکثریت قرآن وسنت کے مطلوب عقائد پر قائم ہے اس کے برعکس پہلے انبیاء کی اولاد اگر دنیا میں موجود ہے تو وہ یہود ونصاریٰ کی شکل میں ہے اور کفر وشرک میں مبتلا ہو کر انبیاء سے ان کا نسب منقطع ہو چکا ہے، مگر اولاد رسول ﷺ کی اکثریت نہ صرف اہل ایمان ہے بلکہ ان میں ہزاروں اولیاء، ابدال، اغواث، محدثین، مفسرین اور محققین پیدا ہوئے جیسے سیدنا غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، صاحب دلائل الخیرات سید محمد بن سلیمان جزولی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 870ھ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 633ھ، سید علی بن عثمان الہجویری المعروف حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ متوفی 465ھ، خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 633ھ، سید نصیر الدین شاہ چراغ رحمۃ اللہ علیہ متوفی 768ھ، حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ متوفی 825ھ، حضرت شیخ سید ابوالعالی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 552ھ، حضرت سید موجود چشتی علیہ الرحمہ متوفی 528ھ، حضرت سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ متوفی 785ھ، حضرت سید اشرف جہاں گیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 808ھ، مفسر قرآن حضرت سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر روح المعانی متوفی 1270ھ حضرت سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1356ھ، حضرت سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1370ھ، عارف کامل حضرت خواجہ سید نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، وغیر ہم۔

میں نے چند کاملین کے نام لئے ہیں ورنہ یہ تعداد ہزاروں لاکھوں میں ہے اور آخر زمانہ میں حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ بھی سادات میں آئیں گے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد جیسے تعداد میں بے مثال ہے استعداد میں بھی بے مثال ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفات کے خطبہ میں فرمایا: ''اے لوگو! میں تمہیں دو بھاری چیزیں دے کر جا رہا ہوں اللہ کی کتاب اور میری عترت میرے اہل بیت، جب تک تم ان سے وابستہ رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔''

(ترمذی ابواب المناقب، مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۷۸۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد آپ کی بیٹی سے کیوں چلائی گئی

اگر سوال کیا جائے کہ ہر شخص کی اولاد اس کے بیٹوں سے چلتی ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد آپ کی بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے چلی، اس کا سبب کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرینہ اولاد کو شیر خوارگی ہی میں اٹھا لیا اس لئے کہ اگر وہ بڑے ہوتے تو ممکن تھا ان میں سے کسی کو نبی مان لیا جاتا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرینہ اولاد کو بچپن میں اٹھا لیا گیا اور آپ کی چار بیٹیوں میں سے صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد چلی، باقی تینوں بیٹیاں اگرچہ شادی شدہ تھیں مگر ان سے اولاد نہیں چلی اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی سے آپ کی نسل کا چلنا آپ کی خصوصیت ہے اور اللہ جل وعلا چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے۔ قرآن میں اس کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۴ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۵ ''ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد میں سے داؤد، سلمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) ہیں اور ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں اور ان کی اولاد میں سے زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس (علیہم السلام) ہیں اور وہ سب صالحین ہیں۔'' (انعام، ۸۴)

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف اپنی والدہ کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے ذریعہ اولاد ابراہیم علیہ السلام ہو سکتے ہیں تو حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور ان کی ذریت بھی والدہ کے ذریعے اولاد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو سکتی ہے۔ اور حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہر نبی کی اولاد کو اللہ نے اس کی پشت میں رکھا اور میری اولاد کو علی بن ابی طالب کی پشت میں رکھا۔''

(مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۷۵ بحوالہ طبرانی باب فضائل اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

خلاصہ یہ ہے کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ میں کوثر کا ایک مفہوم کثرت اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے اور یہ ایک خوبصورت مفہوم ہے۔

سوم: کوثر بمعنی کثرت امت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلہ میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت بڑی امت عطا فرمائی گئی، یہ بھی الکوثر کا ایک مفہوم

ہوسکتا ہے کیونکہ جب کفار نے آپ ﷺ کو یہ طعنہ دیا کہ آپ کی ساری نرینہ اولاد ختم ہوگئی ہے لہٰذا آپ ابتر (نسل بریدہ) ہوگئے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کوکوثر دیا ہے یعنی اگر آپ کی جسمانی نرینہ اولاد نہیں، رہی تو کوئی حرج نہیں آپ کی امت کی صورت میں ہم نے آپ کی روحانی اولاد اس قدر بنائی ہے کہ جیسے وہ زیت کے ذرے ہیں۔

آج ڈیڑھ ارب مسلمان دنیا میں ہیں اور ہر ستر برس کے بعد دنیا میں نئے لوگ آ جاتے ہیں گویا پھر ڈیڑھ ارب نئے مسلمان آ جائیں گے اور چونکہ انسانی آبادی بڑھ رہی ہے تو ممکن ہے ستر برس بعد دو ارب نئے مسلمان آ جائیں اور نہ جانے قیامت کب آئے گی اور یہ تعداد کہاں تک پہنچے گی۔

اور اس کثرت کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''شب برأت یعنی نصف شعبان کی رات میں اللہ میری امت میں سے بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد کے برابر گناہگاروں کو جنت عطا فرماتا ہے۔'' (ترمذی کتاب الصوم باب ۳۹ حدیث ۷۳۹)

گویا آپ نے اشارہ دیا کہ آپ کی امت کی تعداد اس قدر ہوگی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے ایسے ستر ہزار افراد دیئے ہیں جو بلا حساب جنت میں جائیں گے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اپنے رب سے اس میں اضافہ کا سوال فرمائیں۔آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اضافہ کا سوال کیا تو اللہ نے ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار بڑھا دیئے (انچاس لاکھ ہوگئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کا سوال کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے ستر ہزار میں سے ہر شخص کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ فرما دیا (اب یہ چار ارب نوے کروڑ بن گئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے اس قدر عطا فرمایا ہے آپ نے دونوں بازوؤں کو کھول کر بتایا (یعنی اتنا دے دیا ہے جس کے لئے کوئی عدد نہیں ہے)'' (تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۴۰۰ بروایت مسند احمد)

الغرض امت محمدیہ کی تعداد کا کوئی حساب یا گنتی ممکن نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی صرف تعداد ہی نہیں بڑھائی بلکہ درجہ بھی بڑھایا اور انہیں سب امتوں سے افضل قرار دیا۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ''تم سب سے افضل امت ہو تمہیں لوگوں کی ہدایت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔'' (آل عمران ۱۱۰) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ''اور یونہی ہم نے تم کو افضل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ بن جائیں۔'' (بقرہ، ۱۴۳) اور سید المرسلین ﷺ کی امت کے حدیث میں مذکور فضائل اس قدر ہیں کہ کئی دفتروں میں پھیل جائیں پھر امت محمدیہ کو جو خصوصیات دی گئی ہیں ان کی طویل فہرست ہے۔المختصر الکوثر سے کثرت امت مراد لینا بھی بہت خوب ہے۔

چہارم: کثرت معجزات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الکوثر کا معنی خیر کثیر ہے اس کے راوی حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ لوگوں کے نزدیک تو کوثر ایک نہر ہے۔ انہوں نے کہا وہ نہر بھی تو اسی خیر کا حصہ ہے جو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ کوثر حدیث ۵۹۶۶)

اس روایت کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الکوثر کا معنی خیر کثیر لیا ہے اور اس خیر کثیر کا ایک پہلو آپ کے معجزات کی کثرت بھی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس قدر معجزات دیئے گئے کسی نبی کو نہ دیئے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے قبل آپ کے لئے علامات نبوت کا ظہور ہوا جیسے ابھی پیچھے سورۂ فیل میں ہاتھیوں والے لشکر کا ہلاک ہونا مذکور ہوا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر اس قدر نشانہائے قدرت ظاہر ہوئے جن پر مستقل کتابیں یا کتابوں کے ابواب لکھے گئے ہیں جیسے آتش کدۂ ایران کا بجھ جانا، ایوان کسریٰ کے کناروں کا گر جانا وغیرہ، بتان حرم کا سر بسجود ہو جانا، کعبۃ اللہ کا بیت عبد المطلب کی طرف جھکنا، وغیرہ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن میں آپ کے کثیر معجزات ظاہر ہوئے جیسے شق صدر، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے چچا ابو طالب کے گھر میں برکتوں کا نزول اور آپ کے وسیلہ سے دعا کئے جانے پر مکہ پر نزول بارش۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوانی میں معجزات ظاہر ہوئے جیسے تعمیر کعبہ کے دوران علامات نبوت کا ظہور اور سفر شام میں آپ پر بادل کا سایہ اور شام کے راہبوں کا آپ کی نبوت پر گواہی دینا، پھر اعلان نبوت کے بعد قرآن کی تاثیر کے واقعات، پھر معجزۂ شق القمر اور واقعہ معراج، پتھروں کا کلمہ پڑھنا درختوں کا اطاعت بجا لانا وغیرہ کا ظہور ہے۔ پھر سفر ہجرت میں کئی معجزات ظاہر ہوئے، پھر مدنی دور میں ہر غزوہ کے علیحدہ معجزات محدثین نے الگ لکھے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشتوں (انگلیوں) سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔ آپ کی دعا اور لعاب دہن کی برکت سے تھوڑا کھانا کثیر لوگوں کے لئے کافی ہوا۔ پھر آپ کی دعاؤں کی قبولیت کے واقعات پر مستقل ابواب لکھے گئے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیب کی خبریں اس قدر دی ہیں جن کی فہرست بہت طویل ہے، الغرض الکوثر بمعنی کثرت معجزات بھی ایک خوبصورت تفسیر ہے۔

چہارم: الکوثر بمعنی کثرت علماء

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت بند ہے تو آپ کے دین کو تا قیامت زندہ اور قائم رکھنے کے لئے آپ کو علماء کی کثرت دی گئی۔ یہ بھی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی جانے والی خیر کثیر کا حصہ ہے اسی لئے فرمایا گیا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران، ۱۰۴)

چنانچہ ان آیات پر عمل کرتے ہوئے امت کی بڑی تعداد علم دین کے لئے نکلی اور انہوں نے اپنی زندگی اس راہ میں گزار دی اور ان کے ہاتھوں پر ہزاروں لاکھوں لوگ دین میں داخل ہوئے یا اللہ کی راہ پر گامزن ہوئے، علماء کی جماعت

میں ہزاروں محققین محدثین مفسرین اور فقہاء آئے۔ اب تک دنیا کی ہر بڑی زبان میں قرآن کے تراجم اور اس کی تفاسیر آچکی ہیں، حدیث کی تدوین، جمع، تشریح اور تخریج پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ علوم قرآن جیسے اسباب نزول، معرفت وقوف، تجوید وقرأت، لغات القرآن، بدائع، ناسخ ومنسوخ، متشابہات قرآن، وجوہ اعجاز قرآن، امثال واقسام قرآن ودیگر علوم پر سینکڑوں ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، پھر فقہ اسلامی کا میدان ایک بحر زخار ہے، ہر مکتب فقہ میں فقہاء اسلام کی ہزاروں تصانیف ہیں۔ الغرض ہر میدان تحقیق میں اس قدر علماء دین ہیں جن کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔

اور انہی علماء کی محنتوں سے آج تک دین زندہ ہے اور پھیل رہا ہے۔ امت کے اندر کئی گمراہ فرقے پیدا ہوئے جیسے قرامطہ، قائلین خلق قرآن، قدریہ، مرجیہ، باطنیہ، معتزلہ اور منکرین حدیث وغیرہ، مگر علماء کی جماعت نے ہمیشہ دین کا یوں تحفظ کیا کہ ایسے سب فرقے اپنی موت مرتے رہے۔ دور حاضر میں فتنۂ قادیانیت سب سے بڑا فتنہ اُٹھا ہے مگر علماء کی محنت شاقہ نے اس فتنہ کو لگام دے رکھی ہے اور جلد یا بدیر یہ فتنہ بھی اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔

پھر علماء کی جماعت میں وہ مجددِ دین بھی ہیں جنہوں نے ہر صدی میں دین کے چہرے پر پڑنے والے غبار کو چھانٹ کر اسلام کو صحیح مفہوم میں پیش کر دیا۔ چنانچہ جب فلسفۂ یونان کو اسلامی رنگ دینے کی کوشش کی گئی تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اُٹھے اور اسلامی عقائد ونظریات کو قرآن وحدیث کے صحیح نقشہ میں پیش کر دیا۔ جب تصوف کے نام پر اصلاح باطن کی گمراہ کن اصطلاحات گھڑی گئیں تو حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے قرآن وسنت کی روشنی میں تصوف کا صحیح طریقہ واضح کیا۔ جب معتزلہ نے اپنے غلط نظریات کو قرآن سے ثابت کرنا چاہا تو امام فخر الدین رازی نے ان کے دلائل کے تارو پور بکھیر دیئے۔ جب دین اکبری کا فتنہ جلال الدین اکبر کی سرکاری قوت کے ساتھ سامنے آیا تو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اُٹھے اور اس فتنہ کو موت کے گھاٹ اتار کر دم لیا۔ الغرض جو کام گزشتہ امتوں میں انبیاء نے کیا وہ اس امت میں اللہ نے علماء سے لیا انہوں نے وقت کے بڑے بڑے فرعونوں اور نمرودوں کو انبیاء کی زبان میں للکارا اور دین کو غالب کر کے دکھا دیا۔

اسی لئے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''علماء وارثان انبیاء ہیں، انبیاء اپنے پیچھے درہم ودینار چھوڑ کر نہیں جاتے وہ علم (دین) چھوڑ کر جاتے ہیں جس نے ان کا علم حاصل کر لیا اس نے بڑی دولت پالی۔''

(ترمذی کتاب العلم باب ۱۹ حدیث ۲۶۸۲)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ میری امت میں ہر سو برس کے آخر میں ایسا شخص اٹھائے گا جو امت کے لئے دین کو نئی زندگی دے دے گا۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم باب ۱)

الغرض الکوثر سے علماء کو مراد لینا بھی ہر لحاظ سے درست ہے۔

پنجم: الۡکَوۡثَرَ بمعنی کثرت اولیاء اللہ

اللہ تعالیٰ نے علماء شریعت کے ساتھ امت میں اولیاء کاملین کی کثرت بھی رکھی ہے، وہ بھی الکوثر بمعنی خیر کثیر میں

شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امت میں جہاں امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور امام غزالی وغیرہ جیسے علماء پیدا کئے وہاں سیدنا غوث اعظم، خواجہ معین الدین چشتی، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، داتا علی ہجویری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم جیسے اولیاء کاملین بھی پیدا فرمائے جن کی محنت سے لاکھوں لوگوں کے دل نور معرفت سے جگمگا اٹھے اور امت کے اندر روحانی انقلاب بپا ہوگیا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''زمین چالیس ایسے افراد سے کبھی خالی نہ ہوگی جو خلیل اللہ علیہ السلام کی صفات والے ہیں، ان کے صدقے لوگوں کو بارش ملتی ہے، ان کے وسیلے سے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے۔ جب ان میں سے کوئی فوت ہوجاتا ہے تو اللہ اس کے بدلے میں کوئی دوسرا اس کی جگہ لے آتا ہے (اسی لئے ان کو ابدال کہا جاتا ہے کہ وہ بدلتے رہتے ہیں)''

(طبرانی معجم اوسط حدیث ۴۱۰۱ مطبوعہ بیروت سن طباعت ۱۴۲۰ھ)

گویا الکوثر سے کثرتِ اولیاء کا مراد لیا جانا بھی قطعاً درست ہے۔

ششم: الکوثر بمعنی کثرتِ ذکر

نافع بن ازرق کہتے ہیں حضرت عبداللہ مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ جب عاص بن وائل سہمی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طعنہ دیا کہ آپ ابتر ہیں یعنی آپ کی نسل کٹ گئی ہے (لہٰذا آپ کا ذکر ختم ہوجائے گا) تو اللہ تعالیٰ نے سورت اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ نازل فرمائی اور فرمایا کہ آپ کا دشمن عاص بن وائل (یا اس کے کردار کا ہر شخص ابتر ہے)۔ رہے آپ تو آپ ابتر نہیں ہیں کیونکہ آپ کا ذکر باقی ہے: لاأُذکَرُ فی مکانٍ الاذُکِرتَ معی یا محمد فمن ذکرنی ولم یذکرکَ لیس له فی الجنة نصیبٌ. جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں آپ کا ذکر ہوگا اور جو میرا ذکر کرے اور آپ کا ذکر نہ کرے اس کا جنت میں کوئی نصیب نہیں ہے۔

(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۴۶ سورہ کوثر مطبوعہ دارالفکر بیروت)

گویا اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کی عظمت و رفعت کا بیان فرمایا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ﴿۴﴾ ''ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔'' (سورہ انشراح، ۴) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں مجمع انبیاء کرام علیہم السلام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بلند کیا کہ فرمایا: وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّحِکۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ط ''اور جب اللہ نے انبیاء سے وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دے دوں پھر تمہارے پاس وہ عظمت والا رسول آجائے جو تمہارے پاس موجود ہر نعمت کی تصدیق کرنے والا ہے تو تم نے اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنا ہوگی۔'' (آل عمران، ۸۱)

چنانچہ ہر نبی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منتظر رہا، ہر نبی نے آپ کی آمد کی بشارت دی اور آپ کی عظمت کے خطبے پڑھے۔

لہٰذا اگر اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ میں رفعت ذکر مصطفیٰ ﷺ کو مراد لیا جائے تو ہر طرح درست ہے۔ پھر فرشتے حضور سید عالم ﷺ پر ہر دم درود بھیج کر آپ کا ذکر بلند کرتے ہیں۔ ہر مومن ہر نماز میں آپ پر درود و سلام بھیج کر آپ کا ذکر بلند کرتا ہے اور سارا قرآن آپ کے ذکر سے لبریز ہے اور قرآن کی حفاظت اللہ کر رہا ہے۔ تو جب تک قرآن پڑھا جاتا رہے گا آپ کا ذکر بلند ہوتا رہے گا۔ پھر روز حشر جو آپ کا ذکر بلند ہوگا اس کا کیا ہی کہنا ہے، الغرض الکوثر سے کثرت ذکر کا مراد لیا جانا بھی بہت خوب ہے۔

ہفتم تا دہم: الۡكَوۡثَرَ بمعنی قرآن، نبوت عامہ، ختم نبوت اور مقام شفاعت

بعض نے الکوثر سے قرآن، بعض نے آپ کی نبوت کا تمام کائنات اور تمام زمانوں پر محیط ہونا، بعض نے آپ کی شان ختم نبوت اور بعض نے آپ کا مقام شفاعت بھی مراد لیا ہے۔ اور یہ سب تعبیریں اور تفسیریں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ صرف یہی نہیں الکوثر کی قریباً دس تفاسیر اس کے علاوہ بھی ہیں اور حق تو یہ ہے کہ امام الانبیاء ﷺ کو اللہ رب العزت نے جو خیر کثیر عطا فرمائی ہے اسے ضبط تحریر میں لایا ہی نہیں جا سکتا، بس یہی کہنا پڑتا ہے۔ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

[2] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! جب اللہ نے آپ کو خیر کثیر سے نوازا ہے تو آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی دیں یعنی اپنی بدنی و مالی عبادات کو اللہ کے لئے خاص رکھیں اور ان کی کثرت کریں۔

رسول اللہ ﷺ کی نماز سے محبت

چنانچہ حضور سرورِ کونین ﷺ نے اپنی زندگی نماز کے لئے وقف فرما دی۔ آپ ساری ساری رات نماز میں کھڑے رہتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ﴿۲﴾ اے کملی والے محبوب ﷺ! شب بیداری کریں مگر کچھ تو آرام کر لیں، تو پھر آپ کچھ آرام بھی کرنے لگے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ تہجد میں اس قدر طویل قیام فرماتے کہ آپ کے قدم سوجھ جاتے۔ میں نے عرض کیا: اللہ نے آپ کے طفیل آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں پھر آپ اس قدر قیام کیوں فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں (یعنی جب اللہ نے مجھے الکوثر کی صورت میں ہر عظمت کی کثرت سے نوازا ہے تو میں اس کے شکرانے میں قیام نہ کروں؟) پھر جب حضور ﷺ کے جسم مبارک میں کچھ موٹاپا آ گیا تو آپ ﷺ بیٹھ کر تہجد پڑھنے لگے البتہ رکوع کے وقت آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے پھر رکوع کرتے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ فتح باب ۲، نسائی کتاب قیام اللیل باب ۱۷)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جُعِلَتۡ قُرَّةُ عَیۡنِی فِی الصَّلٰوةِ۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ (نسائی کتاب النساء باب ۱)

حدیث مبارکہ میں ہے جب حضور سید عالم ﷺ کسی امر سے گھبراتے تو فوراً نماز میں کھڑے ہو جاتے، الغرض آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روز و شب کا اکثر حصہ نماز میں گزرتا، نماز فجر کے کچھ وقت بعد نماز اشراق، پھر کچھ دیر بعد صلوٰۃ الضحیٰ، پھر ظہر و عصر پھر مغرب کے بعد نماز اوابین، پھر عشا، پھر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد طویل تر نماز تہجد۔ گویا آپ نے فَصَلِّ لِرَبِّكَ پر عمل کر کے دکھا دیا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانحر کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اپنے رب کی رضا کے لیے قربانی کریں۔ قرآن میں یوں تو نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم آتا ہے مگر یہاں نماز کے ساتھ قربانی کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ کوثر مکی ہے اور مکہ میں مشرکین بتوں کے لئے سجدے کرتے اور ان کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اللہ ہی کے لئے نماز پڑھیں اور اسی کے لئے جانوروں کی قربانی کریں۔
(قرطبی عن محمد بن کعب القرظی جلد 20 صفحہ 220)

اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۲﴾ "کہہ دیں کہ میری نماز میری قربانی میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔" (انعام، ۱۶۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانی سے محبت

یاد رہے لفظ وَانْحَرْ میں اونٹ کی قربانی کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اونٹ کے ذبح کو نحر کہتے ہیں جبکہ دوسرے جانوروں کے ذبح کے لئے نَسَكَ يَنْسُكُ اور جَزَرَ يَجْزِرُ آتا ہے۔ تو اونٹ کی قربانی کا ذکر اس لئے ہوا کہ وہ حلال جانوروں میں سب سے بڑا ہے اور اس کی قربانی زیادہ مہنگی ہے، چونکہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے بڑا انعام ہوا اس لئے آپ کو بڑی قربانی کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ آپ رضاء الٰہی کے لئے بکثرت اونٹ ذبح کرتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سو اونٹ قربان فرمائے، جو آپ کو بنو ثقیف کی لڑائی میں ملنے والے حصہ غنیمت میں ملے تھے، آپ نے وہ سب حج کے لئے رکھ لئے۔ پھر حج میں یوم نحر (دس ذی الحجہ) کو آپ نے ستر اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھکاوٹ محسوس ہوئی تو آپ نے باقی تیس اونٹ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ذبح کے لئے دیئے۔

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹوں کو ذبح کر رہے تھے تو وہ ایک دوسرے کو دھکیل کر آگے بڑھ رہے تھے اور گردنیں لمبی کر کے خواہش کر رہے تھے کہ انہیں پہلے ذبح کیا جائے (سبحان اللہ) (مدارج النبوت جلد دوم باب حجۃ الوداع صفحہ ۶۳۸)

قربان جائیں جانور ذبح کے وقت بھاگتا اور جان بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے کیونکہ جان تو جانوروں کو بھی پیاری ہے مگر دست محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذبح ہونا وہ اعزاز ہے کہ ہر اونٹ اس کے حصول میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا ہے۔ اس میں اہل ایمان کے لئے سبق ہے کہ جب جانوروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر پیار ہے کہ آپ کے ہاتھ سے ذبح ہونے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں، تو مومن کا زیادہ حق ہے کہ آپ کے دین کے لئے جان قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہے۔ جان نے ایک دن جانا ہی ہے تو زہے نصیب کہ دین پر قربان ہو جائے۔

پیچھے ہم سورہ صافات آیت 107 کے تحت قربانی کے احکام اور اس کے فلسفہ پر تفصیلی کلام کر آئے ہیں۔

[3] اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کو ابتر کہنے والا خود ابتر ہے یعنی وہ ہر خیر سے محروم ہے۔ ابتر بَتَرَ یَبْتُرُ سے اسم تفضیل ہے بمعنی کٹ جانا محروم ہوجانا، کہتے ہیں اَبْتَرَہُ اللّٰہُ اس کو اللہ نے بے اولاد مار دیا۔

کفار کا رسول اللہ ﷺ کو ابتر کا طعنہ دینا

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کے سب سے پہلے بیٹے قاسم پیدا ہوئے (انہی سے آپ کی کنیت ابو القاسم ہے) پھر زینب، پھر عبداللہ پھر ام کلثوم، پھر سیدہ فاطمہ، پھر رقیہ کا تولد ہوا اس کے بعد قاسم فوت ہو گئے وہ آپ ﷺ کی اولاد میں فوت ہونے والے سب سے پہلے تھے۔ پھر آپ کے دوسرے بیٹے عبداللہ بھی فوت ہو گئے۔ تو عاص بن وائل سہمی نے کہا: محمد (ﷺ) کی نسل کٹ گئی ہے اور وہ ابتر ہے۔ (معاذ اللہ) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۵۲)

یاد رہے شَانِئٌ شَنَأَ یَشْنَئُ سے اسم فاعل ہے جس کا معنی بغض رکھنے والا ہے۔ اسی سے قرآن کے یہ الفاظ ہیں: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ ''اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر نہ اُبھارے کہ چونکہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا تو تم حد سے بڑھو'' (مائدہ، ۲) گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیارے محبوب ﷺ! آپ ابتر نہیں ہیں آپ کا دشمن ابتر ہے۔ یعنی اس کا نام ونشان مٹ جائے گا مگر آپ کے ڈنکے ہمیشہ بجتے رہیں گے۔

یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ حضور سرورِ کونین ﷺ کی نرینہ اولاد کا بچپن میں فوت ہونا محض آپ کی شان ختم نبوت کے تحفظ کے لئے تھا، مگر آپ کی بیٹی خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد اس قدر چلائی کہ اس سے سارا جہان بھر دیا۔ جبکہ عاص بن وائل ابتر مرا، اس کی نسل کٹ گئی وہ خود کافر مرا، اس کے دو بیٹے تھے دونوں اسلام لے آئے۔ اور جب والدین واولاد میں مذہب کا فرق آجائے تو حق وراثت ختم ہوجاتا ہے اور یوں بھی عاص بن وائل اور اس جیسے دوسرے دشمنان اسلام یوں ذلت وخواری کے ساتھ مرے کہ آج ان کا نام لینے والا کوئی نہیں، مگر سید المرسلین ﷺ کی عظمت روز افزوں ہے: وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝

حضور ﷺ کی شان محبوبیت

نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ آپ پر کفار نے جب بھی کوئی طعن کیا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً قرآن میں اس کا جواب اتارا۔ کفار نے کہا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ ''اے وہ شخص جس پر ذکر اتارا گیا ہے تم مجنون ہو'' (معاذ اللہ) (حجر، ۶) اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اتارا: مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ ''آپ اپنے رب کی نعمت کے صدقے مجنون نہیں ہیں۔'' (ق ۲) کفار نے کہا: لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ ''آپ رسول نہیں

ہیں۔'' (رعد، ۴۳) اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ ''یاسین قسم ہے قرآن حکیم کی، آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں۔'' (یٰس،۱) کفار نے کہا اس رسول میں کیا خصوصیت ہے یہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا ہے۔ (فرقان، ۷) اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ (فرقان، ۲۰) اسی طرح جب آپ کو ابتر کہا گیا تو اللہ تعالیٰ نے کہنے والوں کو ابتر کہہ کر یاد کیا، جبکہ پہلے انبیاء اپنا جواب خود دیتے تھے۔ فرعون نے کہا اے موسیٰ! میں تجھے جادو زدہ سمجھتا ہوں۔ (بنی اسرائیل، ۱۰۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے فرعون! میں تجھے ہلاک شدہ سمجھتا ہوں۔ (بنی اسرائیل، ۱۰۲) حضرت ہود علیہ السلام کو کفار نے کہا ہم تجھے حماقت میں دیکھتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا اے میری قوم! مجھ میں کوئی حماقت نہیں۔ (اعراف، ۶۶) مگر جب اللہ جل وعلا کے محبوب کی باری آئی تو محبوب کو جواب دینے کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ ادھر ان پر کفار نے اعتراض کیا ادھر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جواب اُتار دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرنا سنتِ خدا ہے

اللہ رب العزت اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرتا اور ان کی طرف سے جواب دیتا ہے۔ اس میں ہر مومن کے لئے درس ہے کہ اسے اپنی جان، اپنا مال، اپنا سب کچھ اپنے آقا و مولا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کے دفاع کے لئے قربان کرنے کو تیار رہنا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہی ذلیل و رسوا ہونے والا ہے، آپ کی شان ہمیشہ بڑھتی رہے گی البتہ آپ کا دشمن ہر خیر سے محروم ہے اور آپ کی شان کے گھٹانے اور مٹانے والے خود مٹ گئے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے ۔۔۔ نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے ۔۔۔ جب بڑھاتا ہے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کا ہے سایہ تجھ پر ۔۔۔ ذکر اونچا ہے تیرا بول ہے بالا تیرا

الحمد للہ آج 20 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 18 دسمبر 2008ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء مدینہ طیبہ میں سورۃ الکوثر کی تفسیر مکمل ہوئی۔ شہر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تفسیر سورۃ کوثر کی صوت میں ذکر سرور کشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو لطف آیا وہ بیان سے باہر ہے۔ یہ میرے جیسے سیاہ رو، سیاہ کار، گناہگار شخص کے لیے کتنی بڑی سعادت ہے کہ سورۂ کوثر کی تفسیر صاحب کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں بیٹھ کر لکھے۔

(نوٹ) تفسیر سورۂ کوثر کا اکثر و بیشتر حصہ مدینہ طیبہ ہی میں لکھا گیا، البتہ بعض چیزیں بعد میں بڑھانا پڑیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ الکافرون

سورۃ الکافرون ترتیب تلاوت میں قرآن کریم کی 109ویں سورت ہے اور ترتیب نزول میں 17ویں سورت ہے۔ یہ سورت الفیل سے قبل اور سورۃ الماعون کے بعد نازل ہوئی۔ گویا یہ مکی دور کے آغاز میں اُترنے والی سورت ہے۔ چونکہ اس کا آغاز قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① جیسے جارحانہ وسخت گیر خطاب سے کیا گیا کہ اے کافرو اس لئے اسے سورۃ الکافرون کہا گیا۔

اس سورت میں ایک رکوع، 6 آیات، 20 کلمات اور 94 حروف ہیں۔

فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز مغرب میں قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے۔ (ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰت باب ۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا، پھر دو رکعت پڑھیں اور ان میں قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا۔ (درمنثور بروایت بیہقی جلد ۸ صفحہ ۶۵۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس نے قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھی اسے ایک چوتھائی قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ہے۔

(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۵۶ بروایت ابن مردویہ)

مضامین

اس سورت کی ماقبل سورۃ الکوثر سے مناسبت یہ ہے کہ سورۃ الکوثر کے آخر میں فرمایا گیا اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ③ کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کا دشمن ہی ابتر ہے، تو اسی سے پیوستہ آگے یہ فرمایا گیا کہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنے دین کے دشمنوں سے فرمادیں کہ اے کافرو! میرا تمہارا راستہ الگ الگ ہے، تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں، یعنی عنقریب پتہ چل جائے گا کہ کس کا دین سچا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتہا ٦ ۱۰۹ سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ ۱۸ رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ یٰۤاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ

آپ فرما دیں اے کافرو! نہ میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی

اَعْبُدُ ۚ﴿۳﴾ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ﴿۴﴾ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ؕ﴿۵﴾

میں کرتا ہوں [1] اور نہ میں اسے پوجوں گا جسے تم پوجتے ہو اور نہ تم اسے پوجو گے جسے میں پوجتا ہوں [2]

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ٪﴿۶﴾

تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین [3]۔

مومنوں کا معبود اور کافروں کا معبود الگ الگ ہے

[1] اس میں یہود و نصاریٰ اور تمام مشرکوں سے خطاب ہے یعنی خواہ وہ دورِ نزولِ قرآن کے کفار ہوں یا اس کے بعد قیامت تک آنے والے کفار، تمام کفار کے بارے میں فرمایا گیا کہ اے پیارے رسول ﷺ! آپ ان سب سے فرما دیں کہ تم جس بھی جھوٹے خدا کو پوجتے ہو اسے میں نہیں پوج سکتا (اور نہ ہی میرا کوئی امتی پوج سکتا ہے) اور جس سچے خدا کی پرستش میں کرتا ہوں تم اس کی پرستش نہیں کرتے اور جب تک تم کافر ہو تم ایسا نہیں کر سکتے، کیونکہ اللہ کی عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ خود کو اپنے رب کے سامنے انتہائی پست کر دے۔ اور اس کے تقاضوں میں سے یہ ہے کہ اس کے ہر حکم کو قبول کیا جائے، اس کی نازل کردہ ہر کتاب اور اس کے بھیجے ہوئے تمام رسولوں پر ایمان لایا جائے اور جب تک تم ایسا نہیں کرتے بلکہ اس کے نازل کردہ قرآن اور اس کے بھیجے ہوئے آخری رسول ﷺ کی تکذیب کرتے ہو، تم اللہ کی عبادت کیسے کر سکتے ہو؟

[2] یعنی اے کافرو! آئندہ بھی تا قیامت میرے اور تمہارے راستے جدا ہیں، تم آئندہ بھی کبھی مجھ سے توقع نہ رکھو کہ میں (یا میرا کوئی امتی) تمہارے کسی جھوٹے خدا کو پوج سکتا ہے اور نہ تم کبھی میرے سچے معبود کی عبادت کرو گے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم جھوٹے خداؤں کو بھی پوجتے رہو، سچے خدا کی مقدس کتاب قرآن کی تکذیب بھی کرتے رہو اور اس

کے بھیجے ہوئے رسول سے انکار کرتے رہو اور ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کرو کہ تم میرے معبودِ حقیقی کی عبادت کرتے ہو۔

[3] لہٰذا تمہارا دین الگ ہے اور میرا دین الگ، میرا اور تمہارا دین ایک ساتھ اکٹھے کسی صورت نہیں چل سکتے۔

اس سورت کا شانِ نزول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں مروی ہے کہ کفارِ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت (Offer) دی کہ وہ آپ کو اس قدر مال دیں گے جس سے آپ مکہ کے سب سے بالدار شخص بن جائیں گے یا جس عورت سے آپ شادی کرنا چاہیں وہ اس سے آپ کی شادی کروا دیں گے، مگر آپ ان کے جھوٹے خداؤں کو برا کہنے سے باز آ جائیں۔ انہوں نے مزید کہا: اگر آپ کو یہ بات منظور نہ ہو تو ہم آپ کو یہ تجویز دیتے ہیں کہ آپ ایک برس ہمارے خداؤں کی پوجا کریں ہم ایک برس آپ کے خدا کی پوجا کریں گے۔ تب یہ سورت نازل ہوئی قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ الخ۔ اور یہ آیت بھی نازل ہوئی: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝۶۴ یعنی ''اے جاہلو! کیا تم مجھے کہتے ہو کہ غیر خدا کی پوجا کروں؟'' (زمر، ۶۴) (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۷۱ حدیث ۱۹۵۱۸)

اس شانِ نزول نے اس سورت کی خوب تفسیر کر دی ہے۔

دلیلِ ختمِ نبوت

اس سورت میں قیامت تک آنے والے دنیا کے ہر کافر کو خطاب کیا گیا ہے اور اسے کہا گیا ہے کہ جب تک وہ اپنے دین پر قائم ہے، وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں نہیں آ سکتا (لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶) معلوم ہوا اب دنیا میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہی سیدھا راستہ ہے، اس سے ہٹ کر صرف کفر ہے۔ اب آپ کے بعد کوئی نیا دین نہیں آئے گا۔ اگر آپ کی رسالت کسی خاص وقت کے لئے ہوتی یا اگر آپ تا قیامت ہر انسان کے لئے رسول نہ ہوتے تو آپ یوں تا قیامت تمام کفار کو نہ پکارتے۔

وحدتِ ملتِ اسلامیہ

یہ بھی معلوم ہوا کہ ساری ملتِ اسلامیہ کا ایک دین ہے اور تمام کفار کا ایک دین اور وہ ہے کفر، یعنی اللہ و رسول کی کہی ہوئی کسی بھی بات سے کفر۔ اس لیے ان سب کو اے کافرو کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: الکفرُ ملةٌ واحدة۔ کفر ایک ہی دین ہے۔ اس سے مسلمانوں کو سبق لینا چاہیے کہ ہمارا دین ہی ہماری اصل پہچان ہے۔ افسوس آج ملتِ اسلامیہ اپنی شناخت کھو بیٹھی ہے، ہم پاکستانی، ایرانی، افغانی اور سعودی وغیرہ بن کر سوچتے ہیں، ایک رسول کے امتی اور محمدی بن کر نہیں سوچتے۔ امریکہ نے 2001ء میں افغانستان پہ حملہ کیا اور ہزاروں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا، تو دنیا بھر کے مسلمان خاموش تماشائی بن کر دیکھتے رہے اور یہی سمجھا کہ افغانیوں کو مارا گیا ہے نہ کہ مسلمانوں کو۔

پھر امریکہ نے 2004ء میں عراق پہ حملہ کر کے ہزاروں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی اور صدام حکومت کا

خاتمہ کیا، کیونکہ وہ کسی وقت بھی اسرائیل کے لیے خطرہ بن سکتی تھی، پھر اس کا مقصد عراق کے تیل پر قبضہ کرنا بھی تھا۔ اس وقت بھی دنیا بھر کی مسلم حکومتوں نے دم سادھ لیا اور یہی سمجھا کہ عراقیوں کو مارا گیا ہے نہ مسلمانوں کو۔ اے کاش کہ ہم کبھی یہ سمجھ لیں دنیا بھر کے مسلمان جسد واحد ہیں، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بتان رنگ وبو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو یہ انداز مسلمانی ہے؟

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اسلام کو کسی دوسرے دین سے خلط ملط نہیں کیا جا سکتا

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ ورسول کے ہر حکم پر ایمان لانا اسلام ہے اور ان کے کسی حکم سے انکار کفر ہے۔ اب یہ دونوں چیزیں باہم مخلوط نہیں ہوسکتیں، جو شخص دین کے کسی ایک حصے سے انکار کرے (جیسے مرزا قادیانی نے جہاد سے انکار کیا یا کئی لوگ پردے کے احکام کو نہیں مانتے) وہ مسلمانوں میں سے نکل کر کافروں میں چلا گیا، الا یہ کہ سچی توبہ کر کے دوبارہ اسلام میں داخل ہو اور اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح پڑھے۔

شرک کا درست مفہوم

اس سورت کے شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ کفار مکہ اپنے خداؤں کو اللہ کے برابر تصور کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دیتے تھے کہ آپ ایک برس ان کے خداؤں کی عبادت کریں (معاذ اللہ) اور ایک سال وہ آپ کے خدا کی عبادت کریں گے۔ گویا وہ اللہ کو اپنا معبود نہیں مانتے تھے اسے وہ آپ کا خدا سمجھتے تھے اور اسی لئے قرآن میں ہے کہ کفار کے جھوٹے خداؤں کو گالی نہ دو، ورنہ وہ دشمنی میں اللہ کو گالی دیں گے۔ (انعام، ۱۰۸) اگر وہ اللہ کو اپنا معبود مانتے ہوتے تو اللہ کو گالی کیوں دیتے۔ یہ ہے مفہوم شرک کہ کسی غیر خدا کو خدا کے برابر، بلکہ اس کا مد مقابل قرار دیا جائے۔ مگر افسوس آج بعض لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ مسلمانوں کو مشرک وکافر قرار دے رہے ہیں، اللہ سب کو دین کا فہم دے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار مکہ کا یہ کہنا: مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ط ''ہم اپنے جھوٹے خداؤں کی پوجا اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔'' (زمر، ۲) یہ محض جھوٹ اور فریب دہی تھا، اگر وہ اپنے معبودانِ باطلہ کو اللہ کی بارگاہ میں صرف وسیلہ مانتے ہوتے تو انہیں اللہ کا مد مقابل نہ ٹھہراتے۔

الحمد للہ آج 21 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 19 دسمبر 2008ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز فجر مدینہ طیبہ میں سورہ کافرون کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورۃ النصر

سورۃ النصر ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 110 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 101 نمبر پر ہے۔ یہ مدنی سورت ہے، جو فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی۔ فتح مکہ ہجری آٹھ میں ہوئی اور ترتیب نزول کے مطابق سورہ نور، سورہ منافقون، سورہ حج، سورہ مجادلہ اور سورہ حجرات اس سورت کے بعد نازل ہوئیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورت ہجری پانچ کے قریب نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ سے دو تین برس قبل اس کی بشارت دے دی تھی۔ اسے سورۃ النصر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ سے شروع ہوئی اور اس میں فتح مکہ کی صورت میں اللہ رب العزت کی مدد کی بشارت دی گئی۔

مضامین

اس کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل سورۃ الکافرون میں کفار مکہ پہ اثباتِ توحید وردّ شرک کیا گیا اور وہ آغاز اسلام کا دور تھا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ کی طویل محنت شاقہ سے جزیرۃ العرب نور اسلام سے چمک اُٹھا، تو سورۃ النصر نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ اب فتح مکہ کا دور قریب آ گیا ہے اور اللہ کے گھر پہ اللہ کے دین کا پرچم لہرانے والا ہے۔ اور جب ایسا ہو جائے تو اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کثرت سے اللہ کی حمد و تسبیح بجالائیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۳ ۱۱۰ سُوْرَۃُ النَّصْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۱۴ رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج

اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

داخل ہو رہے ہیں، تو آپ اپنے رب کی حمد سے اس کی تسبیح کہیں [1]۔ اور استغفار کریں بے شک وہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

فتح مکہ کی پیش گوئی اور حکم تسبیح و استغفار

[1] اِذَا ماضی کو مستقبل کے معنی میں لے جاتا ہے جیسے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ (زلزال، ۱) اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ (انفطار، ۱) اور فتح سے مراد یہاں بالاتفاق فتح مکہ ہے۔ معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب اللہ کی مدد آجائے اور مکہ فتح ہو جائے اور لوگ دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے لگیں (تو آپ سمجھیں کہ آپ کا وقت وصال قریب آگیا ہے) تو پھر آپ اللہ کی حمد و تسبیح اور استغفار کی کثرت کریں، یعنی امت کی بخشش کے لئے دعا کریں کیونکہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

فتح مکہ کب اور کیسے ہوئی اور اس کے اثرات کیا ہوئے؟

فتح مکہ کی تاریخ 21 رمضان المبارک سن آٹھ ہجری ہے۔ مکہ مکرمہ کیا فتح ہوا تمام اہل عرب کے دل فتح ہو گئے اور پورے پورے قبیلے مدینہ طیبہ میں خود حاضر دربارِ رسالت ہو کر اسلام قبول کرنے لگے۔ سب سے پہلے تمام اہل مکہ ایمان لائے اور ان کے ایمان لانے کا سلسلہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام سے شروع ہوا۔ چونکہ وہ اہل مکہ کے سب سے بڑے سردار تھے، احد و احزاب کی جنگوں میں وہی لشکر کفار کے سپہ سالار تھے۔ وہ فتح مکہ سے ایک دن قبل اسلام لے آئے، جب انہوں نے مکہ سے باہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عظیم الشان لشکر کو دیکھا تو فوراً حاضر دربارِ رسالت ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ جب وہ اسلام لے آئے تو اہل مکہ کے پاس اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ (Choice) نہ رہا۔ پھر وہ تمام

سرداران مکہ جو ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو ظلم کا نشانہ بناتے تھے، نبی اکرم ﷺ کے پاس لائن میں کھڑے کئے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو میں تم سے کیا سلوک کروں گا؟ سب نے کہا آپ ہمارے سخی بھائی ہیں اور سخی بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا آج میں تم سے وہ سلوک کروں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ اِذْهَبُوا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ رحمت کائنات ﷺ کا یہ حسن اخلاق دیکھ کر وہ سب ایمان لے آئے، جب اہل مکہ ایمان لائے تو پورے عرب پہ اس کی دھاک بیٹھ گئی۔ اہل طائف نے کچھ مزاحمت کی، مگر وہ بھی مطیع ہو گئے پھر سارا عرب اسلام لانے کے لئے اُمڈ پڑا۔

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم اسلام لانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑی۔ گویا لوگوں کو اسی چیز کا انتظار تھا، لوگ کہتے تھے اسے (حضور ﷺ کو) اور اس کی قوم کو چھوڑو، اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ گیا تو یہ نبی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب ۵۳)

حضرت حسن (تابعی) فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر مکہ فتح کیا، تو اہل عرب باہم کہنے لگے جب اللہ نے محمد (ﷺ) کو مکہ پر غلبہ دے دیا ہے حالانکہ اللہ نے اصحاب الفیل سے اہل مکہ کو بچایا تھا تو تم محمد (ﷺ) سے کیسے مقابلہ کر سکتے ہو اسے اللہ غالب کر رہا ہے۔ تو وہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے جبکہ اس سے قبل ایک یا دو آدمی ہی اسلام میں آتے تھے۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۳۱۶)

یہی وجہ ہے کہ سن نو ہجری کو عامة الوفود کہا جاتا ہے یعنی وہ سال جس میں کثرت سے پورے عرب سے وفود آئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا جیسے وفد عبد القیس، وفد نجیب، وفد بنو ثقیف، وفد بنو لخم، وفد الاشعریین، وفد بنو غسان، وفد بنو نخع اور وفد بنو حنیفہ وغیر ذالک۔ ان میں سب سے بڑا وفد اہل یمن کا تھا جو سات سو افراد پر مشتمل تھا، ان کے اسلام لانے پر حضور سرورِ کونین ﷺ بہت مسرور ہوئے اور مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر رو پڑے۔ (قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۲۳۰)

حدیث مبارکہ میں ہے سورہ فتح کے نازل ہونے پر ہی حضور ﷺ نے اہل یمن کے ایمان لانے کی بشارت دے دی تھی۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سورہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① نازل ہوئی تو حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی مدد اور فتح آ گئی اور اہل یمن آ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اہل یمن کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اہل یمن کے دل نرم اور طبائع پُر گداز ہیں، ایمان یمانی ہے اور حکمت یمانی۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۷۳۰ حدیث ۳۸۲۳۵ مطبوعہ بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس اہل یمن آ گئے جن کے دل نرم اور طبائع پُر سوز ہیں، فقہ یمانی ہے اور حکمت یمانی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی حدیث ۴۳۸۹، مسلم کتاب الایمان حدیث ۹۲)

یعنی ایمان ہو تو اہل یمن جیسا اور حکمت یا فقہ ہو تو اہل یمن جیسی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے وقت وصال کے قریب آنے کا اشارہ فرما دیا تھا۔ یعنی بتا دیا تھا کہ فتح آنے والی ہے تب آپ حمد واستغفار میں لگ جائیں یعنی آپ کو غلبۂ دین کے جس کام کے لئے بھیجا گیا وہ پورا ہونے والا ہے۔ اور آپ کو واپس بلایا جانے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھے مشائخ بدر کے درمیان جگہ دیتے تھے ان میں سے کسی نے کہا کہ یہ تو ہمارے بچوں کے برابر ہے، اسے ہمارے درمیان کیوں بٹھایا جاتا ہے؟ ایک دن انہوں نے مجھے بلایا اور مشائخ کے درمیان بٹھا دیا، پھر ان مشائخ سے پوچھا کہ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ① کے بارے میں تمہارا کیا علم ہے؟ ان میں سے بعض نے کہا اس میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ جب فتح ونصرت آجائے تو اللہ کی تسبیح کہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا بات یہ نہیں ہے، دراصل یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت وصال کے قریب آجانے کی طرف اشارہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب فتح ونصرت آجائے تو یہ آپ کے لئے علامت وصال ہے، تب آپ اپنے رب کی زیادہ حمد وتسبیح بجالائیں اور بخشش مانگیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا میں بھی یہ سمجھتا ہوں جو تم نے سمجھا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ نصر)

چنانچہ فتح مکہ کے بعد حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور استغفار پڑھتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ یہ الفاظ بکثرت پڑھتے تھے سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمۡدِهٖ وَاسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوۡبُ اِلَيۡهِ۔ (اللہ پاک ہے اسی کی حمد ہے میں اللہ سے بخشش مانگتا اور اس کے حضور توبہ کرتا ہوں) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ یہ الفاظ بکثرت پڑھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے میرے رب نے خبر دی ہے کہ جب میں اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں (جس سے فتح مکہ مراد ہے) تو یہ الفاظ زیادہ پڑھوں اب میں نے وہ علامت دیکھ لی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی سورت پڑھی اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ① (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۲۲۰)۔

صداقتِ قرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فتح مکہ کی پیش گوئی فرمائی جو حرف بحرف پوری ہوئی اور ایسے وقت یہ پیشگوئی فرمائی جب اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ ہجری سات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حالت میں عمرۃ القضاء ادا فرمایا کہ کفار کی طرف سے آپ کو مکہ میں تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی اور صرف ایک برس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کو یوں فتح کیا کہ سارا عرب فتح ہو گیا۔ تو ماننا پڑتا ہے کہ قرآن اللہ کا نازل کردہ کلام ہے اسی لئے اس کی ہر پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوتی گئی۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی فضیلت

یہ دین میں لوگوں کے فوج درفوج داخل ہونے کا سبب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا اسلام لے آنا بنا، کیونکہ وہی فتح کے

موقع پر سب سے اول اسلام لائے تو وہ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۝۲ کا مصداق اول ہیں پھر وہ دین کے لئے زندگی بھر جہاد کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں راہِ جہاد میں جنگ قادسیہ میں انہوں نے اتنے تیر اپنے جسم اور چہرے پر کھائے کہ ان کی دونوں آنکھیں بہہ گئیں۔ تو آج جو لوگ ان کا ذکر توہین آمیز طریقہ سے کرتے ہیں وہ اپنا ایمان ضائع کرتے ہیں۔

شانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

شیعہ لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صرف تین آدمی مسلمان رہ گئے تھے، حضرت ابوذر غفاری، سلمان فارسی اور مقداد رضی اللہ عنہم باقی سب صحابہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کی وجہ سے دین سے نکل گئے اور مرتد ہو گئے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) (دیکھئے تفسیر قمی، تفسیر عیاشی بحار الانوار وغیرہ)

اب سوال یہ ہے کہ اگر اللہ رب العزت کو پتہ تھا کہ دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے والے یہی لوگ صرف دو برس بعد دین سے فوج در فوج نکل جائیں گے، تو اس نے اس سورت کو کیوں نازل کیا (معاذ اللہ) پھر فتح کی بشارت دینے کا کیا معنیٰ رہا؟ اللہ تعالیٰ تو غلبۂ دین کی بشارت دے رہا ہے کہ اب اللہ کا گھر اور اس کا حرم کفار کے قبضہ سے نکل کر ہمیشہ کے لیے اہل ایمان کے قبضہ میں آرہا ہے، مگر اہل تشیع کے نزدیک اللہ کا گھر پھر ہمیشہ کے لیے کفار کے قبضہ میں چلا گیا؟ اہل تشیع کو چاہیے کہ خدارا اپنے عقیدۂ امامت پہ نظرثانی کریں، مگر ان کے لئے مشکل یہ ہے کہ عقیدۂ امامت ہی ان کے سارے مذہب کی بنیاد ہے۔ مگر انہیں قرآن اور عقیدۂ امامت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔

فتح ملنے پر متکبرانہ جشن منانے کی بجائے عاجزانہ حمد واستغفار کی کثرت کرنی چاہیے

یہ سورت بتاتی ہے کہ فتح ملنے پر متکبروں کی طرح غل غپاڑہ کرنے کی بجائے عاجزانہ حمد و تسبیح اور استغفار کی کثرت کرنی چاہیے یہی شکرِ الٰہی بجالانے کا بہتر طریقہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو آپ کا سر اقدس اس قدر جھکا ہوا تھا کہ آپ کی پیشانی اونٹ کے پالان سے لگی ہوئی تھی اور آپ سورۂ نصر کی تلاوت کر رہے تھے۔

الحمد للہ 21 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 19 دسمبر 2008ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب مدینہ طیبہ میں سورۂ نصر کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ و صحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ اللھب

سورۃ اللھب ترتیب تلاوت میں قرآن کریم کی 111 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول میں قرآن کی پانچویں سورت ہے اس سے قبل سورہ علق، ن، مزمل اور مدثر نازل ہوئیں۔ یہ اسلام کے انتہائی ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورت ہے۔ اسے سورۃ اللھب اس لئے کہا کہ اس کا آغاز یوں ہوا تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ اللہ تعالیٰ نے ابولھب کا نام لے کر اس کی مذمت فرمائی اور اس کا جہنمی ہونا واضح کیا۔

اس سورت میں ایک رکوع، 5 آیات، 20 کلمات اور 77 حروف ہیں۔

مضامین

ماقبل سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے سورۃ النصر میں شہر مکہ کے فتح ہونے کی بشارت دی گئی اور لوگوں کا دین اسلام میں فوج درفوج داخل ہونے کا مژدہ سنایا گیا۔ اب سورۃ اللھب میں حضور ﷺ کو وہ وقت یاد دلایا جارہا ہے جب دعوت اسلام کا آغاز ہوا تھا، یعنی کبھی وہ وقت بھی تھا کہ حضور ﷺ نے دعوت اسلام کے لیے آواز اٹھائی تو سگے چچا نے شدید گستاخانہ جواب دے کر آپ کا دل توڑا، مگر آپ استقامت کے ساتھ دعوت دین کا کام کرتے رہے آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کر دیا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۵ ۱۱۱ سُوْرَۃُ اللَّھَب مَکِّیَّۃٌ ۶ رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ تباہ ہو [1] نہ اس کا مال اسے بچا سکا نہ اس کی کمائی، وہ عنقریب شعلے مارتی

ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

آگ میں گرے گا [2] اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں اٹھاتی ہے، اس کے گلے میں کھجور کی رسی (کا پھندا) ہے [3]

ابولہب اور اس کی بیوی کی دشمنیٔ رسول کے بدلے نارِ جہنم

[1] یہ سورت انتہائی ابتدائی دور اسلام میں نازل ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا وعظ مبارک

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝۲۱۴ کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔ (شعراء، ۲۱۴) اتری تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ صفا پر چڑھے اور آواز دی: یا صباحاہ (یہ جملہ اہل عرب مدد طلب کرنے کے لئے بولتے تھے) لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگو! اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑا لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا: اے محمد! ماجرّبنا علیك كذبا، ہم نے آج تک تمہیں جھوٹ بولتے نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فانی نذیر لكم بين يدى عذاب شديد میں تمہیں بڑے عذاب سے قبل ڈرانے والا ہوں۔ ابولہب نے کہا: اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا تَبًّا لَكَ کیا تم نے ہمیں اس لئے جمع کیا تھا؟ تمہاری ہلاکت ہو، پھر وہ غصے سے چل دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اُتاری: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ اللہب حدیث ۴۹۷۱)

یعنی ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبًّا لك کہا اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ فرمایا۔ یہاں ابولہب کے ہاتھوں کی بات اس لئے کی گئی کہ تبًّا لك کہتے ہوئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اپنے ہاتھوں سے

گستاخانہ اشارے کر رہا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے گستاخ ہاتھوں کی تباہی کی بات کی۔ اس کے علاوہ اس نے ایک بار اپنے ہاتھوں سے حضور سید عالم ﷺ پر پتھر برسا کر آپ کی مبارک ایڑیوں کو زخمی کر دیا تھا۔
یہ قسمت کے فیصلے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے اس قدر خونی و نسبی قرب رکھنے والا چچا اسلام دشمنی کی وجہ سے جہنم کا حقدار بن گیا اور اسے قرب رسول ﷺ کچھ کام نہ آیا۔ جبکہ حبشہ سے حضرت بلال، روم سے حضرت صہیب اور فارس سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہم کو وہ قرب رسول ﷺ ملا کہ آج مسجدوں کے منبر و محراب ان کی تعریف سے گونج رہے ہیں۔

اسلام میں نسب کا نہیں، ایمان کا اعتبار ہے

ابولہب کے ملعون و مردود ہونے سے معلوم ہوا کہ دین اسلام میں نسب کو نہیں ایمان کو دیکھا جاتا ہے، جس کے پاس ایمان نہیں اس کو رسول اللہ ﷺ کا سگا چچا ہونا بھی نہیں بچا سکتا۔ اس میں ان لوگوں کے لیے مقام عبرت ہے جو صبح و شام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں بکتے ہیں، خلفائے راشدین کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ مسلمان نہیں سمجھتے، اور ائمہ اہل بیت کو تمام انبیاء و رسل سے افضل جانتے ہیں، پھر خود کو سید و آل رسول گردانتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جب ایمان ہی ختم ہو چکا تو ان کے سید یا آل رسول ہونے کا کیا معنی ہے؟ ان کی نسبت سیادت ختم ہو چکی ہے، وہ آل رسول سے خارج ہیں، حضرت نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا جب باپ کے دین کو چھوڑ بیٹھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اے نوح (علیہ السلام) وہ آپ کی آل بیت میں سے نہیں ہے۔ (سورہ ہود، ۴۶)

ابولہب ملعون کی رسول اللہ ﷺ سے دشمنی

حضرت طارق بن عبداللہ محاربی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:
میں ذوالمجاز کی منڈی میں گیا میں نے دیکھا ایک شخص کہہ رہا تھا: قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا۔ کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم فلاح پا لو گے۔ پھر میں نے ایک شخص کو اس کے پیچھے پتھر لے کر آتے دیکھا جو اس کی ایڑیوں اور پنڈلیوں پہ پتھر پھینکنے لگا، جس سے اس کا خون بہنے لگا وہ کہہ رہا تھا اے لوگو! یہ جھوٹا ہے اس کی بات مت مانو۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ محمد (ﷺ) ہیں اور یہ ان کے پیچھے ان کا چچا ہے جو انہیں جھوٹا سمجھتا ہے۔
(تفسیر کبیر جلد ۲۱ صفحہ ۲۲۶)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ابولہب کے ظالم ہاتھوں کی تباہی کا ذکر فرمایا۔ کیسا بدنصیب تھا وہ شخص، اور کن مقدس ایڑیوں کو اس ظالم نے زخمی کیا، وہ ایڑیاں جو عرش کی سیر کرنے والی ہیں اور جن کے تصور سے اہل ایمان کے قلوب سوز و گداز سے بھر جاتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں۔

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں خوش تر ایڑیاں　　عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ انور ایڑیاں

تاج روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں . رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں
ایک ٹھوکر میں احد کا زلزلہ جاتا رہا رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں

[2] جب نبی اکرم ﷺ نے پہلی بار اپنے خاندان کی دعوت کی اور انہیں پیغام اسلام سنایا، تو ابولہب نے کہا تھا اگر اس کی دعوت سچی ہے تو بھی میں اپنے سارے مال اور اپنی اولاد کو اس کے خلاف کھپا دوں گا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بدبخت کا مال اور اس کی کمائی اسے عذاب سے بچا نہ سکے گی اور عنقریب وہ شعلے مارنے والی آگ میں گرے گا۔ یہ غیب کی ایک خبر تھی کہ ابولہب ایمان نہیں لائے گا اور آخر کار جہنم کا ایندھن بنے گا چنانچہ اسی طرح ہوا۔

ابولہب کے چہرے کا حسن و جمال اور دل کا سوء حال

اس کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا مگر چونکہ وہ اس قدر حسین تھا کہ اس کا حسن گویا شعلے مارتا تھا اس لئے اسے ابولہب کہا جاتا تھا یعنی شعلوں والا۔ اس کا اصل نام لینا اللہ تعالیٰ نے پسند نہ فرمایا کیونکہ اس میں شرکیہ معنی ہے۔ اللہ رب العزت نے اس کے لقب ابولہب کا ذکر کیا، گویا بتایا کہ اس کا شعلہ بار حسن جہنم کی شعلہ بار آگ کا لقمہ بنے گا کیونکہ جس قدر اس کا چہرہ حسین ہے اس کا دل اسی قدر سیاہ اور خوفناک ہے اور اللہ چہروں کو نہیں دلوں کو دیکھتا ہے اور ہمیں بھی چاہیے کہ کسی کا رخسار نہیں اس کا کردار دیکھیں، خوش شکلی نہیں خوش دلی دیکھیں۔

[3] ابولہب کی بیوی ام جمیل دشمنی رسول میں ابولہب سے کم نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کے جہنمی ہونے کی بھی خبر دی اور اس سے قبل فرمایا کہ وہ لکڑیاں اٹھانے والی ہے۔ حضرت ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ اس لئے کہا گیا کہ وہ خاردار جھاڑیوں کی شاخیں کاٹ کر لاتی اور ان کے کانٹے رات کو نبی اکرم ﷺ کی راہ میں بچھاتی تھی اس لئے اسے لکڑیاں اُٹھانے والی کہا گیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۷۳)

آگے فرمایا گیا کہ اس کے گلے میں کھجور کی رسی کا پھندا ہے۔ یعنی جہنم میں اس کے لئے یہ سزا ہے کہ اس کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر اسے مارا جاتا ہے پھر زندہ کر دیا جاتا ہے پھر مارا جاتا ہے اور یہ سولی کی سزا اسے تا قیامت ملتی رہے گی کیونکہ وہ اسی حالت میں مری تھی اور اس وقت وہ لکڑیاں اُٹھا کر لا رہی تھی کہ ان کے کانٹے حضور ﷺ کے راستے میں بچھائے۔ ایک جگہ وہ آرام کرنے کے لئے کسی پتھر پر بیٹھی ایک فرشتے نے آ کر بحکم الٰہی اس کے سر سے لکڑیوں کا گھٹا پیچھے کھینچ دیا اور اس کی رسی اس کے گلے میں پھنس گئی اور وہ دم گھٹ کر مر گئی۔ (قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۲۴۰، خازن جلد ۷ صفحہ ۳۱۸)

ابولہب کی دشمنی رسول ﷺ اور اس کی ذلت آمیز موت

طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے اعلان نبوت سے قبل اپنی دونوں بیٹیوں حضرت سیدہ رقیہ اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کیا تھا، مگر ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی۔ پھر اعلان نبوت

کے بعد ابولہب نے آپ ﷺ سے دشمنی اپنالی۔ پھر سورہ لہب اُتری تو ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کے غصے کی انتہا نہ رہی، تو دونوں نے اپنے بیٹوں پر دباؤ ڈالا کہ اپنی بیویوں کو طلاق دے دو، انہوں نے طلاق دے دی، بلکہ عتیبہ نے حضور سید عالم ﷺ سے بدزبانی اور دست درازی بھی کی بلکہ آپ کی قمیص مبارک بھی پھاڑ دی۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: ''اللہ نے تجھ پر اپنے درندوں میں سے ایک درندہ مسلط کر دیا ہے، وہ اس وقت تجارت کے لئے شام جا رہا تھا۔ جب ان کا قافلہ شام پہنچا تو انہوں نے مقام زرقآء پر پڑاؤ کیا۔ عتیبہ حضور سرور کونین ﷺ کے مذکورہ ارشاد سے خوفزدہ تھا، وہ قافلے کے درمیان میں سویا۔ رات کو ایک شیر آیا جو سب لوگوں میں سے عتیبہ کو ڈھونڈ تا ہوا اس کے پاس پہنچا اور اس کا سر چبا ڈالا۔'' (طبرانی کبیر جلد ۲۲، صفحہ ۴۳۳ حدیث ۱۰۶۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بدبخت ابولہب زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا رہا۔ جب کفار مکہ نے بنو ہاشم کا مقاطعہ کیا تو سب بنو ہاشم نے حضور سید عالم ﷺ کا ساتھ دیا، صرف ابولہب دشمنی رسول میں خاندان کا بھی دشمن بن گیا اور وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ بنو ہاشم کے ہاتھ کچھ نہ بیچو، اور اگر بیچو تو مہنگا بیچو تا کہ وہ خرید نہ سکیں اور مجبور ہو کر محمد (ﷺ) کا ساتھ چھوڑ دیں۔ جب جنگ بدر ہوئی تو ابولہب نے اس کے لئے بہت سامال دیا، مگر زیادہ بوڑھا ہو جانے کے سبب وہ ساتھ نہ جا سکا۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم فتح سے نوازا اور کفار کے ستر بڑے سردار قتل اور ستر گرفتار ہو گئے، باقی لوگ بھاگ گئے۔ ان میں سے پہلا شخص جو مکہ پہنچا اس کا نام حسیمان تھا، اس نے ابولہب کو بتایا کہ ہمیں شدید ذلت آمیز شکست ہوئی ہے یوں لگتا تھا کہ ہمیں کوئی غیبی مخلوق پکڑ پکڑ کر قتل کر رہی ہے۔ ہمارے مقابلہ میں انسان نہیں بلکہ سفید پیشانیوں والے گھوڑے تھے اور وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑ رہے تھے۔

ابورافع کہتے ہیں میں اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ ہم لوگ اس خبر سے خوش ہوئے، میں نے کہا وہ فرشتے تھے، ابولہب نے اٹھ کر مجھے مارنا شروع کر دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل رضی اللہ عنہا نے دیکھ لیا وہ اٹھ کر حجرہ زمزم کا ایک ستون اٹھا لائی اور ابولہب کے سر پر دے مارا جس سے وہ گر کر بے ہوش ہو گیا اور بستر مرگ پر جا پڑا پھر اس کے جسم پر بدبودار پھوڑے نکل آئے جن کی تکلیف سے وہ مر گیا۔ مرنے کے بعد اس سے اس قدر بدبو آتی تھی کہ کوئی اس کے قریب نہ جاتا تھا۔ آخر حبشی غلاموں کے ذریعے اس کی لاش کو اٹھا کر قبرستان کی دیوار کے اندر پھینک دیا گیا اور اوپر سے بہت سے پتھر گرا کر انہیں ہی قبر قرار دیا گیا۔ (قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۲۴۳)

گویا اللہ جل وعلا اپنے حبیب کے گستاخوں کو دنیا ہی میں پکڑ لیتا اور نشان عبرت بنا دیتا ہے۔

شان محبوبیت مصطفیٰ ﷺ

ابولہب نے تَبًّا لَّكَ کہہ کر سرکار دو عالم ﷺ کی شان میں بے ادبی کی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کا جواب دیا تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ گویا اللہ رب العزت کو گوارا نہیں کہ کوئی نبی کریم ﷺ کی بے ادبی کرے۔ یہ بھی معلوم ہوا

کہ رسول اللہ ﷺ کے گستاخوں پہ پکڑ کرنا اوران کا نام لے کران کا رد کرنا اللہ کا طریقہ ہے۔

ایمان کے بغیر قرابت رسول کام نہیں آتی

ابولہب حضور ﷺ کا سگا چچا تھا مگر ایمان نہ لانے کے سبب جہنم کا ایندھن بن گیا اور حبشہ سے آنے والے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، فارس سے آنے والے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور روم سے آنے والے حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ غلامی رسول میں آ کر شرف صحابیت پا گئے اور آسمان ہدایت کے ستارے بن گئے۔ معلوم ہوا سید کے لئے پہلے مومن ہونا ضروری ہے، اگر وہ صحابہ کرام اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو گالیاں دیتا، قرآن کو ناقص بتاتا اور غیر انبیاء کو انبیاء سے افضل کہتا ہے تو اس کا ایمان ختم ہے، جب وہ مومن ہی نہیں تو سید کا کیا مفہوم ہے؟ اگر ایمان کے بغیر قرابت رسول کسی کو نفع دیتی تو ابولہب کو دیتی جو رسول اللہ ﷺ کا نہایت گہرا قرابت دار تھا۔ جب اسے کچھ نفع نہیں ہوا تو ایمان کے بغیر چودہ صدیوں کے بعد کسی اور کو کیا نفع ہو سکتا ہے؟

کفار کے باہمی نکاح درست ہیں خواہ وہ بغیر گواہ ہوں یا کسی بھی طریقہ سے ہوں

اللہ تعالیٰ نے **وامرأتہ** کہہ کر ام جمیل کو ابولہب کی بیوی قرار دیا، گویا اسلام کفار کے نکاح کو معتبر جانتا ہے اور اس کی بنیاد پر ان کا نسب معتبر ہے اور حق وراثت ثابت ہے۔ خواہ وہ نکاح کسی بھی طرح سے ہوا ہو۔

الحمد للہ 21 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 19 دسمبر 2008ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عشاء مدینہ طیبہ میں سورۃ اللہب کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم اجمعین۔

سورۃ الاخلاص

سورۃ الاخلاص ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 112 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 21 ویں سورت ہے، یہ مکی سورت ہے چونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا خالص نقشہ پیش کیا گیا ہے جو شرک کے ہر تصور کو توحید سے الگ کر دیتا ہے، اس لئے اسے سورۃ الاخلاص کہتے ہیں۔

اس میں ایک رکوع، 4 آیات، 15 کلمات اور 47 حروف ہیں۔

فضیلت

سورۃ اخلاص کے کثیر فضائل کتب حدیث میں وارد ہیں۔ مثلاً حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے ایک بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی گویا اس نے ایک تہائی قرآن پڑھا۔"

(در منثور بروایت احمد فی الفضائل جلد ۸ صفحہ ۶۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار فرمایا: جمع ہو جاؤ، میں ابھی تم پر قرآن کا تہائی حصہ پڑھوں گا۔ لوگ جمع ہو گئے، پھر حضور سید عالم ﷺ تشریف لائے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی پھر تشریف لے گئے۔ ہم ایک دوسرے سے کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ نے تو ایک تہائی قرآن کریم سنانے کا فرمایا تھا۔ یقیناً آپ کو آسمان سے کوئی (نئی) خبر آئی ہے۔ آپ ﷺ پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں تمہیں تہائی قرآن سناؤں گا اور یہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

(ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ۱۱ حدیث ۲۹۰۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی لوگوں کو مسجد قباء میں نماز پڑھاتے تھے وہ فاتحہ کے بعد جو بھی سورت پڑھتے اس سے قبل سورہ اخلاص ضرور پڑھتے اس کے بعد دوسری سورت پڑھتے۔ وہ ہر رکعت میں ایسا ہی کرتے۔ اہل قبا نے ان سے کہا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہو؟ نماز کے لئے ایک ہی سورت کافی ہے۔ خواہ سورہ اخلاص پڑھو یا کوئی دوسری سورت، آپ دونوں کو ملاتے ہو یہ کیوں؟ انہوں نے کہا: میں یہ سورت نہیں چھوڑوں گا، اگر تمہیں میری

امامت پسند ہے تو بہتر ورنہ میں امامت چھوڑ دیتا ہوں، وہ ان میں سب سے افضل تھے اور وہ کسی دوسرے کی امامت نہیں چاہتے تھے پھر جب رسول اللہ ﷺ قبا تشریف لائے تو لوگوں نے ساری بات آپ سے کہی، آپ ﷺ نے اُن سے اس کے عمل کا سبب پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے سورہ اخلاص سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ حُبَّهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ اس سورت کی محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا ہے۔

(ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ۱۱ حدیث ۲۹۰۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تبوک تشریف لے گئے، وہاں جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہ آپ کا صحابی معاویہ بن معاویہ (مدینہ میں) فوت ہو گیا ہے۔ کیا آپ اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، جبریل علیہ السلام نے زمین پر پر مارا، زمین سمٹ گئی تمام حجابات اٹھ گئے اور ان کا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے جبریل! معاویہ کو یہ فضیلت کیسے حاصل ہوئی کہ اس کے جنازہ میں ملائکہ کی دو صفیں شامل ہوئیں اور ہر صف میں سات لاکھ فرشتے تھے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ شخص اٹھتے بیٹھتے، کھڑے لیٹے، آتے جاتے ہر وقت سورہ اخلاص پڑھتا تھا۔ (درمنثور بروایت ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۶۷۲)

یہی واقعہ ایک اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں جبریل علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص یہ سورت ایک بار پڑھے۔ اللہ اس کے پچاس ہزار درجات بلند کرتا، پچاس ہزار گناہ مٹاتا اور پچاس ہزار نیکیاں عطا فرماتا ہے۔

(درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۷۲)

مضامین و ماقبل سے مناسبت

اس سورت کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل سورہ لہب میں ابولہب کے کردارِ زشت کی مذمت کی گئی ہے، کیونکہ وہ دعوتِ توحید سن کر گستاخی رسول پہ اُتر آیا تھا۔ اس لیے اب اس سورت میں توحید باری تعالیٰ پہ روشنی ڈالی جارہی ہے کہ اللہ ہر طرح کے جسمانی رشتوں سے پاک ہے اور کوئی اس جیسا نہیں ہے جس سے اس کو تشبیہ دی جاسکے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتہا ۴ ۱۱۲ سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ رکوعاتہا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ‏ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ‏ ﴿۲﴾ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۙ‏ ﴿۳﴾ وَلَمۡ يَكُنۡ

آپ فرما دیں اللہ یکتا ہے، اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا اور نہ کوئی

لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

اس کا ہمسر ہے[1]

اللہ کی ذات وصفات کا بیان

[1] قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اس جملہ میں ان تمام اقوام کے عقائد کی تردید ہے جو اللہ کا وجود ہی نہیں مانتے اور کسی خدا کے قائل ہی نہیں ہیں یا اللہ کو مانتے ہیں مگر سمجھتے ہیں کہ اکیلا اللہ نظام کائنات کو نہیں چلا سکتا اس کے ساتھ دوسرے خدا ہیں جو اللہ کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ اللہ ہے اور وہ ایک ہے۔ اسی طرح آگے اس سورت میں اَللّٰهُ الصَّمَدُ کہہ کر ان لوگوں کا رد کیا گیا جو اللہ کو محتاج مانتے ہیں یا کسی محتاج کو خدا مانتے ہیں جیسے ہندو بے جان بتوں کو خدا سمجھتے ہیں اور جانوروں کی عبادت کرتے ہیں یا جیسے عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں حالانکہ وہ اپنی پرورش میں اپنی والدہ کے محتاج تھے۔ اور وہ انسان ہونے کے ناطے کھانے پینے وغیرہ کے محتاج تھے۔ آگے لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ کہہ کر فرمایا کہ اللہ کی کوئی اولاد نہیں نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور جو خدا کی اولاد مانے جیسے مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے اور جو خدا کو کسی کی اولاد مانے جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور اس کا بیٹا مانتے ہیں ایسے سب لوگ خدا کے صحیح تصور سے دور جا پڑے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا جسم اور جسمانیات سے پاک اور بے نیاز ہونا قرآن کی روشنی میں

آگے وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کہہ کر فرمایا گیا کہ اللہ کا کوئی ہمسر نہیں یعنی نہ اس جیسی کسی کی ذات ہے نہ کسی کی صفات۔ لہٰذا جو اللہ کے لئے جسم مانے یا اس کی صفات کو مخلوق جیسی قرار دے وہ قرآن کا مخالف اور دین سے خارج

ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ کہ ''اللہ کو اونگھ نہیں آتی نہ نیند۔'' (بقرہ، ۲۵۵) اس لیے کہ اونگھنا یا سونا جسم کی صفات ہیں جب جسم تھک جاتا ہے تو اسے نیند یا اونگھ آجاتی ہے، جب اللہ تعالیٰ جسم ہی سے پاک ہے تو اسے یہ چیزیں کیسے لاحق ہوسکتی ہیں؟ انسان کا یہ حال ہے کہ اگر اسے کسی چیز کی حفاظت پہ مقرر کر دیا جائے تو وہ آٹھ دس گھنٹے سے زیادہ ڈیوٹی نہیں دے سکتا، وہ تھک کر لیٹ اور سو جائے گا، مگر اللہ کی شان یہ ہے: وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾ ''اللہ کو زمین و آسمان کی حفاظت (جو وہ ازل سے کر رہا ہے) تھکاتی نہیں ہے۔'' (بقرہ، ۲۵۵)

پھر وہ ہمارے عقل و ادراک میں کیسے آسکتا ہے اور اللہ ہی کی یہ شان ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ ''اسے نگاہیں نہیں گھیر سکتیں اور اس نے نگاہوں کو گھیر رکھا ہے۔'' (انعام، ۱۰۳) اور جب وہ کسی نگاہ میں نہیں آسکتا تو اس کا جسم ہونے سے کیا واسطہ؟، جب وہ جسم نہیں ہے تو اس کے لیے عرش پہ قرار پکڑنا کیوں کر متصور ہوسکتا ہے اور اس کے لیے ہاتھ یا چہرہ کیسے مانا جاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے لیے عرش پہ استواء اور ہاتھوں اور چہرہ کا ذکر متشابہات میں سے ہے

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾ سے معلوم ہوا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾ کہ ''رحمان نے عرش پہ استویٰ فرمایا۔'' (طٰہٰ، ۵) متشابہات میں سے ہے۔ اور اسی طرح بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ کہ ''اللہ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔'' (مائدہ، ۶۴) اور وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ کہ ''تیرے رب کا چہرہ باقی رہ جائے گا۔'' (رحمان، ۲۷) اور ایسی دیگر آیات بھی متشابہات میں سے ہیں جن کا حقیقی معنیٰ و مراد اللہ ہی جانتا ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مشرکین نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اُنْسُبْ لَنَا رَبَّكَ آپ ہمیں اپنے رب کا نسب بتائیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری اور فرمایا کہ اللہ واحد و یکتا ہے وہ بے نیاز ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے، نہ کوئی اس کی اولاد ہے، تو اس کی نسب کیسے بتائی جائے؟ بس یہی اس کا نسب ہے۔ جس کا نسب ہو وہ ایک دن ضرور مرنے والا ہے کیونکہ وہ کسی باپ سے پیدا ہوا اور آگے اس کی نسل چلے گی، مگر اللہ کے لئے موت نہیں ہے تو اس کا نسب کیسے ہوسکتا ہے؟ پھر فرمایا کہ اللہ کی کوئی کفو نہیں یعنی کوئی اس کا ہمسر نہیں اور نسب اس کا ہوتا ہے جس کا کوئی خاندان اور کفو ہو، جب کوئی اس جیسا ہی نہیں تو اس کا نسب کہاں سے آئے گا؟

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عامر بن ربیعہ اور اربد بن ربیعہ دو مشرک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، کہنے لگے آپ ہمیں اللہ کی صفات بتائیں کہ وہ کیسا ہے کیا وہ سونے یا چاندی کا ہے یا لوہے لکڑی وغیرہ کا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری اور اللہ نے اربد پر آسمانی بجلی گرا کر اسے مار دیا اور عامر طاعون سے مرا۔ (تفسیر بغوی جلد ۷ صفحہ ۳۲۰)

یادرہے یہاں اللهُ اَحَدٌ فرمایا گیا الله واحدٌ نہیں فرمایا گیا اگرچہ واحدٌ اور احدٌ دونوں کا معنی ایک ہی ہے مگر ان میں یہ فرق ضرور ہے کہ واحد مخلوق کو بھی کہا جا سکتا ہے جیسے رجلٌ واحدٌ اور شیئٌ واحد۔ مگر اَحَدٌ صرف اللہ ہی کے لئے ہے لہٰذا رجلٌ اَحَدٌ نہیں کہہ سکتے۔

سورۂ اخلاص میں توحید باری تعالیٰ کا نہایت خوبصورت نقشہ کھینچا گیا ہے اور جو اس سورت کو اچھی طرح سمجھتا اور مانتا ہے وہ کسی صورت میں مشرک نہیں ہوسکتا، تو جو لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ اہل اسلام کو مشرک قرار دیتے ہیں وہ مسلمانوں میں فرقہ واریت پھیلا رہے ہیں اور وہ خود مفہوم توحید سے ناواقف ہیں۔ اللہ سب کو دین کا فہم صحیح عطا فرمائے۔

الحمدللہ 22 ذی الحجہ 1429ء بمطابق 20 دسمبر 2008ء بروز ہفتہ بعد نماز فجر مدینہ طیبہ میں سورۃ اخلاص کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم اجمعین۔

سورۃ الفلق

سورۃ الفلق ترتیب تلاوت میں قرآن کریم کی 113 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول میں 19 ویں سورت ہے، سورہ الفلق اور سورہ الناس کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ مدنی ہیں کیونکہ جب یہود نے حضور سید عالم ﷺ پر جادو کیا تو اسے توڑنے کے لئے یہ سورتیں اُتاری گئیں اور یہ جادو مدینہ شریف میں کیا گیا تھا۔

جبکہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تمام قرآنی سورتوں کی جو ترتیب نزول بیان کی ہے اس کے مطابق یہ مکی سورتیں ہیں اور یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ اہل مکہ بھی جادو اور شرکیہ منتر کرتے تھے اور انہیں یہود سے زیادہ حضور ﷺ سے حسد وعناد تھا اور وہ آپ کو کوئی تکلیف دینے سے گریز نہیں کرتے تھے تو جادو سے آپ ﷺ کے دفاع کے لئے یہ سورتیں وہاں نازل کی گئیں تاہم جب مدینہ طیبہ میں یہود نے آپ ﷺ پر جادو کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان آیات کے پڑھنے کا حکم فرمایا جسے بعض لوگوں نے یوں سمجھ لیا جیسے یہ سورتیں اسی موقع پر نازل ہوئی ہیں۔

سورۃ الفلق ان الفاظ سے شروع ہوئی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ اور لفظ الْفَلَقِ صرف یہیں ہے اس مناسبت سے اسے سورۃ الفلق کہا گیا۔

فضیلت

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو مُعَوِّذَتَین کہا جاتا ہے حدیث مبارکہ میں ان دونوں کی عظیم فضیلت وارد ہے۔ مثلاً حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھ پر ایسی آیات اتاری ہیں جن کی مثل نہیں دیکھی گئی: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ آخر تک اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ آخر تک۔ امام ترمذی نے اسے حدیث حسن صحیح قرار دیا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ المعوذتین حدیث)

یعنی جادو وغیرہ سے بچنے اور اس کے اثرات دور کرنے کے حوالے سے ان دو سورتوں کی مثل کوئی سورت نہیں ہے۔

حضرت ابو حابس جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ دونوں پناہ دینے والی سورتیں ہیں اور ان سے بڑھ کر کوئی سورت پناہ دینے والی نہیں۔''

(نسائی کتاب الاستعاذہ باب احدیث ۵۴۳۴)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عقبہ! قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کو سوتے جاگتے (ہمہ وقت) پڑھا کر۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۸۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خچر پر سوار ہوئے وہ ٹیڑھا چلنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے روک لیا اور ایک شخص سے کہا اس پر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ پڑھو، جب پڑھی گئی تو وہ خچر سیدھا چلنے لگا۔ (درمنثور عن ابن مردویہ جلد ۸ صفحہ ۶۸۶)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر رات جب بستر پر تشریف لے جاتے تو دونوں ہاتھوں کو ملا کر ان میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر پھونکتے پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے، سر اور جسم کے اگلے پچھلے حصہ پر جہاں تک آپ کا ہاتھ پہنچتا پھیر لیتے۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب فضل المعوذتین حدیث ۵۱۱۷)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوتے تو معوذتین کو پڑھ کر اپنے اوپر پھونک لیتے، پھر جب آپ کی تکلیف زیادہ ہوگئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھ میں پھونکتی پھر اسے آپ کے جسم پر پھیر دیتی تا کہ برکت حاصل ہو۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن حدیث ۵۰۱۶)

معوذتین دونوں سورتیں اکٹھی نازل ہوئیں اور دونوں کا ایک ہی جیسا مضمون ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا کہ وہ ہمیں خطرناک انسانوں اور جنات کے شر سے محفوظ رکھے۔ اور ان دونوں کی اپنے ماقبل سورۃ الاخلاص سے یہ مناسبت ہے کہ سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ کی توحید وعظمت بتائی گئی اور ان دونوں سورتوں میں اللہ سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اور مانگنے کا یہی طریقہ ہے کہ جس سے مانگنا ہو پہلے اس کی تعریف کرو تا کہ اس کا دریائے رحمت جوش میں آئے۔ سورۃ فاتحہ میں بھی پہلے اللہ تعالیٰ کا رب العالمین، رحمان ورحیم، اور مالك یوم الدین ہونا بتایا گیا، پھر اس کا مستحق عبادت واعانت ہونا بتایا گیا، اس کے بعد اللہ سے ہدایت کی دعا مانگی گئی۔ اسی طرح اختتام قرآن پہ پہلے سورۃ الاخلاص کی صورت میں اللہ کی توحید، اس کی بے نیازی، اس کا جسمانی رشتوں سے پاک ہونا اور اس کا کسی مثل ومثال اور ہمسر سے مُبرا ہونا بتایا گیا اس کے بعد معوذتین سورتوں کی صورت میں اللہ سے پناہ مانگی گئی۔

کیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن میں سے نہ سمجھتے تھے؟

اہل تشیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہ طعن کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، اس کے علاوہ وہ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔ تو وہ اپنے اس عیب پہ پردہ ڈالنے کے لیے مسند احمد اور طبرانی وغیرہ کی اس روایت کو اچھالتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن میں سے نہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ سراسر بہتان ہے، اس بارے میں چند امور کا خیال رکھا جائے۔

اول: اس روایت کو محدثین نے باطل و موضوع قرار دیا ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال النووی فی شرح المهذب اجمع المسلمون علی ان المعوذتین والفاتحة من القرآن وان من جحد منها شیئا کفر وما نقل عن ابن مسعود باطل لیس بصحیح، قال ابن حزم فی کتاب القدح المحلی: هذا کذب علی ابن مسعود وموضوع وانما صح عنه قراءة عاصم عن زر عنه وفیها المعوذتان والفاتحة۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مہذب میں فرمایا ہے: مسلمانوں کا اس پہ اجماع ہے کہ معوذتین اور فاتحہ قرآن میں سے ہیں اور جو شخص ان میں سے کسی سے انکار کرے وہ کافر ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں جو منقول ہے وہ باطل ہے صحیح نہیں ہے۔ ابن حزم نے القدح المحلی میں فرمایا ہے: یہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ پہ کذب وافتراء ہے اور وہی قراءت صحیح ہے جو امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس قراءت میں معوذتین اور فاتحہ بھی ہیں۔

(الاتقان فی علوم القرآن جلد اول صفحہ ۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

دوم: خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث بتاتی ہیں کہ وہ معوذتین کو قرآن کریم کی افضل ترین سورتوں میں سے جانتے تھے۔ چنانچہ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے: عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال: لقد انزل علی آیات لم ینزل علیّ مثلهن، المعوذتین، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پہ ایسی آیات اتاری گئی ہیں کہ ان کی مثل مجھ پہ کچھ نہیں اتارا گیا، وہ معوذتین ہیں۔ (طبرانی معجم اوسط جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ حدیث ۲۶۵۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سوم: آج دنیا بھر میں قرآن کریم کی تلاوت قراءات سبعہ میں سے قراءت امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق کی جاتی ہے اور ان کی قراءت حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے۔ اس کی تفصیل فن قراءت کی سب سے مفصل کتاب النشر فی القراءات العشر کی پہلی جلد میں دیکھیں، جس میں قراءات سبعہ متواترہ میں سے ہر قراءت کے تمام طرق بیان کیے گئے ہیں۔ گویا یہ کہنا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو نہیں مانتے تھے ایسا ہی جھوٹ ہے جیسے کوئی شخص ٹرین میں سفر کر رہا ہو اور ٹرین کے وجود سے انکار کرے۔ جب آج ساری دنیا میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی قراءت پہ قرآن پڑھا جا رہا ہے اور اسی کے مطابق معوذتین پڑھی جاتی ہیں تو پھر انہیں معاذ اللہ معوذتین کا منکر کہنا آفتاب نیم روز سے انکار کرنا ہے۔

البتہ مسند احمد بن حنبل میں جو روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مصحف میں سے معوذتین کو کھرچ دیتے تھے تو اسی حدیث حضرت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹے سفیان بن مسعود کا قول موجود ہے کہ اصل میں ان کے والد نے نبی کریم ﷺ کو کبھی نماز میں معوذتین پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، اس سے ان کا ذہن بنا کہ ان کو مصحف میں لکھنا

نہیں چاہیے۔(مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور یقیناً یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ابتدائی خیال ہوگا، جبکہ ان کی حتمی رائے ہم تک یہی پہنچی ہے کہ وہ نہ صرف معوذتین کو قرآن میں پڑھتے تھے بلکہ پڑھاتے تھے، اسی لیے امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے جو قراءت ذکر کی ہے اس میں معوذتین شامل ہیں۔ اور آگے امام حفص رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے اور آج پوری دنیا میں جو قرآن موجود ہیں وہ روایت حفص کے مطابق لکھے ہوئے ہیں اور ان میں معوذتین موجود ہیں۔

میں یہ باتیں علی وجہ البصیرت کہہ رہا ہوں، کیونکہ میں نے تمام قراءات سبعہ سبقاً سبقاً پڑھی ہیں اور پڑھائی ہیں۔ اور قراءتِ سبعہ کی سب سے متداول درسی کتاب الشاطبیہ کی اردو شرح بھی لکھی ہے اور امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت میں معوذتین شامل ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۵ ۱۱۳ سورۃ الفلق مکیۃ ۲۰ رکوعاتها ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا

اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیے میں دانہ اُگانے والے رب کی پناہ مانگتا ہوں[1] اس کی ساری مخلوق کے شر سے[2] اور رات کے شر سے جب وہ

وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ٪﴿۵﴾

گہری ہو جائے[3] اور گرہوں میں پھونکیں لگانے والی جادوگر عورتوں کے شر سے[4] اور ہر حسد کرنے والے کی شر سے جب وہ حسد کرے[5]

جادوگروں کے جادو اور حاسدین کے حسد سے پناہ مانگنے کی دعا

[1] فَلَقِ کا لغوی معنی پھاڑنا ہے مگر یہاں حضرت عبداللہ ابن عباس، جابر بن عبداللہ مجاہد، قتادہ اور غیرھم رضی اللہ عنہم کے مطابق فلق سے صبح مراد ہے۔ کیونکہ صبح بھی رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ کہ اللہ صبح کا پھاڑنے والا ہے۔ (انعام، ۹۶) تو معنی یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہیے کہ میں صبح کے پیدا کرنے والے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ یعنی جیسے وہ سیاہ رات کا پردہ چاک کر کے اس میں سے نورِ صبح کو نمودار کر دیتا ہے یونہی وہ غم و آلام کی سیاہ رات کا پردہ پھاڑ کر اس میں سے خوشی و مسرت کی صبح طلوع کر سکتا ہے۔

فَلَقِ کا ایک معنی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر اس سے پودے اگانا بھی ہے جیسے فرمایا گیا فَالِقُ الۡحَبِّ وَ النَّوٰی ؕ ''اللہ تعالیٰ دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا ہے۔'' (انعام، ۹۵) تو اس طرح قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ کا معنی یہ ہوا کہ میں اس رب کی پناہ مانگتا ہوں جو خشک اور سخت دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر اس میں سے رزق اور اناج اُگاتا ہے، تو جیسے وہ خشک دانوں اور گٹھلیوں پہ پانی کی بارش برسا کر ان سے پودے نکال سکتا ہے یونہی وہ خشک اور پتھر جیسے سخت دلوں پہ قرآن کی بارش کر کے ان سے ایمان کے پودے اور عمل صالح کے پھول بھی کھلا سکتا ہے۔

جبکہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک فلق سے جہنم کا ایک طبقہ مراد ہے جب اس کا منہ کھلتا ہے تو سارا جہنم اس کی تپش سے پناہ مانگتا ہے۔ (قرطبی ابن جریر، ابن ابی حاتم)

بہر حال یہ تینوں معانی اپنی جگہ درست ہیں۔

[2] یادر ہے ہر مخلوق ممکن ہے اور ہر ممکن میں شر کا امکان ہے سوا ان نفوس قدسیہ کے جن کو رحمت الٰہی نے ڈھانپ لیا ہے۔

[3] غَاسِقٍ غسق بمعنی تاریکی سے ہے۔رات کو اس کی تاریکی کی وجہ سے غاسق کہا جاتا ہے جیسے فرمایا گیا:
اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ۔ ''سورج کے ڈھلنے سے رات کے گہری ہونے تک نماز قائم کرو۔'' (بنی اسرائیل، ۷۸) جب رات گہری ہو جاتی ہے تو چور ڈاکو اپنی کمین گاہوں سے نکل آتے ہیں۔ جنات و شیاطین گھومنے لگتے ہیں۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں رات کو ویران جگہوں میں جانے سے روکا گیا ہے۔ رات ہی کو خطرناک کیڑے مکوڑے اور زہریلے سانپ بچھو وغیرہ بھی نکل آتے ہیں اور رات ہی کو جادو کرنے والے ویران جگہوں میں جا کر خطرناک عملیات کرتے ہیں تو رات کی تاریکی سے پناہ مانگنے سے ان تمام خطرناک چیزوں کے شر سے پناہ مانگنا مراد ہے۔
اور غاسق چاند کو بھی کہتے ہیں جب وہ مہینے کی آخری تاریخوں میں چھپ جاتا اور نظر نہیں آتا ہے۔ ایک حدیث بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسے چاند کو غاسق کہا اور اس سے پناہ مانگی۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ معوذتین حدیث ۳۳۶۶)
دراصل جن تاریخوں میں چاند چھپ جاتا ہے ان میں رات کی تاریکی سخت گہری ہو جاتی ہے اور ان تاریخوں میں جادو زیادہ کیا جاتا ہے۔ تو دراصل جادو ہی سے پناہ مانگنا مقصود ہے۔

[4] جادو کرنے والے جس پر جادو کریں اس کے بال کسی طریقہ سے حاصل کر کے ان میں گرہیں لگاتے اور ان پر جادو پڑھ کر پھونکتے ہیں۔ اگر بال نہ مل سکیں تو دھاگہ لے کر اس پر گرہیں لگاتے اور پھونکتے ہیں اور جادو عموماً عورتیں زیادہ کرتی ہیں اس لئے یہاں عورتوں کا نام لیا گیا۔ اور حضور سید عالم ﷺ پر جادو کی گرہیں لگانے والی بھی عورتیں تھیں جیسا کہ آگے واقعہ بتایا جا رہا ہے۔

[5] یہود کو حضور ﷺ سے اس بات کا شدید حسد تھا اور ہے کہ آپ بحیثیت نبی یہود سے باہر کیوں مبعوث ہوئے ہیں تو انہوں نے حسد کی آگ میں جلتے ہوئے آپ کو ہر نقصان دینے کی کوشش کی۔ آپ کو زہر کھلایا۔ آپ پر پتھر گرا کر آپ کو شہید کرنے کی کوشش کی اور آپ پر خطرناک جادو کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ان کے ہر حملے سے محفوظ کیا اور اسی سلسلہ میں یہ آخری دو سورتیں بھی آپ کو پڑھنے کے لئے کہا گیا۔

یہود کا حضور ﷺ پر جادو کرنا

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ کو خیال آتا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ نہ کیا ہوتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ایک دن مجھے بلایا اور فرمایا کہ میرے پاس دو آدمی آئے (وہ صورت انسان میں جبریل و میکائیل علیہما السلام تھے) ان میں سے ایک میرے سر کے پاس دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ ان کی کیا بیماری ہے؟ دوسرے نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے۔ پہلے نے کہا کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے کہا لبید بن اعصم (یہودی) نے، پہلے نے کہا کس چیز میں جادو کیا ہے؟ دوسرے

نے کہا چند بالوں، ایک کنگھی اور ایک تھیلی میں جس میں شگوفے (کانٹے) ہیں۔ پہلے نے کہا: یہ چیزیں کہاں ہیں؟ دوسرے نے کہا بنی ذروان کے کنوئیں میں۔ تب نبی اکرم ﷺ وہاں گئے اور وہاں سے وہ چیزیں نکلوائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: کیا آپ نے اس یہودی کو مدینہ سے نہیں نکلوایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تو اللہ نے شفا دے دی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ یہ چیز (کسی کو شہر سے نکلوانا) شر پیدا کرے گی؟ پھر وہ کنواں بھروا دیا گیا۔

(صحیح بخاری کتاب بدأ الخلق حدیث ۳۲۶۸، مسلم کتاب السلام حدیث ۴۳)

امام خازن فرماتے ہیں: مروی ہے کہ یہود نے وہ جادو اس کنوئیں میں ایک بڑے پتھر کے نیچے رکھا ہوا تھا جب اسے نکالا گیا تو وہ ایک تھیلی تھی۔ جس میں حضور ﷺ کے چند بال تھے جو ایک کنگھی پر لپیٹے گئے تھے اور اس میں ایک دھاگے پر گیارہ گرہیں لگائی گئی تھیں اور اس تھیلی میں سوئیاں چبھوئی گئی تھیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس نازل فرمائیں (یعنی ان کی تلاوت کا حکم نازل فرمایا، ورنہ یہ دونوں سورتیں مکہ میں نازل ہوئی تھیں) حضور سید عالم ﷺ نے جیسے جیسے یہ سورتیں پڑھیں وہ گرہیں کھلتی گئیں حتیٰ کہ آپ ﷺ ہشاش بشاش ہو گئے۔ مروی ہے کہ آپ ﷺ پر چھ ماہ تک جادو کا اثر رہا اور آخری تین راتیں آپ پر بہت سخت تھیں۔ (تفسیر خازن جلد ۷ صفحہ ۳۱۳)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لبید بن اعصم یہودی اور اس کی بیٹیوں نے حضور ﷺ پر جادو کیا اور ایک پتلا بنا کر اس میں گیارہ گرہیں لگائیں، جس سے آپ کو شدید سر درد رہنے لگی۔ حضرت جبرائیل و میکائیل علیہما السلام آپ ﷺ کی عیادت کو آئے، میکائیل نے کہا اے جبرئیل! آپ کے ساتھی بیمار ہیں ان کی کیا بیماری ہے؟ انہوں نے کہا: انہیں لبید بن اعصم نے جادو کیا ہے اور وہ بئر میمون میں ایک پتھر کے نیچے ہے۔ اور اس کا حل یہ ہے کہ اس کنوئیں کا پانی نکلوایا جائے پھر اُس پتھر کو اُلٹا کیا جائے تو اس کے نیچے ایک تھیلی ہے جس میں پتلا ہے جس پر گیارہ گرہیں لگی ہیں اسے جلا دیا جائے تو آپ صحت یاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایک جماعت وہاں بھیجی جن میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بھی تھے، کنوئیں کا پانی نکالا گیا جو مہندی رنگ کا ہو گیا تھا پھر وہ پتھر اُلٹایا گیا تو وہ تھیلی نکل آئی جس میں سے پتلا برآمد ہوا اس پر گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ تب حضور ﷺ پر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ نازل ہوئیں اور آپ نے انہیں پڑھا، جیسے جیسے حضور ﷺ انہیں پڑھتے گئے گرہیں کھلتی گئیں۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۸۸ بروایت ابن مردویہ)

کیا نبی پہ جادو ہو جاتا ہے اور وہ کیسا ہوتا ہے؟

یاد رہے حضور ﷺ پر جادو کا اثر ہونا ایک طبعی امر ہے جیسے آپ پر سنگ باری کی گئی تو آپ کا خون مبارک بہا، یونہی آپ پر جادو نے اثر کیا اور وہ اثر دنیوی معاملات میں تھا۔ آیات کی تلاوت یا احکام کی تبلیغ میں کوئی خلل نہیں آیا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس، انس بن مالک اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم و دیگر صحابہ نے حضور ﷺ پر جادو کا اثر کرنا روایت

کیا ہے۔ اور یہی جمہور اجلہ مفسرین کرام کی رائے ہے۔ جیسے امام فخر الدین رازی، امام قرطبی، امام خازن، امام بغوی، امام ابن کثیر وغیرہم کے اقوال ہیں۔ اور یہ اثر حضور ﷺ پر بہت عرصہ نہ رہا چند ساعات یا چند ایام کے لئے تھا اور جس روایت میں ہے کہ آپ پر چھ ماہ تک جادو کا اثر رہا وہ صحیح نہیں ہے۔ اور نبی پر جادو کا اثر ہو جانا اور اسے دنیوی امور میں ایسا خیال آنا جو واقعہ کے خلاف ہو یعنی بھول جانا، منصب نبوت کے منافی نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادوگران مصر نے جب اپنا جادو رکھا تو قرآن فرماتا ہے: فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿۶۶﴾ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ﴿۶۷﴾ یعنی ''موسیٰ (علیہ السلام) کو ان کے جادو سے یوں خیال ہوا جیسے ان کی لاٹھیاں اور رسیاں دوڑ رہی ہیں تو آپ کو اپنے دل میں کچھ خوف محسوس ہوا۔''

(سورہ طٰہٰ آیت ۶۶)

گویا قرآن کی نص صریح کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام پہ جادو نے یہ اثر کیا کہ رسیاں اور لکڑیاں آپ کو سانپ دکھائی دینے لگے اور یہ تھوڑی دیر کے لیے تھا۔

معلوم ہوا کہ اگر یہ کہا جائے کہ جادو کسی نبی پر مطلقاً کوئی اثر نہیں کر سکتا تو یہ قرآن کریم کی نص صریح کی مخالفت ہے اور یہ دعویٰ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نبی اکرم ﷺ پر یہود کے جادو کرنے اور آپ کے خیال مبارک پر کچھ وقت کے لئے جادو کا اثر طاری ہونے کو بخاری شریف میں پانچ جگہ روایت کیا ہے کتاب الجزیہ، کتاب بدأ الخلق، کتاب الطب، کتاب الادب اور کتاب الدعوات میں اور امام مسلم نے ایک جگہ کتاب السلام میں۔ تو متفق علیہ حدیث کے مشمولات کو ماننے بغیر چارہ نہیں ہے اور اس سے حضور سید عالم ﷺ کے منصب نبوت پہ کوئی اعترض نہیں ہے۔

مشہور محقق مفسرِ معاصر شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی نے اس جگہ اپنی تفسیر میں اس بات سے شدت کے ساتھ انکار کیا ہے، یعنی وہ اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پہ جادو کیا جا سکتا ہے، ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ اگر نبی پہ جادو کیا جا سکتا ہو تو کیسے یقین ہوگا کہ نبی جو کہہ رہا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے یا جادو کے اثر سے کہہ رہا ہے؟ مگر یہ استدلال بہت کمزور ہے، کیونکہ جادو سے نبی پہ اترنے والی وحی یا احکام کی تبلیغ میں کوئی خلل نہیں آ سکتا، صرف جسمانی ضرر ہو سکتا ہے کہ سر درد ہو، یا دنیوی معاملات میں سے کسی معاملہ میں ذہول یا نسیان طاری ہو۔ اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کفار نے رسول اللہ ﷺ کو جادو زدہ قرار دیا تھا، انہوں نے کہا: اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ ''تم تو بس ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔'' (اسراء، ۴۷) اگر آپ پہ جادو اثر ہو سکتا ہو تو کفار کا یہ طعن صحیح ثابت ہوگا، مگر یہ استدلال پہلے سے بھی کمزور تر ہے، کیونکہ کفار رسول اللہ ﷺ پہ نازل ہونے والی وحی کو جادو کا اثر کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ''اور جب ان کے پاس حق آ گیا تو

انہوں نے کہا: یہ تو بس جادو ہے اور ہم اس سے انکار کرتے ہیں۔'' (زخرف، ۳۰)

تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیدیا کہ کیا قرآن ان کو جادو منتر نظر آتا ہے؟ قرآن تو حکمت سے بھرپور کتاب ہے، لہذا کفار کے اس طعن کا ہماری گفتگو سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ جادو رسول کی وحی میں خلل نہیں لاسکتا۔ پھر کفار کا حضور سید المرسلین ﷺ کو مسحور کہنا اس معنیٰ میں تھا کہ معاذ اللہ سحر نے آپ کی عقل زائل کردی ہے اور آپ مجنون ہیں۔ حالانکہ جادو نے صرف آپ کے ظاہری حواس پہ چند دن اثر کیا تھا نہ کہ عقل پہ۔ علامہ سعیدی صاحب یہ دلیل بھی لاتے ہیں کہ قرآن فرماتا ہے: وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ﴿٦٩﴾ ''جادوگر کامیاب نہیں ہوتا جہاں بھی آئے۔'' (طٰہٰ، ٦٩) مگر یہ ان کی سب سے کمزور دلیل ہے اور یہ آیت واجب التأویل ہے، کیونکہ اس کے ظاہری معنیٰ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جادوگر کا جادو کہیں اثر کر ہی نہیں سکتا۔ حالانکہ یہ بات خود سعیدی صاحب سمیت کسی کو بھی مسلّم نہیں ہے، ضرور اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی جادوگر جادو کے زور سے نبی کی نبوت اور اس کی وحی کو جھٹلا نہیں سکتا، یعنی جھوٹ حق پہ غالب نہیں آسکتا۔ کیونکہ یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے مقابلہ میں کہی تھی یعنی اگر جادوگر نبی کے مقابلہ میں میدان میں آئے تو کامیاب نہیں ہوسکتا، جلد اس کے طلسم باطل کی قلعی کھل جاتی ہے۔ رہا جادو کے ذریعہ پیغمبر کو تھوڑی دیر کے لیے جسمانی نقصان کا پہنچنا تو الگ بات ہے۔

پھر حیرتناک بات یہ ہے کہ خود سعیدی صاحب قبلہ نے سورہ بقرہ آیت 102 کی تفسیر میں بڑے شدومد سے لکھا ہے کہ پیغمبر پہ جادو کا جسمانی طور پہ وقتی اثر ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اسی طرح جمہور مسلمین کا اس پہ اتفاق ہے کہ سورہ فلق اس وقت نازل ہوئی جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے رسول اللہ ﷺ پر سحر کیا تھا جس کے نتیجہ میں آپ تین دن تک بیمار رہے تھے۔'' آگے انہوں نے بخاری کی ساری حدیث نقل کی ہے۔ پھر چند سطور آگے چل کر لکھتے ہیں:

''کفار نے یہ کہا کہ آپ پہ جادو کیا ہوا ہے تو اللہ نے اسے کفار کی گمراہی قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پہ جادو کا اثر نہیں ہوسکتا۔ اور بخاری کی صحیح حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ پہ جادو کا اثر ہوا، اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کی یہ مراد تھی کہ جادو کے اثر سے آپ کی عقل زائل ہوگئی ہے اور آپ کا دعویٰ نبوت کرنا اور وحی الٰہی کو بیان کرنا اسی جادو کے اثر سے ہے۔ اور حدیث میں جادو کے جس اثر کا بیان ہے اس کا اثر آپ کی عقل پہ نہیں تھا، بلکہ آپ کے حواس پہ تھا۔ آپ نے کوئی کام نہیں کیا ہوتا تھا اور آپ خیال کرتے تھے کہ آپ نے وہ کام کرلیا ہے۔ اور جس طرح آپ پہ بیماری کا طاری ہونا آپ کا سواری سے گرنا جسم سے خون کا نکلنا عوارض بشریہ سے تھا اور نبوت کے منافی نہیں تھا اسی طرح آپ ﷺ پر جادو کا اثر ہونا عوارض بشریہ سے تھا اور یہ آپ کی نبوت کے منافی نہیں ہے اور اس میں حکمت یہ تھی کہ سحر زدگی کے لیے بھی آپ کی زندگی میں نمونہ ہو۔'' (تبیان القرآن جلد اول صفحہ ۴۸۷)

جادو برحق ہے

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے ذریعے حضور سید عالم ﷺ سے جادو کا اثر ختم کیا جانا بتاتا ہے کہ جادو برحق ہے یہ محض وہم نہیں ہے جیسے بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ حضور ﷺ پر جادو کا اثر ہونا بتاتا ہے کہ جادو سے کسی کو بیمار کیا جا سکتا اور اس کے ذہن پر وقتی اثر ڈالا جا سکتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ جادوگر لوگ اپنے جادو سے میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دیتے ہیں: مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ (بقرہ، ۱۰۲) اور جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر ایسا اثر کیا کہ انہیں رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتے ہوئے سانپ نظر آئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ ''ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے موسیٰ (علیہ السلام) کو یوں لگیں جیسے وہ (سانپوں کی طرح) دوڑ رہی ہیں۔'' (طٰہٰ، ۶۶) گویا جادو سے نظر بندی بھی کی جا سکتی ہے۔ یاد رہے جادو کرنا حرام ہے اور اس کی شرعی سزا قاضی پر موقوف ہے جو چاہے دے سکتا ہے۔

جادو کے توڑ میں قرآنی تعویذ اور دم جائز ہے

نبی اکرم ﷺ نے سورہ فلق اور سورۂ ناس پڑھیں تو جادو کا اثر ختم ہو گیا۔ اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ اپنے ہاتھوں میں یہ دونوں سورتیں پھونک کر ہاتھوں کو اپنے جسم پر پھیر لیتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن حدیث باب فضل المعوذتین حدیث ۵۰۱۶)

اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دم کرتے ہوئے پھونک مارتے تھے۔

(ابن ماجہ کتاب الطب باب ۳۶ حدیث ۳۵۲۸)

البتہ حدیث میں جس تعویذ اور دم سے روکا گیا ہے اس سے شرکیہ تعویذ مراد ہے جیسے مشرکین بتوں کے نام پڑھ کر پھونکتے اور ان کے نام اپنے گلوں میں ڈالتے تھے۔

حسد کی مذمت

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ سے حسد کی برائی معلوم ہوئی، حسد گناہوں کی جڑ ہے آسمان میں پہلا گناہ حسد ہوا کہ شیطان نے حسد میں جل کر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔ اور زمین میں بھی پہلا گناہ حسد ہوا کہ قابیل نے حسد میں اپنے سگے بھائی کو قتل کر دیا۔ گویا سب گناہ حسد سے شروع ہوئے اللہ محفوظ فرمائے۔

الحمد للہ آج 20 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 20 دسمبر 2008ء بروز ہفتہ بعد نماز عشاء مدینہ طیبہ میں سورہ فلق کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ وصحبہٖ وسلم اجمعین۔

سورۃ الناس

یہ ترتیب تلاوت میں قرآن کریم کی 114ویں اور سب سے آخری سورت ہے۔ اور ترتیب نزول میں 20ویں سورت ہے۔ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس اکٹھی نازل ہوئیں۔ ان دونوں کو معوذتین کہا جاتا ہے اسے سورۃ الناس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی چھ آیات ہیں اور وہ سب لفظ النٰاس پر ختم ہوتی ہیں۔ ان دونوں سورتوں کے فضائل ہم ابھی پیچھے سورۃ الفلق کے تعارف میں لکھ آئے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مضامین

اور ان دونوں میں وجہ مناسبت یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں شیطانی قوتوں سے پناہ مانگی گئی ہے، سورۃ الفلق میں سحر کرنے والوں اور جادو منتر کی پھونکیں مارنے والوں کے شر سے تعوذ کیا گیا ہے اور سورۃ الناس میں وسوسہ ڈالنے والے شیاطین کے شر سے بچنے کی دعا سکھائی گئی ہے۔ اور ان دونوں کا قرآن کے آخر میں رکھا جانا بتاتا ہے کہ بندے کا آخری سہارا اللہ کے ہاں دستِ دعاء کا پھیلانا اور اس کی پناہ مانگنا ہے۔ قرآن مجید کا آغاز سورہ فاتحہ سے ہے جو مکمل دعاء ہے اور قرآنِ مجید کا اختتام معوذتین پہ ہے جو دونوں دعاء ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب محمد طیب غفرلہ

آیاتھا ۶ ۱۱۴ سُورَۃُ النَّاسِ مَکِّیَّۃٌ ۲۱ رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ

اے نبی اکرم (ﷺ) آپ فرمادیں کہ میں سب لوگوں کے رب، سب لوگوں کے بادشاہ اور سب لوگوں کے معبود کی پناہ مانگتا ہوں

الْوَسْوَاسِ ۵ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ

وسوسہ ڈالنے اور چھپ جانے والے (شیطان) کی شر سے، جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے [1] وہ جنوں

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

اور انسانوں میں سے ہے [2]

شیطانی وسوسوں سے بچنے کی دعا

[1] گزشتہ سورت کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر یہود کی طرف سے جادو کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو معوذتین کے پڑھنے کا حکم فرمایا اور ان کی تلاوت سے آپ ﷺ پر جادو کا اثر ختم ہو گیا۔ چنانچہ اس سورت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے پیارے نبی ﷺ! آپ کہیے کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو سب انسانوں کا رب، ان کا بادشاہ اور ان کا معبود ہے، ہر اس شیطان کے اثرات سے پناہ مانگتا ہوں جو لوگوں کے سینوں یعنی ان کے دلوں میں برائی کے وسوسے ڈالتا ہے اور چھپ جاتا ہے اَلْخَنَّاسِ خنس یخنس سے ہے جس کا معنی چھپنا یا پیچھے ہٹ جانا ہے۔ جیسے حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ مجھے راستہ میں ملے فاختنستُ تو میں آپ سے چھپ گیا۔ تو اس شیطان کو بھی (جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے پھر جب بندہ ذکر الٰہی کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ شیطان بندے سے پیچھے ہٹ جاتا ہے پھر جب بندہ ذکر الٰہی سے غافل ہوتا ہے تو وہ پھر اس کے دل میں وسوسے ڈالنے اور اسے اللہ سے دور کرنے کے لئے آ جاتا ہے) خناس کہا جاتا ہے، یعنی بار بار چھپ کر حملہ آور ہونے والا۔

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہر آدمی کے دل میں دو گھر (دو مقامات) ہیں ایک میں فرشتہ ہوتا ہے اور دوسرے میں شیطان۔ جب بندہ اللہ کا ذکر کرے (یعنی اس کی یاد اور اطاعت میں مگن ہو) تو شیطان چھپ جاتا ہے اور جب وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو تو شیطان اپنی (خنزیر جیسی) تھوتھنی اس کے دل میں اُتار دیتا ہے اور اس کے لئے وسوسہ پیدا کرتا ہے۔'' (مظہری بروایت مسند ابی یعلیٰ جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۰)

حکایت ہے کہ کسی ولی اللہ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ شیطان آدمی کے دل میں کیسے وسوسہ ڈالتا ہے وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اسے دکھایا کہ ایک انسانی صورت ہے جسکے دونوں کندھوں کے درمیان پشت پہ کالے تل کا نشان ہے تو خناس نامی شیطان آیا اور اسے چاروں طرف سے دیکھا بھالا، اس کی شکل خنزیر جیسی تھی اس نے اپنی تھوتھنی کو اس تل کے نشان پر رکھا اور اس کے دل تک اندر اتار دیا اور اس میں وسوسہ ڈالنے لگا، پھر جب اس انسان نے اللہ کا ذکر شروع کیا تو شیطان پیچھے ہٹ گیا۔ (روح البیان)

تو اسی لئے اسے خناس کہتے ہیں کہ جب بندے کے دل میں ذکر الٰہی کا نور اترے تو خناس شیطان پیچھے ہو جاتا اور چھپ جاتا ہے۔ اس لئے یہی سر الٰہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت رکھی گئی تا کہ شیطان آپ پر حملہ کر کے وسوسہ اندازی نہ کر سکے۔

یہاں لفظ الناس کو پانچ بار لایا گیا اور ہر بار اس میں انسان کی کسی خاص جہت کی طرف اشارہ ہے تو سب سے قبل بِرَبِّ النَّاسِ کہا گیا اس میں الناس سے بچے مراد ہیں اور ان کے لئے ربوبیت کا مفہوم زیادہ مناسب ہے۔ پھر مَلِكِ النَّاسِ میں الناس سے نوجوانان مراد ہیں اور مَلِكِ کا لفظ ان کے لئے ہی مناسب تر ہے کیونکہ کسی بادشاہ کی سیاست نوجوانوں سے کامیاب ہو سکتی ہے۔ پھر اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ میں بوڑھوں کی طرف اشارہ مراد ہے کیونکہ اِلٰهِ کا معنی مستحق عبادت ہے اور بڑھاپے میں اللہ کی عبادت کی طرف میلان زیادہ بڑھ جاتا ہے، پھر يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ میں الناس سے صالحین مراد ہیں کیونکہ شیطان ان کا دشمن اور ان پر وسوسے ڈالنے میں بہت حریص ہے اور مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶ میں مفسدین یعنی فساد بپا کرنے والے مراد ہیں۔

[2] یعنی دلوں میں، وسوسے ڈالنے والے شیاطین کے بارے میں کہا گیا کہ وہ جنات میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو گمراہ کن عقائد و نظریات کا پرچار کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں باطل خیالات کا وسوسہ ڈالتے ہیں وہ ایسے شیاطین ہیں جو انسانوں کو برائی کے راستہ پر ڈال کر انہیں اللہ سے دور اور جہنم سے قریب کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن بنائے جو جنات اور انسانوں میں سے شیاطین ہیں ایک

دوسرے کی طرف (جھوٹی) آراستہ باتیں ڈالتے ہیں۔ (الانعام آیت، ۱۱۲)

یاد رہے گزشتہ سورۃ یعنی سورۃ الفلق میں جسمانی ضرر یعنی جادو سے اللہ کی پناہ مانگی گئی جو جان کو تباہ کرتا ہے اور سورۃ الناس میں شیطانی وسوسے سے پناہ مانگی گئی ہے جس کا تعلق دل سے ہے اور جو بندے کے ایمان کو تباہ کرتا ہے۔ اور چونکہ ایمان کا ضرر جسم کے ضرر سے کہیں تباہ کن ہے اس لئے سورۃ الفلق میں اللہ کو صرف ایک صفت سے یاد کیا گیا اور کہا گیا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورۃ الناس میں اللہ کو تین صفات سے یاد کیا گیا (بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾) اور شیطانی وساوس سے اس کی پناہ مانگی گئی تاکہ اس کی رحمت ہماری طرف زیادہ متوجہ ہو اور اللہ ہمارے دین و ایمان کو شیطانی وسوسوں اور باطل عقائد و نظریات سے محفوظ رکھے۔

اور اللہ تعالیٰ کو یہاں تین صفات سے یاد کیا گیا۔ رب، بادشاہ اور الٰہ اور ان تینوں میں یہ ترتیب بھی ایک گہری حکمت پہ مبنی ہے، وہ یہ کہ بندہ جب دیکھتا ہے کہ اسے ان گنت ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا گیا ہے تو وہ یقین کرتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو اس کو نعمتوں سے نوازتا ہے اور اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کی پناہ حاصل کرے تو وہ اسے رب کہہ کر یاد کرتا ہے اور رب الناس پکارتا ہے۔

پھر وہ دیکھتا ہے کہ اس کا رب اس کے تمام امور میں تصرف کرتا ہے اور وہ اپنے ہر کام میں اپنے رب کا محتاج ہے اور رب اس کا محتاج نہیں تو وہ جان جاتا ہے کہ اس کا رب ایسا قادر و متصرف بادشاہ ہے جیسا کوئی بادشاہ نہیں تو وہ اسے بادشاہ کہہ کر پکارتا ہے اور اسے ملك الناس سے یاد کرتا ہے۔

پھر یہیں سے اسے یہ یقین آتا ہے کہ جب اس کا رب اسے ہر نعمت عطا فرماتا ہے اور اس کی ہر مشکل کا دور کرنے والا ہے تو اسے اپنے رب کی اطاعت و عبادت میں لگے رہنا چاہیے اور وہی اس کی عبادت کا مستحق ہے تب وہ اسے الٰہ یعنی معبود کہہ کر پکارتا ہے۔ اس لئے یہاں اللہ کو پہلے رب، پھر ملک پھر الٰہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ تو اللہ جل و علا کے کلام میں بہت گہرائی ہے، جس تک پہنچنا ہمارے بس کی بات نہیں، بس جو کچھ ہماری سمجھ میں آسکا ہم نے کہہ دیا، اللہ قبول فرمائے۔

سبحان اللہ، اللہ کے کلام کا آغاز سورہ فاتحہ سے ہوا جو ایک کامل دعاء ہے اور اس کا اختتام ان دو معوذ تین سورتوں پہ ہوا جو اپنی جگہ کامل دعائیں ہیں۔ گویا قرآن کا آغاز بھی دعاء سے ہوا اور اختتام بھی دعاء پر کیا گیا، کیونکہ بقول حدیث دعاء مغز عبادت ہے، دعاء عجز و انکسار اور تضرع و ابتہال کا نام ہے۔ اور بندہ جس قدر اللہ کے حضور گڑگڑاتا ہے اسی قدر اُس پہ اللہ کی رحمتیں برستی ہیں۔

تو بندے کو چاہیے کہ تلاوت قرآن کا آغاز بھی عجز و انکسار کے ساتھ کرے اور اختتام بھی عجز و انکسار کے ساتھ، کہ اسی میں بندے کی کامیابی و کامرانی ہے، اللہ ہمیں اپنے عاجز و منکسر بندے بنائے۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سید المرسلین وشفیع المذنبین سیدنا ومولانا محمد

وعلی آلہ الطیبین و اصحابہ الطاہرین وامتہ اجمعین۔

اختتامی کلمات

الحمدللہ آج 23 ذی الحجہ 1429ھ بمطابق 21 دسمبر 2008ء بروز اتوار بعد نماز فجر اشراق کے وقت میں مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی شریف کے اندر روضۂ رسول ﷺ سے چند گز کے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے میں اس تفسیر برہان القرآن کے یہ اختتامی کلمات لکھ رہا ہوں اور میرا سر اللہ کے حضور جذبۂ تشکر و امتنان سے جھکا ہوا ہے کہ اس نے مجھ ایسے گناہگار انسان سے تفسیر قرآن کریم کا یہ عظیم کام لیا۔ اور میں نے مکۃ المکرمہ میں حرم کعبۃ اللہ میں بیٹھ کر بتاریخ 8 رمضان المبارک 1427ھ مطابق یکم اکتوبر 2006ء بروز اتوار تفسیر قرآن کا جو سفر شروع کیا تھا آج دو سال اور چار ماہ میں اس سفر کا اختتام ہوا ہے، میں نے اس سے قبل قریباً آٹھ برس کی مدت میں قرآن کریم کا ایک مفصل تفسیری مسودہ لکھا تھا اور اس کا نام ''بینات القرآن'' رکھا تھا اور اس کی پہلی دو جلدیں چھپی بھی تھیں جو پہلے چار پاروں پہ مشتمل تھیں۔

مگر میں نے بعد میں محسوس کیا کہ اس قدر لمبی تفسیر کے پڑھنے کے لئے لوگوں کے پاس آج وقت نہیں ہے اور اتنی طویل تفسیر کی طباعت واشاعت بھی بہت مشکل کام ہے اور لوگوں کی قوت خرید اس کی متحمل نہیں ہے۔ تو میں نے برہان القرآن کے نام سے یہ مختصر تفسیر لکھنا شروع کی اور اسی مفصل مسودہ کا خلاصہ برہان القرآن کے نام سے تیار کیا اور آج الحمدللہ یہ کام اللہ کی توفیق اور اس کے محبوب پاک ﷺ کی توجہ کرم کے صدقے انجام پذیر ہوا۔ اللہ اسے قبول عام عطا فرمائے اور لوگوں کے لئے وجہ استفادہ اور میرے لئے وجہ بخشش ومغفرت بنائے اور اللہ میرے والدین، اعزہ، اساتذہ، احباب اور تمام قارئین اور تمام اہل ایمان کی بخشش فرمائے۔ آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔